

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیرِ سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیرِ نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول فی البیع الباطل

(بیعِ باطل کا بیان)

الفصل الثانی فی البیع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

الفصل الثالث فی البیع المکروہ

(بیعِ مکروہ کا بیان)

باب حطّ الثمن وزیادته نقداً ونسیئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

فصلٌ فی سُلفة الثّمن فی البیع

(بیعانہ کا بیان)

باب المتفرقات

باب بيع الحقوق المجرّدة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

فصلٌ فی بیع الاستجرار

(بیعِ استجرار کا بیان)

فصلٌ فی بیع الفضولی

(بیعِ فضولی کا بیان)

باب المرابحة والسَّلَم

الفصل الأول فی المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

الفصل الثانی فی السَّلَم

(بیع سَلَم کا بیان)

فصلٌ فی الاحتکار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

باب الربوا

(سود کا بیان)

فصل فی مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

فصلٌ فی مایتعلق بالتأمین علی الحیاۃ

(بیمۂ زندگی کا بیان)

فصل فی مایتعلق بصندوق الادّخار

(پراویڈنٹ فنڈ کا بیان)

فصلٌ فی المتفرقات

باب القرض

(قرض کا بیان)

باب القمار

(جوئے کا بیان)

کتاب الوکالة

(وکالت کا بیان)

کتاب الدعوی والتحکیم

باب الدعوی

(دعویٰ کا بیان)

باب التحکیم

(حکم مقرر کرنے کا بیان)

کتاب الهبة

(ہبہ کا بیان)

کتاب الضمان والودیعة

بابٌ فی الضمان

(ضمان کا بیان)

بابٌ فی الودیعة

(امانت کا بیان)

فصلٌ فی الضمان بهلاک الودیعة

(امانت کے ضائع ہونے پر ضمان کا بیان)

کتاب الإجارة

باب الإجارة الصحیحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

بابٌ فی فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

☆......☆......☆

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیعِ صحیح کا بیان)

خچر کی بیع

سوال[۷۷۲۸]: خچروں کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ویجوز بیع جمیع الحیوانات سوی الخنزیر، وهو المختار". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۱۴/۳، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الرابع فی بیع الحیوانات، رشیدیه)

"ویصح بیع الکلب والفهد وسائر السباع، عُلّمت) الکلب والفهد والسباع (أولا)". (مجمع الأنهر: ۱۵۱/۳، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریه کوئٹة)

"ویصح بیع الکلب والسباع وسائر أنواعها".(الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲۲۶/۳، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۵۳۰/۴، کتاب البیوع، باب المتفرقات، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲۸٦/٦، کتاب البیع، باب المتفرقات، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة:۱۰۳/۳، کتاب البیوع، مسائل منثورة، مکتبه شرکت عامیه ملتان)

کتے کی بیع

سوال[۷۷۲۹]: مسلمان کے لئے کتے کی بیع جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتا نجس العین ہے، خنزیر کی طرح اس کی بیع ناجائز ہے(۱)۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل نہیں (۲)۔ شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے، کتے کے ذریعہ شکار کی اجازت قرآن کریم میں ہے:

﴿وماعلّمتم من الجوارح مكلّبين تعلّمونهن مما علمكم الله، فكلوا مما أمسكن عليكم﴾(۳)۔

نیز کھیت اورجانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت ہے، حدیث شریف میں مذکور ہے(۴)، جب کتا پالنااورنفع اس سے اٹھانا اوراس کوتعلیم دینااوراس کے ذریعہ حاصل شدہ شکار کھانا نصوصِ قرآن وحدیث سے ثابت ہے تو پھر اس کی بیع کامسئلہ خود بخود ثابت ہوجاتاہے۔ اورکتبِ فقہ:

---

(۱) "فأما الشافعي رحمه الله تعالىٰ فعمدته شيئان: أحدهما: ثبوت النهي الوارد عن ثمن الكلب عن النبي صلى الله عليه وسلم. والثاني: أن الكلب عنده نجس العين كالخنزير". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد: ۴/۴۸۴-۴۸۶، من نهي بيع الكلب، دارالكتب العلمية بيروت)

"فقال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: "لايجوز بيع الكلب أصلاً". (بداية المجتهد، المصدر السابق: ۴/۴۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وليس الكلب نجس العين، ألاترى أنه ينتفع به حراسةً واصطياداً بخلاف الخنزير". (الهداية: ۱/۴۰، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالايجوز، شركت علميه ملتان)

(۳) (سورة المائدة: ۴)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "من أمسك كلباً، فإنه ينقص كل يوم من عمله قيراط، إلا كلب حرث أوماشية". وقال ابن سرين وأبو صالح: عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: "إلا كلب غنم أو حرث أو صيد". (صحيح البخاري: ۱/۳۱۲، باب اقتناء الكلب للحرث، قديمي)

البحر الرائق(۱)، درمختار(۲) میں اس کی بیع کو درست لکھا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۸۹ھ۔

کتے کی تجارت

سوال[۷۷۳۰]: مسلمان کے لئے کتے کی بیع جائز ہے کہ نہیں؟ ایک شخص کتا پالتا ہے، یا کتے کے بچے کو بھی فروخت کرتا ہے، کتے کے بچے کے بدلے میں بکری کا بچہ لیتا ہے اور پھر اس بکری کے بچے کو پال کر بیچتا ہے، یا اس بچے سے اس کے بکریوں کی نسلیں بڑھتی ہیں، اس میں سے بیچتا ہے اور قربانیاں بھی کرتا ہے اور خیرات بھی دیتا ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض جگہوں سے معلوم ہوا کہ کتے کی بیع وشراء حرام ہے۔ حرام کس کے نزدیک ہے اور حرام کی علت کیا ہے؟ اور اگر حلال ہے تو احناف کی دلیل تحریر فرمائیں۔ کیا عام طریقہ سے کتوں کی تجارت کا رواج پیدا کرنا جائز ہے؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتا نجس العین ہے خنزیر کی طرح(۳)، اس کی بیع ناجائز ہے(۴)۔

---

(۱) "وصح بيع الكلب والفهد والسباع والطيور". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب المتفرقات: ۲۸۶/۶، رشيديه)

(۲) "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع". (الدر المختار: ۲۲۶/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم: ۵۳۱/۱، كتاب البيوع، باب تحريم ثمن الكلب، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۵۱/۳، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۴۲۴/۱۴، كتاب البيوع، باب جواز بيع الكلب، ادارة القرآن كراچی)

(۳) "فأما الشافعي رحمه الله تعالىٰ فعمدته شيئا: أحدهما: ثبوت النهي الوارد عن ثمن الكلب عن النبي صلى الله عليه وسلم. والثاني: أن الكلب عنده نجس العين كالخنزير". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد: ۴۸۴/۴-۴۸۶، من نهى بيع الكلب، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) "فقال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: لايجوز بيع الكلب أصلاً". (بداية المجتهد، المصدر السابق: ۴۸۳/۴، كتاب البيوع، مااختلفوا في بيعه وإن لم يكن نجس العين، دارالكتب العلميه بيروت)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے(۱)، کتے کے ذریعہ شکار کی اجازت قرآن کریم میں ہے:

﴿وما علّمتم من الجوارح مكلّبين تعلّمونهن مما علّمكم الله، فكلوا مما أمسكن عليكم﴾ الآية(۲)۔

نیز کھیت اور جانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت حدیث شریف میں مذکور ہے(۳)۔

کتا پالنا اور اس سے نفع اٹھانا اور اس کو تعلیم دینا اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ شکار کھانا نصوصِ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ تو پھر اس کی بیع کا مسئلہ خود بخود ثابت ہوجاتا ہے۔ اور کتب فقہ: ردالمحتار(۴) اور البحرالرائق، وغیرہ میں اس کی بیع کو درست لکھا ہے(۵)۔

---

(۱) "وليس الكلب نجس العين، ألاترى أنه ينتفع حراسةً واصطياداً بخلاف الخنزير". (الهداية: ۱/۴۰، كتاب الطهارة، باب الماء الذى يجوز به الطهارة ومالايجوز، مكتبه شركت علميه بيروت)

"واعلم أنه ليس الكلب بنجس العين عند الإمام، وعليه الفتوى". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۲۰۸، كتاب الطهارة، باب المياه، سعيد)

(۲) (سورة المائدة: ۴)

(۳) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أمسك كلباً، فإنه يُنقص كل يوم من عمله قيراطٌ، إلا كلب حرث أوماشية". وقال ابن سيرين وأبو صالح: عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه: "إلاكلب غنم أو حرث أو صيد". (صحيح البخارى: ۱/۳۱۲، باب اقتناء الكلب للحرث، قديمى)

(۴) "وصح بيع الكلب والفهد والقرد والسباع". (ردالمحتار: ۵/۲۲۶، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(۵) "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع ". (البحر الرائق: ۶/۲۸۶، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيديه)

(وكذا فى تكملة فتح الملهم: ۱/۵۳۱، كتاب البيوع، باب تحريم ثمن الكلب، دارالعلوم كراچى)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۱۵۱، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى إعلاء السنن: ۱۴/۲۲۴، كتاب البيوع، باب جواز بيع الكلب، إدارة القران كراچى)

بیع خواہ نقد کے عوض میں ہو یا کسی اَور شی بکری وغیرہ کے عوض میں ہو، اس کی قیمت (نقد) کو جس طرح کام میں لانا درست ہے اسی طرح اس کو بکری کے عوض فروخت کیا ہو تو اس بکری کو اس کی نسل کو سب کو کام میں لانا درست ہے، جیسا کہ زیلعی میں تصریح ہے(۱):

"عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه أن رسو ل الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن السنّور والكلب، إلا كلب صيد". نسائی شریف:۲/۲۳۰(۲)، وجمع الفوائد :۱/۶۳۸(۳)۔ والأعلام بأحاديث الأحكام، ص: ۳۱۴(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کتے کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۳۱]: کتے کی تجارت جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض شوق کے طور پر بلاضرورت حفاظت وشکار وغیرہ کتا پالنا منع ہے اور بضرورت جائز ہے(۵)

---

(۱) "أن الشرع أباح الانتفاع به حراسة واصطياداً فكذا بيعاً، ولأنه يجوز تمليكه بغير عوض كالهبة والوصية، فكذا بعوض". (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۴/۵۳۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (سنن النسائی: ۲/۲۳۰، كتاب البيوع، باب بيع الكلب، قديمی)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب البيوع: ۲/۲۳۸، إدارة القرآن كراچی)

(۴) (لم أجده)

(۵) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "من اقتنى كلباً، فإنه يُنقص من عمله كل يوم قيراطٌ، إلا كلب حرث أو ماشية". عن سفيان بن أبي زبير، قا ل: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "من اقتنى كلباً، لايغني عنه زرعاً ولاضرعاً، نقص من عمله كل يوم قيراطٌ". فقيل له: أنت سمعت من النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: أي ورب هذا المسجد!". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۳۱، أبواب الصيد، باب النهي عن اقتناء الكلب، قديمی)

(وصحيح البخاری: ۱/۳۱۲، باب اقتناء الكلب للحرث، قديمی)

(والصحيح لمسلم: ۲/۲۰، كتاب المساقات والمزارعة، باب الأمر بقتل الكلاب وبيان نسخه وبيان =

اور کتے کی بیع بھی درست ہے(۱)۔

"(قولہ: نہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب) وھذا التحریم کان إذا أمر بقتل الکلاب وحرم الانتفاع بھا، فإذا استثنی کلب الماشیۃ والصید وغیرہ، جاز بیعہ، اھ". الکوکب الدری: ۱/ ۳۳۷(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/۵/۶۰ھ۔

حرام جانوروں کی بیع

سوال[۷۷۳۲]: بندر، بلی، چوہا وغیرہ جیسے حرام جانوروں کی تجارت کر کے روزی کمانا کیسا ہے؟

کریم اللہ فتح پور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ان حرام جانوروں کی کھال، ہڈی وغیرہ کار آمد ہوں، یا ان سے دوا بنائی جائے تو ان کی خرید فروخت کرنا جائز ہے:

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: "وصح بیع الکلب والفھد والفیل والقرد والسباع بسائر أنواعھا حتی الھرۃ، وکذا الطیور سوی الخنزیر –وھو المختار– للانتفاع بھا

= تحریم اقتناتہ، الخ، قدیمی)

(۱) "وصح بیع الکلب والفھد والفیل والقرد والسباع". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵/ ۲۲۶، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

"صح بیع الکلب والفھد والسباع والطیور، لمارواہ أبوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ أنہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی ثمن کلب الصید، ولأنہ مالٌ متقوَّمٌ آلۃ الاصطیاد، فصح بیعہ". (البحر الرائق: ۶/ ۲۸۶، کتاب البیع، باب المتفرقات، رشیدیہ)

(وکذا فی مجمع الأنھر: ۳/ ۱۵۱، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) (الکوکب الدری، أبواب النکاح، باب کراھیۃ مھر البغی: ۱/ ۳۳۷، المکتبۃ الیحیویہ سہارنپور)

وبجلد ها". درمختار، کتاب البیوع، باب المتفرقات(۱)۔

"ویجوز بیع جمیع الحیوانات سوی الخنزیر، وهو المختار". عالمگیری(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مینڈک، گوہ وغیرہ کی بیع اور کھانا

سوال[۷۷۳۳]: مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ، یا کیکڑہ وغیرہ احناف کے نزدیک کھانا، یا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں دیگر ائمہ ومجتہدین کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان جانوروں کا کھانا احناف کے نزدیک جائز نہیں (۳)۔ اگر یہ چیزیں کسی ضرورت میں مثلاً: دوا کے

---

(۱) (الدرالمختار: ۲۲۶/۵، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة: ۱۱۴/۳، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الرابع فی بیع الحیوانات، رشیدیه)

"ویصح بیع الکلب ولوجرداً أو عقوراً، والفهد والفیل والقرد وسائر السباع بسائر أنواعها حتی الهرة". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۱۵۱/۳، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریه کوئٹه)

"ویجوز بیع الکلب والفهد والسباع .... وجه روایة الجواز أنه یمکن الانتفاع بجلده، وهذا هو وجه روایة إطلاق بیع الکلب والسباع، فإنه مبنیّ علی أن کل مایمکن الانتفاع بجلده أو عظمه یجوز بیعه". (فتح القدیر: ۱۱۸/۷، کتاب البیوع، مسائل منثورة، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۳) "ویحرم أکل کل ذی ناب.......... والضب والیربوع وابن عرس والسلحفاة والحشرات". (ملتقی الأبحر). قال فی المجمع: "(قوله: والحشرات) کالفارة والوزغة وسام أبرص، والقنفذ والحیّة والضفدع". (مجمع الأنهر: ۱۶۰/۴، ۱۶۱، کتاب الذبائح، غفاریة کوئٹة)

"(ولا یؤکل من حیوان الماء) وهو الذی مثواه وعیشه فی الماء عندنا، لقوله تعالیٰ: ﴿ویحرّم علیهم الخبائث﴾ إلا السمک بأنواعه". (مجمع الأنهر، المصدر السابق: ۱۶۲/۴، غفاریه کوئٹه)

طور پر خارجی استعمال میں مفید ہوں، یا گوہ کی کھال کارآمد ہوتو ان زندہ جانوروں کی بیع وشراء شرعاً درست ہے(۱)۔ دیگر ائمہ کرام کے مذہب کی تحقیق ان کے محققین اہلِ فتویٰ سے کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۵/ ۹۲ھ۔

کانجی ہاؤس سے جانور خریدنا

سوال[۷۷۳۴]: کانجی ہاؤس وغیرہ میں جب جانور زیادہ دنوں تک رہ جاتے ہیں تو سرکار کی جانب سے اس کو فروخت کر دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جولوگ اس جانور کو خرید کرتے ہیں، کیا شرعاً ان کی ملک ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس جانور پر سرکار کو استیلاءً ملک حاصل ہوجاتی ہے تو اب خریدنے والا مالک سے ہی خریدتا ہے اور مالک سے خریدنے میں ثبوتِ ملک میں کوئی اشکال نہیں: "وإن غلبوا (أی أهل الحرب) على أموالنا

(۱) "الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر: ۳/۸۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"يجوز بيع الحيّات إذاكان ينتفع بها للأدوية، وماجاز الانتفاع بجلده أو عظمه: أى من حيوانات البحر أو غيرها. قال فى الحاوى: ولايجوز بيع الهوام كالحية والفارة والوزغة والضب والسلحفاة والقنفذ • كل مالاينتفع به، لابجلده، وبيع غير السمک من دواب البحر إن كان له ثمن كالسقنقور وجلود الخز ونحوها، يجوز". (ردالمحتار: ۵/۶۸، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"ويجوز بيع الحيّات إذاكان ينتفع بها فى الأدوية. وإن كان لاينتفع بها، لايجوز، والصحيح أنه يجوز بيع كل شئى ينتفع به. .... ويجوز بيع جميع الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۱۴، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع فى بيع الحيوانات، رشيديه)

"الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۵، باب البيع الفاسد، سعيد)

وأحرزوها بدارهم، ملكوها، الخ". درمختار (۱)۔

نیز حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے امداد الفتاوی میں ایسا ہی تحریر فرمایا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الجهاد: ۴/۱۶۰، باب استيلاء الكفار، سعيد)

(وكذا في كنز الدقائق مع البحر الرائق: ۵/۱۶۱، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۲/۴۴۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۲۲۵، كتاب السير، الباب الخامس في استيلاء الكفار، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۱۲۳، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) **الجواب**: "في الدر المختار: وإن غلبوا: أى أهل الحرب على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها".
اور عملۂ کانجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس اس استیلاء تملکاً سے وہ جانور ملک سرکار کی ہو جائے گا، لہٰذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے، اور جب یہ بیع صحیح سے ملک میں داخل ہو گیا قربانی بھی اس کی درست ہے، البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے، اس لئے بلاضرورت بدنام ہونا بالخصوص مقتدیٰ کے لئے زیب نہیں۔ اور کانجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں خود گھس گیا ہے، اس کا داخل کرنا تو بالکل جائز نہیں، کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے، اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کر دیا ہے اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے، اس مقدار تک اگر کانجی ہاؤس میں یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہے تو جائز ہے اور اس سے زائد بطور جرمانہ کے ناجائز ہے، کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے، اور حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے، كما صرحوا به في الدر المختار آخر باب جناية البهيمة:

"أدخل غنماً أو ثوراً أو فرساً أو حماراً في زرع أو كرم إن سائقاً ضمن ماأتلف، وإلالا. وقيل يضمن. وقال الشافعي مرجحاً للقول الثاني: أقول: ويظهر أرجحية هذا القول لموافقته لما مرّ أول الباب من أنه يضمن ماأحدثته الدابة مطلقاً إذا أدخلها في ملك غيره بلا إذنه لتعدية. وأما لو لم يدخلها، ففي الهداية: ولو أرسل بهيمة فأفسدت زرعاً على فورها، ضمن المرسل، وإن مالت يميناً أو شمالاً وله طريق الأخر، لايضمن لما مر، اهـ". (إمداد الفتاوىٰ، كتاب الذبائح والأضحية، حکم قربانی جانور خرید کردہ از نیلام کانجی ہاؤس وحکم ادخال جانور درآن: ۳/۵۴۱، دار العلوم كراچى)

(وكذا في إمداد الأحكام: ۳/۳۶۶، كتاب البيوع، کانجی ہاؤس وغیرہ میں جو جانور وغیرہ فروخت ہوتے ہیں، ان کا حکم، دار العلوم كراچى)

گوشت کی تجارت

سوال[۷۷۳۵]: کیا یہ تجارت شرعاً جائز ہے کہ ہر روز ایک دو یا دس یا پانچ گائے ذبح کر کے گوشت فروخت کرے؟ اس میں نفع زیادہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، لأنه متوارث من خير القرون شرعاً عرفاً من غير نكير(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲۸/۱۰/۶۱ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/شوال/۶۱ھ۔

ہڈی کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۳۶]: جو شخص ہڈیوں کی خرید وفروخت سوکھی اور گیلی دونوں کی کرتا ہے، ان کے یہاں کھانا کیسا ہے؟

محمد یوسف گنگوہی، امام مسجد قریشیان، گنگوہ، ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہڈی کی خرید وفروخت جائز ہے گیلی ہو یا سوکھی، اس کی آمدنی درست ہے، اس کا کھانا

---

(۱) "كل ماينتفع به فجائز بيعه والإجارة عليه". (القواعد الفقهية، ص: ۱۲۸، دار القلم دمشق)

"والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المختار: ۶۹/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۸۴/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"ويجوز لحم حيوان بلحم حيوانٍ غير جنسه متفاضلاً". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۵/۳، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۶۵/۴، كتاب البيوع، باب الربا، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية: ۸۶/۳، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

درست ہے(۱)، لیکن خنزیر کی ہڈی نہ ہو کہ اس کی خرید وفروخت جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

کرایہ پر لی ہوئی زمین میں تعمیر بنا کر مالکِ زمین سے زمین کو خریدنا

سوال[۷۷۳۷]: زید نے ایک زمیندار سے زمین سالانہ کرایہ پر لے کر اس پر مکان تعمیر کیا جس کو ۳۰/برس کا عرصہ گذرا۔اب زمیندار بوجہ ضروریات اپنی زمین کو فروخت کرنا چاہتا ہے علاوہ ملبہ کے۔لہٰذا اس کا ملبہ چھوڑتے ہوئے بیع جائز ہوگی یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) "وشعر الميتة وعظمها وصوفها وقرنها لابأس، بالانتفاع بها، وبيع ذلک كله جائز؛ لأنه لاحياة في هذه الأشياء، فلايحلها الموت، فلايتنجس". (المحيط البرهاني: ۳۰۲/۷، كتاب البيع في بيع المحرمات، غفاريه كوئٹه)

"ولابأس ببيع عظام الميتة وعصبها وصوفها وقرنها وشعرها ووَبرها، والانتفاع بذلک كله؛ لأنها طاهرة لايحلها الموت لعدم الحياة". (الهداية: ۵۵/۳، كتاب البيوع،باب البيع فاسد، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويباع عظمها، وينتفع به، وكذاعصبها وقرنها وصوفها وشعرها ووَبرها، وكذا عظم الفيل".

(ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۸۶/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۷۷/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

"وشعر الميتة وعظمها". (الدرالمختار). "قوله عليه السلام في شاة ميمونة: "إنماحرم أكلها". وفي راوية: "لحمها". فدل على أن ماعدا اللحم، لايحرم، فدخلت الأجزاء المذكورة".

(ردالمحتار: ۲۰۶/۱، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة، سعيد)

(۲) "لابأس ببيع عظام الفيل وغيره من الميتات، إلا عظم الآدمي والخنزير". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۱۵/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الخامس في بيع المحرمات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۷۸/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۷۱/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو اپنی زمین فروخت کرنے کا حق حاصل ہے(۱)، پھر خریدار اس کرایہ دار سے کہے کہ تم اپنا ملبہ یہاں سے ہٹا کر زمین خالی کردو، یا میرے ہاتھ فروخت کردو(۲)۔ بہتر یہ ہے کہ زمین فروخت کرنے سے پہلے کرایہ دار سے مالک خود ہی معاملہ کرلے، اس کے بعد فروخت کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "وتصح إجارة أرض للبناء والغرس .... فإن مضت المدة، قَلَعَهما وسلّمها فارغةً، لعدم نهايتهما، إلا أن يغرم له الموجر قيمته: أي البناء مقلوعاً ويتملكه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۳۰، کتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة ، سعید)

"وصح استيجار الأرض للبناء والغرس، وإذا انقضت المدة، لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغةً، إلا أن يعزم الموجر قيمة ذلک مقلوعاً برضی صاحبه". (مجمع الأنهر: ۳/۵۲۲، کتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومالا يجوز، غفاريه کوئٹه)

"وصح أيضاً للبناء والغرس وسائر الانتفاعات، كطبخ آجر وحذف ومقيلاً ومراحا، حتى تلزم الأجرة بالتسليم .... وإذا انقضت المدة، لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغةً من البناء والغرس، لعدم نهايتهما، إلا أن يغرم المؤجر للمستأجر قيمة ذلک مقلوعاً، لكن برضى صاحبه". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۵۲۲، کتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة مالايجوز، غفاريه کوئٹه)

لیکن خریدار کو مدتِ اجارہ پوری ہونے سے زمین خالی کرانے کا حق نہیں ہے:

"لو باع الأجر المأجور بدون إذن المستاجر، كان البيع نافذاً بين البائع والمشترى وإن لم يكن نافذاً بحق المستاجر، حتى أنه بعد انقضاء مدة الإجارة يلزم البيع فی حق المستاجر، وليس له الامتناع عن أخذ المبيع، إلا أن يطلب تسليمه له من البائع قبل انقضاء مدة الإجارة". (شرح المجلة لخالد الأتاسی، ص: ۳۱۵، (رقم المادة: ۵۹۰)، الفصل الثانی فی تصرف العاقدين فی المأجور بعد العقد، حقانيه پشاور)

(وكذا فی الفتاوی الكاملية، ص: ۱۹۴، کتاب الإجارة، دارالكتب العربية بشاور)

بیٹے کے نام پر مکان خریدنے سے وہ مالک نہیں ہوتا

سوال[۷۷۳۸]: زید نے اپنے بیٹے بکر کو اپنے روپیہ سے تجارت کرائی اور ایک مکان بھی اس کے نام خریدا، لیکن زید کی نیت اس کو مالک بنانے کی نہیں تھی، بلکہ اپنی مصلحت کی بناء پر ایسا کیا تھا اور بعد میں تجارت کو بکر سے دوسرے کے نام منتقل بھی کردیا، اور بکر بطورِ ملازم کام کرتا رہا، باقاعدہ دستاویز تحریر کی گئی ہے۔ اب بکر کا انتقال ہوگیا، اب اس کے ورثاء کو کوئی حق وراثت پہونچتا ہے یا نہیں؟

معرفت: مولانا منظور احمد صاحب مدرس مدرسہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بیع کا رُکن ''ایجاب وقبول'' ہے(۱)، اگر زید نے اپنے لئے مکان خریدا ہے اور بکر سے اس کا اظہار کردیا کہ میں اپنے لئے مکان خریدتا ہوں اور کسی مصلحت سے تیرے نام سے خریدتا ہوں تو اس کا مالک زید ہے، پس اگر اس کے بعد زید نے ہبہ وغیرہ نہیں کیا تو اس میں بکر کے ورثہ کا حق نہیں، کیونکہ محض بکر کے نام خریدنے سے زید کی - جو اصل مشتری ہے- ملک زائل نہیں ہوئی (۲)۔ علی ہذا القیاس جب کہ بکر بطورِ ملازم تجارت میں کام کرتا تھا اور اس کا ثبوت بھی زید کے پاس موجود ہے، نیز زید نے مالک ہونے کی حیثیت سے

---

(۱) ''البيع ينعقد بإيجاب وقبول''. (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۵، (رقم المادة: ۱۶۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

''ويكون بقول أو فعل، أما القول فالإيجاب والقبول''. (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۴، سعيد)

''وينعقد بإيجاب وقبول''. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۳/۴، غفاريه كوئٹه)

(۲) چونکہ اسبابِ ملک تین ہیں، ان میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے مِلک ثابت ہوجاتی ہے اور چونکہ صورتِ مسئولہ میں کوئی ایک سبب بھی نہیں پایا گیا، لہٰذا اصل مشتری (زید) کی ملک زائل نہیں ہوئی:

''إعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل: كبيع وهبة. وخلافة: كإرث. وإصالة: وهو الاستيلاء حقيقةً بوضع اليد، أو حكماً بالتهيئة كنصب شكبة الصيد''. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۴۶۳، كتاب الصيد، سعيد)

(وكذا في إمداد الفتاوى: ۳/۳۱، دارالعلوم كراچی)

اس تجارت کو بکر سے دوسرے کے نام منتقل بھی کر دیا تو اب بعد انتقال بکر کے ورثہ اس تجارت کے مالک نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

گورنمنٹ کی زمین کا نیلام خریدنا

سوال[۷۷۳۹]: ایک زمین ہے جس کی مالک گورنمنٹ ہے، اب اگر اس زمین کی بولی بغیر گورنمنٹ کی اجازت کے بولی جائے تو اس کو لینا درست ہوگا یا نہیں؟ اور جتنے میں نیلام ہو، وہ روپیہ مسجد یا مدرسہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمیندار کی ملک ختم کر کے گورنمنٹ مالک ہوگئی (۱) تو اس کی اجازت سے اس کا نیلام درست ہوگا، پس اگر پردھان کو اجازت تھی (۲) اور اس نے نیلام کیا تو خریدنے والے کو خریدنا درست ہے (۳)۔ اور اس کی قیمت کا روپیہ اگر بنیتِ ثواب مسجد کے لئے دیا جائے تو اس کا مسجد میں خرچ کرنا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/ ۶/ ۸۷ھ۔

---

(۱) ہندوستانی حکومتوں نے مختلف اوقات میں زمینداروں کی ملکیتیں ختم کر کے زمینیں اپنی تحویل میں لے لی ہیں، اور یہ صورت ''استیلاء'' کی ہے اور اس ''استیلاء'' سے ملک ثابت ہوتا ہے:

''اعلم أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل: کبیع وهبة، وخلافة: کإرث، وإصالة: وهو الاستیلاء''. (الدر المختار، مع رد المحتار: ۶/۴۶۳، کتاب الصید، سعید)

"فالأسباب ثلاثة یثبت للملک، وهو: الاستیلاء. وناقل للملک، وهو: البیع ونحوه. وخلافة، وهو: المیراث والوصیة". (غمز عیون البصائر شرح الأشباه النظائر: ۳/۱۳۳، القول فی الملک، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ''پردھان: رہنما، صدر، مکھیا''۔(فیروز اللغات، ص: ۲۸۹، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه............ أو وکالةٍ منه أو ولایةٍ علیه". (شرح =

بیعِ مشاع

سوال[۷۷۴۰]: مسمی بشیر علی نے اپنے حصۂ مکانات کا بیع نامہ بحقِ مسجد معروف ''حسن والی'' کیا اور زرِ ثمن کو بحقِ مسجد ہبہ وبخشش کردیا۔ منجانبِ مسجد بذریعۂ متولی دعوائے تقسیم عدالت میں دائر کیا گیا، مدعی علیہ بسم اللہ کی طرف جواب دہی ہوئی کہ یہ دستاویز بیع نامہ نہیں، بلکہ ہبہ نامہ ہے اور ہبہ نامۂ مشاع جائز نہیں ہے، اس لئے دعوائے تقسیم صحیح نہیں ہے۔ نقلِ بیع نامہ ونقلِ عرضِ دعوی ونقلِ جوابِ دعوی ونقلِ سفینہ جات ہم رشتۂ سوال ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً یہ بیع نامہ ہے یا ہبہ نامہ اور زرِ ثمن کا ہبہ یا اسقاط ہوا یا نہیں، یا زرِ ثمن باقی ہے؟ جواب مفصل مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

سائل: فیض الحسن از سہارنپور، ۸/ جمادی الاولی/۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ حسبِ عبارتِ بیع نامۂ منسلکہ بیع ہے، ہبہ نہیں، کیونکہ صراحۃً بیع اور فروخت کا لفظ مذکور ہے، نیز بیع کی تعریف "هومبادلة المال بالمال بالتراضي". بحر: ٥/٢٥٦ (١) ''وہ بدلہ کرنا ہے مال کا مال کے ساتھ ساتھ رضامندی کے'' اس پر صادق آتی ہے۔

ہبہ اگرچہ مشاع کا جائز نہیں، لیکن بیع وشراء مشاع کی بالاتفاق جائز ہے:

"لايفسد بيع عشرة أسهم من مأة سهم اتفاقاً، لشيوع السهم". درمختار، ص: ۸(۲)۔

= المجلةلسليم رستم باز: ۱/۲۱، (رقم المادة: ۶۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الإذن والإجازة توكيلٌ". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/۷۷۱، (رقم المادة: ۱۴۵۲)

(۱) (البحر الرائق: ۵/۴۲۹، كتاب البيع، رشيديه)

"وأما تعريفه، فهومبادلة المال بالمال بالتراضي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۷۵، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴/۵۴۵، كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ما وقع عليه وإن ظن البائع =

"وإن اشترى عشرة أسهم من مأة سهم، جاز في قولهم جميعاً". ھدایہ،ص:۲۹(۱)۔

لہٰذا یہ بیع شرعاً تام اور صحیح ہے۔ زرِ ثمن میں قبضہ سے پہلے ہبہ وغیرہ کا تصرف کرنا بھی شرعاً جائز ہے:

قال ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ: "والتصرف في الثمن قبل القبض جائز بالبيع والهبة والإجارة والوصية، سواء كان ممايتعين أولايتعين عندنا، سوى بدل الصرف والسلم؛ لأن الملك مطلق". فتح القدير: ۲۶۹/۵(۲)۔

مکانات کا حصہ بیع کی وجہ سے مسجد کی ملک ہوگیا اور زرِ ثمن ہبہ اس کی وجہ سے مسجد کی ملک ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۵/۵۲ھ۔

صحیح: عبد الرحمٰن غفرلہ۔

صورتِ مذکورہ میں حسبِ تحریر بیعنامہ بیع ہے، ہبہ نہیں ہے، اور ثمن کا ابراء ہے۔ اور اگر ہبہ بھی مان لیا جائے تو ثمن کا ہبہ مشتری کو بلا اس کے کہ بائع قبضہ کرے درست ہے اور مشتری کے لئے ثمن پر قبضۂ سابق

= والمشتري أنه أقل أو أكثر، سعيد)

"وصح بيع عشرة أسهم من مأة سهم من دار". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۸/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"يصح بيع حصة شائعة معلومة كالنصف والثلث والعشر من عقار مملوك قبل الإفراز". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۰۳، (رقم المادة: ۲۱۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (الهداية: ۲۳/۳، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) (فتح القدير: ۵۱۸/۶، فصل: من اشترى شيئاً مماينقل ويتحول، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

"وصح التصرف في الثمن قبل قبضه، لقيام المطلق وهوالملك .... وأطلق التصرف قبل قبضه، لقيام المطلق، فشمل البيع والهبة والإجارة والوصية وتمليكه ممن عليه بعوض وغيرعوض". (البحر الرائق: ۱۹۷/۶، كتاب البيوع، فصل في بيان التصرف، رشيديه)

"(وصح التصرف في الثمن) ببيع وهبة وإجارة ووصية وتمليك ممن عليه بعوض وغير عوض (قبل قبضه)". (مجمع الأنهر: ۱۱۵/۳، كتاب البيوع، فصلٌ، غفايه كوئٹه)

تمامیٔ ہبہ کے لئے کافی ہے، جدید قبضہ کی ضرورت نہیں (۱)، لہٰذا فریقِ ثانی کا یہ دعوی کہ ''یہ ہبۂ مشاع ہے'' غلط ہے، جائیداد کا بائع نے ہبہ نہیں کیا ہے تاکہ مشاع ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا جائے، بلکہ ہبۂ زرِ ثمن کیا ہے جو شرعاً قبل قبضۂ ثمن کے بھی درست ہے:

''وجاز التصرف فی الثمن بهبة أوبیع أو غیرهما لو عیناً: أی مشاراً إلیه، ولو دیناً بالتعین کمکیل، أولا کنقود، ومثال التملیك بغیر عوض هبةٌ ووصیةٌ له، فإذا وهب منه الثمن، ملکه بمجرد الهبة، لعدم احتیاجه إلی القبض، وکذا الصدقة''. درمختار (۲) طحطاوی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد سعید احمد، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الاولی/ ۵۲ھ۔

ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا سامان دینا

سوال [۷۷۴۱]: اگر کوئی بائع کسی کو رعایۃً ایک روپیہ میں ۸/ کا مال دیدے تو مشتری آٹھ آنہ اگر اس بہانہ سے کہ مجھ پر قرض ہے، بائع کو دیدے جبکہ بائع کسی دوسری تدبیر سے لینے کو تیار نہ ہو تو یہ فریب جائز ہے کہ نہیں؟

---

(۱) ''والأصل أن القبضین إذا تجانسا، ناب أحدهما عن الآخر. وإذا تغایرا، ناب الأعلی عن الأدنی لاعکسه''. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۹۴/۵، کتاب الهبة، سعید)

(۲) (الدرالمختار: ۱۵۲/۵، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل: فی التصرف فی المبیع والثمن قبل القبض والزیادة، سعید)

(۳) ''وجاز التصرف فی الثمن بهبة أوبیع أوغیرهما ولو عیناً: أی مشاراً إلیه. ولو دیناً، فالتصرف فیه تملیکه ممن علیه الدین ولو بعوض''. (الدرالمختار). قال الطحطاوی: ''(قوله: ولوبعوض) کأن اشتری البائع من المشتری شیئاً بالثمن الذی له علیه، أو استأجر به عبداً أو داراً للمشتری. ومثال التملیك بغیر عوض هبته ووصیته له، نهر. فإذا وهب منه الثمن، ملکه بمجرد الهبة، لعدم احتیاجه إلی القبض، وکذا الصدقة''. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱۰۱/۳، کتاب البیوع، فصل فی التصرف فی المبیع، دارالمعروفة بیروت)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۷، (رقم المادة: ۲۵۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بائع قصداً رعایت کرکے ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا مال دے رہا ہے تو یہ آٹھ آنہ اس کے قرض نہیں (۱)، ان کو قرض کہنا غلط ہے اور خلافِ واقعہ ہے، اگر رعایت کا بدل کرنا ہی ہے تو ہدیۃً کچھ اس کو دیدے (۲) جس سے اس کا ذہن بھی منتقل نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

بیش قیمت چیز کم قیمت پر خریدنا

سوال [۷۷۴۲]: ایک فرضی مسئلہ دریافت ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس کی مثال کا جواب مستنبط ہوجائے جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہے، وہ یہ کہ مثلاً: ایک شخص زید عمرو کے پاس ایک قیمتی چیز (جس کی قیمت تقریباً سودوسو تک ہوگی) لایا اور کہا کہ یہ میری چیز ہے، میں کسی ضرورت کی بناء پر اس کو فروخت کرنا چاہتا ہوں، تم خریدلو۔

---

(۱) "وكذا صح الزيادة في المبيع، ولزم البائع دفعها إن قبل المشترى ذلك؛ لأنه تصرف في حقه، وملكه، ويلتحق بالعقد، فيصير حصته من الثمن". (مجمع الأنهر: ۳/۱۱۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفاريه كوئٹه)

"إعلم أن الزيادة في الثمن والمثمّن صحيحة ثمناً ومثمناً، ويلحق بأصل العقد، ويجعل كأن العقد على الابتداء ورد على الأصل والزيادة". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۷/۴۴۷، في الزيادة المشروطة، غفاريه كوئٹه)

"مازاده البائع في المبيع بعد العقد، يكون له حصةٌ من الثمن المسمى، مثلاً: لو باع ثماني بطيخات بعشرة قروش، ثم بعد العقد زاد البائع في المبيع بطيختين، فصارت عشراً، وقبل المشترى في المجلس، فكأنه باع عشر بطيخات بعشرة قروش، حتى لو تلفت البطيختان المزيدتان قبل القبض، لزم تنزيل ثمنهما قرشين من أصل ثمن البطيخ، فليس للبائع حينئذٍ أن يطلب من المشترى سوى ثمن ثماني بطيخات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۴، (رقم المادة: ۲۵۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۴۴۲، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (سورة الرحمٰن: ۶۰)

عمرو نے انکار کیا کہ میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے، میں نہ لوں گا۔ اس پر زید نے کہا کہ جو کچھ تم اس کی قیمت دیدو، میں اسے فروخت کردوں گا۔ عمرو نے کہا: میں پانچ روپیہ میں لے سکتا ہوں، زید نے فروخت کردیا اور چلا گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد عمرو کو شبہ ہوا کہ مال کہیں چوری کا نہ ہو، لیکن اب معاملہ کو رد کرنے کی صورت نہیں ہے، زید پتہ نہیں کہاں کا ہے اور کہاں گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مشتریٰ عمرو کے لئے حلال اور درست ہے یا نہیں، اگر درست نہیں تو اب عمرو کیا کرے؟

محمد عبدالقدوس رومی، مدرسہ قرآنیہ حسن منزل، الہ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ظنِ غالب یہ ہے کہ یہ قیمتی چیز چوری کی ہے جو اس قدر ارزاں فروخت کرتا ہے تو اس کا خریدنا جائز نہیں (۱)، فتاویٰ رشیدیہ ج ۲، ص: ۱۰۹، میں اس کی تصریح ہے (۲)۔ اگر خرید لی اور واپسی دشوار ہے اور مالک کا پتہ نہیں تو صدقہ کردے (۳)۔

---

(۱) "إن علم أن العين التي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمةٌ، وباعوها في الأسواق، فإنه لا ينبغي شرائها منهم وإن تداولته الأيدي". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱۹۲/۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، دار المعرفة بيروت)

"لم يحل للمسلم أن يشتري شيئاً يعلم أنه مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغير حق؛ لأنه إذا فعل، يعين الغاصب أو السارق أو المعتدي على غصبه وسرقته وعداوته، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من اشترى سرقةً (أي مسروقاً) وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترك في إثمها وعارها". البيهقي". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، الفصل الرابع: الحلال والحرام في الحياة العامة للمسلم في المعاملات، ص: ۲۱۶، المكتب الإسلامي)

(وكذا في ردالمحتار: ۹۸/۵، ۹۹، ۳۸۵/۶، سعيد)

(۲) "جواب: جب چوری کا مال یقیناً معلوم ہے تو اس کا خریدنا ناجائز ہے"۔ (فتاوی رشیدیہ، باب: بیع فاسد کا بیان، ص: ۱۷۷، سعید)

(۳) "ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

اگر ظنِ غالب یہ نہ ہوتو اس کا خریدنا شرعاً درست ہے(۱)۔

"ألا یریٰ أن أسواق المسلمین لا تخلو عن المحرم والمسروق والمغصوب، ومع ذلك یحل التناول اعتماداً علی الغالب، وهذا لأن القلیل لا یمکن الاحتراز عنه، ولا یُستطاع الامتناع، فسقط اعتباره دفعاً للحرج، اه". مجمع الأنهر: ۲/۷۳٤(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/صفر المظفر /۷۱ھ۔

قسطوں پر کوئی شی خریدنا

سوال[۷۷۴۳]: ایک موٹر سائیکل ہے جو نقد لینے سے پانچ ہزار روپیہ میں ملتی ہے اور قسطوار لینے سے پانچ ہزار پانچ سو روپیہ میں ملتی ہے۔تو کیا قسطوار لینا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہونا منع نہیں، مگر قسطیں متعین ہوجائیں (۳)۔اور پھر یہ نہ ہو کہ کسی قسط

---

(۱) "متی اعتقد المشتری أن الذی مع البائع ملکُه، فاشتراه منه علی الظاهر، لم یکن علیه إثم فی ذلک. وإن کان فی الباطن قد سرقه البائع، لم یکن علی المشتری إثم ولا عقوبة، لا فی الدنیا، ولا فی الآخرة .... فمن فرق بین من یعلم ومن لا یعلم، فقد أصاب. ومن لا، أخطأ". (مجموعة الفتاویٰ لابن تیمیة رحمه الله، قواعد جامعة فی عقود المعاملات والنکاح، فصل فی المحرمات فی الشرعیة ترجع إلی الظلم: ۲۹/۱۶۲، مکتبة العُبَیکان)

"ولذا حل التناول مما فی الأسواق مع أنها لا تخلو عن محرم ومسروق ومغصوب، فالقلیل من المحرم لا یمکن الاحتراز عنه، کقلیل نجاسة .... فی الخانیة وغیرها: لیس زماننا زمان اجتناب الشبهات". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۴/۴۷۶، مسائل شتی، غفاریه کوئٹه)

(۲) (مجمع الأنهر: ۴/۴۷۰، مسائل شتی، غفاریه کوئٹه)

(۳) "البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح، یلزم أن تکون المدة معلومةً فی البیع بالتأجیل والتقسیط".

(شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثین، فقد أجازوا البیع المؤجل بأکثر من سعر النقد، بشرط أن یبتّ العاقدَان بأنه بیع مؤجل بأجل معلوم وبثمن متفقٍ علیه عند العقد". (بحوث فی =

کے وقتِ متعین پر وصول نہ ہونے سے مزید اضافہ قیمت میں کیا جائے، وصول شدہ رقوم ہی ضبط ہو جائے اور موٹر سائیکل بھی ہاتھ سے چلی جائے، ایسی صورت ہو تو شرعاً یہ معاملہ درست نہیں، بلکہ اس میں سود(۱) اور جُوا ہوگا(۲)، ان دونوں کی ممانعت نصوص میں مذکور ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۰/۹۰ھ۔

= قضایا فقهية معاصرة، ص: ۷، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية: ۳/۷۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، شركت علميه ملتان)

"ولأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجله، والشبهة ملحقة بالحقيقة". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۱۴۲، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(۱) "أما مايفعله بعض الناس من تحديد ثمن البضاعة على أساس سعر النقد، وذكر القدر الزائد على أساس أنه جزء من فوائد التأخير في الأداء، فإنه ربا صراح". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۰، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"كان الرجل في الجاهلية: إذاكان له على إنسان مأة درهم إلى الأجل، فإذاجاء الأجل ولم يكن المديون واجداً لذلك المال، قال: زِدْني في المال حتى أزيد في الأجل، فربما جعله مأتين". (تفسير كبير، (سورة آل عمران: ۱۳۰): ۹/۲، دارالكتب العلمية طهران)

"مالك عن زيد بن أسلم أنه قال: كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل الحق إلى أجل، فإذا حل الحق قال: أتقضي أم تربي، فإن قضى، أخذ، وإلا زاده في حقه وأخّر عنه في الأجل". (مؤطاء الإمام مالك، كتاب البيوع، باب ماجاء في الربا في الدين، ص: ۶۰۲، مير محمد كتب خانه)

(۲) "ولاخلاف بين أهل العلم في تحريم القمار وأن المخاطرة من القمار". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۲۹، باب تحريم الميسر، سورة البقرة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ياأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

تجارت میں نفع کی حد

سوال[۷۷۴۴]: مالِ تجارت پر منافع لینے کی کوئی تعداد اگر ہو تو ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً کوئی تعداد مقرر نہیں(۱)، مگر زیادہ نفع لینا مروّت کے خلاف ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: غلا السعر علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، فقالوا: یا رسول اللہ! قد غلا السعر فسعّر لنا، فقال: "إن اللہ هو المسعّر القابض الباسط الرازق". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۹، أبواب التجارات، باب من کره أن یسعر، قدیمی)

"من اشتری شیئاً وأغلی فی ثمنه، جاز". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۱۶۱، الباب الرابع عشر فی المرابحة والتولیة، کتاب البیوع، رشیدیه)

"هو مبادلة المال بالمال بالتراضی". (کنز الدقائق، ص: ۲۲۷، کتاب البیوع)

(۲) نفسِ جواز میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن بعض اوقات خریدنے والا، یا بیچنے والا مجبوری کی حالت میں ہوتا ہے، تو وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے سامنے والے شخص کی مرضی کے مطابق معاملہ کرتا ہے، اور کسی کی ایسی اضطراری حالت سے فائدہ اٹھا کر اپنی مرضی کے مطابق اس کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ خلافِ مروّت ہو کر ممنوع ہے:

"عن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: "سیأتی علی الناس زمان عضوض یعضّ الموسر علی ما فی یدیه، ولم یؤمر بذلک، قال اللہ تعالیٰ ﴿ولا تنسوا الفضل بینکم﴾ ویبایع المضطرّون، وقد نهی النبی صلی اللہ علیه وسلم عن بیع المضطر .... اهـ". (سنن أبی داؤد: ۱۲۴/۲، باب فی بیع المضطر، إمدادیه ملتان)

"أی من لایتعطف علیهم ولا یرأف بهم، والظاهر أنه إخبار، ویحتمل أن یکون دعاء، والمعنی أنه لایکون من الفائزین بالرحمة الکاملة، والسابقین إلی دار الرحمة .... قال الطیبی: الرحمة الثانیة محمولة علی الحقیقة، والأولیٰ علی المجاز؛ لأن الرحمة من الخلق التعطف والرقة، وهو لایجوز علی اللہ تعالیٰ، والرحمة من اللہ الرضا عمن رحمه؛ لأن من رق له القلب فقد رضی عنه، أو الإنعام وإرادة الخیر؛ لأن الملک إذا عطف علی رعیته ورق لهم أصابهم بمعروفه وإنعامه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الأول: ۲۸۰/۸، رشیدیه) .... =

بائع ومشتری کے درمیان قیمت کا اختلاف

سوال[۷۷۴۵]: زید کے پاس قصاب کا لڑکا آیا، اس نے گوشت کی قیمت چارروپیہ سیر بتلائی، زید نے کہا کہ تین روپیہ سیر دیں گے، لڑکا جانے لگا، مگر خاموش رہا اور پھر آکر گوشت دیدیا، لڑکا کچھ بولا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد پھر سری پائے دیدیا اور قیمت دوروپیہ بتلایا، زید نے قیمت ۴/ روپیہ بتلائی اس سے زائد نہیں۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟ زید نے گوشت کی قیمت ۳/ روپیہ کے حساب سے دیکر بات ختم کردی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سری پائے کی قیمت تو طے ہوگئی تھی، اس میں تو کوئی شبہ نہیں۔ گوشت کی قیمت زید نے اپنی طرف سے طے کر کے بتادی کہ تین روپیہ سیر، جس پر لڑکا خاموش ہوکر گیا اور گوشت لے آیا، لہذا یہ بیع فاسد نہیں ہوئی (۱)، پھر چارروپیہ سیر کے حساب سے بتانا غلط تھا، تاہم تین روپیہ سیر کے حساب سے دیکر بات ختم کردی گئی تو بہتر ہوا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، ۲۵/۵/۸۹ھ۔

= "عن جرير بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يرحم الله من لا يرحم الناس". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۲۱، باب الشفقة والرحمة على الخلق، قديمى)

(۱) "رجل ساوم رجلاً بثوب، فقال البائع: أبيعه بخمسة عشر، وقال المشترى: لاآخذه إلابعشرة، فذهب به، ولم يقل البائع شيئاً، فهو بخمسة عشرة إن كان المبيع فى يد المشترى حين ساومه. وإن كان فى يد البائع، فأخذه منه المشترى ولم يمنعه البائع، فهو بعشرة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۳، (رقم المادة:۱۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لو قال: أبيعه بخمسة عشر فقال: لاآخذه إلابعشرة، فذهب ولم يقل البائع شيئاً، فهو بخمسة عشر إن كان المبيع فى يد المشترى حين ساومه. وإن كان فى يدالبائع فأخذه منه المشترى، ولم يمنعه البائع، فهو بعشرة". (البحر الرائق: ۴۴۷/۵، كتاب البيع، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۷/۳، كتاب البيوع، الباب الثانى فيما يرجع إلى انعقاد البيع وفى حكم المقبوض على سوم الشراء، الفصل الأول فيما يرجع إلى انعقاد البيع، رشيديه)

زیادہ بھاؤ پرخریدنا

سوال[۷۷۴۶]: ۱...... گیارہ آدمی ساڑھے اکتالیس من دھان خرید کرلے جارہے ہیں جس کی قیمت گیارہ سوبارہ سوروپے ہوگی۔ جب وہ گیارہ آدمی ہمارے گاؤں پہونچے تو گاؤں کے کچھ لوگوں نے ان کے تمام دھان بیل کی پیٹھ سے اتارلیا اور کہا کہ بتاؤ تم لوگوں نے تیس روپے من دھان کیوں خریدا، حالانکہ بازار کا بھاؤ اٹھائیس روپے تھا، تم لوگوں نے دوروپیہ زیادہ کردیا، آج چھوڑیں گے نہیں، تمام لوٹ لیں گے۔ سارا دن ان گیارہ آدمی کے اوپر ظلم کیا۔ کیا اس طرح پر شریعت نے جائز رکھا ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کو اس طرح پریشان کیا جائے؟

۲...... جب لوگوں نے گیارہ آدمیوں کے دھان روک لئے تو مذکورہ عالم صاحب زور سے کہنے لگے کہ ان کے تمام دھان روک لو، کیونکہ انھوں نے بھاؤ زیادہ کردیا۔ کیا شرعاً کوئی ایسا قانون ہے کہ لوگوں کے مال کو غصب کرنے کے لئے حکم دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ سخت ظلم کیا گیا، ظالم کو مرنے سے پہلے دنیا میں بھی ظلم کا وبال بھگتنا پڑتا ہے، اس پر لعنت بھی آتی ہے:

"عن أبی بکر الصدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "ملعون من ضارّ مؤمناً أو مکر به، اھ". مشکوٰۃ شریف، ص: ۴۲۸(۱)۔

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، ص: ۴۲۸، باب ما ینھی عنه من التھاجر، والتقاطع واتباع العورات، قدیمی)

(وفیض القدیر: ۵۵۲۵/۱۱، (رقم الحدیث: ۸۲۰۶، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن ابن عمر رضی اللہ عنھما، قال: صعد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم المنبر، فنادی بصوت رفیع، فقال: "یا معشر مَن أسلم بلسانه ولم یفض الإیمان إلی قلبه! لا تؤذوا المسلمین ولا تعیّروھم". الحدیث. (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الأدب، ماینھی عنه من التھاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الثانی، ص: ۴۲۹ قدیمی)

۲......عالم کا منصب یہ تھا کہ مسئلہ صحیح بتا کر ظالموں کو ظلم سے باز رکھتے، مگر انھوں نے ظالموں کی تائید کی، یہ بہت بڑا ظلم ہے(۱) إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند۔

جو مرغی پڑوسیوں کا نقصان کرے اس کے انڈے خریدنا

سوال[۷۷۴۷]: ایک شخص نے مرغی پالی ہے، وہ پڑوسیوں کا کافی نقصان کرتی ہے، وہ شخص اس کے انڈے فروخت کرتا ہے۔ اس سے انڈے خرید کر ہم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو ضروری ہے کہ اپنی مرغی کا انتظام کرے جس سے پڑوسیوں کا وہ نقصان نہ کر سکے (۲)، مگر اس کے انڈے خریدنا ناجائز نہیں، بلکہ وہ حلال ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

غلہ بیچتے وقت مٹی کی قیمت لگانا

سوال[۷۷۴۸]: تاجروں کی عادت ہے جب کسی سے مال خریدتے ہیں تو چونکہ عام طور پر غلہ میں

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورۃ المائدۃ: ۲)

"عن أوس بن شرحبیل أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: "من مشی مع ظالم لیقوّیه وهو یعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۳۶، کتاب الأدب، باب الظلم، قدیمی)

(۲) "الضرر یزال". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۰)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"الضرر یزال". (الأشباہ والنظائر، ص: ۹۴، إدارۃ القرآن کراچی)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل، إلا أن تکون تجارةً عن تراضٍ منکم﴾. (سورۃ النساء: ۲۹)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

"هو مبادلة المال بالمال بالتراضی". (تبیین الحقائق: ۴/۲۷۵، کتاب البیوع، دار الکتب العلمیة بیروت)

مٹی ہوتی ہے، اس لئے اس کے عوض میں ہر ایک من غلہ کے اوپر مثلاً ایک کلو غلہ دوسرے کو فروخت کرتے ہیں تو مٹی کے عوض کچھ بھی نہیں دیتے، بلکہ مشتری اگر مانگتا ہے تو تاجر کہتا ہے کہ یہ تو تاجروں کی عادت ہے، اس لئے مٹی کے عوض میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا تاجروں کا ایسا معاملہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ناانصافی ہے(۱)، تاہم اگر طرفین اس پر رضامند ہو جائیں تو بیع درست ہو جاوے گی، لعدم المفسد(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۶ھ۔

درختوں پر پھلوں کی بیع

سوال[۹۷۷۴]: آج کل عموماً پھلوں کی بیع قبل صلاحیتِ خوردگی ہوتی ہے۔ کیا جو پھل فروخت ہوتے ہیں، ان کا استعمال کیسا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی کافر باغ خرید کر پھلوں کو بیچتا ہے اور مسلمان خرید لے تو جائز ہے اور اس قول کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بلکہ چند سال پیشگی باغات کی فروختگی ہو جاتی ہے، یہ مبیع معدوم ہونے کی وجہ سے باطل معلوم ہوتی ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں کافر سے پھل خرید سکتے ہیں؟

---

(۱) "عن علی ابن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سیأتی علی الناس زمان عضوض یعض المو سر علی ما فی یدیہ، ولم یؤمر بذلک، قال اللہ تعالی: ﴿ولاتنسوا الفضل بینکم﴾". (إعلاء السنن: ۱۴/۲۰۴، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع المضطر، إدارة القرآن کراچی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیھا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل، إلا أن تکون تجارةً عن تراض منکم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"أما تعریفہ، فمبادلة المال بالمال بالتراضی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الأول فی تعریف البیع ورکنہ وشرطہ وحکمہ وأنواعہ: ۳/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۴۳۰، کتاب البیع، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۲۷۵، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچے پھلوں کی بیع جائز ہے(۱) اور وقوعِ بیع کے بعد اگر مالکِ درخت کی اجازت سے پھل درخت پر رکھے جائیں تو بھی درست ہے(۲)۔ البتہ اگر درمیانِ عقد پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی(۳) اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ مشتری مبیع کا قبضہ کے بعد مالک ہوجاتا ہے، البتہ اس کا استعمال کرنا مشتری

---

(۱) "(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها) بأن أمنت العاهة والفساد (أولا، صح)". (النهر الفائق: ۳/۳۵۹، كتاب البيوع، رشيديه)

"بيع الثمر على الشجر لايخلو إما أن يكون قبل الظهور أو بعده، والأول لايجوز، والثانى جائز بَدَا صلاحها بصلاحها لانتفاع بنى آدم، أوعلف الدواب، أولم يبد؛ لأنه مال متقوم، لكونه منتفعاً به فى الحال أوفى الزمان الثانى، فصار كمبيع الجحش والمهر". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۶/۲۸۷، كتاب البيوع، فصل: ومن باع داراً دخل بناء ها فى البيع الخ، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولم يبد، صح)؛ لأنه مال متقوم، إما لكونه منتفعاً به فى الحال أوفى المآل .... (ويقطعهاالمشترى للحال)". (مجمع الأنهر: ۳/۲۵، كتاب البيوع، مطلب فى بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(وكذا فى الدرالمختار: ۴/۵۵۵، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۹، (رقم المادة: ۲۰۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "فالحاصل أن إباحة الإبقاء جائز عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ولم يقيده بأن لايكون هناك عرف، فلاحاجة إلى هذاالتقييد عند شيخ مشايخنا الأنور رحمه الله تعالىٰ .... ولذلك قال فى العرف الشذى: كنتُ متردداً فى هذا، حتى أنى وجدت فى فتاوىٰ ابن تيمية عن أبى حنيفة والثورى رحمهما الله تعالىٰ أنهما أجازا البيع مطلقاً إذا أجازه البائع الترکَ على الأشجار، فإذن لما وجدت عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، فلا أبالى، فالحاصل: إذا لم يشترط الإبقاء فى صلب العقد، يصح البيع وإن كان معروفاً بالمعروف". (تكملة فتح الملهم، باب النهى عن بيع الثمار قبل بدوصلاحها: ۱/۳۹۵، دارالعلوم كراچى)

(۳) چونکہ بیع کی اسی صورت نے ایک عمومی شکل اختیار کی ہے اور عموم بلویٰ کی وجہ سے حکم تبدیل ہوجاتا ہے، لہٰذا عموم بلویٰ کی =

کو درست نہیں ہے، فسخ بیع لازم ہے، تاہم اگر مشتری نے کسی اَور کے ہاتھ اس مبیع کو فروخت کردیا تو مشتری ثانی کو اس کا استعمال ہر طرح درست ہے:

"ومن باع ثمرةً لم يبد صلاحها، أو قد بَدَا، جاز البيع؛ لأنه مال متقوم، الخ ………… وعلى المشتري قطعها في الحال تفريغاً لملك البائع. وهذا إذا اشتراها مطلقاً، أوبشرط القطع. وإن شرط تركهاعلى النخيل، فسد البيع؛ لأنه شرطٌ لايقتضيه العقد. ………… لو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". كذافي الهداية: ۳/۱۰ (۱)۔

اور مذکورہ تاویل صحیح نہیں، جس طرح بیعِ فاسد سے مسلم کے حق میں مبیع میں خبث ہوتا ہے اسی طرح کافر کے حق میں بھی بیعِ فاسد اور بیعِ باطل کے احکام کے سلسلہ میں کافر اور مسلم دونوں برابر ہیں:

"وأما إسلام المتبايعين، فليس بشرطٍ لجريان الربوا، فيجري الربا بين أهل الذمة وبين المسلم والذمي، وإن حرمة الربوا ثابتة في حقهم". كذافي البدائع: ۳/۲۹۳ (۲)۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول تتمۂ امداد الفتاوی میں مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۶/۸۸ھ۔

= بناء پر پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی وجہ سے شرط لگانے کی گنجائش ہے:

"وإن باع بشرط الترك، لم يصح قياساً عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وصح استحساناً عند محمد رحمه الله تعالىٰ. وفي الأسرار: أن الفتوى على قوله، كذافي الكافي".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۰۶، الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

(۱) (الهداية: ۳/۳۱، ۳۲، كتاب البيوع، فصل، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جريان الربا: ۶/۸۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) **سوال:** "باغ کا غیر پختہ پھل کسی کو قیمت کرکے بیچ دیا جائے، اس شرط پر کہ پختہ ہونے تک پانی صاحب باغ دیا کرے گا باقی پر درخت مشتری کرے گا، مدت معروفہ پختہ ہونے تک مہلت ہوتی ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: "في الدرالمختار: وإن شرط تركها على الأشجار فسد البيع كشرط القطع على البائع، حاوي. وقيل (قائله محمد): لايفسد إذا تناهت الثمرة المتعارف، فكان شرطاً يقتضيه العقد، وبه يفتي، بحر عن الأسرار الخ". في ردالمحتار قبل القول المذكور تحت قوله: (وأفتى الحلواني بالجواز لو =

لونڈی کے احکام: بیع، استیلاد وغیرہ

سوال[۷۷۵۰]: استفتاء: از منشور احمد اعظمی، سی سی صندوق البرید نمبر ۳۴ المطار الظہر ان۔ سعودی عربیہ، ۲۳/ مارچ/۸۰ء۔

۱......اسلام میں لونڈی رکھنے کی اجازت ہے تو اس کی شرطیں کیا ہیں، یا وقتی اجازت تھی بعد میں منسوخ ہوگئی؟

۲......کیا خریدی ہوئی لونڈی کے ساتھ مباشرت جائز ہے اگر جائز ہے تو کس صورت میں؟

۳......کیا بچے پیدا ہونے پر وراثت میں حصہ پائیں گے؟

۴......اگر منکوحہ بھی ہو تو کیا لونڈی کے ساتھ جماع جائز ہے؟

۵......اگر کوئی آدمی پچاس ہزار روپے میں لونڈی خریدتا ہے ساری عمر کے لئے، تو ایک طوائف جو پچاس روپیہ یومیہ لیتی ہے کیوں حلال نہیں ہے؟

۶......کیا منکوحہ کے بچے اور لونڈی کے بچے وراثت میں برابر حصہ پائیں گے؟

۷......بغیر نکاح کے لونڈی کیسے حلال ہوگئی، اسے زنا کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟

۸......جس طرح بیک وقت دو یا زائد بیوی رکھنے پر اسلام کہتا ہے کہ مباشرت برابر کی جائے تو کیا منکوحہ اور لونڈی دونوں رہنے پر بھی یکساں مباشرت کی قید ہے؟

= الخارج أكثر) بعد بحث طويل قلت: "لكن يخفى تحق الضرورة في زماننا ولاسيما في مثل دمشق الشام كثيرة الأشجار والثمار". إلى أخر ماقال وأطال: ۴/ ۵۹. في الدر المختار: "ولابيع بشرط إلى قوله: ولم يجر العرف به الخ" وفيه: "أو جدى العرف به. إلى قوله: استحساناً للتعامل بلا نكير". في ردالمحتار بعد كلام طويل: "ومقتضى هذا أنه لوحدث عرف يؤد في شرط غير الشرط في النعل أو الثبوت والقبقاب أن يكون معتبراً إذا لم يؤد إلى المنازعة، الخ". ص: ۱۸۶-۱۹۰.

ان روایات سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ تو یہ معاملہ خلاف قاعدہ ہے، لیکن اگر کہیں ایسا عرف عام ہو جاوے تو درست ہے، اور جو عرف عام نہ ہو درست نہیں"۔ ۲۸/ رمضان/ ۱۳۳۱ھ۔ (إمداد الفتاوى، كتاب البيوع، بيع فاسد، بيع ثمار بربعض شروط مروجه: ۳/ ۹۶، دار العلوم كراچى)

۹......لونڈی خدمت کے لئے رکھی جاتی ہے، مباشرت حلال کیوں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......شرعی طریقہ پر جہاد کیا جائے اور اس میں دشمن اسلام گرفتار کر کے قید بنائے جائیں جن کو امیر المؤمنین غازیوں کے درمیان تقسیم کردے ایسے قیدی مرد ہوں تو غلام کہتے ہیں عورت ہو تو لونڈی کہلاتی ہے(۱)۔ یہ حکم منسوخ نہیں وقتی نہیں جب بھی اللہ پاک مسلمانوں کو ایسی شوکت عطا فرمائے کہ امیر المومنین شرعی طریقہ پر جہاد کرے اور اس میں اعداء اسلام گرفتار ہوکر آئیں وہ غلام لونڈی بن جائیں گے(۲)۔

۲......نمبر:۱، میں جس لونڈی کی تشریح کی گئی ہے اس کی خرید وفروخت درست ہے(۳)۔ اور جب تک اس کی شادی نہ کردی ہو مالک اس سے مباشرت کرسکتا ہے(۴)۔

---

(۱) "الإسلام أباح الاسترقاق بشرط أن يكون في جهاد شرعي ضد الكفار .... وإنما الإمام له في أمرهم خياراتٌ أربعة: إما أن يقتلهم، وإما أن يسترقهم، الخ". (تكملة فتح الملهم، كتاب العتق، الرق في الإسلام: ۱/۲۶۴، دارالعلوم كراچی)

"الرق في عرف الفقهاء عبارة عن عجز حكمي شرع في الأصل جزاءً عن الكفر، ويقابله الحرية، والرقيق من يتصف بالرق" (قواعد الفقه، التعريفات الفقهية، ص: ۳۰۸، الصدف پبلشرز كراچی)

(وكذا في القاموس الفقهي، حرف الراء، ص: ۱۵۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "فالحق الواضح الصريح أن الاسترقاق مباح في الإسلام بأحكامه وحدوده التي سبقت، لم ينسخه شئي، وفيه الحِكَم التي أسلفنا ها، والقول بنسخه مردود مخالف للإجماع لاحجة له في الأدلة الشرعية".

(تكملة فتح الملهم، كتاب العتق، رد من زعم أن الاسترقاق منسوخ: ۱/۲۷۲، دارالعلوم كراچی)

(۳) اس لئے کہ یہ مال ہے: "وركن البيع مبادلة المال بالمال". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۷۷، غفاريه كوئٹه)

(راجع للتفصيل الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۲، رشيديه)

(۴) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

۳...... مالک نے جب شرعی لونڈی سے مباشرت کی اور اس سے بچے پیدا ہوئے وہ بچے مالک کے بیٹے ہوں گے، مالک ان کا باپ ہوگا مگر وہ بیٹے آزاد ہوں گے، ان کو وراثت ملے گی (۱)۔

۴...... ایک شخص کے نکاح میں بیوی موجود ہے وہ کسی لونڈی کا مالک ہو جاوے تو اس کو اس لونڈی سے مباشرت درست ہے (۲)۔ جب تک اس کا نکاح کسی سے نہ کردے (۳)۔

۵...... طوائف کسی کی مِلک نہیں وہ اپنے عضو سے کسی شخص کو پچاس روپیہ میں نفع اٹھانے کی اجازت دے تو یہ اجارہ ہوا جو کہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اپنے عضو کو اجارہ پر دینے کا حق نہیں ہے (۴)۔ لونڈی مملوک

---

(۱) وراثت میں ان کو حصہ اس لئے ملتا ہے کہ یہ آزاد ہیں، لہذا دوسرے آزاد اولاد کو جو حصہ ملے گا، وہی ان کو بھی ملے گا:

"ولم يكره استيلاد الأَمَة بملك اليمين؛ لأن ولده منها يكون حراً" (أحكام القرآن للجصاص، (سورة النساء): ۲/۲۴۱، قديمى)

"أقرب العصبات الابن، ثم ابن الابن وإن سفل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث فى العصبات: ۶/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل فى العصبات: ۶/۷۷۴، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

(۳) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقى ماء ه ولد غيره". (جامع الترمذى، أبواب النكاح، باب الرجل يشترى الجارية وهى حامل: ۱/۲۱۴، سعيد)

(ومشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب الإستبراء، ص: ۲۹۰، قديمى)

"من ملك استمتاع أَمَة .... حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه فى الأصح". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۶/۳۷۴، سعيد)

(۴) قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ثمن الكلب خبيث، ومهر البغى خبيث". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، ص: ۲۴۱، قديمى)

"المعنى: مهر الزانية خبيث: أى حرام إجماعاً؛ لأنها تأخذ عوضاً عن الزنا المحرم، ووسيلة الحرام حرام". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع: ۶/۱۶، رشيديه) ....=

ہے، مالک کی شریعت نے مالک کو اس سے انتفاع کی اجازت دی ہے(۱)۔ ہاں اگر مالک اس کا نکاح کسی سے کردے تو مالک کو اس سے انتفاع کا حق نہیں رہا(۲)۔

۶...... بیٹا ہونے میں جب برابر ہیں کہ دونوں قسم کی اولاد ایک شخص سے شرعی طریقہ پر پیدا ہوئی ہے تو ان دونوں قسم کی اولاد کا وہ باپ ہے اس لئے وراثت بھی برابر ملے گی (۳)۔

۷...... اس لئے کہ قرآن کریم نے اس کو حلال قرار دیا ہے: ﴿أو ماملكت أيمانكم﴾ (٤) اور زنا کو حرام قرار دیا ہے: ﴿ولا تقربوا الزنا﴾ (٥)۔

= راجع للتفصيل (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الإستيجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

(۲) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقى ماء ه ولد غيره". (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب الرجل يشتري الجارية وهي حامل: ۱/۲۱۴، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الإستبراء، ص: ۲۹۰، قديمي)

"من ملك استمتاع أمَة .... حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه في الأصح". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۶/۳۷۴، سعيد)

(۳) "ولم يكره استيلاد الأَمَة بملك اليمين؛ لأن ولده منها يكون حراً". (أحكام القرآن للجصاص، (سورة النساء): ۲/۲۴۱، قديمي)

"أقرب العصبات الإبن، ثم ابن الابن وإن سفل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ۶/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات: ۶/۷۷۴، سعيد)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۵) (سورة الإسراء: ۳۲)

۸......نہیں (۱)۔

۹......مباشرت کے حلال ہونے کی وجہ اوپر بیان ہوچکی ہے (۲) مالک کو اختیار ہے کہ صرف خدمت لے یا مباشرت بھی کرے اس کا نکاح جب کسی سے کردے گا تو مالک کو اس سے مباشرت درست نہ ہوگی (۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

بھیک کے مال کی فروختگی

سوال [۷۷۵۱] : جولوگ سوال کرتے ہیں یعنی بھیک مانگتے ہیں اور اس غلہ کو دوکانوں پر فروخت کرتے ہیں، تو وہ غلہ دوکاندار کو خریدنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی نے بھیک مانگ کر جو غلہ جمع کیا ہے، وہ اس کا مالک ہوگیا، جب دوکان پر لے جاکر فروخت

---

(۱) "إذا كان للرجل امرأتان حرتان، فعليه أن يعدل بينهما، فإنه يفهم أنه لايجب بين الحرة والأمة".

(ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۲۰۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الحادى عشر في القسم: ۱/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في القسم: ۱/۴۳۹، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

(۳) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقى ماء ه ولد غيره". (جامع الترمذى، أبواب النكاح، باب الرجل يشترى الجارية وهى حامل: ۱/۲۱۴، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الإستبراء، ص: ۲۹۰، قديمى)

"من ملك استمتاع أمة .... حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه في الأصح". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۶/۳۷۴، سعيد)

کرتا ہے تو دوکاندار کو اس کا خریدنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

مردار کا چمڑا اتار کر دباغت کے بعد فروخت کرنا

سوال[۷۷۵۲]: مردار جانور کا چمڑا پہلے چمار نکالتے تھے، مگر اب نہیں نکالتے۔ تو کیا خود چمڑا نکال کر کارآمد یا فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گائے بھینس مردار کا چمڑا اس کے بدن سے چھڑانا شرعاً درست ہے۔ نیز اس کو دباغت دے کر خواہ پکا کر یا نمک وغیرہ کے ذریعہ اصلاح کر کے فروخت کرنا درست ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۷ھ۔

ایضاً

سوال[۷۷۵۳]: حلال مردار جانور جیسے: گائے، بھینس، بکری، مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ یا گیدڑ

(۱) "وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالا متقوماً مملوكاً في نفسه، وكون الملك البائع فيما يبيعه لنفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع، أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۳، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل فيما يرجع إلى المعقود عليه: ۶/۵۶۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وجلد ميتة قبل الدبغ لو بالعرض. ولو بالثمن، فباطل. وبعده: أي الدبغ يباع، إلا جلد إنسان وخنزير وحية". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۷۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وأما جلود السباع والحمير والبغال، فماكانت مذبوحةً أومدبوغةً، جاز بيعها، وماكان بخلافه، لم يجز. وهذا بناء على أن الجلود كلها تطهر بالذكاة أو الدباغ إلا جلد الإنسان والخنزير. وإذا طهرت بالدباغ أو بالذكاة، جاز الانتفاع به، ويكون محلاً للبيع". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۷/۳۰۲، في بيع المحرمات، غفاريه كوئٹه)

وغیرہ کی کھال اتار کر بیچنا درست ہے یا نہیں؟ جواب اگر اثبات میں ہو تو اس کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر یہ جانور مر جائیں تو ان کی کھال اتار کر دباغت دے کر فروخت کرنا درست ہے: "كل إهاب دبغ فقد طهر". كذا في كتب الفقه من الهداية وغيره (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۲/۵/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹۲/۵/۵ھ۔

دباغت سے پہلے یا اس کے بعد مردار کی کھال کی خرید وفروخت

سوال [۷۷۵۴]: میں بھینسوں کا بیوپار کرتا ہوں اور کئی پال (۲) بھینس مر بھی جاتی ہیں۔ تو ان مری ہوئی بھینسوں کے چمڑے کی قیمت لے سکتا ہوں یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے بتلایا کہ چمڑے کی قیمت نہیں لینی چاہیے، اگر قیمت نہ لوں تو میرا کافی نقصان ہوتا ہے۔

مولوی محمد عثمان صاحب بدرگڈھ پالن پور گجرات۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ان مولوی صاحب نے صحیح کہا ہے کہ مردار چمڑے کی فروخت جائز نہیں، البتہ اس کو اگر نمک وغیرہ

---

(١) (الهداية: ١/٤٠، باب الماء الذي يجوز به الوضوء، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وأما جلود السباع والحمير والبغال، فما كانت مذبوحةً أو مدبوغةً، جاز بيعها". (المحيط البرهاني في الفقة النعماني: ٣٠٢/٧، في بيع المحرمات، غفاريه كوئٹه)

"فجاز بيعه. ولحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الذكاة كجلود الميتة بعد الدباغ، حتى يجوز بيعها". (تبيين الحقائق: ٣٧٨/٤، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

"وقيد بالميتة؛ لأن جلد المذكاة يجوز بيعه قبل الدباغة. ولحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الذكاة كجلود الميتة بعد الدبغ، فيجوز بيعها". (البحر الرائق: ١٣٣/٦، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(٢) "پال لینا: پرورش کرنا"۔ (فيروز اللغات، ص: ٢٦٢، فيروز سنز، لاهور)

لگا کر دباغت دے لیں تو گلنے سڑنے سے محفوظ ہو جائے تو پھر اس کو فروخت کرنا، قیمت وصول کرنا شرعاً درست ہو جائے گا، هکذافی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۶ھ۔

سانپ کی کھال کی بیع

سوال [۷۷۵۵]: ہمارے یہاں سانپ کے چمڑے کی تجارت ہوتی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ غیر مسلم قوم سانپ کو زندہ پکڑتی ہے اور سانپ کو بیہوش کر کے اس کا چمڑا نکال لیتی ہے اور مسلمان کچے چمڑے خریدتے ہیں اور دباغت کے بعد فروخت کرتے ہیں۔ تو یہ خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سانپ کا کچا چمڑا دباغت سے قبل خریدنا و بیچنا درست نہیں، دباغت کے بعد خریدا و بیچا جاوے:

"إذاكان أحد العوضين أو كلاهما محرماً، فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والدم............اه. فنقول: البيع بالميتة والدم باطل". كذا في الهداية: ۳۳/۳(۲)۔ والصحيح أنه بيع كل شئ ينتفع

---

(۱) "جلد ميتة قبل الدبغ ولو بالعرض بالثمن فباطل، وبعده: أي الدبغ يباع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۷۳/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وجلد الميتة قبل الدبغ: أي لم يجز بيعه .... وبعده يباع". (البحرالرائق: ۱۳۳/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"وبيع جلود الميتات باطل إذا لم تكن مذبوحةً أو مد بوغةً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۳۳/۲، كتاب البيوع، فصل في البيع الفاسد، رشيديه)

"وأما جلد السبع والحمار والبغل، فإن كان مدبوغاً أو مذبوحاً، يجوز بيعه؛ لأنه مباح الانتفاع به شرعاً، فكان مالاً. وإن لم يكن مد بوغاً ولامذبوحاً، لاينعقد بيعه". (بدائع الصنائع: ۵۵۴/۶، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الهداية: ۴۹/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

به، كذا فى التتارخانية، وكذا فى الفتاوىٰ الهنديه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۷/۸۸ھ۔

انسانی بول وبراز کھاد کے طور پر بیچنا

سوال[۷۷۵۶]: انسان کا بول وبراز جو کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اس کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس میں مٹی ملا کر کھاد بنا دیتے ہیں تو اس کی بیع جائز ہے، خالص بول وبراز کی بیع مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۲/۹۶ھ۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۱۱۴/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع فى بيع الحيوانات، رشيديه)

"وأما جلود السباع والحمر والبغال، فما كانت مذبوحةً أو مدبوغةً، جاز بيعها، وما لافلا. وهذا بناء على أن الجلود تطهر بالذكاة أو بالدباغ، إلاجلد الإنسان والخنزير". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۵/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الخامس، رشيديه)

"وإن كان له ثمن كالسقنقور وجلود الخز ونحوها، يجوز، وإلافلا". (ردالمحتار: ۶۸/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فى بيع دودة القرمز، سعيد)

"والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر الملتقى على هامش مجمع الأنهر: ۸۴/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"(وجلد الميتة قبل الدبغ): أى لم يجز بيعه (وبعده يباع وينتفع به)". (البحر الرائق: ۱۳۳/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۲) "(كره بيع العذرة) رجيع الآدمى خالصة لا يكره، بل يصح بيع السرقين: أى الزبل، خلافاً للشافعى. وصح بيعها مخلوطةً بتراب أو رماد غلب عليها فى الصحيح". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۸۵/۶، =

گوبر کی بیع

سوال[۷۷۵۷]: گوبر کی کھاد بیچنا اور خریدنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گوبر جب مٹی بن جائے تو اس کا خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= كتاب الخطر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

"ويكره بيع العذرة خالصةً، وجاز لو مخلوطةً برماد أو تراب". (مجمع الأنهر: ۲۱۱/۴، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، غفاريه كوئثه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۳۶۵/۸، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۵۷/۷، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) گوبر (جانوروں کا فضلہ) کی مٹی بن جانے سے پہلے بھی خرید وفروخت جائز ہے:

"ويجوز بيع السرقين والبعر، والانتفاع بها. وأما العذرة، فلايجوز الانتفاع بها مالم يخلط بالتراب، ويكون التراب غالباً، وهذا لأن محليّة البيع بالمالية، والمالية بالانتفاع، والناس اعتادوا الانتفاع بالبعر والسرقين من حيث الإلقاء فى الأرض لكثرة الريع". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۳۰۲/۷، كتاب البيع فى بيع المحرمات، غفاريه كوئثة)

"ويكره بيع العذرة خالصةً، وجاز لو مخلوطةً، وجاز بيع السرقين مطلقاً فى الصحيح عندنا، لكونه مالاً منتفعاً به لتقوية الأرض فى الإنبات". (مجمع الأنهر: ۲۱۱/۳، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، غفاريه كوئثه)

"كره بيع العذرة لاالسرقين؛ لأن المسلمين يتموّلون السرقين، وانتفعوا به فى سائر البلاد والأمصار من غير نكير، فإنهم يُلقونه فى الأراضى لاستكثار الريع". (البحر الرائق: ۳۶۵/۸، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، كوئثه)

"قال الإتقانى: ولنا أن السرقين مال، فجاز بيعه كسائر الأموال". (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ۵۷/۷، كتاب الكراهية، دارالكتب العلمية بيروت)

اسپرٹ کی تجارت

سوال[۷۷۵۸]: اسپرٹ کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اس کو بعض لوگ پینے کے لئے بھی لے جاتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے، ان کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ تجارت حرام نہیں (۱)، جو لوگ آپ کے علم میں پینے کے لئے خریدتے ہیں اور اس سے نشہ ہوتا ہے ان کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۸۸ھ۔

بیع اسٹامپ

سوال[۷۷۵۹]: ا..... کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ فری اسٹامپ (۲) جو تمسک بیعنامہ وہبہ

---

(۱) "إن بيع العصير ممن يتخذه خمراً، إن قصد به التجارة، فلاتحرم. وإن قصد لأجل التخمير، حرم".
(شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/۷ ۹، (رقم القاعدة: ۱۴۴)، إدارة القرآن كراچی)

"والضابط عندهم أن كل مافيه منفعةٌ تحل شرعاً، فإن بيعه يجوز؛ لأن الأعيان خلقت لمنفعة الإنسان". (الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل الأول: عقد البيع، المبحث الرابع: البيع الباطل والبيع الفاسد: ۵/۳۴۳۱، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹، كتاب البيوع، سعيد)

"وإنما نبّهتُ على هذا؛ لأن "الكوحل" المسكرة (ALCOHALS) اليوم صارت تستعمل فی معظم الأدوية، ولأغراض كيمياوية أخرىٰ، ولا تستغنی عنها كثير من الصناعات الحديثة، وقد عمت بها البلوى، واشتدت إليها الحاجة، والحكم فيها على قول أبی حنيفة سهل. .... فالحاصل أن هذه الكوحل لولم تكن مصنوعةً من العنب والتمر، فبيعها للأغراض الكيمياوية جائز باتفاقٍ بين أبی حنيفة وصاحبيه. وإن كانت مصنوعةً من التمر أو من المطبوخ من عصير العنب، فكذلك عند أبی حنيفة، خلافاً لصاحبيه. ولو كانت مصنوعةً من العنب النيئ، فبيعها حرام عندهم جميعاً. والظاهر أن معظم الكوحل لاتصنع من عنب ولا تمر، فينبغی أن يجوز بيعها لأغراض مشروعة فی قول علماء الحنفية جميعاً". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم بيع الخمر: ۱/۵۵۱، دارالعلوم كراچی)

(۲) "فری اسٹامپ: فری، آزاد، بلاقیمت، مفت"۔ (فيروز اللغات، ص: ۹۳۱، فيروز سنز، لاهور) =

نامہ، وکرایہ نامہ، رہن نامہ، ضمانت نامہ، مختار نامۂ عام، مختار نامۂ خاص وغیرہ۔

٢...... کورٹ فیس جس کے ذریعہ نالش (١) دائر کی جاتی ہے۔ اس سب اسٹامپ کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

١، ٢...... جائز ہے جیسا کہ تتمۂ امداد الفتاوی (حوادث فتاوی) میں ہے (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جوتاجرزکوٰۃ نہ دیتاہواس سے مکان خریدنا

سوال [٧٧٦٠]: ان اطراف میں مسلمان تاجر اکثر زکوٰۃ نہیں دیتے اور ان کے معاملات صاف

= ''اسٹامپ: مہر، چھاپ، دستاویز لکھنے کا سرکاری کاغذ جس پر سکہ مع قیمت چھپا ہوتا ہے''۔ (فیروز اللغات، ص: ٩٣، فیروز سنز، لاهور)

(١) ''نالش: دعویٰ واپس لینے کی غرض''۔ (فیروز اللغات، ص: ٦٧٥، فیروز سنز، لاهور)

(٢) ''کاغذات اسٹامپ میں دو مقام میں کلام ہے: ایک یہ کہ فی نفسہ لیسنس دار کو ان کا بیچنا جائز ہے یا نہیں، اور دوسرے یہ کہ ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا جو ان پر سودی مضمون لکھے گا۔ آپ نے امر ثانی کو پوچھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے بیع ناجائز نہیں ہوتی ہے، اور چونکہ لکھنا باختیار کاتب ہوگا اس لئے کاغذ بیچنے والا معین نہ کہا جاوے گا''۔ (إمداد الفتاوی، کتاب البیوع، جائز وناجائز، یا مکروہ معاملات کی بیع، تحت عنوان: ''اسٹامپ کی بیع'': ٣/١١٢، مکتبه دار العلوم کراچی)

(وكذا في عطر هدايه، ص: ١٤٥، زمزم پبلشرز)

''هو (أي البيع) مبادلة شئ مرغوب فيه، مثله على وجه مفيد مخصوص''. (الدر المختار، كتاب البيوع: ٤/٥٠٢، سعيد)

''البيع مبادلة مال بمال .... والمراد بالمال عين يجرى فيه التنافس والابتذال .... وحينئذٍ فالمال يثبت بالتمول: أى بادّخار كل الناس أو بعضهم، فإن أبيح الانتفاع به شرعاً فتقوم''. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ٣/٤، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

''المالية تثبت بتمول الناس كافةً أو بعضهم''. (الدر المختار، كتاب البيوع: ٤/٥٠١، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ٤/٣٤٥، الفصل الأول: عقد البيع)

نہیں رہتے۔ ایسے تاجر سے کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے وغیرہ خریدنا بہتر ہے یا ہندو سے خریدنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسلمان سے خریدنا بہتر ہے(۱)، جب تک متعین طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حرام شے فروخت کر رہا ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



---

(۱) افضل تو یہ ہے کہ مسلمان ہی سے خرید وفروخت کا معاملہ کیا جائے، البتہ اگر کافر اصلی سے حلال اشیاء کی خرید وفروخت کی جائے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں:

قال العلامة الكاساني: "ولا بأس بعمل الثياب والمتاع والطعام ونحو ذلك إليهم، لانعدام معنى الإمداد والإعانة .... إلا أن الترك أفضل؛ لأنهم يستخفون بالمسلمين ويدعونهم إلى ماهم عليه". (بدائع الصنائع: ٩/٢٠٤، كتاب السير، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويتعين أن لا يشترى المسلم الدقيق من طواحين أهل الكتاب، ولا يطحن عندهم، لوجوه: أحدها ما تقدم من أنه يعين أهل الكفر بذلك. الثاني: أنه يترك إعانة إخوانه المسلمين". (المدخل لابن أمير حاج: ١٧٤/٤، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في جواهر الفقه، باب: شریعت اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات: تحت عنوان: معاملات کفار میں تعلیمات: ١٨٣/٢، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(٢) قال العلامة الطحطاوي: "إن علم أن العين التي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمة وباعوها في الأسواق، فإنه لاينبغي شراء ها منهم وإن تداولته الأيدي". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ١٩٢/٤، دارالمعرفة، بيروت)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس به، إلا أن يعلم بأنه حرام".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ٣٤٢/٥، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ١٨٦/٤، غفاريه كوئٹه)

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول فی البیع الباطل

(بیعِ باطل کا بیان)

خنزیر کی بیع

سوال[۷۷۶۱]: ایک مسلم شخص کو جنگل میں ایک زخمی سور مل گیا ہے، وہ اس کو روپے میں فروخت کرتا ہے۔ کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

خنزیر نجس العین (۱) اور قطعی حرام ہے (۲)، اس کو فروخت کرنا بیعِ باطل ہے، ہرگز جائز نہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۰ھ۔

---

(۱) "بخلاف الخنزير؛ لأنه نجس العين؛ إذ الهاء في قوله تعالىٰ: ﴿فإنه رجس﴾ منصرف إليه لقربه". (الهداية، كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالايجوز به: ۱/۴۱، شركت علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ (سورة المائدة: ۳)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وبطل مال غير متقوم: أي غير مباح الانتفاع به وخنزير وميتة". (الدرالمختار: ۵/۵۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"لم يجز بيع [الميتة] والدم والخنزير والخمر والحُرّ وأم الولد والمدبر والمكاتب، لعدم ركن البيع، وهو مبادلة المال بالمال، وبيع هذه الأشياء باطل". (تبيين الحقائق: ۴/۳۶۲، كتاب =

خنزیر کے بالوں کے برش کی بیع

سوال[۷۷۶۲]: آج کل جُوتا وغیرہ صاف کرنے کے جو برش آتے ہیں، ان میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جن میں خالص خنزیر کے بال ہوتے ہیں۔ چونکہ ان برشوں میں علاوہ ان بالوں کے لکڑی وغیرہ بھی ہوتی ہے، اس بناء پر بھی بیع وشراء کی کسی درجہ میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

لکڑی وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے اس کی خریداری اصالۃً مقصود نہیں ہوتی ہے، وہ تابع ہوتی ہے، اس لئے لکڑی وغیرہ کی وجہ سے خنزیر کے بالوں کی بیع کی اجازت نہیں دی جائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۵ھ۔

= البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وكذا يبطل بيع مال غير متقوم كالخمر، والخنزير بالثمن". (مجمع الأنهر: ۷۸/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۷۸/۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۱۶/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۱۶/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الخامس في بيع المحرم الصيد وفي بيع المحرمات، رشيديه)

(۱) "ولايجوز بيع شعر الخنزير؛ لأنه محرم، فيبطل، لنجاسته". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۸۵/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"وشعر الخنزير، ينتفع به للخرز: أى لايجوز بيع شعره، ويجوز الانتفاع به، للخرز؛ لأنه نجس العين". (كنز الدقائق). "(وشعر الخنزير): أى لم يجز بيعه إهانةً له، لكونه نجس العين كأصله". (البحر الرائق: ۱۳۲/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"وشعر الخنزير لنجاسة عينه: أى عين الخنزير بجميع أجزائه، فيبطل بيعه". (ردالمحتار: ۷۱/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

چڑھاوا کی بیع

سوال[۷۷۶۳]: ۱...... جو ہندو لوگ رام کے نام پر برہمنوں کو پن کرتے ہیں (۱) اور خیرات کرتے ہیں، کپڑا یا جانور دیتے ہیں۔ تو وہ جانور یا کپڑا مسلمانوں کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... جو مسلمان لوگ یا ہندو لوگ چڑھاوا چڑھاتے ہیں یعنی مسلمان پیر کے نام پر کپڑا یا جانور چڑھاتے ہیں، تو اس چیز کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

۳...... جو ہندو لوگ دیوی یا بت کے نام پر جانور یا کپڑا چڑھاتے ہیں تو یہ مسلمان کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جائز ہے (۲)۔

---

(۱) ''پن: خیرات، صدقہ، دان، عطا، کارِ خیر، نیک کام''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۳، فیروز سنز، لاھور)

(۲) **سوال:** ''سانڈ کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ چونکہ اس میں مقلدین وغیر مقلدین میں اختلاف ہے، لہٰذا مفصل تحریر فرمایئے، اور تفسیر احمدی ملا جیونؒ ملاحظہ فرمالیجئے، اور ﴿ماجعل الله من بحيرة ولاسائبة﴾ الخ، کا کیا مطلب ہے''؟

جواب: ''اس میں تفصیل ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے غیر اللہ کے نامزد کوئی جانور کر دیا، اور اسی نیت سے اس کو ذبح کیا، گو وقت ذبح بسم اللہ بھی کہے یہ تو حرام ہے، قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے اور کتب فقہ درمختار وغیرہ میں تصریحاً مذکور ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام محض تعبیر وعنوان میں ہے، نیت میں ان کا تقرب وترضی مقصود نہیں، جیسے حدیث میں عقیقہ کے وقت یہ کہنا وارد ہے: ''هذا عقيقة فلان'' یہ بلا شبہ حلال ہے، اور صاحب تفسیر احمدی اسی کو حلال کہتے ہیں، چنانچہ ان کا منہیہ اس کا شاہد ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بہ نیت وعقیدہ فاسدہ اس کو چھوڑا، اور حاکمِ وقت نے کسی وجہ سے اس کو پکڑ کر نیلام کر دیا، اور کسی نے خرید کر اس کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، کیونکہ استیلاء موجبِ ملک ہے، جب مالک وہ پہلا شخص نہ رہا اس کا فسادِ نیت قابل اعتبار نہیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اسے نیتِ بد سے چھوڑ دیا تھا، دوسرے نے چرا چھپا کر ذبح کیا، یہ حرام ہے، دو وجہ سے: اول فسادِ نیتِ مالک سے، کیونکہ سائبہ کرنے سے خارج عن الملک نہیں ہوتا، دوسرے غصب و سرقہ کی وجہ سے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مالک نے اپنی نیتِ فاسد سے توبہ کر لی اور اس حیوان کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، لارتفاع =

۲......وہ بکرا یا کپڑا وغیرہ اس چڑھانے والی کی ملک ہے، کسی دوسرے کی ملک میں داخل نہیں ہوا(۱)، پس اگر اصل مالک سے خریدے، تو درست ہے(۲) اور کسی دوسرے فقیر وغیرہ سے جو کہ چڑھوائے اس کا خریدنا درست نہیں۔ اصل مالک اس کے متعلق نیت فاسد کر چکا ہے، اس سے توبہ ضروری ہے(۳)۔

= علة النهي. اور ﴿ماجعل الله﴾ الخ کا مطلب اس فعل کی نفی ہے، جو مزعوم کفار تھا، یعنی حرمت انتفاع بوجہ تعظیم واحترام۔ واللہ اعلم"۔ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، باب: کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، عنوان: غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا حکم: ۴/۹۹، دار العلوم کراچی)

(وأحسن الفتاویٰ، کتاب الإیمان والعقائد، تحت عنوان: سائبہ کی تحقیق: ۱/۵۱، سعید)

(۱) "فی الصید أنه لایملکه إذا لم یبحه، وکذا فی الدابة إذا سیبها، کمابسطه الشرنبلالی". (الدر المختار: ۶/۴۷۷، کتاب الصید، قبیل کتاب الرهن، سعید)

"ولقائل أن یقول: یستدل بالآیة علی نظیر ذلک، وهو مایُلقی فی الأنهار والطریق وقرب الأشجار من طرح البیض والفراریج ونحو ذلک، فلایجوز فعله، ولایزول ملک المالک". (تفسیر القاسمی: ۴/۴۰۴، سورة المائدة: ۱۰۳)

(۲) "یشرط لنفاذ البیع أن یکون البائع مالکاً للمبیع، أووکیلاً لمالکه". (شرح المجلة لسلیم رستم، باز، ص: ۲۰۳، (رقم المادة: ۳۶۵)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وأن یکون مملوکاً فی نفسه، وأن یکون ملک البائع فیما یبیعه لنفسه". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۲، کتاب البیوع، الباب الأول فی تعریف البیع ورکنه وشرطه..........اهـ، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۴۳۳، کتاب البیوع رشیدیه)

(۳) "ولایجوز لخادم الشیخ أخذه ولا أکله ولاالتصرف فیه بوجهٍ من الوجوه، إلا أن یکون فقیراً، أوله عیال فقراء عاجزون عن الکسب وهم مضطرّون، فیأخذونه علی سبیل الصدقة المبتدأة وأخذه أیضاً مکروه مالم یقصد الناذر التقرب إلی الله، وصرفه إلی الفقراء، ویقطع النظر عن نذر الشیخ". (حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۴۷۱، کتاب الصوم، دار المعرفة بیروت)

(وکذا فی حاشیه الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، فصل فی مایلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/۴۲، کتاب الصوم، فصل فی النذر، إمدادیه ملتان)

۳...... جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۰/۵۹ھ۔

نمبر ا، میں یہ اضافہ کرتا ہوں کہ توبہ سے قبل بھی خریدنا جائز نہیں، بعد توبہ خرید سکتا ہے، ھکذا فی حواشی الدرر۔

باقی جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ ہٰذا۔

چڑھاوے کے بکرے کی بیع

سوال [۷۷۶۴]: دریائے گنگا کو ہندو دیوتا مانتے ہیں اور ہندو عورتیں اس سے اولاد کی مرادیں مانگتی ہیں، اولاد ہونے پر عورتیں بکری کا بچہ لے کر بال منڈوانے کی غرض سے گنگا کے کنارے جاتی ہیں جہاں بچہ کا سر منڈاتی ہیں اور بکری کے بچہ بطور چڑھاوے، یا دان (۱) کے زندہ پانی میں ڈال دیتی ہیں۔ گھاٹ کے ٹھیکدار بکری کو پانی سے نکال لیتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں جسے ہندو مسلمان سب ہی خریدتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے اس کی خرید وفروخت اور ذبح کر کے کھانا جائز وحلال ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اظہار ہاشمی، انجمن امداد المسلمین، قصبہ ضلع باڑہ، ضلع پٹنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جانور غیر اللہ کے نام پر نامزد کردیا گیا اور چڑھاوے کے طور پر چڑھا دیا گیا، وہ بالکل مردار اور میتۃ کے حکم میں ہے، اس کا خریدنا اور فروخت کرنا اور ذبح کر کے کھانا سب حرام ہے (۲)۔ اس کی تفصیل اور دلیل

---

(۱) ''دان: نذر، خیرات''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۱۱، فیروز سنز، لاهور)

(۲) ''واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفها لفقراء الأنام''. (الدرالمختار: ۲/۴۳۹، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم، سعید)

''وکذا مایقع من المعتقدین للأموات من الذبح علی قبورهم، فإنه ما أهل به لغیر الله، ولافرق بینه وبین الذبح للوثن''. (فتح القدیر للشوکانی: ۱/۱۷۰، مصر)

''قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبیحةً، وقصد بذبحها التقربَ إلی غیر الله، صار مرتداً، =

مطلوب ہوتو فتاوی عزیزیہ: ۱/۲۲، دیکھئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الاولی/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= وذبيحته ذبيحة مرتد". (تفسير النيشابوری علی هامش تفسير الطبری: ۲/۱۲۰، دار المعرفة بيروت)

"لوأن مسلماً ذبح، وقصد بذبحها التقرب إلى غير الله، صار مرتداً، وذبيحته ذبيحة مرتد".

(التفسير الكبير للإمام فخر الدين الرازی: ۵/۱۱، طهران)

سوال: "سانڈ کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ چونکہ اس میں مقلدین وغیر مقلدین میں اختلاف ہے، لہٰذا مفصل تحریر فرمایئے، اور تفسیر احمدی ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرمالیجئے، اور ﴿ماجعل الله من بحيرة ولا سائبة﴾ الخ، کا کیا مطلب ہے؟

جواب: "اس میں تفصیل ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے غیر اللہ کے نامزد کوئی جانور کر دیا، اور اسی نیت سے اس کو ذبح کیا، گو وقت ذبح بسم اللہ بھی کہے یہ تو حرام ہے، قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے اور کتب فقہ درمختار وغیرہ میں تصریحاً مذکور ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام محض تعبیر وعنوان میں ہے، نیت میں ان کا تقرب وترضی مقصود نہیں، جیسے حدیث میں عقیقہ کے وقت یہ کہنا وارد ہے: "هذا عقيقة فلان" یہ بلا شبہ حلال ہے، اور صاحب تفسیر احمدی اسی کو حلال کہتے ہیں، چنانچہ ان کا منہیہ اس کا شاہد ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بہ نیت وعقیدہ فاسدہ اس کو چھوڑا، اور حاکمِ وقت نے کسی وجہ سے اس کو پکڑ کر نیلام کر دیا، اور کسی نے خرید کر اس کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، کیونکہ استیلاء موجب ملک ہے، جب مالک وہ پہلا شخص نہ رہا اس کا فسادِ نیت قابل اعتبار نہیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اسے نیتِ بد سے چھوڑ دیا تھا، دوسرے نے چرا چھپا کر ذبح کیا، یہ حرام ہے، دو وجہ سے: اول فسادِ نیتِ مالک سے، کیونکہ سائبہ کرنے سے خارج عن الملک نہیں ہوتا، دوسرے غصب و سرقہ کی وجہ سے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مالک نے اپنی نیتِ فاسد سے توبہ کر لی اور اس حیوان کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، لارتفاع علة النهی. اور ﴿ماجعل الله﴾ الخ کا مطلب اس فعل کی نفی ہے، جو مزعوم کفار تھا، یعنی حرمت انتفاع بوجہ تعظیم واحترام۔ واللہ اعلم۔ (إمداد الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، باب: کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، عنوان: غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا حکم: ۴/۹۹، دار العلوم کراچی)

(وكذا في إمداد الفتاویٰ، كتاب الإيمان والعقائد، تحت عنوان: سائبہ کی تحقیق، دار العلوم کراچی)

(وأحسن الفتاویٰ، كتاب الإيمان والعقائد، تحت عنوان: سائبہ کی تحقیق: ۱/۵۱، سعيد)

(۱) (فتاوی عزیزی، مسائل حج، عنوان: معنی آیت وما أهل لغير الله، ص: ۵۰۷، سعيد)

آزاد عورت کی بیع

سوال[۷۷۶۵]: عورت کے وارث کو روپیہ دے کر نکاح کرنا، یعنی عورت کی خرید کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرہ عورت کی خرید وفروخت حرام ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حرہ کی بیع پر ایک قیاس

سوال[۷۷۶۶]: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زرخرید عورت بغیر نکاح کے رکھنا درست ہے، اگر درست ہے تو پھر بازار کی طوائف عورت بھی درست ہونا چاہئے، کیونکہ اس کو بھی انسان دس منٹ کے لئے خریدتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلامی طریقہ پر جب جہاد کیا جائے، اس میں جو عورتیں گرفتار کر کے لائیں جائیں اور امیر المومنین ان کو غازیوں میں تقسیم کرے تو وہ شرعی باندی ہوتی ہیں(۲)، جس کی ملک میں شرعی طریقہ سے آجائیں اس کو

---

(۱) "عن سعيد بن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه، عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "قال الله تعالى: (ثلثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منه ولم يعط أجره)". (صحيح البخاري: ۱/۲۹۷، كتاب البيوع، باب إثم من باع حراً، قديمي)

"بطل بيع ما ليس بمال كالدم والميتة والحر والبيع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۵۰-۵۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۱۵، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الحر: ۱۴/۱۱۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۱۲، كتاب البيع، باب خيار العيب، رشيديه)

(۲) "ما فتح الإمام عنوةً قسّمه بين المسلمين: أي الفاتحين، كمافعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بخيبر، فحينئذ يكون نفس البلاد عشرية، وفيه أشعار بأنه يسرّق نساء هم، وذراريهم". (مجمع الأنهر: =

بلا نکاح استعمال کرنے کا حق ہے(۱)، آج ایسی باندیاں موجود نہیں، نہ اسلامی طریقہ پر جہاد ہے۔ بازار سے کسی حرہ عورت کو خریدنا(۲) اور بلا نکاح اس کو استعمال کرنا حرام ہے(۳)۔ اور دس منٹ کے لئے خریدنا، خریدنا نہیں

= ۲/۴۲۱، کتاب السیر والجهاد، باب الغنائم وقسمتها، غفاریه کوئٹه)

"وإن ظهر المسلمون عليهم، فلم يسلّموا، فالإمام بالخيار إن شاء استرقّهم وقسمهم وأموالهم بين الغانمين" (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۲۰۵، الفصل الأول فی الغنائم، رشيديه)

"مافتح الإمام عنوةً .... يعني: إذا فتح الإمام بلدةً قهراً، فهو بالخيار: إن شاء قسّمها بين الغانمين". (تبيين الحقائق). قال العلامة الشلبی: "(قوله: إن شاء، قسّمها بين الغانمين): أی مع رؤوس أهلها استرقاقاً، وأموالهم". (حاشيه الشلبی علی تبيين الحقائق، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها: ۴/۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون، إلا علی أزواجهم أوماملكت أيمانهم، فإنهم غير ملومين﴾ (المومنون: ۶)

"إعلم أن الفرج لايحل إلامن وجهين لاثالث لهما، وهما: النكاح، والملك، لقوله تعالی: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون، إلاعلی أزواجهم أو ماملكت أيمانهم، فإنهم غير ملومين﴾. (النتف فی الفتاوی، ص: ۱۶۳، كتاب النكاح، سعيد)

(۲) "عن سعيد بن أبی سعيد، عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: قال الله تعالیٰ: ثلثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفیٰ منه ولم يعط أجره". (صحيح البخاری، كتاب البيوع، باب إثم من باع حراً: ۱/۲۹۷، قديمی)

"بطل بيع ماليس بمال كالدم والميتة والحر". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۲، سعيد)

(وكذا فی إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهی عن بيع الحر: ۱۴/۱۱۵، إدارة القرآن كراچی)

(۳) آزاد عورت کو خرید کر بغیر نکاح اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنا زنا ہے اور زنا نصِ قرآنی سے حرام ہے، قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (الإسراء: ۳۲)

بلکہ حرامکاری کر کے منہ کالا کرنا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۰/۹/۸۹ھ۔

بیوی کو بیچنا

سوال[۷۷۶۷]: جو اپنی بیوی کو بیچتا ہے اس کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟اور بائع سے پھر روپیہ واپس لے لیں، اب اس کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟اور محلہ دار جو زور دے کے اسے روپیہ دلواتے ہوں تو ان کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بیوی کو بیچنا حرام ہے(۲)، بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں گنہگار ہیں، روپیہ واپس کرنا فرض ہے، خریدنے سے اس سے جماع حلال نہ ہوگا، بلکہ وہ زنا ہوگا، لہذا بیوی جس کی ہے اس کو واپس کردی جائے اور روپیہ جس کا ہے واپس کر دیا جائے(۳)۔

---

(۱) "عن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن متعة النساء". الحدیث. (جامع الترمذی: ۲۱۳/۱، أبواب النكاح، باب ماجاء فی نكاح المتعة، سعید)

"عن ربیع بن سبرة عن أبیه رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرّم متعة النساء". (سنن أبی داؤد: ۲۹۰/۱، کتاب النكاح، باب فی نكاح المتعة، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۲) "عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "قال اللہ تعالی: (ثلاثة أنا خصمهم یوم القیامة: رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استاجر أجیراً فاستوفی منه ولم یعط أجره". (صحیح البخاری: ۲۹۷/۱، کتاب البیوع، باب إثم من باع حراً، قدیمی)

(۳) "قبض المشتری المبیع بیعاً باطلاً بإذن مالكه، لایملكه، وهو أمانة فی یده عند البعض، ومضمون عند البعض". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۹۴/۳، کتاب البیوع، غفاریہ کوئٹہ)

"والبیع الباطل حكمه عدم ملك المشتری إیاه إذا قبضه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۹/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"البیع الباطل لایفید الحكم أصلاً، فإذا قبض المشتری المبیع بإذن البائع فی البیع الباطل، كان المبیع أمانةً عند المشتری، فلو هلك بلاتعد، لایضمنه". (شرح المجلة، لسلیم رستم باز، ص: ۲۰۷، (رقم المادة: ۳۷۰)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

محلّہ والوں کو حرام کام کی امداد کرنا حرام ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

مردار کی گیلی کھال فروخت کرنا

سوال [۷۷۶۸]: مردہ جانور کی گیلی کھال بکرا، یا بھیڑ کی جو چمار لوگ نکال کر لاتے ہیں جو گیلی ہوتی ہے، وہ کھال مسلمان خرید کر اس پر نمک وغیرہ اپنے ہاتھ سے لگاتے ہیں۔ ایسی صورت میں نمک لگانا اپنے ہاتھ سے کیسا ہے، اور کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار کی گیلی کھال بغیر دباغت دیئے ناپاک اور حرام ہے، اس کو خریدنا بھی حرام ہے، یہ بیع باطل ہے، دباغت کے بعد وہ پاک ہوجائے گی، اور خرید وفروخت بھی درست ہوگی (۲)۔ اولاً چمار وغیرہ سے نمک وغیرہ لگوا کر اس کو دباغت دے لیا جائے، پھر اس کو خریدا جائے (۳)۔ مردار کی گیلی کھال کو ہاتھ لگا کر دباغت دینا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"فیعم النهی کل ماهو من مقولة الظلم والمعاصی، ویندرج فیه النهی عن التعاون علی الاعتداء والانتقام". (روح المعانی، سورة المائدة، (رقم الآیة: ۲) : ۶/۵۷، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "وجلد المیتة قبل الدبغ: أی لم یجز بیعه؛ لأنه غیر منتفع به، قال علیه السلام: "لاتنتفعوا من المیتة بإهاب" .... وبعده یباع وینتفع به". (البحر الرائق: ۶/۱۳۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(۳) "ولابیع جلود المیتة قبل أن تدبغ؛ لأنه غیر منتفع، ولابأس ببیعها والانتفاع بهابعد الدباغ". (الهدایة: ۳/۵۸، باب البیع الفاسد، إمدادیه ملتان)

"لایجوز بیع جلود المیتة قبل الدباغ؛ لأنها غیر منتفع بها، ولیست بمال، لنجاستها، فیبطل، بخلاف الثوب والدهن المتنجس، فإنهاعارضة. ویجوز بیعها بعده: أی بعد الدباغ". (مجمع الأنهر: ۳/۸۶، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۵۶، کتاب البیوع، الباب السابع فی خیار الرؤیة، الفصل الخامس، رشیدیه)=

جائز ہے، ہاتھ ناپاک ہونے پر ہاتھ پاک کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۵ھ۔

خون کی بیع وشراء

سوال[۷۷۶۹]: ایک تندرست آدمی اپنا خون بینک میں جمع کرواسکتا ہے یا نہیں، یا اگر کسی کی جان خطرہ میں ہوتو اپنا خون دے سکتے ہیں یا نہیں؟

غلام صابر، لندن انگلینڈ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خون کی خرید وفروخت جائز نہیں، یہ بیع باطل ہے(۱)۔ اگر ایسی حالت ہو کہ جان بچنے کی کوئی صورت

=(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۷۷، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "بطل بيع ماليس بمال كالدم المسفوح، فجاز بيع كبد وطحال". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۱، سعيد)

"وإذا كان أحد العوضين أو كلاهما محرماً، فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والدم .... فنقول: البيع بالميتة والدم باطل، وكذا الحر، لانعدام الركن وهو مبادلة المال بالمال، فإن هذه الأشياء لاتُعدّ مالاً عند أحد". (الهداية: ۳/۵۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

"بيع الخمر والميتة والدم وذبيحة المجوسي.......... باطل". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۱۳۳، فصل في البيع الباطل، رشيديه)

"وبيع ماليس بمال، والبيع به باطل كالدم والميتة والحر". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۷۷، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئته)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۶/۵۴۹، كتاب البيوع، فصل فيما يرجع إلى المعقود عليه، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۶۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۱۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

نہ ہوتو مجبوراً بقدرِ ضرورت خون کا ایثار کرنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/۲/۹۵ھ۔

شراب وغیرہ کی بیع

سوال[۷۷۷۰]: ایک مسلم، غیر مسلم کے ذریعہ شراب کی تجارت کرتا ہےاور شراب خود بناتا ہےاور سُلفا، افیون کی تجارت بھی کرتا ہے(۲)۔اس کی شریعت مطہرہ میں جواز کی کیا صورت ہے؟

---

(۱)عورت کا دودھ پینا حرام ہے،لیکن تداوی کے لئے ضرورۃً اس کا پینا جائز ہے،اس طرح اگر خون سے کسی کی جان بظاہر بچنے کی امید ہوتو اس کی بھی گنجائش ہے:"ولابأس بأن يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۵۵/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، رشيديه)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه، وكذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه، ودفع الصائل، ولو أدّى إلى قتله". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۷۵، ۲۷۶، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

''جان بچانے کے لئے مجبوری واضطرار کی صورت میں انسانی خون کو استعمال کر لینے کی اور اس کا انجکشن لگا دینے کی تداوی بالمحرم کے قاعدہ کے مطابق شرعاً گنجائش ہے،مگر اس گنجائش کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خون مباح الاصل ہوگیا، یا مطلقاً جائز الاستعمال ہوگیا ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ ضعفِ بشری اور معذوری کا لحاظ رکھتے ہوئے بطور مراحم خسروانہ اس استعمال پر آخرت میں مواخذہ یا گرفت نہ ہوگی اور ایسا کرنے والے عنداللہ گنہگار شمار نہ ہوں گے، بلکہ عفوو درگزر کا معاملہ ہوگا .... اھ''۔(نظام الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، خون اور انسانی اعضاء کو طبی اعراض کے لئے استعمال کرنے کا حکم: ۳۵۶/۱، مكتبه رحمانيه لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۲۰۵/۸، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ حقانيه، كتاب الكراهية والإباحة، باب التداوي، بیمار کو خون دینے کا حکم: ۴۰۰/۲، جامعه دارالعلوم حقانيه نوشهره)

(۲) ''سُلفا: ایک دفعہ چلم بھرنے کے قابل تمباکو، یا چرس''۔(فيروز اللغات، ص: ۸۰۶، فيروز سنز لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

شراب کی بیع جائز نہیں (۱)۔ کتب فقہ: بحر وغیرہ میں تصریح ہے (۲) سلفہ، افیون وغیرہ کی تجارت بھی منع ومکروہ ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "إن اللہ حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام". (إعلاء السنن: ۱۴/۱۰۴، باب حرمة بیع الخمر، إدارة القرآن کراچی)

"قال عطاء بن أبی رباح: سمعت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح وھو بمکة: "إن اللہ ورسولہ حرّم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۷، باب مالایحل بیعہ، قدیمی)

"عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: لمانزلت أیات الربوا، قام رسول صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر، فتلاھنّ علی الناس، ثم حرم التجارة فی الخمر". (سنن النسائی، ص: ۲/۲۳۰، بیع الخمر، قدیمی)

"قال ابن عباس: إن رجلاً أھدی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راویة فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ھل علمت أن اللہ تعالی قد حرمھا"؟ قال: لا، فسارّ إنساناً، فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "بم ساررتَہ"؟ فقال: أمرتُہ ببیعھا، فقال: "إن الذی حرم شربھا، حرم بیعھا". (الصحیح لمسلم: ۲/۲۲، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحریم بیع الخمر، قدیمی)

(۲) "لم یجز بیع المیتة والدم والخنزیر والخمر والحر". (البحرالرائق: ۶/۱۱۲، باب البیع الفاسد، رشیدیہ)

(۳) یہ اس صورت میں منع ہے کہ حکومت کی طرف سے افیون کی خرید وفروخت پر پابندی ہو اور افیون فروخت کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ خریدار افیون سے ہیروئن بنائے گا۔ البتہ اگر فروخت کنندہ کو کچھ معلوم نہ ہو کہ خریدار افیون سے کیا بنائے گا، اور یا یہ معلوم ہو کہ خریدار فیون کو ادویات میں استعمال کرے گا تو ان صورتوں میں افیون کی خرید وفروخت جائز ہے:

"طاعة الإمام حق علی المرء المسلم مالم یأمر بمعصیة اللہ، فإذا أمر بمعصیة اللہ، فلاطاعة لہ".

قال العلامة المناوی تحتہ: "(طاعة الإمام) الأعظم (حق علی المرء المسلم) وإن جار (مالم =

دارالاسلام میں ذمی کو حرام اشیاء فروخت کرنے کی اجازت جزیہ کے بدلے

سوال[۷۷۷۱]: کتاب غنیۃ الطالبین مترجم امان اللہ خاں سرحدی، ناشر ملک پبلشرز پرائیوٹ لمٹیڈ، دیوبند ضلع سہارن پور، ص ۲۶۳، پر تحریر ہے کہ:

= يأمر بمعصية الله، فإذا أمر بمعصية الله فلا طاعةله)؛ لأنه لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق. وخص المسلم؛ لأنه الأحق بالتزام هذا الحق، وإلا فكل ملتزم للأحكام كذلك. وفيه أن الإمام إذا أمر بمندوب، يجب طاعته فيه، فيصير المندوب واجباً، كما إذا أمرهم به ثلاثة أيام في الاستسقاء فإنه يلزمهم الصوم ظاهراً وباطناً، بل ذكر بعض الشافعية أنه إذا أمر بصدقة أو عتق، يجب". (فيض القدير (رقم الحديث: ۵۲۴۶): ۷/۳۸۵۴، ۳۸۵۵، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۱۷۲، ۴/۲۶۴، سعيد)

"وبيع العصير ممن يتخذه خمراً، وبيع الأمرد ممن يعصي به، وإجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر، أو يتخذها كنيسةً أو بيتَ نار وأمثالها، فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع أو الآجر، من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم، كان معذوراً". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۲/۴۵۳، دارالعلوم كراچى)

"وجازبيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه، بل بعد تغيره". (الدرالمختار). "(قوله: ممن يعلم) فيه إشارة إلى أنه لولم يعلم، لم يكره بلاخلاف". (ردالمحتار: ۶/۳۹۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"ويحل القليل النافع من البنج وسائر المخدرات للتداوى ونحوه؛ لأن حرمته ليست لعينه، إنما لضرره". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۷/۵۵۰۵، رشيديه)

سوال: "افیون کی کاشت کرنا اور بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب: زمان سابق میں افیون تداوی میں بکثرت استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ عموماً تلہی کے طور پر استعمال کی جاتی تھی، اس لئے بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی بیع کو مکروہ تحریر فرمایا ہے، مگر آج کل افیون دوا کے طور پر بکثرت سے استعمال ہونے لگی ہے اور علاج میں بڑی اہمیت اور شہرت حاصل کر چکی ہے، بلکہ ضرورت شدیدہ کی حد تک پہنچ گئی ہے، لہٰذا اس کی بیع بلا کراہت جائز ہے، البتہ جس شخص کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ تلہی کے طور پر استعمال کرے گا اس کے ہاتھ بیچنا مکروہ تحریمی ہے"۔ (أحسن الفتاویٰ، کتاب البیوع، عنوان: افیون کی کاشت وبیع جائز ہے: ۶/۴۹۴، سعید)

''ذمی، یہودی، نصرانی، مجوسی، سور، شراب وغیرہ جیسی حرام چیزیں فروخت کرنا چاہیں تو ان کو اس کی اجازت دینی چاہیئے، ہاں قیمت کا دسواں حصہ وصول کرنا مقرر کرلیا جائے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ان لوگوں کو یہ چیزیں فروخت کرنے کی اجازت دیدو اور ان کی قیمت کا دسواں حصہ ان سے لے لو'' (۱)۔

گذارش یہ ہے کہ حکومت اسلامی میں رہنے والے غیر مسلموں سے جزیہ لیا جاتا ہے اور اس کے بدلے ان کی جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ تو کیا جزیہ لینے کے بعد حرام چیزوں کی فروخت پر قیمت کا دسواں حصہ وصول کرنا شرعاً جائز ہوگا یا ناجائز، اور کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کفار ذمی بن کر دار الاسلام میں رہیں، ان سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے (۲) اور ان کے جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور شراب وخنزیر کی بیع ان کے مذہب میں جائز ہے، اس پر پابندی عائد نہیں کی جاتی ہے۔ بلکہ ان کو فروخت کرنے کی اجازت ہے، یہ حنفیہ کا مسلک ہے، جو کتبِ فقہ میں مذکورہ ہے (۳)۔ اور جزیہ یا

---

(۱) ''عن سوید بن غفلة: أن بلالاً قال لعمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه: إن عُمّالک یأخذون الخمر والخنازیر فی الخراج، فقال: لا تأخذوها منهم، ولکن ولوهم ببیعها وخذوا أنتم من الثمن''. (إعلاء السنن، کتاب البیوع، باب حرمة بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام: ۱۴/۱۱۱، ۱۱۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا یدینون دین الحق، من الذین أوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون﴾ (سورہ التوبة: ۲۹)

''وتوضع (أی الجزیة) علی کتابيّ ومجوسيّ ووثنيّ عجميّ لاعربيّ''. (البحر الرائق: ۵/۱۸۶، کتاب السیر، فصل فی الجزیة، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۱۵۷، کتاب السیر، فصل فی الجزیة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) ''والذمی کالمسلم فی بیع غیر الخمر والخنزیر .... ومالا یجوز من الربا وغیره، لایجوز لهم إلا فی الخمر والخنزیر، فإنّ عقدهم فیها کعقد المسلم علی العصیر والشاة''. (تبیین الحقائق: ۴/۵۳۲، =

خراج حسبِ اصول لیا جاتا ہے، دسواں حصہ متعین نہیں (۱)۔ غنیۃ الطالبین حنفی مسلک کی کتاب نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۱۴۰۱ھ۔

مول پر آم کی بیع

سوال[۷۷۷۲]: آج کل جو آم اور دیگر پھل خریدے جاتے ہیں، ان کی عموماً بیع ناجائز ہوتی ہے، کیونکہ اکثر اس طریقہ سے خریدے جاتے ہیں کہ آم چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں، اسی وقت خرید لیتے ہیں۔ اور بعض مول آنے آنے خرید لیتے ہیں۔ جب بیع ناجائز ہو چکی تو پکنے کے بعد جو خرید کر کھائے جاتے ہیں، ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا وجہ جب بیع اول باطل ہو چکی؟ اگر ناجائز ہے تو کیا وجہ؟ اس کے اندر اکثر علماء بھی شرکت فرماتے ہیں۔ کوئی وجہِ جواز کی اس میں نکلتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مول پر آم کی بیع باطل ہے (۳)، ایسی بیع کے خرید ہوئے آم کھانا اور خریدنا منع ہے، جس کو بھی معلوم

= كتاب البيوع، باب المتفرقات، دار الكتب العلمية بيروت)

"الذمي كالمسلم إلا في الخمر، فإنها في حقه كالخل، والخنزير في حقه كالشاة.......... في البحر: لايُمنعون من بيع الخمر والخنزير". (مجمع الأنهر: ۱۵۲/۳، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئثة)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۲۸/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱۰۳/۳، كتاب البيوع، مسائل منثورة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "توضع على الظاهر الغني في السنة ثمانية وأربعون درهماً، وعلى المتوسط نصفها، وعلى الفقير القادر على الكسب رُبعها". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴۷۱/۲، كتاب السير والجهاد، فصل في الجزيه، غفاريه كوئٹه)

(۲) یہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) "بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمرةٍ لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة، الفصل الثاني فيما يجوز بيعه ومالايجوز، ص: ۹۸، (رقم المادة: ۲۰۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه) .... =

ہو، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل اس کا خریدنا ناجائز ہے(۱)۔ ہاں! اگر درخت پر آم آچکے ہیں اور ان کی کچھ قیمت مل سکتی ہے، تو انکی بیع درست ہے(۲)، لیکن اسی وقت ان کا توڑنا لازم ہے۔ اگر بائع کی مرضی کے خلاف ان کو نہ

= "لاخلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر". (فتح القدير: ۲۸۷/۶، كتاب البيوع، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"بيع الثمار على الشجر لايخلو: إما أن يكون قبل الظهور أو بعده، والأول لايجوز". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۲۸۷/۶، كتاب البيوع، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"بيع الثمار قبل الظهور لايصح اتفاقاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار: ۱۰۶/۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳۵۹/۳، إمداديه ملتان)

(۱) "والبيع الباطل حكمه عدم ملك المشتري إياه إذاقبضه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۹/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"والبيع الباطل لايفيد الملك وإن اتصل به القبض". (فتاوىٰ قاضي خان على الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۳۳/۲، كتاب البيوع، فصل في البيع الباطل، رشيديه)

"الحرمة تتعدى في الأموال مع العلم بها". (الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة،: ۵۰۴/۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "بيع الثمار قبل الظهور لايصح اتفاقاً، فإن باعها بعد أن تصير منتفعاً بها، يصح. وإن باعها قبل أن تصير منتفعاً بها بأن لم تصلح لتناول بني آدم وعلف الدواب، فالصحيح أنه يصح". (الفتاوى العالمكيرية: ۱۰۶/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار، رشيديه)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولم يبد، صح)؛ لأنه مال متقوم، إما لكونه منتفعاً به في الحال أو في المآل (ويقطعهاالمشتري للحال)". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۲۵/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا، تصح)؛ لأنه مال منتفع به في الحال أو في المال، ويقطعها المشتري". (تبيين الحقائق: ۲۹۵/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۵۵۴/۴، ۵۵۵، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل في المبيع تبعاً =

توڑا تو جس قدر زیادتی آموں میں ہوگی، وہ مشتری کی ملک میں نہ ہوگی، بلکہ بائع کی ہوگی (۱)۔

اور اگر آم بالکل بڑے ہونے کے بعد بیع کی اور نفسِ عقد کے وقت بائع سے مشتری نے اجازت لے لی خواہ بذریعۂ اعارہ، بطریقِ اجارہ، یا بطریقِ شرط یہ بھی ناجائز ہے، لیکن اس صورت میں بیع فاسد ہوگی جس کا فسخ کرنا واجب ہے (۲)، تاہم مفیدِ ملک ہوگی، یعنی اگر مشتری سے کسی اَور نے وہ آم خریدے تو وہ بیع صحیح ہوگی۔ تاہم ایسی چیز خریدنے سے بھی علم کے بعد احتیاط چاہیے (۳)۔

اور اگر نفسِ عقد ختم ہونے کے بعد مشتری نے بائع سے اجازت لے لی، یا زمین ہی کرایہ پر لے لی ہے، یا کسی دوسرے طریق سے معلوم ہوگیا کہ بائع رضامند ہے تو اس کو اسی وقت ان آموں کا توڑنا لازم نہیں اور نیز بیع در بیع سب درست ہے۔ عالم اور جاہل کو ان آموں کا خریدنا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۵/۵۶ھ۔

= ومالایدخل، سعید)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/ ۳۵۹، كتاب البيوع، إمداديه ملتان)

(۱) "وإن تركها بإذن البائع بلااشتراط، طاب له الزيادة. وإن تركهابغير إذنه، تصدق بمازادفي ذاتها". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۲۷، غفاريه كوئٹه)

"لو تركها بإذن البائع، طاب له الفضل، وهو مازاد في ذات المبيع. وإن بغير إذنهم، فإن لم يتناه عظمها، تصدق به". (النهر الفائق: ۳/ ۳۵۹، كتاب البيوع، إمداديه ملتان)

(۲) عمومِ بلویٰ کی وجہ سے آم کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگانے کی بھی گنجائش ہے:

"أن تباع الثمار بعد ماتناهى عظمها وبدَا صلاحها، فشرط الترك في هذه الصورة جائزة عند محمد، وبه أفتى كثيرٌ من المشايخ، لعموم البلوى، واختاره الطحاوي، وإليه مال ابن الهمام وابن عابدين". (تكملة فتح الملهم، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدوّ صلاحها، حكم مايتعامل به الناس اليوم: ۱/ ۳۹۴، دارالعلوم كراچي)

(۳) "الحرمة تتعدد في الأموال مع العلم بها". (الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۴/ ۵۰۴، إدارة القرآن كراچي)

چوری شدہ شئ کی خریداری

سوال[۷۷۷۳] : ایک لڑکا مراہق بازار میں چلا جارہا تھا اس کے پاس قیمتی شی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں اس کو بیچتا ہوں، قیمت بہت کم بتلائی اور انتہائی کم قیمت میں وہ شی خریدی گئی، اس سے معلوم کیا کہ چوری کی تو نہیں اس نے انکار کیا، لیکن قرائن سے اغلب یہی ہے کہ وہ چوری کی شی تھی۔ اب اسے کیا کریں آیا صدقہ کریں یا کچھ اَور کریں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس شئ کے متعلق قرائن سے غالب خیال یہ ہو کہ یہ چوری کی ہے اس کو خریدنا درست نہیں (۱)، اگر خرید چکا ہے تو واپس کردے، اگر مالک کا علم ہو جائے تو اس کے حوالہ کردے (۲) پھر چاہے تو اس سے معاملہ کرکے خریدلے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۳/ ۸/ ٦۲ھ۔

---

(۱) قال عليه الصلوة والسلام: "من اشترى سرقةً وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها وإثمها". (فيض القدير: ۱۱/ ۵٦۵۴، (رقم الحديث: ۸۴۴۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

"لم يحل للمسلم أن يشترى شيئاً يعلم أنه مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغير حق، قال عليه السلام: "من اشترىٰ سرقةً": أى مسروقا "وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترک في إثمها وعارها". (الحلال والحرام، في الإسلام ليو سف القرضاوى، الفصل الرابع فى المعاملات، ص: ۲۱٦، المكتب الإسلامى)

"فمن علمتَ أنه سرق مالاً أو خانه في أمانته أو غصبه فأخذه من المغصوب، قهراً بغير حق، لم يجزلي أن آخذه منه، لا بطريق الهبة ولابطريق العوض ولاوفاءٍ عن أجرة ولاثمن مبيع". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية: ۲۹/ ۲۴۲، مكتبة العُبَيكان سعودى عرب)

"لايجوز التصرف فى مال غيره بلا إذنه ولا ولايته". (الدرالمختار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح: ٦/ ۲۰۰، سعيد)

(۲) "والحاصل: إن علم أرباب الأموال، وجب ردّه عليهم". (ردالمحتار، مطلب: فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/ ۹۹، ٦/ ۳۸۵، سعيد) .... =

کٹے ہوئے موئے انسانی کی کھاد اور اس کی تجارت

سوال[۷۷۷۴]: موئے انسانی جونائی کاٹ کر پھینک دیتا ہے، بطورِ کھاد کے کھیتوں میں استعمال کرنا اور اس کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۶/۲/۳ھ۔



= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(وكذا في الكاملية، ص: ۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولايجوز بيع شعر الآدمي، ولاالانتفاع به، ولابشيئ من أجزاءه؛ لأن الآدمي مكرّم غيرمبتذل". (مجمع الأنهر: ۸۵/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"وشعر الإنسان يعني لايجوز بيع شعر الإنسان والانتفاع به؛ لأن الآدمي مكرم، فلايجوز أن يكون جزءه مهاناً". (تبيين الحقائق: ۳۷۶/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۸/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲۱۱/۴، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق: ۱۳۳/۶، باب البيع الفاسد، رشيديه)

الفصل الثانی فی البیع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

بیع میں شرطِ فاسد

سوال[۷۷۷۵]: قربانی کی کھالوں کو ایک جگہ جمع کر کے اور پھر ان کو فروخت کر کے ان کے مصارف میں رقم صرف کی جاتی ہے، لیکن کھالوں کی بکری کے وقت خریدار سے یہ شرط کر لی جاتی ہے کہ گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو جتنی کھالیں جمع ہوں گی انہیں تمہیں اسی نرخ پر خریدنا ہوگا۔ اس طرح بیع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بیع کے لئے شرطیں لگانا مفسدِ عقد ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بیع کے بعد مبیع کا بائع کی ملکیت میں رہنے کی شرط لگانا

سوال[۷۷۷۶]: ایک شخص کی زمین ہے اس میں چونہ کا بھٹہ اور گودام ہے، وہ کرایہ پر دے

(۱) "ولو كان البيع بشرطٍ لايقتضيه العقد، وفيه نفع لأحد المتعاقدين: أى البائع والمشترى، أو لمبيعٍ يستحق النفع بأن يكون آدمياً، فهو: أى هذا البيع فاسد". (مجمع الأنهر: ۹۰/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"وكل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق، يفسده". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲۲/۳، شركت علميه ملتان)

(وكذا فى الدرالمختار مع ردالمحتار: ۸۴/۵، ۸۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"لو كان فى الشرط منفعة لأحدالمتعاقدين بأن شرط البائع أن يقرض المشترى أو على القلب، يفسد العقد". (خلاصة الفتاوى: ۵۰/۳، كتاب البيوع، الفصل الخامس فى البيع، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول فى تعريف البيع، رشيديه) =

رکھا ہے۔ دوسرا شخص اس زمین کا خریدار ہے، لینا چاہتا ہے، اس زمین کا بھٹہ وغیرہ توڑ کر اپنا مکان بنائے گا۔ کمپنی کی طرف سے قانون ہوگیا ہے کہ بھٹہ ایک سال میں اٹھادیئے جائیں، لہٰذا وہ خریدار اس بات کو کہتا ہے کہ جب تک کمپنی اجازت دے اس وقت تک کرایہ بھٹہ آپ لئے جائیں، خواہ ایک سال ہو یا دو سال ہو، اس وقت تک کوئی مکان وغیرہ نہیں بناوے گا۔

اس صورت میں بائع کو کرایہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز بھی ہو اس میں کوئی میعاد کی جاوے یا بلا میعاد بھی جائز ہوسکتا ہے؟ جو شرع شریف کا حکم ہو اس سے مطلع کیا جاوے تا کہ عنداللہ ماخوذ نہ ہوں۔

محمد اکرام الحق، ۲/ جولائی/ ۱۹۴۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت بیع کی جاوے گی، وہ زمین مشتری کی ملک میں آجائے گی اور بائع کی ملک سے خارج ہوجائے گی (۱)، بائع کو اس سے کرایہ وصول کرنے کا حق نہیں رہے گا۔ اور اس شرط سے فروخت کرنا کہ زمین مشتری کے قبضہ میں فی الحال نہ جاوے، بلکہ بائع بدستور اس سے نفع حاصل کرتا رہے اور بھٹہ اٹھنے کے بعد زمین پر مشتری کا قبضہ ہو، یہ ناجائز ہے (۲)، خواہ اس کی کچھ میعاد مقرر ہو یا نہ ہو، لہٰذا جواز کی صورت یہ ہے کہ ابھی

= (وكذا في النهر الفائق: ۳/۴۳۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(۱) "وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع، رشيديه)

"وحكمه ثبوت الملك: أي في البدلين لكل منهما في بدل". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۶، سعيد)

(۲) "ولو كان البيع بشرطٍ لايقتضيه العقد، وفيه نفع لأحد المتعاقدين: أي البائع والمشتري، أو لمبيعٍ يستحق النفع بأن يكون آدمياً، فهو: أي هذاالبيع فاسد". (مجمع الأنهر: ۳/۹۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"ولو كان في الشرط منفعة لأحد المتعاقدين بأن شرط البائع أن يقرض المشتري أوعلى القلب، يفسد العقد". (خلاصة الفتاوى: ۳/۵۰، كتاب البيوع، الفصل الخامس في البيع، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/۴۳۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان) =

مشتری کو جلدی بھی نہیں، اس لئے ابھی فروخت نہ کی جاوے، جب بھٹہ اٹھ جاوے اور زمین فارغ ہو جاوے اس وقت بیع کر کے اس پر مشتری کا قبضہ کرا دیا جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲/۶/ ۵۹ھ۔

بیع بشرطِ اقالہ

سوال [۷۷۷۷]: زید نے تقریباً پانچ بیگھ زمین آبادی کے متصل اس شرط پر خریدی کہ جب تک تم یہاں رہو اس وقت تک میں جو چاہو بناؤ، اور تم جب جانا چاہو تو اپنی قیمت واپس لے کر ہماری زمین واپس کردو۔ زید نے اس زمین میں رہنے کا مکان اور نماز پڑھنے کا چبوترہ بنایا جس پر وہ باضابطہ باجماعت نماز پڑھتا ہے۔ اب وہاں سے وہ جانا چاہتا ہے تو کیا شرط کے مطابق قیمت واپس لیکر زمین واپس کرنا، اور زمین دار کا چبوترہ توڑ کر رہائش کا مکان بنانا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط پر خرید وفروخت ناجائز ہے، اس سے بیع فاسد ہوئی (۱)، جس کا فسخ کرنا واجب ہے (۲)۔

= (وكذا في الهداية: ۲۶/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

(۱) "كل شرط اشترط في البيع ليس من البيع، فيه منفعة للبائع أو للمشترى أو للمشترىٰ له، فالبيع فيه فاسدٌ". (كتاب الآثار، ص: ۱۶۲، باب التجارة والشرط في البيع، إدارة القرآن كراچى)

"ليس كل شرط يفسد البيع، بل لا بدّ أن لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ولا يتعارف، وكان فيه منفعةٌ لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه". (النهر الفائق: ۴۳۴/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۸۴/۵، ۸۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۲) "(ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض): أى فسخ البيع الفاسد (أو بعده مادام المبيع بحال في يد المشترى إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (ردالمحتار: ۹۰/۵، ۹۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد) .... =

قیمت واپس لیکر زمین بائع کے حوالہ کردے(۱)، پھر وہ اپنی زمین میں جو چاہے کرے۔ بیع فاسد کے ذریعہ زمین حاصل کر کے نماز کے لئے چبوترہ بنایا ہے، وہ مسجد شرعی نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۸۹ھ۔

بیع قبل القبض

سوال[۷۷۷۸]: زید نے عمر کو بارہ آنہ کے حساب سے مختلف قسم کے صندوق بنانے کے لئے قیمت دی یا اور بتلایا کہ بیس دن میں بنا دینا۔ اب عمر صندوق بنا رہا ہے۔ بیس دن پورے نہیں ہوئے، زید نے عمر سے کہا کہ تم صندوق چودہ آنہ کے حساب سے بیچ کر چودہ آنہ کے حساب سے مجھ کو قیمت دینا۔ اب عمر نے رکھ لیا کہ میں ایک روپیہ کے حساب سے بیچ کر دو آنہ نفع حاصل کروں گا۔ یہ معاملہ جائز ہے؟

بندہ: عبدالغفور سہارنپور۔

= "ولكل منهما فسخه يعني على كل واحد منهما فسخه؛ لأن رفع الفساد واجب عليهما".

(تبيين الحقائق: ۴/۲۰۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، فصل: ۳/۹۶، غفاريه كوئٹه)

(۱) "وبعد الفسخ لا يأخذه بائعه حتى يرد ثمنه المنقود". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۹۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۹۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(۲) اس لئے کہ مشتری نے اس جگہ مسجد نہیں بنائی ہے، بلکہ اسکی حیثیت مصلی کی ہے، البتہ اگر مشتری اس کو شرعی مسجد بنالیتا تو اسے شرعی مسجد قرار دی جاتی، کیونکہ بیع فاسد کے ذریعہ حاصل کی ہوئی زمین پر شرعاً مسجد بنانا درست ہے:

"وإذا قبض المشتري المبيع برضا بائعه صريحاً أو دلالةً في البيع الفاسد ولم ينهه، مَلَكه.......... وإذا ملكه، تثبت كل أحكام الملك إلاخمسة: لايحل له أكله، ولالبسه، ولاوطؤها، ولا أن يتزوجها منه البائع، ولاشفعة لجاره لو عقاراً". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۸۹، ۹۰، باب البيع الفاسد، سعيد)

"أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد.......... وصح وقف ماشراه فاسداً بعد القبض، وعليه القيمة للبائع". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد) .... =

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز ہے، زید کو چاہیئے کہ پہلے اپنے صندوق پر قبضہ کرے(۱)، اس کے بعد اگر چاہے تو عمر کے حوالہ کردے کہ میں نے یہ صندوق ۱۴/آنہ میں تیرے ہاتھ فروخت کردیا اور عمر اس کو خریدنے پر جس قیمت پر چاہے فروخت کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۴/ربیع الاول/۵۸ھ۔

= "ولابدّ من إفرازه: أی تميزه عن ملكه من جميع الوجوه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۶/۴، مطلب فی أحكام المسجد، سعيد)

(۱) "للمشتری أن يبيع المبيع من آخر قبل قبضه إن كان عقاراً، وإن كان منقولاً فلا". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الرابع فی بيان المسائل المتعلقة بالتصرف فی الثمن والمثمن ۱۲۸/۱، (رقم المادة: ۲۵۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومن اشترى شيئاً ممّاينقل ويحول، لم يجز بيعه حتى يقبضه؛ لأنه نهى عن بيع مالم يقبض، ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك". (الهداية: ۷۷/۳، كتاب البيوع، باب التولية، إمداديه ملتان)

"لايجوز بيع المنقول قبل القبض، لماروينا، ولقوله عليه السلام: "إذا ابتعت طعاماً، فلاتبعه حتى تستوفيه". (تبيين الحقائق: ۴۳۷/۴، فصل: كتاب البيوع، صح بيع العقار قبل قبضه، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايصح بيع المنقول قبل قبضه، لنهيه عليه السلام عن بيع مالم يُقبض". (مجمع الأنهر: ۱۱۳/۳، كتاب البيوع، باب التولية، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض: ۳۵۰/۱، دارالعلوم كراچی)

(وكذا فی البحرالرائق: ۱۹۳/۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۳/۳، كتاب البيوع، الباب الثالث فی معرفة المبيع، رشيديه)

خریدے ہوئے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع

سوال[۷۷۷۹]: ا...... زید نے باہر سے مال برائے تجارت بذریعۂ بینک منگایا، مال آجانے پر زید چھڑا نہیں سکا، مال چھوڑا نہیں۔ جس قدر زید سے تاخیر ہوئی، اسی قدر اس پر محصول روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ زید نے بکر سے کہا میں نے اپنا مال جو منگایا ہے، چھڑا نہیں سکتا ہوں، اس لئے اس مال کو بلا منافع تمہارے ہاتھ پر فروخت کرتا ہوں، جو بلٹی بذریعۂ بینک آئی ہے، تم اس کو خریدلو۔ بکر نے اس مال کا روپیہ اور جو کچھ اس پر محصول تھا سب کچھ ادا کر کے مال کو اپنے قبضہ میں کر کے سنبھال لیا۔ اس کے بعد بکر نے زید کے ہاتھ پر وہی مال منافع سے فروخت کر دیا، منافع تمام اس رقم پر لگا دیا جو اس پر خرچ ہوا۔

۲...... زید اور بکر دونوں کا دلی منشا بھی یہی تھا کہ اول زید اپنے مال کو بلا منافع بکر کے ہاتھ فروخت کرے اور بکر اپنے روپے سے اس مال کو چھڑا کر مقرر کردہ منافع پر زید ہی کو فروخت کر دے، مقررہ کردہ طریقہ پر آپس میں زید اور بکر مال کو خرید وفروخت کرتے ہیں۔

۳...... بکر نے زید سے یہ شرط بھی کی کہ جس وقت تک میرا کل مطالبہ تحریر نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کو روزانہ کی بکری مجھے دینی ہوگی، اور اس درمیان میں جو مال آپ منگایا کریں گے، وہ مال اسی طرح پر میرے ہاتھ مقررہ شرائط پر فروخت کرنا پڑے گا، اور اسی طرح مال پر منافع لگا کر آپ کو فروخت کر دیا کروں گا۔ زید نے شرط منظور کی۔

مندرجہ بالا طریقہ عند الشرع درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

عبدالباری، ۱۰/ اگست/ ۴۳ء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مندرجہ بالا طریقہ خلافِ شرع وناجائز ہے۔ جب تک زید اس مال پر اپنا قبضہ نہ کرے اس کو فروخت نہیں کرسکتا (۱)۔ جواز کا طریقہ یہ ہے کہ کسی سے قرض لے کر اول مال چھڑا لے، پھر جس کے ہاتھ

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ابتاع طعاماً، فلايبعه حتى يقبضه". قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: وأحسب كل شئ بمنزلة الطعام".

"عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ابتاع =

جس قیمت پر چاہے فروخت کرے۔ روزانہ کی بکری کا مطالبہ بھی صورت مسئولہ میں ناجائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۸/ ۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۸/ ۸/ ۶۲ھ۔

فصل پر جو غلہ کا نرخ ہو اس حساب سے خریدنا

سوال[۷۷۸۰]: ہمارے اطراف میں غریب کو غلہ اس شرط پر دیتے ہیں کہ آج سے دو ماہ کے بعد جو غلہ کا بھاؤ ہوتا ہے، اسی حساب سے اس غلہ کی قیمت لوں گا، یا اس قیمت کا جو غلہ ہوگا، وہ لوں گا۔ اسی طرح مکئی اس شرط پر دیتے ہیں کہ دو تین ماہ کے بعد اس کے عوض میں اتنا ہی چاول لوں گا۔

= طعاماً، فلا یبعه حتی یستوفیه". قال حدثني أبو الزبير أنه سمع جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنهما يقول: كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: "إذا ابتعت طعاماً، فلاتبعه حتی تستوفيه". (الصحيح لمسلم: ۲/ ۵، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، قديمی)

(وسنن أبی داؤد: ۲/ ۱۳۷، كتاب البيوع، باب فی بيع الطعام قبل أن يستوفی، إمداديه ملتان)

"فيحرم بيع كل شئ قبل قبضه، طعاماً كان أو غيره". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض: ۱/ ۳۵۰، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"لا يصح بيع المنقول قبل قبضه، لنهيه عليه السلام عن بيع مالم يقبض". (مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۳/ ۱۱۳، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی الهداية: ۳/ ۷۷، كتاب البيوع، باب التولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فی البحر الرائق: ۶/ ۱۹۳، كتاب البيع، فصل فی بيان التصرف فی البيع، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴/ ۴۳۵، كتاب البيوع، فصل: صح بيع العقار قبل قبضه، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) روزانہ بکری کا مطالبہ چونکہ شرط فاسد ہے، لہٰذا یہ بیع فاسد ہے: فإن كان فيه منفعة لأحد المتعاقدين، فالبيع فاسد؛ لأن الشرط باطل فی نفسه، والمنتفع به غير راض بدونه، فتتمكن المطالبة بينهما بهذا الشرط، فلهذا فسد به البيع". (المبسوط للسرخسی، باب البيوع إذا كان فيها شرط: ۱۳/ ۱۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداًومصلياً:

اگر اس طرح قیمت لینا تجویز ہوتو وہ بوقتِ عقد مجہول ہے، اور جہالتِ ثمن مفسدِ بیع ہے۔ اگر قیمت میں غلہ لینا قرار پائے جس کا نرخ بھی وقتِ عقد معلوم نہیں تو اس میں جہالتِ ثمن کے ساتھ قیمت قرار دینے کی وجہ سے غلہ کی بیع غلہ سے ہوئی جو کہ نہ "یداً بیدٍ" ہے اور نہ "مثلاً بمثل"۔ اگر مکئی کے عوض چاول لینا طے ہوتو اس میں "یداً بیدٍ" نہیں کہ ربائے نسیئہ ہے:

"وعلته: أى تحريم الزيادة القدرُ مع الجنس، فإن وُجدا، حرم الفضل والنسأ، فلم يجز بيع قفيزبُرٍّ بقفيز منه متساوياً وأحدها نسأ. وإن وجد أحدهما: أى القدر وَحْدَه أو الجنس، حل الفضل وحرم النسأ، فحرم بيع كيلي ووزنى بجنسه متفاضلاً، وحل متماثلاً". درمختار(۱)۔

"وشرط لصحته معرفة قدر مبيع وثمن. وخرج أيضاً مالوكان الثمن مجهولاً كالبيع

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵/ ۱۷۱، كتاب البيوع، باب الربوا، سعيد)

"(وعلته القدر والجنس، فحرم الفضل والنسأ بهما): أى بالجنس والقدر، لما بيّنّا أنهما علة الربا. (والنسأ فقط بأحدهما): أى حرم النسأ، وحل التفاضل بوجودهما، أما القدر دون الجنس كالحنطة بالشعير، أو الجنس دون القدر كالهروى بالهروى، لقوله عليه السلام: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّ بالبر، والشعير بالشعير، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، فإذا اختلف هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذاكان يداً بيد". (تبيين الحقائق: ۴/ ۲۵۱، ۲۵۲، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت)

"وعلته القدر والجنس، فحرم بيع الكيلى والوزنى بجنسه متفاضلاً أو نسيئةً ولو غير مطعوم كالجص والحديد، وحل متماثلاً بعد التقابض أو متفاضلاً غير معير كخفنة بخفنتين، وبيضة ببيضتين، وثمرة بثمرتين، فإن وجد الوصفان، حرم الفضل والنسأ، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لاالنسأ". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۱۲۰، ۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۶/ ۲۱۱، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا فى الهداية: ۳/ ۸۱، باب الربوا، مكتبه شركت علميه ملتان)

بقیمته أو برأس ماله أو بما اشتراه أو بمثل مااشتراه فلان، فإن علم المشتری بالقدر فی المجلس، جاز. ومنه أیضاً مالو باعه بمثل مایبیع الناس، إلا أن یکون شیئاً لایتفاوت".

ردالمحتار، کتاب البیوع(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۹ھ۔

کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے پیداوار کی بیع

سوال[۷۷۸۱]: کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے اس کی پیداوار کی فروخت کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ھذا، ۱۳/ جمادی الاول/ ۵۹ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۵۲۹/۴، کتاب البیوع، مطلب: مایبطل الإیجاب سبعةٌ، سعید)

"وأما جهالة الثمن فمانعة أیضاً کما إذا باع شیئاً بقیمته أو بحکم المشتری أو فلان............ وبیع الشیٔ برقمه أو برأس ماله ولم یعلم المشتری کذلک". (البحر الرائق: ۴۵۹/۵، کتاب البیوع، رشیدیه)

"یلزم أن یکون معلوماً، فلوجهل الثمن، فسد البیع". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۲۸۰/۴، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر: ۱۲/۳، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۲۷/۳، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الثامن فی جهالة المبیع أو الثمن، رشیدیه)

(۲) "بیع المعدوم باطل، فیبطل بیع ثمرة لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۹۸، (رقم المادة: ۲۰۵)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"نهی رسول صلی الله علیه وسلم عن بیع مالیس عند الإنسان، ورخص فی السَّلَم". (بدائع =

پکنے اور بڑے ہونے سے پہلے پھل کی بیع

سوال[۷۷۸۲]: ہمارے دیار میں یہ رواج ہے کہ آم درخت میں جب چھوٹے چھوٹے ہی رہتے ہیں، تو مالکان اسے فروخت کردیتے ہیں، اور پک جانے کے بعد مشتری (خریدار) اپنے کام میں لاتا ہے۔ تو کیا اس طرح سے بیع وشراء (خرید وفروخت) جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح باغ کو خریدنا درست ہے(۱)، لیکن مشتری (خریدار) کے ذمہ واجب ہے کہ فوراً آم توڑ لے

= الصنائع، کتاب البیوع، فصل فیما یرجع إلی المعقود علیه: ۶/۵۶۸، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وبیع (أی لایجوز بیع) مالیس فی ملکه، لبطلان بیع المعدوم". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۵۸، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"وشرط المعقود علیه کونه موجوداً، فلم ینعقد بیع المعدوم". (ردالمحتار: ۴/۵۰۵، کتاب البیوع، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی، (رقم المادة: ۱۹۷، ۱۹۹)،

(وکذا فی إعلاء السنن: ۱۴/۱۷۵، کتاب البیوع، باب النهی عن سلف وبیع والشرطین فی بیع وربح مالم یضمن وبیع مالیس عنده، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها) بأن أمنت العاهةَ والفسادَ (أولا، صح)". (النهرالفائق: ۳/۳۵۹، کتاب البیوع، رشیدیه)

"بیع الثمر علی الشجر لایخلوا: إما أن یکون قبل الظهور أو بعده، والأول لایجوز، والثانی جائز، بَدَا صلاحها بصلاحها لانتفاع بنی آدم، أوعلف الدواب، أولم یبد؛ لأنه مال متقوم، لکونه منتفعاً به فی الحال أوفی الزمان الثانی، فصار کمبیع الجحش والمهر". (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۶/۲۸۷، کتاب البیوع، فصل: ومن باع داراً، دخل بناء ها فی البیع الخ، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولم یبد، صح)؛ لأنه مال متقوم، إما لکونه منتفعاً به فی الحال أوفی المآل .... (ویقطعها المشتری للحال)". (مجمع الأنهر: ۳/۲۵، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً، مکتبه غفاریه کوئٹه) .... =

اور بائع (بیچنے والا) کے درخت سے اپنی ملک علیحدہ کرلے۔ اگر خریدتے وقت شرط کرلی ہے کہ آم پکنے تک درخت پر لگے رہیں گے اور پکنے کے بعد توڑوں گا تو یہ شرط فاسد ہے اور مفسدِ بیع ہے(۱)۔ ہاں! اگر بیع میں شرط کا کوئی ذکر نہ ہو اور بیع کے بعد بائع سے اجازت لے لی جائے تو جائز ہے: "ومن باع ثمرةً لم يبدصلاحها، أوقد بَدَا، جاز". هدايه(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في الدرالمختار: ۴/۵۵۵، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۹، (رقم المادة: ۲۰۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) عام تجار اور بائعین کی عادت اور ان کا تعامل اس وقت یہ ہے کہ پھلوں کو قبل از بدوّ صلاح خریدتے ہیں، اور اس میں درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگاتے ہیں، ان کے اس تعامل اور عمومِ بلوی کی وجہ سے پھلوں کو خریدتے وقت درختوں پر چھوڑ دینے کی شرط لگانے کی گنجائش ہے:

"ان تباع الثمار بعد ماتناهى عظمها وبَدَا صلاحها، فشرط الترك في هذه الصورة جائزة عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وبه أفتى كثيرٌ من المشايخ، لعموم البلوى، واختاره الطحاوى، وإليه مال ابن الهمام .... ففى هذه الصورة سعة أيضاً عند عموم البلوى .... وذكر ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ أنه لوكان الترك متعارفاً بينهم، فسد البيع وإن لم يشترط الترك في العقد لفظاً؛ لأن المعروف كالمشروط، ولكن لم يقبله شيخ مشايخنا الأنور رحمه الله تعالىٰ فقال: وتفصيل الشامى ليس بمختار عندى". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب النهى عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، حكم مايتعامل به الناس اليوم: ۱/۳۹۴، دارالعلوم كراچى)

قال العبد الضعيف: "أن العرف إذا جرى ببيع الثمار بعد بدوّ الصلاحها بشرط الترك واشتدت إليه الحاجة، كان قياس قول محمد رحمه الله تعالىٰ الجواز". (تكملة فتح الملهم، المصدر السابق)

مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ شامی کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس تفصیل سے احکام ذیل معلوم ہوتے ہیں:

۱- جب تک پھول پھل کی صورت نہ اختیار کرلے، اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ علامہ ابن عابدین نے بُروز البعض کے بعد بیع کو ضرورت شدیدہ وابتلائے عام کی وجہ سے ملحق بالسلم قرار دے =

....

کر جائز لکھا ہے، ہمارے زمانے میں قبل البروز ہی بیع کا عام دستور ہے، وہی ضرورت شدیدہ وابتلائے عام یہاں بھی ہے، جس کی وجہ سے الحاق بالسلم کیا گیا، فلیتأمل۔

۲-پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابلِ انتفاع بھی ہوگیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

۳-حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قولِ جواز راجح ہے۔

۴- کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے، جواز راجح ہے۔

۵-صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت دے دی تو پھل حلال رہے گا۔

اس میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آج کل پھلوں کے پکنے تک درخت پر چھوڑنا متعارف ہے تو "المعروف کالمشروط" کے تحت یہ بیع فاسد ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرط ابقاء کے مفسدِ عقد ہونے کی علت افضاء إلی المنازعۃ ہے، اور تعاملِ ابقاء کی صورت میں احتمالِ منازعہ نہیں"۔(أحسن الفتاوی، کتاب البیوع، باغ پر پھل کی بیع کی مختلف صورتیں: ۶/۴۸۶، سعید)

(۲) (الهداية: ۳/۳۱، كتاب البيوع، فصل، شركت علميه ملتان)

"ولو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". (الهداية: ۳/۳۲، كتاب البيوع، شركت علميه ملتان)

"والحاصل أن الشرط إذا لم يكن في العقد ولم يأمره البائع بالقطع، طاب له تركه، سواء كان معروفاً أولا. ولا ألتفت إلى ماقاله الشامي: إن المعروف كالمشروط، بعد ماوجدتُ روايةً عن الإمام عند الحافظ ابن تيمية في فتاواه. والله أعلم". (فيض الباري: ۳/۲۵۵، ۲۵۶، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

"ولو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۰۶، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

کچا پھل خرید کر اس کو بائع کے درخت سے توڑنے کی شرط

سوال[۷۷۸۳]: یہ جوشرط ہے کہ جب آم کچے بالکل تیار ہوجائیں تو اس کو مشتری درخت سے علیحدہ کرلے اور اس کا درخت خالی کردے اور اس کو درخت پر نہ پکاوے اور اگر اس نے درخت پر پکالیا جیسا کہ یہاں دستور ہے تو اس پھل کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط صحیح ہے(۱)، معاملہ صحیحہ کے بعد اگر بائع نے اپنے درخت پر لگے رہنے کی اجازت دیدی تو درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ جمادی الاولی/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "ومن باع ثمرةً لم يبد صلاحها: وقد بَدَا، جاز البيع، وعلى المشترى قطعها فى الحال تفريغاً لملك البائع. وهذا إذا اشتراها مطلقاً أو بشرط القطع". (الهداية، كتاب البيوع، فصل: من باع داراً، دخل بناءها فى البيع: ۲۹/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا،صح، ويقطعها المشترى) تفريغاً لملك البائع إذا اشتراها مطلقاً أو بشرط القطع". (تبيين الحقائق: ۲۹۵/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا ، صح) (كنز الدقائق). "(وقوله: ثمرةً): أى ظاهرةً، قيدنا به؛ لأن بيعها قبل الظهور لايصح اتفاقاً، وقبل بدو الصلاح بشرط القطع فى المنتفع به صحيح اتفاقاً". (البحر الرائق: ۵۰۲/۵، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۲۶/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۲) "ولو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". (تبيين الحقائق: ۲۹۵/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"(وإن تركها): أى الثمرة الغير متناهية على الشجر (بإذن البائع بلا اشتراط) تركها حالة العقد (طاب له): أى للمشترى الزيادة الحاصلة فى ذات الثمرة بالترك؛ لأنه حصل بطريق مباح". (مجمع الأنهر: ۲۷/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه) ....=

پھل آنے سے پہلے ان کی بیع

سوال[۷۷۸۴]: جن درختوں پر پھل آیا ہو، خرید سے پہلے ٹھیکہ لینا جائز نہیں، یا پھل آنے پر ٹھیکہ لینا چاہئے؟ ایسے پھلوں کا کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

جب پھل نہیں آیا تو پھل کا خریدنا ناجائز ہے(۱)، البتہ اگر زمین ٹھیکے پر لے لے اور اس کے بعد پھل آئے تو وہ پھل بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۲۷/۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳۲/۳، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۰۶/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وأنزال الكروم الخ، رشيديه)

(۱) "بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمرة لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم، باز، ص: ۹۸، رقم المادة: ۲۰۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لاخلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولافي عدم جوازه بعد الظهور قبل بدوّ الصلاح". (ردالمحتار: ۵۵۵/۴، كتاب البيوع، سعيد)

"ان تباع الثمار قبل ظهورها، وهذا لم يقل أحد بجوازه، سواء جرى به التعامل أولا". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدوّ صلاحها: ۳۹۳/۱، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا، صح)؛ إذ لاخلاف في عدم جواز بيعها قبل أن يظهر". (النهر الفائق: ۳۵۹/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۹۶/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۲۸۷/۶، كتاب البيوع، فصل: ومن باع داراً، دخل بناء ها في البيع، الخ، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) بشرطیکہ زمین کا مالک مستاجر کے لئے حلال قرار دے: .... =

اندرونِ زمین آلو وغیرہ کی بیع

سوال[۷۷۸۵]: زمین کے اندر جو چیزیں جیسے آلو، پیاز تو وہ اندازہ سے خریدنا درست ہے یا نہیں؟ اگر دونوں رضامند ہوں تو حکم عدمِ جواز کا رہے گا یا جواز کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آلو وغیرہ بغیر اکھاڑے خریدنے میں بسا اوقات دھوکہ ہوتا ہے جس سے خریدار یا مالک کو نقصان ہوتا ہے اور نزاع بھی ہوتا ہے، اس لئے اس طرح فروخت نہ کیا جائے (۱)، نہ خریدا جائے، ہاں! اگر دھوکہ نہ ہو تو درست ہے، مثلاً خرید کر جب ہی سامنے اکھاڑ لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

= "وفی ثمار الأشجار یشتری الموجود، ویحل له البائع مایوجد". (البحر الرائق: ۵/۵۰۳، کتاب البیع، فصل: یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار، رشیدیه)

"والحیلة فی کون الحادث للمشتری أن یشتری أصول الباذنجان، والبطیخ والخیار والقطن، لیکو ن الحادث علی ملکه......... وفی الأشجار الموجودة، ویحل له البائع مایوجد". (الدر المنتقی مع مجمع الأنهر: ۳/۲۹، کتاب البیو ع، غفاریه کوئٹه)

"والحیلة فی الکل أن یستأجر مو ضعاً معلوماً لعطن الماشیة ویبیح الماء والمرعی". (ردالمحتار: ۶/۶۳، کتاب الإجارة، مطلب الإجارة إذا وقعت علی العین لاتصح والحیلة فیه، سعید)

(۱) "(اللبن فی الضرع): أی لایجوز بیعه، للغرر، فعساه انتفاخ، ولأنه ینازع فی کیفیة الحلب، وربما یزداد فیختلط المبیع بغیره.......... (واللؤلؤ فی الصدف) للغرر، وهو مجهول لایعلم وجوده ولاقدره". (البحرالرائق: ۶/۱۲۲، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

"ولایجوز بیع اللبن فی الضرع، فإنه فاسد للغرر، وهومجهول لایعلم وجوده ولاقدره". (مجمع الأنهر: ۳/۸۱، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

(۲) لیکن اس وقت ناجائز ہے کہ آلو وغیرہ کا وجود معلوم نہ ہو، اور اگر ان کا وجود یقینی ہو، اور وہ کسی حد تک قابلِ انتفاع بھی ہو جائیں تو ان کی بیع جائز ہے، لیکن خریدار کو ایک معتد بہ حصہ دیکھنے تک خیارِ رؤیت حاصل ہوگی:

"(المعدوم کبیع حق التعلی) ....ومنه بیع ماأصله غائب کجزر وفجل، أو بعضه معدوم =

باغ فروخت کرکے کچھ آم مستثنیٰ کرنا

سوال[۷۷۸۲]: زید ایک باغ نیلام کرتا ہے اور نیلام کے لئے کچھ شرائط مقرر کرتا ہے، مثلاً:

۱- اس کی قیمت کے علاوہ من آم کچے اور دو من پکے لئے جائیں گے۔ ان آموں کا دارومدار قیمت پر ہوتا ہے، اگر دام کم ہوں گے تو آم زیادہ لئے جائیں گے، اگر دام زیادہ ہوں گے تو آم کم لئے

= كورد وياسمين وورق .... وجوّزه مالک، لتعامل الناس، وبه أفتى بعض مشايخنا عملاً بالاستحسان. هذا إذا نبت ولم يعلم وجوده، فإذا علم، جاز، وله خيار الرؤية، وتكفى رؤية البعض عند هما، وعليه الفتوى". (الدرالمختار). "(قوله: هذا إذا نبت) الإشارة .... ما أصله غائب وكان الأولى أن يقول: هذا إذا لم ينبت أو نبت ولم يعلم وجوده، فإنه لايجوز بيعه فيهما". (ردالمحتار: ۵/۵۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"بيع ما أصله غائب وعلم وجوده، يجوز، وله خيار الرؤية، إن شاء أخذه. وتكفى رؤية البعض عندهما، وعليه الفتوى". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب البيوع: ۱/۲۵۱، مكتبه ميمنيه مصر)

"وإن كان المبيع مغيباً تحت الأرض كالبصل والثوم بعد النبات إن عرف وجوده تحت الأرض، جاز، وإلا فلا. فإذاباعه، ثم قلع منه نموذجاً، ورضى به، فإن كان ممايباع كيلاً كالبصل أو وزناً كالبقل، بطل خياره عندهما، وعليه الفتوى". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۳/۵۵، كتاب البيوع، فصل: من اشترى مالم يره، غفاريه كوئٹه)

"وإن باع ماهو مغيب فى الأرض كالجزر والبصل وأصول الزعفران والثوم والشلجم والفجل، إن باع بعد ما ألقى فى الأرض قبل النبات أو نبت الآن غير معلوم، لايجوز البيع. فإن باع بعد مانبت نباتاً معلوماً يعلم وجوده تحت الأرض، يجوز البيع ويكون مشترياً شيئاً لم يره عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ثم لايبطل خياره ما لم ير الكل ويرضى به. وعلى قول صاحبيه لايتوقف خياره الرؤية على رؤية الكل، وعليه الفتوى". (البحر الرائق: ۵/۵۰۴، كتاب البيوع، فصل: يدخل البناء والمفاتيح فى بيع الدار، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۱۹۰، كتاب البيوع، فصل فى خيار الرؤية، رشيديه)

جائیں گے۔

۲-نصف قیمت ایک ہفتہ میں اورنصف قیمت آم کے پکنے کے بعد لی جائے گی، وغیرہ وغیرہ۔تو یہ صورتیں جائز ہیں یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ شرط ہے کہ آم اسی باغ پر لئے جائیں گے تو درست نہیں کہ یہ استثناء باطل ہے جس کو قدوری (۱)، ہدایہ وغیرہ جملہ کتبِ فقہ میں منع لکھا ہے (۲)۔اگر اس باغ کے آم ہونا شرط نہیں اور قسم آم کی متعین کرلی جائے کہ جہالتِ مفضی الی النزاع مرتفع ہوجائے تو ان کو جزوِثمن قرار دیا جائے گا۔اور بقیہ مذکورہ شرائط طرفین کی اجازت سے طے شدہ سب جائز ہیں (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودعفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۷ھ۔

---

(۱) "ولایجوز أن یبیع ثمرةً ویستثنی منها أرطالاً معلومةً". (مختصر القدوری، ص: ۱۱۹، کتاب البیوع، سعید)

(۲) "ولایجوز أن یبیع ثمرةً، ویستثنی منها أرطالاًمعلومةً، خلافاً لمالک رحمه الله تعالیٰ؛ لأن الباقی بعد الاستثناء مجهول، بخلاف ما إذا باع واستثنی نخلاً معیناً؛ لأن الباقی معلوم بالمشاهدة". (الهدایة: ۳/۳۲، کتاب البیوع، فصل ومن باع داراً، دخل بناءها فی البیع، شرکت علمیه ملتان)

"أجازه قیاساً علی استثناء شجرة معینة قلنا: قیاس مع الفارق؛ لأن الباقی بعد إخراج المستثنی غیر مشار إلیه معلوم الکیل المخصوص، فکان مجهولاً، بخلاف الباقی بعد إخراج الشجرة، فإنه معلوم مفرز بالإشارة". (فتح القدیر: ۶/۲۹۵، کتاب البیوع، فصل: ومن باع داراً، دخل بناءها فی البیع، الخ، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

لیکن اگر اسی باغ کے آم کو مستثنی کرلیا جائے تو تعامل کی وجہ سے بھی جائز ہے، بشرطیکہ آم کی مقدار اور وصف اس طرح واضح ہو کہ اس سے جھگڑے کا کوئی اندیشہ نہ رہے۔اور اس میں یہ بھی شرط ہے کہ باغ کی موجودہ حالت سے یہ گمان غالب ہو کہ باغ میں مستثنی مقدار سے زیادہ ہی آم لگے گا۔ .... =

....

= **سوال:** ''کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ لوگ اپنا باغ پھل ظاہر ہونے پر جس وقت فروخت کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ قیمت لیں گے اور اس قدر لے، یعنی ہزار پانسوانبہ ہم لیں گے، خریدار اپنا سمجھوتہ یا بہ قیمت کر کے خرید لیتا ہے، اور انبہ دینے پر بھی راضی ہوجاتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ یہ انبہ لینے جائز ہیں یا نہیں، اگر ناجائز تو صورتِ جواز کیا، اور جائز ہے تو مطلقاً یا کسی خاص درخت کے انبہ کی تعیین کرے؟ اکثر باغ والے اس صورت سے فروخت کرتے ہیں کہ ہم باغ خود تو کھا نہیں سکتے اس صورت سے کھا بھی لیتے ہیں اور فروخت بھی کردیتے ہیں۔ دیوبند کو لکھ تھا، مفتی صاحب نے لکھا کہ تعداد انبہ ہزار پانچسو کرے خاص درخت کی تعیین نہ کرے یہ جائز ہے، درمختار میں ہے۔ حسب اتفاق مرادآباد کے نوجوان علماء یہاں ایک تقریب میں آئے ان کے سامنے بھی ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا: ناجائز ہے، بیع مجہول ہے، صفقہ فی صفقتین ہے۔ اس سے خلجان ہوگیا، لہٰذا گزارش ہے کہ حضرت بھی اس کا جواب تحریر فرماویں تاکہ کسی امر کا وثوق ہوجاوے۔ فقط۔

الجواب: ''اول اس عقد کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے، سواس میں دواحتمال ہیں: ایک یہ کہ انبہ معہودہ کو بدل قرار دیا جاوے، یعنی مشتری بدل میں دو چیزوں کے دینے کا وعدہ کرے: ایک اتنا روپیہ دوسرا اتنا انبہ، یہ تو ظاہر ہے کہ ناجائز ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اتنی مقدار کے انبہ بیع سے مستثنیٰ سمجھے جاویں، سواس میں بھی یہ خدشہ ہے کہ اول تو انبہ مقدار میں تفاوت کوئی چھوٹا، کوئی بڑا، اس میں نزاع کا احتمال۔ دوسرے ممکن ہے کہ کل انبہ اتنے ہی پیدا ہوں تو استثناء کہاں صحیح ہوگا۔ تیسرے جب یہ مستثنیٰ ہوا تو غیر مبیع ہوگا، پھر مشتری کے ذمہ اس کی حفاظت کیسے ہوگی، لیکن تعامل عام کے سبب یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب عادۃً نزاع نہ ہوا اور غالباً انبہ زیادہ ہوں تو جائز کہہ دیں گے۔ اور اگر کسی خاص درخت کو پورا مستثنیٰ کرلیں تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں''۔

(إمداد الفتاوی، کتاب البیوع، پھلوں اور پھولوں کی بیع: ۹۸/۳، دارالعلوم کراچی)

''فصح استثناء قفيز من صبرة وشاة معينة من قطيع وأرطال معلومة من بيع تمر نخلة لصحة إيراد العقد عليها ولو التمر على رؤوس النخل على الظاهر''. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل في مايدخل في المبيع تبعاً ومالايدخل فيه: ۵۵۸/۴، سعيد)

(۳) اس میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ مدت معلوم ہو: ''يلزم أن تكون المدة معلومةً في البيع بالتأجيل والتقسيط''. (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع: ۵۳۱/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، : ۱۳/۳، غفاريه كوئٹه)

باغ فروخت کر کے کچھ پھل مستثنیٰ کرنا

سوال[۷۷۸۷]: جنس کی شئے کسی کو تحفہ دینا اس حال میں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ شئے جو مجھ کو دیتا ہے جنس کی ہے تو اس کے لئے کھانا درست ہے یا نہیں اور جنس کو فروخت کرنا جبکہ خریدار کو علم ہے کہ یہ جنس کی ہے تو اس کے لئے خریدنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنس میں اگر درخت کی تعیین تھی تو ایسی جنس کرنا اور اس کو فروخت کرنا منع ہے(۱)، ورنہ درست ہے، بشرطیکہ طرفین کی رضامندی کے ساتھ ہو، کوئی اَور امر مفضی الی النزاع، یا کوئی اَور امر خلافِ شرع نہ ہوں۔ اگر درخت کی تعیین نہیں کی، مثلاً یہ کہا کہ اس باغ کی قیمت میں سو روپیہ لوں گا، اور سو آم لوں گا، خواہ کسی درخت یا باغ کے دے، یا یہ کہا کہ کل باغ میں جس قدر آم ہیں اس میں سے ایک چوتھائی مثلاً لوں گا تو یہ جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) یہ صورت اس میں ناجائز ہے کہ آم کی ایک خاص مقدار کو ایک معین درخت سے مستثنیٰ کیا جائے، کیونکہ اس صورت میں غرر لازم آئے گا، اس لئے یہ ممکن ہے کہ وہ خاص مقدار اس معین درخت سے حاصل نہ ہو جائے۔ البتہ اگر وہ خاص مقدار اس قدر ہو کہ اس کا ملنا یقینی ہو اور کوئی نزاع اور جھگڑا نہ ہو، یا باغ فروخت کرتے وقت ایک معین درخت کو مستثنیٰ کیا جائے تو ان صورتوں میں خرید وفروخت کرنا جائز ہے:

"عن أبی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الحصاة وعن بیع الغرر". (إعلاء السنن: ۱۱۶/۱۴، کتاب البیوع، باب النہی عن بیوع الغرر، إدارة القرآن کراچی)

"ولا یجوز أن یبیع ویستثنی منہا أرطالاً معلومةً .... بخلاف ما إذا باع واستثنی نخلاً معیناً؛ لأن الباقی معلوم بالمشاہدة". (الہدایة: ۳۲/۳، کتاب البیوع، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(وکذا فی إمداد الفتاویٰ، کتاب البیوع، پھل خریدنے والے سے کچھ مقدار پھل کی مقرر کرنا: ۹۷/۳، ۹۸، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) "فإن استثنی جزءاً کربع وثلث، فإنہ صحیح اتفاقاً". (ردالمحتار: ۵۵۹/۴، کتاب البیوع، فصل =

قبرستان کی گھاس فروخت کرنا

سوال[۷۷۸۸]: ہمارے یہاں قبرستان پرگھاس اُگتی ہے، اس میں جانور: گائے، بیل، بھینس چرنے کے لئے چھوڑنا اوراس سے آمدنی حاصل کرنا اور مسجد پر صرف کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جوگھاس خود رو ہو اس کو بغیر کاٹے ہوئے فروخت کرنا مثلاً اس طرح کہ گائے وغیرہ کو وہاں چھوڑ دیا جائے کہ وہ خود ہی چرلیں اوراس کا معاوضہ لے لیا جائے، یہ معاملہ شرعاً درست نہیں (۱)، احترام قبور کے بھی خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= فی مایدخل فی المبیع تبعا ومالایدخل فیه، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۵۰۷، کتاب البیوع، فصل: یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار، رشیدیه)

(۱) "عن رجل من المهاجرین من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قال: غزوت مع النبی صلی الله علیه وسلم. ثلاثاً أسمعه یقول: "المسلمون شرکاء فی ثلاث: الماء، والکلأ، والنار". (سنن أبی داؤد، کتاب الإجارة، باب فی الماء: ۲/۱۳۶، إمدادیه ملتان)

"والمراعی (أی بطل بیعها): أی الکلأ وإجارتها. أما بطلان بیعها، فلِعدم الملک، لحدیث: "الناس شرکاء فی ثلاث: فی الماء، والکلأ، والنار". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۲، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"والمراد به الکلأ دون رقبة الأرض؛ لأن بیع الأرض وإجارتها جائز إذا کان مالکاً لها، وإنما لایجوز بیع الکلأ وإجارته؛ لأنه لیس بمملوک له؛ إذ لایملکه بنباته فی أرضه مالم یحرزه، لقوله علیه الصلوة السلام: "المسلمون شرکاء فی ثلاثة: فی الماء، والکلأ، والنار". (تبیین الحقائق، ۴/۳۷۱، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۳/۸۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۱۰۹، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الثانی فی بیع الثمار، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۶/۱۲۷، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(۲) "عن عمر بن حزم رضی الله تعالیٰ عنه قال: رآنی النبی صلی الله علیه وسلم متکئاً علی قبر، فقال:=

مالک کی اجازت کے بغیر خودرو بانس کی بیع

سوال[۷۷۸۹]: ہمارے یہاں ایک زمیندار کی تقریباً ہزار بیگھ زمین ہوگی، اس میں چائے کی کاشت ہوتی ہے، لیکن اس زمین میں بانس وغیرہ کے درخت اُگ آتے ہیں جن کو کھیت کے سپاہی اور مزدور مالک کی چوری سے فروخت کردیتے ہیں۔ تو کیا ان کو خریدنا اور فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟ ابتلائے عام ہے ہماری طرف، تو کچھ تخفیف ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر مالک کی اجازت کے چوری سے خریدنا اور فروخت کرنا درست نہیں، وہ گھاس کے حکم میں نہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

= "لاتوذ صاحب هذاالقبر". أو "لا توذه". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۴۹، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، قديمى)

(۱) "من اشترى سرقةً وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترک فی عارها وإثمها". (فيض القدير: ۱۱/۵۲۵۴، (رقم الحديث، ۸۴۴۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

"لم يحل للمسلم أن يشترى شيئاً يعلم أنه مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغير حق؛ لأنه إذا فعل يعين الغاصب أو السارق أو المعتدى على غصبه وسرقته وعداوته، قال عليه الصلاة والسلام: "من اشترى سرقةً (أى مسروقاً) وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترک فی إثمها وعارها". (الحلال والحرام، فى الإسلام ليوسف القرضاوى، ص: ۲۱۲، المكتب الإسلامى بيروت)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملک غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومانقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لايتعدى إلى ذمتين، سألت عنه الشهاب بن الشلبى، فقال: هو محمول على مالم يعلم بذلک، أما من رأى المكاس يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذه من ذلک الآخر، فهو حرام". (ردالمحتار: ۲/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد) =

بلا اذنِ مالک پتوں کی بیع

سوال[۷۷۹۰]: مالک کی اجازت کے بغیر بعض لوگ پتے توڑ کر لاتے ہیں اور ان کو لوگ خرید کر اپنے جانوروں کو کھلاتے ہیں۔ ان جانوروں کا دودھ پینے اور ان کی قربانی اور عقیقہ کا حکم؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر اجازتِ مالک کے پتے توڑنا اور فروخت کرنا منع ہے، ایسے لوگوں سے پتے خریدنا بھی منع ہے(۱)، اجازت کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ مالک کو معلوم ہو اور وہ منع نہ کرے(۲)، لیکن جس جانور کو یہ پتے کھلائے اس کا دودھ، گوشت حرام نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "لأن الكلأ مالاساق له، والشجر له ساق، فلا تدخل فيه، حتى يجوز بيعها إذا نبتت في أرضه، لكونها ملكه". (البحر الرائق: ۱۲۷/۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"ويدخل في الكلأ جميع أنواع ما ترعاه، رطباً كان أو يابساً، بخلاف الأشجار؛ لأن الكلأ مالاساق له والأشجار لهاساق، فلاتدخل فيه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۰/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۷۲/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرء إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۲) "وإن كان في البستان، فلو الثمار ممايبقى ولايفسد كالجوز واللوز، لايأخذه مالم يعلم الإذن. ولو مما لايبقى، فقيل: كذلك، والمعتمد أنه لابأس به إذا لم يعلم النهي صريحاً أو دلالةً أو عادةً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب فيمن وجد حطباً في نهرٍ: ۲۸۴/۴، سعيد)

(۳) "ان جديا غذي بلبن خنزير، لا بأس بأكله؛ لأن لحمه لا يتغير، وما غذي به يصير مستهلكاً، لايبقى له أثر". (فتاوىٰ قاضي خان على الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۹/۳، كتاب الصيد والذبائح، رشيديه)

"كماحل أكل جدي غذي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لايتغير، وماغذي به يصير مستهلكاً، لا يبقى =

دودھ کی قیمت جانچ کر متعین کرنا

سوال[۷۷۹۱]: ۱......ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ لوگ دودھ خریدتے ہیں اور اس کا دام اس طرح طے کرتے ہیں کہ دودھ کا جائزہ لینے کی جوشیشی آتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیا دودھ خراب ہے یا اچھا ہے، اگر تغیر نہیں ہوا تو سترہ روپے بیس کلو ہوتے ہیں۔ اور اگر ڈھائی نمبر نکلا تو سولہ روپے اور اگر دو نمبر نکلا تو پندرہ روپے۔ اور اس کو روزانہ نہیں ناپتے، بلکہ مہینہ میں دو تین مرتبہ ناپ لیتے ہیں۔ تو یہ صورت جائز ہے کہ نہیں، اگر جائز نہیں تو کیوں؟

۲......بعض دودھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ناپو، یا نہ ناپو، ایک ہی سیر کے نکلتے ہیں۔ تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے علاوہ اکثر دودھ ایسے ہیں کہ کبھی اچھے ہوتے ہیں، کبھی پانی ملے ہوئے ہوتے ہیں، دو تین مرتبہ ناپ کر پورے مہینہ کا اسی طرح شمار کر کے پیسے متعین کئے جاتے ہیں۔ تحریر فرماویں کہ اس طرح خریداری جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲......عقدِ بیع کرتے وقت قیمت کا معلوم ہونا ضروری ہے، قیمت مجہول ہونے سے بیع صحیح نہیں ہوتی ہے۔ صورت مسئولہ میں وقتِ عقد قیمت معلوم ومتعین نہیں، بلکہ متردّد ہے، اس لئے یہ بیع صحیح نہیں۔ خریدتے وقت روزانہ ہی ناپ لیا جائے اور اسی وقت قیمت تجویز ہوجائے، یا پھر ایک دفعہ ناپ کر کہہ دیا جائے کہ مہینہ بھر تک اسی قیمت سے لیں گے تب بھی درست ہے:

ویمکن أن یُشمّ رائحة الاستدلال لعدم الجواز ممافی الهندیة عن الخلاصة:

"رجل باع علی أنه بالنقد هکذا وبالنسیئة هکذا، أو إلی شهر کذا، أو إلی شهرین

= له أثر". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۳۴۱، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

(وکذا في البزازیة: ۶/۳۰۲، کتاب الصید، نوع في الجلالة، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۲۹۰، کتاب الذبائح، الباب الثالث، رشیدیه)

بکذا، فلا یجوز، الخ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۶ھ۔

دوسروں کا جو تیل بچ گیا ہے وہ تیلی سے خریدنا

سوال[۷۷۹۲]: تیلی سے تیل خریدنا جو خلط ملط تیل نکالنے والوں سے بچا کھچا اکٹھا کرتا ہے، یا کٹ فٹ کرلیتا ہو، اس کے ساتھ جائز تیل بھی ملا ہوا ہوگا، وہ فروخت کرتا ہے۔ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

بندہ نور احمد، مدرس مدرسہ نور پور بٹوانی، ریاست بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سرقہ کرکے دوسروں کا تیل فروخت کرتا ہے تو اس کا خریدنا جائز نہیں (۲)۔ اگر اپنا ذاتی بھی اس

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۳۶، کتاب البیوع، الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع، رشیدیه)

"وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشر وبنسيئة بعشرين، ولايفارقه على أحد البيعين". (جامع الترمذی: ۱/۲۳۳، کتاب البیوع، باب النهی عن بیعتین، سعید)

"وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو (قال) إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطعه على ثمن معلوم، ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذا إذا افترقا على هذا". (المبسوط للسرخسی: ۹/۱۳، باب البیوع الفاسدة، غفاریه کوئٹه)

"وأما البطلان فيما إذا قال: بعتُكه بألف حالاً وبألفين إلى سنة، فلجهالة الثمن". (فتح القدیر: ۶/۲۶۲، کتاب البیوع، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"يلزم أن يكون الثمن معلوماً، فلو جهل الثمن، فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "قال عليه الصلوٰة والسلام: "من اشترى سرقةً وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها وإثمها".
(فیض القدیر: ۱۱/۵۶۵۴، (رقم الحدیث: ۸۴۴۳)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"لم يحل للمسلم أن يشتري شيئاً يعلم أنه مغصوبٌ، أو مسروقٌ، أو مأخوذ من صاحبه بغير حق؛ لأنه إذا فعل، يُعين الغاصب أو السارق أو المعتد على غصبه وسرقته وعداوته. قال رسول الله =

میں مخلوط ہوتا ہے تو خلط کی وجہ سے وہ مالک ہوجاتا ہے(۱)، لیکن قبل ادائے ضمان تیلی کو اس میں بیع وغیرہ کا تصرف ناجائز ہوتا ہے(۲)۔ تاہم اگر کوئی خریدے گا تو وہ مالک ہوجائے گا(۳)۔ بایں ہمہ خریدنے سے اجتناب احوط ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبد اللطیف، ۸/ جمادی الاولیٰ/۶۶ھ۔

= صلى الله عليه وسلم: "من اشترى سرقةً (أي مسروقاً) وهو يعلم أنها سرقةٌ، فقد اشترک في إثمها وعارها". البيهقي". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، ص: ۲۱۲، المكتب الإسلامي للطباعة والنشر)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۳۸۵، كتاب في الحظر والإباحة، فصل في البيع ، سعيد)

(۱) "لو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملكه .... لأن الخلط استهلاک إذا لم يُمكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله ، وقوله أرفق للناس؛ إذ قلّما يخلو مالٌ عن غصب". (الدرالمختار).

"(قوله: لأن الخلط استهلاک) بمنزلة أن حق الغير يتعلق بالذمة لا بالأعيان. (قوله: كما في النهر)؛ لأنا نقول: إنه لما خلطها، ملكها، وصار مثلها ديناً في ذمته لاعينُها". (ردالمحتار: ۲/۲۹۰، ۲۹۱، كتاب الزكوٰة، باب زكوة الغنم، سعيد)

(۲) "مات وكسبه حرامٌ، فالميراث حلال. ثم رمز وقال: لا نأخذ بهذه الرواية، وهو حرام مطلقاً على الورثة، فتنبه، اهـ، ح. ومفاده الحرمة وإن لم يعلم أربابه. وينبغي تقيده بما إذا كان عين الحرام، ليوافق ما نقلناه؛ إذ لو اختلط بحيث لا يتميز، يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لا يحل التصرف فيه مالم يؤدّ بدله".

(ردالمحتار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيما ورث مالاً حراماً، سعيد)

(۳) "وأما صفة الملک الثابت للغاصب في المغصوب، فلاخلاف بين أصحابنا في أن الملک الثابت له يظهر في حق نفاذ التصرفات، حتى لو باعه أو وهبه أو تصدق به قبل أداء الضمان، ينفذ، كما تنفذ هذه التصرفات في المشتريٰ شراءً فاسداً". (بدائع الصنائع: ۱۰/۴۵، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) "قال عليه الصلوٰة والسلام: "دعْ ما يريبک إلى مالا يريبک". (فيض القدير: ۶/۳۲۲۶، (رقم الحديث: ۴۲۱۳)، مكتبه نزار مصطفيٰ الباز رياض)

قربانی سے پہلے ہی کھال فروخت کر دینا

سوال[۷۷۹۳]: یہاں پر مدرسہ اسلامیہ شیرکوٹ کے ممبران نے قربانی ہونے سے قبل ہی قربانی کے جانوروں کے چمڑوں کو بیچ ڈالا۔ یہ بیع جائز ہے یا باطل؟ آیا قربانی کرنے والوں کی قربانی شرعاً جائز ہے یا باطل؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح چرم قربانی کی بیع ناجائز ہے(۱)۔قربانی کرنے والوں کی قربانی شرعاً درست ہوگی۔شرعی طور پر ذبح کرنے کے بعد جانور کی کھال بغیر دباغت کے ہی فروخت کرنا شرعاً درست ہے(۲)،لیکن اگر جانور مر جائے تو اس کی کھال بغیر دباغت کے فروخت کرنا درست نہیں (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۲/۸۵ھ۔

---

(۱) "وفسد بیع ماسکت فیه عن الثمن.......... وصوف علی ظهر غنم. وجوزه الثانی ومالک. وفی السراج: لوسلم الصوف واللبن بعد العقد، لم ینقلب صحیحاً، وکذاکل ما اتصاله خلقیّ کجلد حیوان ونویٰ تمرٍ وبن وبطیخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۰، ۶۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"وأشار المصنف إلی أن کل ما بیع فی غلافه، فلایجوز کاللبن فی الضرع واللحم فی الشاة الحیة أو شحمها أو إلیتها أو أکارعها أوجلودها". (البحرالرائق: ۶/۱۲۳، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ۶/۴۱۲، باب البیع الفاسد، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "(وجلد میتة) قیّد بها؛ لأنها لو کانت مذبوحةً فباع لحمها، أو جلدها، جاز؛ لأنه یطهر بالذکاة، إلاالخنزیر". (ردالمحتار: ۵/۷۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، ۶/۱۳۳، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۳۷۸، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) "(وجلدالمیتة قبل الدبغ) یعنی لا یجوز بیعه .... وبعده یباع". (تبیین الحقائق، ۴/۳۷۷، =

پنشن کی بیع

سوال[۷۷۹۴]: زید مسلم ومحکوم، بکر غیر مسلم حاکمِ حکومت موجودہ ہے:

۱...... زید بکر کا ایک مدت (طے شدہ) تک ملازم رہا، بعد ختم مدتِ معینہ بکر نے زید کو بصلۂ حق الخدمت ایک رقم ماہانہ تازیست (۱) مقرر کر کے خدمتِ متعلقہ سے سبکدوش کر دیا۔

۲...... یہ رقم ماہانہ مقرر شدہ تازیست زید، زید بکر دونوں کے علم میں ہے اور بکر کے قبضہ میں ہے۔

۳...... زید اپنی ماہانہ مقرر شدہ رقم کا ایک جز بکر کو تازیست دے کر اس سے ایک معقول رقم یکمشت لینا چاہتا ہے، بکر رضامند ہے۔ زید اپنے اس اسقاط کا مختار اور بکر اپنے عطیۂ احسان کی صورت کو تبدیل کرنے کا مجاز ہے۔

۴...... زید اور بکر کا لین دین ہے تو تمام زندگی کے لئے لیکن میعادِ زندگی علمِ خداوندی میں ہے، اس لئے بکر زید کی زندگی کا ایک تخمینہ واندازہ بذریعہ اپنے مبصرین کے تعین کراتا ہے اور اس فرضی اندازے کی کل رقم یک مشت زید کو دے دیتا ہے، نہ اس میں کسی قسم کا سود ہے اور نہ طرفین میں سے کسی کو دھوکہ۔

اندازۂ عمر ایک فرضی قیاس ہے، نہ قطعی حکم۔ کیا شارع علیہ السلام وائمۂ عظام کے نزدیک بھی لین دین جائز ہے اور اس رقم سے کوئی کارِ خیر مثلاً حج وغیرہ ہوسکتا ہے؟ جواز وعدم جواز دونوں صورتوں میں بحوالہ کتبِ شرعیہ ارقام فرمانے کی زحمت فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس معاملہ میں بظاہر ایک خرابی تو یہ ہے کہ جو چیز ابھی تک ملازم کے قبضہ میں نہیں آئی، وہ اس کی بیع

= كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا بيع جلود الميتة قبل الدباغ، ويجوز بعده، وينتفع به". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۵/۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۳۳/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۱) "زیست: زندگی، حیات، عمر"۔ (فيروز اللغات، ص: ۷۵۷، فيروز سنز لاهور)

کررہا ہے جوشرعاً ناجائز ہے، لکونہ غیر مقدور التسلیم۔

دوسری (خرابی) یہ ہے کہ جس شئے پر ابھی تک ملازم کی ملک حاصل نہیں ہوئی تھی، اس کی بیع کررہا ہے، یہ بھی ناجائز ہے، "نهى عن بيع مالا يملك۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ عمر کا تخمینہ خود ایک فرضی چیز ہے جس میں زیادتی کمی کا امکان غالب ہے، اس لئے ایک صورت میں ملازم کے پاس رقم زیادہ آنے کا امکان ہے اور دوسری صورت میں کم کا احتمال ہے، یہ بھی ممنوع ہے، لكونه قماراً۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ اگر معاملہ ثمنین کا ہے تو اس میں یداً بید ومثلاً بمثلٍ ہونا ضروری ہے، وہ یہاں موجود نہیں لہذا ناجائز ہے، لكونه ربوا۔

لیکن ملازمت سے سبکدوشی پر تازیست ملازم کو رقم ماہانہ متعین کر کے بنام حق الخدمت دینا واجب نہیں، بلکہ تبرع ہے، جس پر جبر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کا دل چاہے دے نہ چاہے نہ دے۔ جس طرح ماہانہ رقم دینا تبرع ہے جبر نہیں، اسی طرح یہ بھی اختیار ہے کہ اندازہ کر کے مجموعی رقم یکمشت دیدے۔ یہ درحقیقت احسان ہی کی ایک صورت ہے، اس میں اس لئے اصالۃً نہ بیعِ مالا یملک ہے، نہ بیعِ مالیس عندہ ہے، نہ قمار ہے، نہ ربوا، لہذا یہ لین دین شرعاً درست ہے:

ونظيره بيع العرايا، قال في العناية في شرح الهداية، ص: ٦٩٥، هامش فتح القدير: "وتأويلها أن يهب الرجل ثمرة نخلة من بستانه لرجل، ثم يشق على المُعري دخول المعُرى له، الخ". (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(١) (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ٤١٥/٦، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"قال: معنى ذلك عندنا أن يعرى الرجل الرجل نخلةً من نخله، فلا يسلم ذلك إليه حتى يبدو له، فرخص أن يحبس ذلك ويعطيه مكانه بخرصه تمراً". (فتح القدير: ٤١٦/٦، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"الثالث قول مالك رحمه الله تعالىٰ المشهور، والعرايا عنده أن يهب الرجل ثمرة نخلة أو =

فون پر بیع

سوال[۷۷۹۵]: یہاں دوکانیں کافی دور ہیں،فون پر سودا لکھادیا،جب تیار ہوکر پوری بندھ گئی تو ملازم جاکر لاتا ہے۔حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے فرمایا کہ ''اگر خریدار بوقتِ وزنِ مبیع موجود نہ ہوں تو اس کا ظرف ہونا چاہیے'' اور فرمایا کہ ''یہ امر تصدی ہے''(۱)۔حضرت مفتی شفیع صاحب نے فرمایا: ''اگر مشتری کے نزدیک بائع قابلِ اعتماد ہوتو خود موجود ہونا ضروری نہیں ہے'' اور ظرف بائع کی طرف سے ہونے کی قید نہیں لگائی،اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس سے بھی آسان طریقہ یہ ہے کہ بیع بشرط الکیل والوزن نہ ہو(۲)،بلکہ یہ کہہ دیا جائے کہ

= نخلات من حائطه لرجل بعينه، ثم يتأذى بدخول موهوب له في حائطه لمكان أهل بيته في الحائط، فيجوز للواهب أن يشترى الثمار المعلّقة من الموهوب له بخرصها تمراً .... والرابع قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وتفسير العرايا عنده عين ما فسر به مالك غير أنه يقول: إنه ليس ببيع حقيقةً، وإنما هو استبدال موهوب بموهوب آخر قبل أن يقبضه الموهوب له". (تكملة فتح الملهم: ۱/۴۰۸، كتاب البيوع، باب بيع العرايا، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى أحسن الفتاوى، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد والباطل: ۶/۵۲۱، سعيد)

(۱) (أحسن الفتاوىٰ، كتاب البيوع، مروجہ بیوع میں مشتری پر اعادۂ وزن کی تحقیق: ۶/۴۹۷، سعيد)

(۲) لیکن اس صورت میں مبیع مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہوجاتی ہے،اس لئے کہ مبیع اگر مکیلات یا موزونات کے قبیل سے ہوتو اس کی قدر کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر قدر معلوم نہ ہوتو مبیع کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

"لايصح البيع إلابمعرفة قدر المبيع والثمن ووصف الثمن إذاكان كلٌّ منهما غير مشار إليه، أما المشار إليه، فغير محتاج إليهما". (البحر الرائق: ۵/۴۵۶، كتاب البيع، رشيديه)

"والحاصل أن الأعواض إذاكانت غير مشار إليها، سواء كانت ثمناً أو مثمناً بشرط فيها معرفة المقدار فى المبيع ومعرفة مقدار الثمن ووصفه". (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ۴/۲۸۰، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"يشترط أن يكون المبيع معلوماً عند المشترى؛ لأن بيع المجهول فاسد.......... ولهذا لوكان =

اتنے روپے کی فلاں چیز دیدو، ہمارا آدمی آکر لے جائے گا، یا آپ اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دے۔ یہ بحث ہی نہ ہو کہ کس نرخ کا ہے، پھر بوری یا تھیلا کسی کا بھی ہو، سب طرح درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۹ھ۔

غیر مسلم کا نابالغ بھتیجہ کی زمین فروخت کرنا

سوال[۷۷۹۶]: ایک غیر مسلم کا لڑکا نابالغ جس کا باپ مر چکا ہے، اس لڑکے کے حقیقی چچا موجود ہیں، چچا اپنی زمین اور اس لڑکے کے باپ کی زمین ولی بن کر فروخت کرنا چاہتا ہے، ایک مسلمان شخص کے ہاتھ پنشن بیچنا جائز نہیں، یہ بیع جائز ہے یا نہیں، مسلمان خرید سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے مذہب میں چچا کو حق ہے کہ بھتیجے کی زمین کو ولی ہونے کی حیثیت سے فروخت کردے تو مسلمان کو اس کا خریدنا درست ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/شوال/۵۶ھ۔

بیعِ مجہول سے متعلق بہشتی زیور کے حاشیہ پر ایک اشکال

سوال[۷۷۹۷]: بہشتی زیور اختری پانچواں حصہ، ص: ۷، مسئلہ نمبر ۴ (۲) پر ایک حاشیہ جناب کا

= المبيع غير مشار إليه، لزم جنسه ونوعه وقدره ووصفه بما يرفع الجهالة الفاحشة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۷، (رقم المادة: ۲۰۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۳۰/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(۱) "ولو قهر الحربي بعض أحرارهم، فأراد بيعهم من المستأمن، ينظر: إن كان الحكم عندهم أن من قهر منهم صاحبه نفذ ملكه، جاز الشراء، وإلا فلا". (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب المستأمن: ۲۲۸/۳، رشيديه)

(۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"**مسئلہ**: نقد داموں پر ایک روپیہ کے بیس سیر گیہوں بکتے ہیں، مگر کسی کو ادھار لینے کی =

ہے، "ع" نشان دے کر بظاہر آپ کے حاشیہ کا مطلب متن کی عبارت سے میل نہیں کھاتی، کیونکہ متن میں بیس سیر اور پندرہ سیر کے الفاظ صاف درج ہیں اور آپ نے لکھا ہے کہ "طے نہیں ہوا، بات گول مول رہ گئی"۔ ذرا اس کو دیکھ لیجئے، اگر مسامحۃً ہو تو درست کر دیا جائے، ورنہ میری جسارت معاف فرما کر مجھے اس کی مختصر وضاحت لکھ بھیجی جائے۔

خادم سراج الحق مچھلی شہری، گورنمنٹ کالج، الہ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبارتِ حاشیہ بالکل متن کے مطابق ہے، متن میں دو صورتیں بیان کی گئی ہیں: ایک جواز کی جس میں نقد یا ادھار کی تعیین ہو جائے، دوسری عدمِ جواز کی جس میں نقد یا ادھار کی تعیین نہ ہو کہ نقد لے گی۔ "یا ادھار" اسی کے حاشیہ پر ہے کہ: "بات گول مول رہ گئی، نہ یہ طے ہوا کہ ادھار لے گی، نہ یہ طے ہوا کہ نقد لے گی"۔ اور اسی تعیینِ نقد ونسیئہ وعدمِ تعیینِ نقد ونسیئہ پر جواز وعدمِ جواز کا مدار ہے، اس تعیین وعدمِ تعیین سے نرخ کی تعیین وعدمِ تعیین مراد نہیں، کیونکہ نرخ دونوں صورتوں میں بیس سیر اور پندرہ سیر متعین ہے۔

اور عربی عبارت جو حاشیہ پر ہندیہ سے نقل کی ہے: "وأما البطلان فيما إذا قال: بعتك بألف حالاً، الخ"۔

اس میں عدمِ جواز کی علت جہالتِ ثمن کو قرار دیا ہے، حالانکہ اس میں "ألف" اور "ألفين" کے الفاظ صاف درج ہیں، لیکن چونکہ حالاً یا إلى سنة کی تعیین نہیں ہوئی، اس لئے ثمن کی بھی تعیین نہیں ہوئی۔

اسی طرح متن میں چونکہ نقد یا ادھار کی تعیین نہیں ہوئی، بات گول مول رہ گئی، اس لئے کہا جائے گا کہ بیس سیر یا پندرہ سیر کی بھی تعیین نہیں ہوئی کہ کس نرخ سے بیع ہوئی ہے، لہٰذا اس طرح بیع ناجائز ہے۔ ہاں! اگر یہ طے ہو جائے کہ نقد ہے یا ادھار ہے تو بیع درست ہے۔ امید ہے کہ اشکال حل ہو کر کہ انطباقِ حاشیہ علی المتن واضح

= وجہ سے اس نے روپیہ کے پندرہ سیر گیہوں دیئے تو یہ بیع درست ہے، مگر اسی وقت معلوم ہو جانا چاہیے کہ ادھار مول لے گی"۔ (بہشتی زیور)

اور حاشیہ میں ہے: "مطلب یہ ہے کہ اگر اسی مجلس میں یہ طے ہو گیا کہ ادھار لے گی یا نقد تو جائز ہے اور اگر طے نہ ہوا اور بات یونہی گول مول رہ گئی تو جائز نہیں"۔ (بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص: ۳۵۰، عنوان: "ادھار لینے کا بیان" دار الاشاعت)

ہوجائے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۹/ رجب/ ٦٦ھ۔

بازار سے پھل خریدتے وقت تحقیق کی ضرورت

سوال[۷۷۹۸]: آج کل جو آم بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں ان کے متعلق معلوم نہیں کہ خریدار نے جو باغ خریدا ہے کس وقت خریدا ہے، آیا زمانہ کو ہر میں خریدا ہے ایسی حالت میں بازار سے آم خرید کر کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ تحقیق اور ظنِ غالب ہو کہ اس بائع نے بیع باطل سے خریدا ہے تو اس کا خریدنا ناجائز ہے، اگر اس کی تحقیق یا ظن غالب نہ ہو تو اس کے خریدنے میں گنجائش ہے:

"وحمل فعل المسلم على الصحة والحل واجبٌ ماأمكن، إلا أن تقوم البينة، اھ".

مبسوط سرخسی: ۱۷/ ۷۲۵(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف،۲۲/ جمادی الأولیٰ/ ۵۷ھ۔



---

(۱) "لم أجد في المبسوط، وبمعناها في القواعد الفقهية: "أمور المسمين على السداد حتى يظهر غيره"، من مسائله أن من باع درهما ودينارا بدرهمين ودينارين جاز البيع، وصرف الجنس إلى خلاف جنسه تحريا للجواز حملا لحال المسلم على الصلاح، إلا إذا نص: أن الدرهم بالدرهم والدينار بالدينار فإنه يفسد البيع". (القواعد الفقهية، (رقم القاعدة: ۵۲)، ص: ٦۳، الصدف پبلشرز)

الفصل الثالث فی البیع المکروہ

(بیعِ مکروہ کا بیان)

نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۹۹] : افیون اوراسپورٹ اوراس جیسی نشہ آوراشیاء مثلاً گانجہ وغیرہ کی تجارت کرنا جائز ہے یانہیں؟ اگران کودواءً استعمال کیاجائے خارجاًیاداخلاً جائز ہے یانہیں؟

شریف احمد کھرنی، مسجداعظم نگر، بریلی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

چارقسم کی شراب تو حرام ہے(۱)،اس کی تجارت بھی حرام ہے(۲)۔اوراس کے علاوہ جو چیزیں نشہ

(۱) "الأشربة المحرمة أربعة: الخمر، وهی عصیر العنب إذا غلا واشتدّ أو قذف بالزبد. والعصیر إذا طبخ، حتی یذهب أقل من ثلثیه. ونقیع التمر، وهو السكر. ونقیع الزبیب إذا اشتدّ وغلا". (الهدایة: ۴/۴۹۲، کتاب الأشربة، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق: ۸/۳۹۹، کتاب الأشربة، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶/۴۴۸، کتاب الأشربة، سعید)

(۲) "ان الذی حرم شربها، حرم بیعها وأکل ثمنها". (الهدایة: ۴/۴۹۱، کتاب الأشربة، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"ولایجوز بیعها، لحدیث مسلم: "الذی حرم شربها، حرم بیعها". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۴۴۹، کتاب الأشربة، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۲۲۳، کتاب الأشربة فصل فی معرفة الأشربة، رشیدیه)

آور ہیں ان کا استعمال بطورِ دوا اتنی مقدار میں کہ نشہ نہ ہو بوقتِ ضرورت جائز ہے(۱)۔اوران کی تجارت حرام نہیں،البتہ مکروہ ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۸۹/۲/۲۸ھ۔

افیون وغیرہ کی بیع

سوال[۷۸۰۰]: گانجہ(۳)، بھنگ،افیون کی تجارت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گانجہ، بھنگ،افیون کی تجارت مکروہ تحریمی ہے،لیکن اگر کسی نے کرلیا تو صحیح ہو جائے گی:

---

(۱) "وإن البنج ونحوه من الجامدات إنما يحرم إذا أرادبه السكر، وهو الكثير منه دون القليل، المراد به التداوي ونحوه كالتطيب بالعنبر وجوزة الطيب". (ردالمحتار: ۴۲/۴، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الخامس: حد الشرب وحد السكر والأشربة، المبحث الرابع: أحكام الأشربة المسكرة غير الخمر: ۵۵۰۵/۷، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۲۶/۶، كتاب الأشربة، رشيديه)

(۲) "وصح بيع غير الخمر مما مّر، ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون. قلت: وقد سئل ابن نجيم عن بيع الحشيشة: هل يجوز؟ فكتب: لايجوز. فيحمل على أن مراده بعدم الجواز عدم الحل". (الدرالمختار). "(قوله: وصح بيع غير الخمر): أى عنده، خلافاً لهما في البيع والضمان، لكن الفتوى على قوله في البيع، وعلى قولهما في الضمان إن قصد المتلف الحسبة، وذلك يعرف بالقرائن، وإلافعلى قوله، كما في التاتارخانية وغيرها. ثم إن البيع وإن صح، لكنه يكره". (ردالمحتار: ۴۵۴/۶، كتاب الأشربة، سعيد)

لیکن یہ اس صورت میں مکروہ ہے کہ فروخت کنندہ کو معلوم ہو کہ خریدار اس کو نشہ کے طور پر استعمال کریگا۔اوراگر معلوم نہ ہو تو جائز ہے، كما سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية، فليراجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشية: ۱)

(۳)"گانجا: بھنگ کا پودا،ایک نشہ دار درخت کا نام جس کے بیج چلم میں رکھ کر پیتے ہیں"۔(فيروز اللغات، ص: ۱۰۲۹، فيروز سنز، لاهور)

"(وصح بيع غير الخمر): أى عنده، خلافاً لهما فى البيع والضمان، لكن الفتوى على قوله فى البيع، وعلى قولهما فى الضمان إن قصد المتلف الحسبة، وذلك يعرف بالقرائن، وإلافعلى قوله، كمافى التاتارخانية وغيرها. ثم إن البيع وإن صح، لكنه يكره، كمافى الخانية". شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۶/ ۴۵۴، كتاب الأشربة، سعيد)

لیکن یہ اس صورت میں مکروہ تحریمی ہے کہ فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو کہ خریدار مذکورہ چیزوں کو ناجائز طور پر استعمال کرے گا۔ اور اگر فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو کہ خریدار ان کو ناجائز طور پر استعمال نہیں کرے گا، یا خریدار کے استعمال کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو کہ وہ ان چیزوں کو کس طرح استعمال کرے گا، یا یہ معلوم ہو کہ خریدار ان کو ادویات میں ملائے گا تو ان صورتوں میں مذکورہ چیزوں کی خرید وفروخت بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ اگر حکومت کی طرف سے مذکورہ چیزوں کی خرید وفروخت پر پابندی ہو تو اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں:

"ثم السبب .... إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لايحتاج فى إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً، فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام فى مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: اقسام السبب وأحكامه: ۲/ ۴۵۲، مكتبة دارالعلوم كراچى)

"يجوز بيع العصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره". (الدرالمختار). "(قوله: حتى يعلم) فيه إشارة إلى أنه لو لم يعلم، لم يكره بلاخلاف". (ردالمحتار: ۶/ ۳۹۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

"(ويجوز بيع العصير ممن يتخذه خمراً): أى من ذمى، فلو من مسلم، كره بالاتفاق؛ لأنه إعانة على المعصية، ومفاده أنه إن لم يعلم ذلك، لم يكره بلاخلاف". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/ ۲۱۲، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، غفاريه كوئٹه)

"ان العصير ممن يتخذه خمراً، إن قصد به التجارة، فلاتحرم. وإن قصد به لأجل التخمير، =

افیون کی تجارت اوراس کی آمدنی کا حکم

سوال[۷۸۰۱]: ہمارے علاقے میں خاص طور سے ہمارے گاؤں میں لوگ افیون کا کاربار کرتے ہیں، اسی کاروبار سے جورقم حاصل ہوئی، زمین، کھیت اور باغ خریدے، اب ان میں کاشت بھی ہوتی ہے اور افیون کا کاروبار بھی جاری ہے۔ کیا ایسے لوگوں کی آمدنی درست ہے، ان کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ اگر افیون کی کمائی سے مسجد، سرائے، یا دینی مدارس میں چندہ دیں تو کیسا ہے؟

حافظ رضی محمد ٹکرا، عثمان پور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

افیون کی تجارت مکروہ ہے(۱)۔ افیون کی آمدنی سے جو زمین خرید کراس میں کاشت کرتے ہیں، اس کاشت کی آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا(۲)، ایسی آمدنی سے چندہ لینا بھی درست ہے اوران کے یہاں کھانا

= حرم". (شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول: مباحث النية: ۱/۹۷، باب البيع الفاسد، إدارة القرآن كراچی)

"وشرب البنج للتداوی لابأس به". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۱۲۶، كتاب الأشربة، رشيديه)

(وكذا فی المبسوط للسرخسی، كتاب الأشربة: ۲۴/۹، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۴/۴۲، باب حد الشرب، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وإنما طاب للبائع ماربح فی الثمن .... لايطيب للمشتری: أی ماربح فی بيع يتعين بالتعين بأن باعه بأزيد". (الدرالمختار). "(قوله: بأن باعه بأزيد) تصويرٌ لظهور الربح، فلا يطيب له ذلک الزائد عما اشتریٰ به، وأفاد أن ذلک فی أول عقد. وأما إذا أخذ الثمن واتّجر وربح بعده أيضاً، يطيب له، لعدم التعين فی العقد الثانی". (ردالمحتار: ۵/۹۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"ومن اشتری جاريةً بيعاً فاسداً وتقابضا وباعها وربح فيها، يتصدق بالربح. وإن اشتری البائع بالثمن شيئاً وربح فيه، طاب له الربح". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۲۱۱، كتاب البيوع، الباب العشرون فی البياعات المكروهة، رشيديه)

(وكذا فی ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۹۰، رشيديه) =

پینا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

افیون کی بیع اور کاشت

سوال[۷۸۰۲]: افیون کی کاشت کرنا کیسا ہے؟ نیز اس کی تجارت کے لئے کیا حکم ہے، اس کا حکم بحکم شراب ہے یا اس سے جدا ہے؟ بالتفصیل بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افیون کا کھانا حرام ہے، اگر چہ اس کی حرمت شراب کی حرمت سے کم درجہ کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت ہو تو شراب پینے والے پر حد جاری کی جاتی ہے(۱) اور افیون کھانے والے پر حد جاری نہیں کی جاتی ہے، البتہ تعزیری سزا دی جاتی ہے:

"ویحرم أكل البنج والأفيون والحشيشة، لكن دون حرمة الخمر، فإن أكل شيئاً من ذلك، لاحدّ عليه وإن سكر، بل يعزّر بما دون الحد". شامی ودر مختار(۲)۔

کاشت خشخاش کی کی جاتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی تجارت بھی جائز ہے(۳)۔ البتہ اس

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۴۰۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "يحد مسلم ناطق مكلف شرب الخمر ولو قطرةً أ سكر من نبيذ طوعاً". (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم: ۴/۳۷، سعيد)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۶/۴۵۷، سعيد)

"حرمة أكل بنج وحشيشة وأفيون، لكن دون حرمة الخمر. ولوسكر بأكلها، لايحد، بل يعزّر". (ردالمحتار: ۴/۴۲، كتاب الحدود، باب حد الشرب، سعيد)

"ويحرم أكل البنج والحشيشة والأفيون لكن دون حرمة الخمر، فإن أكل شيئاً من ذلک، لاحدّ عليه، بل يعزر بمادون الحد". (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/۲۵۱، كتاب الأشربة، غفاريه كوئٹه)

(۳) "وجاز بيع العصير من خمار؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه، بل بعد تغيره .... ولأن العصير يصلح للأشياء كلها جائزة شرعاً، فيكون الفساد على اختياره". (البحر الرائق: ۸/۳۷۱، كتاب الكراهية، =

سے افیون نکال کر اس کی تجارت مکروہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بوڑی کی بیع

سوال [۷۸۰۳]: بوڑی کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ بوڑی کی اصل یہ ہے کہ ایک درخت جس سے کہ افیم نکلتی ہے، اس میں پھول آتا ہے، اس کو بوڑی بولتے ہیں۔ اس کے پینے سے معمولی نشہ آتا ہے، چائے کی طرح اس کو پیا جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بوڑی نشہ ہی کے لئے استعمال ہو، دوسرا کوئی فائدہ اس سے نہ ہو تو اس کی بیع مکروہ ہے اگر چہ نشہ اس سے تھوڑا ہی ہوتا ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۴/ ۱/ ۸۸ھ۔

= فصل فی البیع، رشیدیہ)

"ویجوز بیع العصیر ممن یتخذ خمراً؛ لأن المعصیة لا تقوم بنفس العصیر، بل بعد تغیره، فصار عند العقد کسائر الأشربة من عسل ونحوه". (مجمع الأنهر: ۴/ ۲۱۴، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۷/ ۶۴، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الأشباه والنظائر: ۱/ ۹۷، الفن الأول: مباحث النیة، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (راجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "ثم السبب .... إن لم یکن محرکاً و داعیاً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلک سبب قریب بحیث لایحتاج فی إقامة المعصیة به إلی إحداث صنعة من الفاعل، کبیع السلاح من أهل الفتنة وبیع العصیر ممن یتخذه خمراً .... فکله مکروه تحریماً بشرط أن یعلم به البائع والآجر من دون تصریح به باللسان، فإنه إن لم یعلم کان معذوراً". (جواهر الفقه، باب تفصیل الکلام فی مسئلة الإعانة علی =

تمباکو میں رہی ملا کر فروخت کرنا

سوال[۷۸۰۴]: زید مدت سے تمباکو کی تجارت کرتا ہے۔ پہلے ہر جنس کا نرخ ارزاں تھا اس لئے تمباکو میں صرف شیرہ ملا کر فروخت کرتے تھے، اس وقت تمباکو دو سیر کر کے بھی مزدوری ہاتھ آجاتی تھی، لیکن جب سے ہر چیز کی گرانی ہوئی ہے، ہر طرح کی دشواری ہوگئی ہے، تمباکو پر سرکاری ٹیکس اور تاوان اور زیادہ ہوگیا، اس لئے زید بمجبوری تمباکو میں رہی ملا کر ۴/ سیر کے نرخ سے فروخت کررہا ہے۔ اس کے سوا خالص تمباکو بھی بناتا ہے، چونکہ اس کا نرخ مہنگا ہے، اس لئے اس کی بکری بہت کم ہوتی ہے۔ اکثر خریداروں کو رہی کا ملانا بھی معلوم ہوگیا ہے، تاہم اسی کو زیادہ خریدتے ہیں۔ پس یہ تجارت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر خریداروں پر ظاہر کردیتا ہے کہ اس میں رہی بھی ہے، یہ خالص نہیں تو درست ہے (۱)۔ اور اگر اس کو خالص کہہ کر فروخت کرتا ہے تو یہ دھوکہ ہے جو ناجائز ہے اور گناہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

= الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۴۵۲/۲، مكتبة دارالعلوم كراچی)

"ويجوز بيع العصير ممن يتخذه خمراً: أى من ذمى، فلو من مسلم، كره بالاتفاق؛ لأنه إعانة على المعصية. ومفاده أنه لولم يعلم ذلك، لم يكره بلاخلاف". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲۱۴/۴، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسو ل الله صلى الله عليه وسلم مرّ برجل يبيع طعاماً، فسأله: "كيف تبيع"؟ فأخبره، فأوصى إليه أن "أدخِلْ يدك فيه". فأدخل يده، فإذا هو مبلول، فقا ل رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "ليس منا من غش". (بذل المجهود: ۲۷۳/۵، كتاب الإجارة، باب فى النهى عن الغش، إمداديه ملتان)

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على صبرة طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً فقال: "ماهذا ياصاحب الطعام"؟ قال: أصابته السماء يارسول الله! =

آلاتِ لہو کی بیع

سوال[۷۸۰۵]: زید ایک دوکان کھولنا چاہتا ہے جس میں اس قسم کا سامان لگائے گا اور فروخت کرے گا کہ جس سے طبل ومزامیر تیار ہوتے ہیں، مثلاً: چادر پیتل کی کہ جس سے باجے بنتے ہیں، اس قسم کا دیگر سامان جس سے باجے تیار ہوتے ہیں۔ اور ایسے موقع اور مقام پر کھولنا چاہتا ہے کہ جہاں پر باجے بہت بنتے ہیں اور بازار بھی باجوں کا ہے۔ تو اس قسم کے سامان کی دوکان ایسے موقع پر کھولنا جائز ہے اور مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویکره تحریماً بیع السلاح من أهل الفتنة إن علم؛ لأنه إعانة على المعصية، وبيع مايتخذ منه كالحديد ونحوه". درمختار۔ "(قوله: لأنه إعانة على المعصية)؛ لأنه يقاتل بعينه بخلاف مالا يقاتل به، إلا بصنعة تحدث فيه كالحديد، ونظيره كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بهاعينها، ولايكره بيع الخشب المتخذة هي منه"(۱)۔

= فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس؟ من غش فليس مني". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۸، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الأول، قديمي)

"لايحل لمسلم باع من أخيه بيعاً وفيه عيب إلابيّنه له". (تبيين الحقائق: ۳۳۵/۴، كتاب البيوع، باب خيار العيب، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (ردالمحتار: ۲۶۸/۴، كتاب الجهاد، باب البغاة، سعيد)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة.......... لأنه إعانة على المعصية ....وعرف بهذا أنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب الذي يتخذ منه المعازف". (النهر الفائق: ۲۶۸/۳، كتاب الجهاد، باب البغاة، رشيديه)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية قيّد بالسلاح؛ لأن بيع مايتخذ منه السلاح كالحديد ونحوه لا يكره، ولايكره بيع مايُتخذ منه المزامير وهو القصب والخشب". (البحر الرائق: ۲۴۰/۵، باب البغاة، رشيديه)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية، قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدان﴾ [المائدة: ۲] وإنما يكره بيع نفس السلاح دون مالايقاتل به، =

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ ایسی تجارت کراہت سے خالی نہیں، اگر چہ اس کو بالکل ناجائز بھی نہیں کہا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

ہارمونیم کی تجارت

سوال[۷۸۰۶]: میں ہارمونیم (۱) بنا کر سب عیب بتلا کر بیچتا ہوں، گانا بجاتا نہیں، خود دستکار ہوں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہارمونیم گانے بجانے کا آلہ ہے، اس کی تجارت مکروہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۸/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۸/۱۷ھ۔

ریڈیو کی خرید وفروخت اور استعمال

سوال[۷۸۰۷]: زید ریڈیو کا کام کرتا ہے اور گھر پر ریڈیو بھی رکھتا ہے، عمر اس پر اعتراض کرتا ہے کہ ریڈیو رکھنا جائز نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ریڈیو کس صورت میں رکھا جاسکتا ہے اور کس صورت میں نہیں رکھا جاسکتا؟

= إلابصنعة كالحديد؛ لأن المعصية تقع بعين السلاح بخلاف الحديد، ألاترى أن العصير والخشب الذى يتخذ منه المعازف لايكره بيعه؛ لأنه لامعصية فى عينها". (تبيين الحقائق: ۹۹/۴، كتاب السير، باب البغاة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) 'ہارمونیم: 'ایک قسم کا انگریزی باجا ہے''۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۴۲۸، فيروز سنز، لاهور)

(۲) (راجع، ص: ۱۲۷، رقم الحاشية: ۱)

"ويكره بيع السلاح من أهل الفتنة وفى عساكرهم؛ لأنه إعانة على المعصية .... وإنما يكره بيع نفس السلاح لابيع مالايقاتل به إلابصنعة، ألاترى أنه يكره بيع المعازف ولا يكره بيع الخشب". (الهداية: ۲/ ۵۶۱، كتاب السير، باب البغاة، إمداديه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير: ۱۰۸/۶، كتاب السير، باب البغاة، المصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

الجواب حامداًومصلیاً:

ریڈیو کی بیع ومرمت درست ہے، پھر اگر خریدنے والا اس کو غلط استعمال کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے، فروخت کرنے والے پر اس کی ذمہ داری نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "لایکره بیع الجارية المغنية والكبش النطوح والديک المقاتل والحمامة الطيارة؛ لأنه ليس عينها منكراً، وإنما المنكر في استعمال المحظور. قلت: لكن هذه الأشياء تقام المعصية بعينها، لكن ليست هي المقصود الأصلي منها، فإن عين الجارية للخدمة مثلاً والغناء عارض، فلم تكن عين المنكر، بخلاف السلاح فإن المقصود الأصلي هو المحاربة به، فكان عينه منكراً، إذا بيع لأهل الفتنة فصار المراد بما تقام المعصية به ماكان عينه منكراً بلاعمل صنعة فيه، فخرج نحو الجارية المغنية؛ لأنها ليست عين المنكر". (ردالمحتار: ۲۶۸/۴، كتاب الجهاد، باب البغاة، سعيد)

"رجل آجر بيتاً ليتخذ فيه ناراً، أو بيعةً أو كنيسةً أو يباع فيه الخمر، فلابأس به، وكذاكل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار". (خلاصة الفتاوى: ۳۲۶/۴، ۳۲۷، كتاب الكراهية، الفصل التاسع في المتفرقات، جنس آخر، امجد اكيڈمى لاهور)

"ولابأس بأن يواجر المسلم داراً من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر، أو عَبد فيه الصليب، أودخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلمَ إثمٌ في شئ من ذلک؛ لأنه لم يواجر ها لذلک، والمعصية في فعل المستأجر". (المبسوط للسرخسي: ۴۳/۱۶، كتاب البيوع، با ب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق: ۲۴۰/۵، كتاب السير، باب البغاة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۹۹/۴، كتاب السير، باب البغاة، دارالكتب العلمية بيروت)

البتہ اگر کسی شخص کے بارے میں یقینی پتہ چل جائے کہ وہ اس کو گناہ ہی میں استعمال کرے گا تو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا مکروہ ہے:

"ثم السبب إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلک سبب قريب بحيث لايحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير =

بینڈ باجہ فروخت کرنا اور حلال روزی کا عمل

سوال[۷۸۰۸]: میری تمام گذر بسر اس بات پر ہے کہ میں بینڈ باجہ فروخت کرتا ہوں، مگر گھر میں ہمیشہ بربادی رہتی ہے، ہروقت جیب خالی، پیٹ خالی، ہاتھ دوسروں کے سامنے پھیلا رہتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اَور کام جانتا نہیں، یہ میرا مشغلہ ہے۔ میرے لئے کیا مشورہ ہے کہ میں اس بربادی سے چھٹکارا پاجاؤں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بینڈ باجہ بجانا ناجائز، اس کا سننا ناجائز ہے(۱)، اس کا فروخت کرنا ناجائز ہے(۲)۔ اس نحوست کا یہ اثر

= ممن يتخذه خمراً.......... فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام فى مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۲/۴۵۲، مكتبة دارالعلوم كراچى)

(۱) "استماع صوت الملاهى كضرب قصب ونحوه حرامٌ، لقوله عليه الصلوة والسلام: "استماع الملاهى معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر": أى بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ماخلق لأجله كفرٌ بالنعمة لاشكر، فالواجب كل الواجب أن يجتنب كى لايسمع، لِمَا روى أنه عليه الصلوة والسلام أدخل أصبعه فى أذنه عند سماعه". (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۶/۳۴۹، كتاب الحظر والإباحة، قبيل: فصل فى اللبس، سعيد)

"دلّت المسئلة على أن الملاهى كلها حرام حتى التغنى بضرب القضيب .... واختلفوا فى التغنى المجرد: قال بعضهم: إنه حرام مطلقاً والاستماع إليه، لإطلاق ماروينا". (تبيين الحقائق: ۷/۳۰، ۳۱، كتاب الكراهية، فصل فى الأكل والشرب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۵۱، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر فى الغناء واللهو وسائر المعاصى والأمر بالمعروف، رشيديه)

(۲) "وكره بيع السلاح من أهل الفتنة .... لأنه إعانة على المعصية ....وعرف بهذا أنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب الذى يتخذ منه المعازف". (النهر الفائق: ۳/۲۶۸، كتاب الجهاد، باب البغاة، رشيديه)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية قيّد بالسلاح؛ لأن بيع مايتخذ منه السلاح كالحديد ونحوه لا يكره، ولايكره بيع مايُتخذ منه المزامير وهو القصب والخشب". (البحر =

ہے کہ آمدنی زیادہ ہونے کے باوجود کوئی خیر برکت نہیں ہوتی۔ اللہ کے سامنے روکر توبہ کرلیں اور حلال روزی مانگیں خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ معمولی مزدوری کرلیں اگرچہ اپنی شان کے خلاف ہو۔

فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سورۂ الحمد شریف مع بسم اللہ ۴۱/ بار، اول وآخر درود شریف ۱۱/ بار۔ نماز فجر کے بعد سورۂ ﴿إذا جاء نصر الله﴾ ۲۱/ بار، ظہر کے بعد ۲۲/ بار، عصر کے بعد ۲۳/ بار، مغرب کے بعد ۲۴/ بار، عشاء کے بعد ۲۵/ بار پڑھا کریں۔ نیز کوئی ایک وقت مقرر کرکے باوضو قبلہ رو بیٹھ کر درود شریف ۵۰۰/ بار پڑھا کریں، انشاء اللہ روزی فراغت کی ملے گی اور پریشانی دور ہوگی۔ خدائے پاک اپنا فضل فرمائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

شراب کے لئے بوتل فروخت کرنا

سوال[۷۸۰۹]: ایک شخص کباڑی کا کام کرتا ہے جیسے پرانا لوہا اور پلاسٹک اور خالی شدہ بوتلیں خریدنے اور بیچنے کا کام کرتا ہے، اس میں شراب کی بھی خالی شدہ بوتلیں آجاتی ہے، وہ بوتل شراب بنانے والے کو فروخت کرتا ہے جس میں شراب ساز دوبارہ شراب بھی فروخت کرتا ہے۔ کیا مذکورہ بالا کام کرنے کے لئے شراب

= الرائق: ۵/۲۴۰، کتاب السیر، باب البغاة، رشیدیه)

"وکره بیع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة علی المعصیة، قال الله تعالی: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ [المائدة: ۲]

وإنما یکره بیع نفس السلاح دون مالایقاتل به، إلابصنعة کالحدید؛ لأن المعصیة تقع بعین السلاح بخلاف الحدید، ألاتری أن العصیر والخشب الذی یتخذ منه المعازف لایکره بیعه؛ لأنه لامعصیة فی عینها". (تبیین الحقائق: ۴/۱۹۹، کتاب السیر، باب البغاة، دارالکتب العلمیة بیروت)

"قلت: وأفاد کلامهم أن ما قامت المعصیة بعینه، یکره بیعه تحریماً، وإلا فتنزیهاً، نهر". (الدرالمختار). قال ابن عابدین: "(قوله: لأنه إعانة علی المعصیة)؛ لأنه یقاتل بعینه، بخلاف مالا یقاتل به إلا بصنعة تحدث فیه کالحدید، ونظیرُه کراهة بیع المعازف؛ لأن المعصیة تقام بها عینها".

(الدرالمختار، کتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۸، سعید)

کی بوتلیں بیچنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ بوتلیں صرف شراب ہی کے لئے استعمال ہوتی ہیں، اور کسی کام میں استعمال نہیں ہوتیں تو ان کو فروخت کرنا ایک حیثیت سے شراب فروخت کرنے والوں اور خریدنے والوں کی اعانت ہے(۱) اور حدیث پاک میں شراب بیچنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، خریدنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، اگر چہ وہ اس کو پیتا نہ ہو(۲)، اس لئے اس سے پرہیز کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"والثالث: بيع أشياء ليس لها مصرف إلافي المعصية، فيتمحض بيعها وإجارتها وإن لم يصرح بها، ففي جميع هذه الصور قامت المعصية بعين هذاالعقد، والعاقدانِ كلاهما آثمان بنفس العقد، سواء ستعمل بعد ذلك أم لا". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۴۸/۲، دارالعلوم كراچی)

"لكن الإعانة هي ماقامت المعصية بعين فعل المُعِين، ولا يتحقق إلابنية الإعانة أوالتصريح بها وتعينها في استعمال هذا الشئ بحيث لايحتمل غير المعصية". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، أقسام السبب وأحكامه، القسم الثاني: ۴۵۲/۲، دارالعلوم كراچی)

"وما كان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار: ۳۵۰/۶، كتاب الخطر والإباحة، قبيل: فصل في اللبس سعيد)

"قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ۵۱/۶، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۲۸۰۷)، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالى عنه، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرةً: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وساقيها، وبائعها، وآكل ثمنها، والمشتري لها والمشترى له". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۲، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني، قديمی)

شراب کی خالی بوتلوں کی بیع

سوال[۷۸۱۰]: شراب کی خالی بوتلوں کولا کر بیچنا جائز ہے یانہیں؟ یہ بوتلیں شراب کی کمپنی میں جاتی ہیں اوران میں شراب بھری جاتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بوتل مالِ متقوم ہے(۱)،اس کا خرید نااورفروخت کرنا فی نفسہ درست ہے۔ جوشخص اس میں شراب بھرتا ہےوہ اپنے فعل کا خودذمہ دار ہے(۲)۔بعض ائمہ نے اس کوبھی منع کیا ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کی اعانت علی المعصیۃ ہے،وھو الأحوط(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۴۰۱/۴/۱۲ھ۔

---

(۱) "والمالية تثبت بتموّل الناس كافةً أوبعضهم، والتقوّم يثبت بها وبإباحة الانتفاع به شرعاً".

(ردالمحتار: ۵۰۱/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۰، (رقم المادة: ۱۲۶، ۱۲۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "لايكره بيع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والديك المقاتل، والحمامة الطيارة؛ لأنه ليس عينها منكراً، وإنما المنكر في استعماله المحظور". (تبيين الحقائق: ۱۹۹/۴، كتاب السير، باب البغاة، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولابأس بأن يواجر المسلم داراً مِن الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر أوعَبَد فيها الصليب أو دخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلمَ إثمٌ في شئٍ مِن ذلك؛ لأنه لم يواجرها لذلك، والمعصية في فعل المستأجر". (المبسوط للسرخسي: ۴۳/۱۶، كتاب البيوع، باب الإجارة الفاسدة، غفارية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب البغاة: ۲۴۰/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۶۸/۴، كتاب الجهاد، باب البغاة، سعيد)

(۳) "وجاز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه الخمر؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره. وقيل: يكره لإعانته على المعصية". (ردالمحتار: ۳۹۰/۶، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع، سعيد)

لیکن اگر بائع کومعلوم ہے کہ خریداراس کوناجائز کام میں استعمال کرے گاتواس کے ہاتھ فروخت کرنا مکروہ ہے: =

پتنگ کی ڈور اور آتشبازی کی تجارت

سوال[۷۸۱۱]: ۱...... پتنگ کی ڈور کا کاروبار یعنی اسکی کمائی جائز ہے یا نہیں؟

۲...... آتشبازی کا کاروبار اور کمائی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جو ڈور صرف پتنگ کے کام آتی ہے، اَور کسی کام میں نہیں آتی ہے اس کا کاروبار مکروہ ہے(۱)۔

۲...... یہی حکم آتشبازی کا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

= "ثم السبب إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلک سبب قريب بحيث لايحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً .... فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، باب تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۲/۴۵۲، مكتبة دارالعلوم كراچی)

(۱) پتنگ بازی اور آتشبازی کئی مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں، چنانچہ مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پتنگ اڑانا جائز نہیں، اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

۱- کبوتر کے پیچھے بھاگنے والے کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رأى رجلاً يتبع حمامةً فقال: "شيطان يتبع شيطانةً". (أبو داؤد: ۲/۱۹۴)

کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے امور دینیہ و دنیویہ سے غفلت کا مفسدہ پتنگ بازی میں بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا یہ وعید اس کو بھی شامل ہے۔

۲- مسجد کی جماعت بلکہ خود نماز سے ہی غافل ہو جانا، شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمائی ہے: ﴿ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوة﴾.

۳- پتنگ اکثر مکانوں کی چھت پر کھڑے ہو کر اڑائے جاتے ہیں، جس سے آس پاس والے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے۔ .... =

آتش بازی بنانا اوراس کی تجارت کرنا

سوال[۷۸۱۲]: آتش بازی بنانے والے کی آمدنی کیسی ہے، کیا آتش بازی بنانا گناہ ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جی ہاں! گناہ ہے(۱)، مگراس کی تجارت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۴- بعض اوقات پتنگ اڑاتے اڑاتے پیچھے کو ہٹتے ہیں اور نیچے گرجاتے ہیں، چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں، اس میں اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس پر آڑ نہ ہو۔

۵- بے جامال صرف کرنا تبذیر اور حرام ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔

پتنگ بازی کا باہم مقابلہ مصیبت میں تسابق وتفاخر ہے جو حرام ہے اور اس پر کفر کا خطرہ ہے۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم"۔(أحسن الفتاوی: ۸/۱۷۶، باب متفرقات الحظر والإباحة، سعید)

(وکذا فی جواهر الفقه، باب أحکام القمار، عنوان: پتنگ بازی اور کبوتر بازی: ۲/۳۵۰)

(وبهشتی زیور، ص:۴۰۸، ششم)

اسی وجہ سے پتنگ بازی کا سامان فروخت کرنا اعانت علی المعصیة کی بناء پر ناجائز ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"فیه تصریح بتحریم کتابة المترابیین والشهادة علیهما، وبتحریم الإعانة علی الباطل".

(مرقاة المفاتیح، باب الرباء، الفصل الأول: ۶/۵۱، رشیدیه)

(وکذا فی شرح النووی علی الصحیح لمسلم: ۲/۲۸، باب الربا، قدیمی)

(۱) چونکہ آتش بازی میں مال فضول اور بے محل صَرف ہوتا ہے اور قرآن کریم میں مال کے فضول اڑانے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے، نیز دین ودنیا کا فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے بھی یہ ممنوع اورناجائز ہے: .... =

....

= قال الله تعالیٰ: ﴿إن المبذرين كانوا إخوان الشيطين﴾ (الاسراء: ۲۷)

"کل لهو المسلم حرام إلاثلاثة: ملاعبته أهله، وتأديبه لفرسه، ومناضلته بقوسه". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۹۵/۶، سعید)

"عن عقبة بن عامر رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول .... "كل شئ يلهو به الرجل باطلٌ إلارميه بقوسه، وتأديبه فرسه، وملاعبته امرأته، فإنهن من الحق". (مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، باب إعداد آلة الجهاد، الفصل الثانى، ص: ۳۳۷، قديمى)

(وكذا فى جواهر الفقه، باب أحكام القمار: ۳۵۸/۲)

(وبهشتی زیور، ص: ۴۰۸، حصۂ ششم)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"والثالث: بيع أشياء ليس لها مصرف إلافى المعصية، فيتمحض بيعها وإجارتها وإن لم يصرح بها، ففى جميع هذه الصور قامت المعصية بعين هذاالعقد، والعاقدَانِ كلاهما آثمان بنفس العقد، سواء استعمل بعد ذلک أم لا". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام فى مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۴۸/۲، دارالعلوم کراچی)

"لكن الإعانة هى ماقامت المعصية بعين فعل المُعِين، ولا يتحقق إلابنية الإعانة أوالتصريح بها أو تعينها فى استعمال هذا الشئ بحيث لايحتمل غير المعصية". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام فى مسئلة الاعانة على الحرام، أقسام السبب وأحكامه، القسم الثانى: ۴۵۲/۲، دارالعلوم کراچی)

"وماكان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار: ۳۵۰/۶، كتاب الحظر والإباحة،قبيل: فصل فى اللبس سعید)

"قال النووى: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ۵۱/۶، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۲۸۰۷)، رشيديه)

بظاہر کراہت کا قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا اُن جیسے مسائل کے متعلق حلّت کا قول منقول ہے:

"ويجوز بيع البربط والطبل والمزمار والدف والنردّ وأشباه ذلك فى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وعندهما لايجوز بيع هذه الأشياء قبل الكسر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۶/۳، كتاب =

مسلمانوں کے لئے سادھوؤں کے لباس کا کاروبار کرنا

سوال[۷۸۱۳]: ہمارے ملک برما میں ہندو مسلم مشترکہ آبادی ہے۔اور ہندوؤں کے ہاں ایک رسم رائج ہے، وہ یہ کہ جب ان میں کا کوئی اولاد حدِ بلوغ کو پہونچ جاتی ہے تو اس کے سر کو منڈوا دیتے ہیں اور ایک کپڑا بطورِ کفنی(۱) کے بمقدار تیرہ ہاتھ لمبائی کے ہلدی سے رنگ کر اس لڑکے کو پہنا دیتے ہیں۔ پہنانے کے بعد کسی مندر کے سادھو کو دیتے ہیں، اس قسم کے کپڑا کو برہمی زبان میں ''پھونگی تنگا'' (سادہو کا لباس) کہتے ہیں۔ پھونگی بمعنی ''سادھو''۔ چاؤں بمعنی ''مندر''۔ اور یہ لباس مذکور سوائے سادھوؤں کے کوئی استعمال نہیں کرتا۔

اس قسم کا کپڑا مسلمانوں کو خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں جو کہ خاص سادھوں کے شعار میں سے ہے؟ بینوا بالدليل والتفصيل وتوجروا بأجر جزيل۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کپڑا کی خرید وفروخت مسلمانوں کے لئے شرعاً درست ہے، پھر کفار اس کو خرید کر اور رنگ کر جس طرح اور جس کام کے لئے چاہیں استعمال کریں، مسلمانوں پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (۲)۔ اور مخصوص طور پر

= البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الخامس في بيع المحرم الصيد وفي بيع المحرمات، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۳۰۳/۷، كتاب البيوع، الفصل السادس فيما يجوز ومالايجوز بيعه، نوع آخر في بيع المحرمات، غفاريه كوئٹه)

(۱) ''کفنی: فقیروں کے پہننے کا پیراہن جو مردے کی کفنی کی طرح ہوتا ہے۔ وہ بے آستین کرتا جو مردے کو پہناتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۷، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "لايكره بيع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والديک المقاتل، والحمامة الطيارة؛ لأنه ليس عينها منكراً، وإنما المنكر في استعماله المحظور". (تبيين الحقائق: ۱۹۹/۴، باب البغاة، دارالكتب العلمية بيروت)

"رجل آجر بيتاً ليتخذ فيه ناراً أو بيعةً أو كنيسةً، أو يباع فيه الخمر، فلابأس به، وكذا كل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار". (خلاصة الفتاوى: ۳۷۶/۴، ۳۷۷، امجد اكيڈمی لاهور) =

ایسا کپڑا بھی فروخت کرنا درست ہے جو کہ مخصوص ہے اور سادھوں کا شعار ہے۔شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک یہ کفار کا شعار کچھ اعزاز کی چیز نہیں، بلکہ وضع کے اعتبار سے اس میں ان کی تذلیل ہے:

”وفی المحیط: لایکرہ بیع الزنانیر من النصرانی والقلنسوۃ من المجوسی؛ لأن ذلک إذلالٌ لهما“. درمختار، ص: ۲۴۵ (۱)۔

تاہم ایسی تجارت سے اجتناب واحتیاط بہتر ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

پوجا میں کام آنے والی چیزیں فروخت کرنا

سوال [۷۸۱۴]: ہمارے محلّہ میں ایک عطار طبقہ ہے، وہ تمام ناجائز طریقہ سے روزی کماتا ہے، جیسا کہ کافور، سیندور (۲)، گنیش کی مورتیں (۳)، نرسودھا، ہندو دیوتاؤں سے جو روزی کمائی جاتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم آپ جلد سے جلد جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطار طبقہ اگر ایسی چیزیں فروخت کرتا ہے کہ وہ غیر مسلم کے پوجا کے بھی کام میں آتی ہیں اور خود وہ

= ”ولا بأس بأن يواجر داراً من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر، أو عبَدَ فيها الصليب، أو دخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلمَ إثمٌ في شئ من ذلك؛ لأنه لم يواجرها لذلك، والمعصية في فعل المستأجر“. (المبسوط للسرخي: ۱۶/ ۴۳، كتاب البيوع، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/ ۳۹۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

”لايكره بيع الزنانير من النصراني، والقلنسوة من المجوسي؛ لأن ذلك إذ لالٌ لهما“. (تبيين الحقائق: ۶۵/۴، كتاب الكراهية، فصل في بيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) ”سیندور: سرخ رنگ کا ایک سفوف جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں“۔(فیروز اللغات، ص: ۸۳، فیروز سنز، لاهور)

(۳) ”گنیش: شوجی اور پاربتی کا بیٹا، جسے ہندو دانائی اور مشکل کشائی کا دیوتا مانتے ہیں“۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۱۰، فیروز سنز، لاهور)

چیزیں نجس یا حرام نہیں جیسے کافور تو ایسی چیزوں کی قیمت جائز ہے(۱)، ان کا مسجد میں دینا درست ہے۔ اگر مورتی کی تجارت کرتا ہے تو وہ منع ہے(۲)، ان سے کہہ دیا جائے کہ جائز چیزوں کی قیمت سے روپیہ حاصل کرکے دیں تو مسجد میں لیا جائے گا ورنہ نہیں(۳)، اللہ تعالیٰ پاک مال کو قبول فرماتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۹۴ھ۔

تعلیمی تاش کی بیع

سوال[۷۸۱۵]: تعلیمی تاش کی بیع اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی کا خریدنا، فروخت کرنا اور کھیلنا کیسا ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنو إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوه، لعلکم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"عن جابر رضی الله تعالی عنه أنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول عام الفتح وهو بمکة: "إن الله ورسوله حرّم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۴۱، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، قدیمی)

(۲) "والحاصل أن جواز البیع یدور مع حل الانتفاع". (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۶۹/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۸۴/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

"والضابط عندهم أن کل مافیه منفعة تحل شرعاً، فإن بیعه یجوز؛ لأن الأعیان خلقت لمنفعة الإنسان". (الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل الأول، عقد البیع، المبحث الرابع: البیع الباطل والبیع الفاسد: ۳۴۳۱/۵، رشیدیه)

(۳) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إن الله طیب لایقبل إلا طیباً، وإن الله أمر المؤمنین بما أمربه المرسلین". الخ. (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قدیمی)

الجواب حامداًومصلياً:

فی نفسہ یہ مالِ متقوم ہے، خرید وفروخت درست ہے(۱)، لیکن یہ تاش اوراس کا کھیلنا بسااوقات پیش خیمہ اورذریعہ ہوتا ہے قمار کا کہ اس پر مالی ہار جیت کا معاملہ ہونے لگتا ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت سے اور کھیل سے احتراز چاہیے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

---

(۱) "والمالية تثبت بتمول الناس كافةً أوبعضهم، والتقوم إذاً يثبت بالمالية وبإباحة الانتفاع به شرعاً".
(ردالمحتار: ۵۰۱/۴، كتاب البيوع، سعيد)
(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۰، (رقم المادة: ۱۲۶، ۱۲۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۰/۵، رشيديه)

(۲) "وماكان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل: فصل في اللبس: ۳۵۰/۶، سعيد)

"عن الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنهما قال: حفظت من رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "دعْ مايريبك إلى ما لا يريبك". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۲، كتاب البيوع، باب الكسب الحلال وطلب الحلال، الفصل الثاني، قديمي)

واضح رہے کہ مذکورہ تعلیمی تاش کا حکم عام تاش سے مختلف ہے، کیونکہ عام تاش کسی معتد بہا فائدہ سے خالی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ایسے کھیل تماشے جن کے تحت میں کوئی معتد بہا فائدہ دین دنیا کا ہے وہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں، خواہ ان پر بازی لگائی جائے، یا انفرادی طور پر کھیلا جائے، پھر بازی پر کوئی رقم لگائی جائے یا نہیں، اور رقم بھی دوطرفہ ہو یا یک طرفہ، ہرحال ایسے لغو کھیل شرعاً مطلقاً ناجائز ہیں، حدیث میں ہے:

"كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله وتأديبه لفرسه ومناضلة بقوسه". [ردالمحتار: ۲۵۳/۵] کبوتر بازی، پتنگ بازی، بیٹر بازی، مرغ بازی، چوسر، شطرنج، تاش، کتوں کی ریس وغیرہ سب اسی ناجائز صورت کے افراد ہیں"۔(جواهر الفقه: ۳۵۸/۲، دارالعلوم كراچی)

(نور الدين عفاالله عنه)

مہوا کی بیع غلہ سے

سوال[۷۸۱۶]: مہوا (موہا)(۱) سے کوئی اناج برابروزن یا کم وبیش بدل سکتے ہیں یانہیں؟

محمد عثمان بمبئی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بدل سکتے ہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

''مہوا'' نشہ آور پتہ کی بیع

سوال[۷۸۱۷]: مہوا کی خرید وفروخت جائز ہے یانہیں، جبکہ لینے والا اس سے شراب کشید کرتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''مہوا'' خود نجس یا نشہ آور نہیں، اس کی بیع جائز ہے، پھر خریدار اپنے عمل سے خود اس سے شراب

---

(۱) ''مہوا: ایک درخت جس کا پھل کھاتے، بیجوں کا تیل نکالتے اور پھولوں کی شراب بناتے ہیں''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۴، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "(فإن وجد الوصفان): أی الکیل أو الوزن مع الجنس، حرم الفضل. وإن عدما، حلّا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لاالنسأ". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۲۱/۳، کتاب البیوع، باب الربا، غفاریه کوئٹه)

"(فحرم الفضل والنسأ بهما): أی بالجنس والقدر، لمابيّنا أنهما علة الربا. (والنسأ فقط بأحدهما): أی حرم النسأ وحل التفاضل بوجود أحدهما". (تبیین الحقائق: ۴۵۲/۴، کتاب البیوع، باب الربا، سعید)

"(وحرم الفضل والنسأ بهما، والنسأ فقط بأحدهما): أی حرم التأخیر لاالفضل بوجود القدر فقط والجنس فقط". (البحر الرائق: ۲۱۳/۶، کتاب البیع، باب الربا، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الربا: ۱۷۲/۵، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۸۱/۳، کتاب البیوع، باب الرباء، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

بناتا ہے تو یہ اس کا عمل ہے، مہوا فروخت کرنے والے پر اس کی ذمہ داری نہیں (۱)، خود یہ نیت نہ کرے کہ شراب بنانے کے لئے فروخت کررہا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۵ھ۔

چھوٹے گز سے کپڑا ناپ کردینا

سوال [۷۸۱۸]: چھوٹے گز رکھنا اور اس سے کپڑا ناپ کردینا کیسا ہے، اس طرح کمائی ہوئی رقم کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) "وجاز بيع العصير من خمار؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره .... ولأن العصير يصلح الأشياء كلها جائز شرعاً، فيكون الفساد إلى اختيار". (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۶۴/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويجوز بيع عصير العنب ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقوم بنفس العصير، بل بعد تغيره، فصار عند العقد كسائر الأشربة من عسل ونحوه". (مجمع الأنهر: ۲۱۴/۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئٹه)

"ويجوز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقو م بعينه بل بعد تغيره".
(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۱/۶، سعيد)
(وكذا في جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، أقسام السبب وأحكامه، القسم الثاني: ۴۵۲/۲، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) "أن بيع العصير ممن يتخذه خمراً إن قصد به التجارة، فلا تحرم. وإن لأجل التخمير حَرُم".
(الأشباه والنظائر، الفن الأول: مباحث النية: ۹۷/۱، إدارة القرآن كراچی)

"ولكن الإعانة حقيقةً هي ماقامت المعصية بعين فعل المُعين ولايتحقق إلابنية الإعانة، أو التصريح بها، أو تعينها في استعمال هذا الشئ بحيث لايحتمل المعصية". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، أقسام السبب وأحكامه، القسم الثاني: ۴۵۲/۲، مكتبه دارالعلوم كراچی)

الجواب حامداًومصلیاً:

عرفاً جس قدر گز لوگوں میں مشہور ہے جس کو سب لوگ جانتے ہیں، اس سے چھوٹے گز رکھنا اور اس سے ناپ کر کپڑا بیچنا خریدار کو دھوکہ دینا ہے جو کہ شرعاً ناجائز ہے(۱)۔خریدار نے بڑے گز کی قیمت دی ہے، حالانکہ اس کو کپڑا چھوٹے گز سے دیا گیا ہے تو جس قدر قیمت زائد وصول کی ہے، وہ اس کے لئے ناجائز ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دودھ میں پانی ملاکر بیچنا

سوال[۷۸۱۹]: آج کل جو لوگ دودھ کی تجارت کرتے ہیں، دودھ میں پانی ملاکر بیچتے ہیں، کچھ بھینسوں والے پانی ملاکر دوکانداروں کو دیتے ہیں، پھر دوکاندار اس میں اَور پانی ملاکر بیچتے ہیں، اس لئے دودھ میں مزا بھی نہیں رہتا۔اگر دوکانداروں کو کہتے ہیں کہ بھائی اب ۵ اور ۶/ سیر کے دام لیتے ہیں تو دودھ میں پانی

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی وسلم مرّ علی صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "ياصاحب الطعام! ماهذا""؟ قال: أصابته السماء يارسول الله! قال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتی يراه الناس""؟ ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذی، ص: ۲۴۵، أبواب البيوع، باب ماجاء فی كراهية الغش فی البيوع، سعيد)

(وفيض القدير: ۱۱/۵۹۲۴، (رقم الحديث: ۸۸۷۸)، مكتبة نزار مصطفیٰ الباز رياض)

(۲) "وإن باع ثوباً علی أنه عشرة أذرع كل ذراع بدرهم، أخذه المشتری بعشرة لو عشرةً ونصفاً بلاخيار، وبتسعةٍ لوتسعةً ونصفاً بخيار. ولو قال: كل ذراع بكذا ونقص، أخذ بحصته أو ترک. وإن زاد، أخذ كل ذراع بكذا أو فسخ، لما قدمنا أنه وإن كان وصفاً إذا أفرد بثمن صار أصلاً، وارتفع عن التبعية، فنزل كل ذراع منزلة ثوب". (البحر الرائق: ۵/۴۸۶، كتاب البيع، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴/۲۸۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۱۲۴، كتاب البيوع، الباب الثامن فی جهالة المبيع أو الثمن، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ماوقع عليه العقد وإن البائع أو المشتری أنه أقل أو أكثر: ۴/۵۴۴، سعيد)

ملا کر نہ دو۔ اس پر جواب ملتا ہے کہ ہم پانی ملا کر ہی دیں گے، تمہارا جی چاہے لو یا نہ لو۔ اس پر انہوں نے جواز کا فتویٰ گھڑ رکھا ہے، ہم تو کہہ دیتے ہیں، چونکہ ضرورت مند جیسا ملتا ہے، یہ مجبوری لے کر کھا پی لیتے ہیں، لیکن دل بہت دُکھتا ہے۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلياً:

جب وہ دھوکہ نہیں دیتے، بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اس میں پانی ملا رکھا ہے، تو یہ شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) "عن حكيم بن حزام رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم: "البيّعان بالخيار مالم يتفرقا، فإن صدقا وبيّنا بُورِکَ". الحديث (الصحيح لمسلم). قال العلامة النووى رحمه الله تعالىٰ: "أى بين كل واحد لصاحبه مايحتاج إلى بيانه من عيب ونحوه فى السلعة والثمن، وصدقه فى ذلک". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب البيوع، باب ثبوت خيار المجلس للمتبايعين: ۶/۲، قديمى)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "البيّعان بالخيار، مالم يتفرقا، فإن صدقا": أى فى صفة المبيع والثمن وما يتعلق بهما "وبيّنا": أى عيب الثمن والمبيع "بورک": أى أكثر النفع "لهما فى بيعهما": أى شرائهما، والمرادفى عقدهما "وإن كتما وكذبا، محقت بركة بيعهما". (مرقاة المفاتيح: ۴۶/۶، كتاب البيوع، باب الخيار، الفصل الاول، رشيديه)

"عن عقبة بن عامر رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "المسلم أخو المسلم، ولايحل لمسلم باع من أخيه بيعاً فيه عيب، إلابيّنه له". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۶۲، باب من باع عيباً فليبيّنه، قديمى)

"أجمع الفقهاء على أن البراءة من عيوبٍ سماها للمشترى ولم يرها جائزةٌ". (إعلاء السنن: ۹۳/۱۴، باب البيع بالبراءة من كل عيب، إدارة القرآن كراچى)

"وصح البيع بشرط البراءة من كل عيب". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲۷۳/۱، باب الخيارات ومطالبه، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۹، (رقم المادة: ۱۸۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۴۲/۵، مطلب فى البيع بشرط من كل عيب، سعيد)

دھان میں پانی ملا کر فروخت کرنا

سوال[۷۸۲۰]: فی الحال گاؤں میں چالیس روپے کا ایک بورہ دھان فروخت ہوتا ہے، بیوپاری لوگ مالک سے دو روپیہ زیادہ دے کر خریدتے ہیں یعنی نقد بیالیس روپیہ سے خریدتے ہیں، پھر بیوپاری لوگ اس دھان میں پانی ملا کر آڑھت والے کو فروخت کرتے ہیں۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مالک جانتا ہے کہ بیوپاری اس دھان میں پانی ملا کر فروخت کرے گا تو اس مالک کی بیع ناجائز ہے، کیونکہ وہ جاننے کے باوجود بیوپاری کو دیتا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب نقد روپے سے بیع ہو رہی ہے تو ناجائز نہیں ہے۔

اب کہنا یہ ہے کہ مالک جاننے کے باوجود بیوپاری کو وہ مال فروخت کر لے یہ جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب اور نام حوالہ فرما کر دین کی بڑی خدمت انجام دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس علم کے باوجود مالک کے لئے بیوپاری کے ہاتھ اصل دھان کا فروخت کرنا درست ہے(۱)، بیوپاری اگر اس میں پانی ملا کر دھوکہ دے کر فروخت کریگا تو وہ خود گنہگار ہوگا: "من غشنا فلیس منا". الحدیث(۲)۔ اصل مالک قدیم پر اس کا گناہ نہیں ہوگا: ﴿ولا تزر وازرةٌ وِزرَ أخرىٰ﴾(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۵۹/۱۲/۱۶ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۴۴، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (سنن ابن ماجة، ص: ۱۶۱، باب النهی عن الغش، قدیمی)

(وفیض القدیر: ۵۹۲۴/۱۱، (رقم الحدیث: ۸۸۷۹)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز، ریاض)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم مرّ برجل یبیع طعاماً، فسأله: "کیف تبیع"؟ فأخبره فأوصی إلیه أن "أدخل یدک فیه". فأدخل یده، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلی علیه وسلم: "لیس منا من غشنا". (سنن أبی داؤد، باب فی النهی عن الغش: ۱۳۳/۱، إمدادیه ملتان)

"عن واثلة بن الأسقع رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "من باع عیباً لم ینبه، لم یزل فی مقت الله، أولم تزل الملائکة تلعنه". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۴۹، کتاب البیوع، باب المنهی عنها من البیوع، الفصل الثالث، قدیمی)

(۳) (سورة فاطر: ۱۸)

ایجاب کے بعد، قبول سے پہلے مجلس ختم ہوجانے پر دوسرے شخص کا زیادہ قیمت میں خریدنا

سوال[۷۸۲۱]: ایک غیر مسلم نے اپنی مملوکہ زمین ایک مسلم کے ہاتھ فروخت کرنے کا ارادہ کیا، خریدار نے اس زمین کی قیمت ساڑھے آٹھ سو روپے لگائی۔ یہی گفتگو ایک دوسرا مسلمان سن رہا تھا، اس نے کہا کہ میں نے اس بات میں کوئی دخل نہیں دیا، مگر غیر مسلم مالک نے خریدار سے یہ کہا کہ میں سوچ کر تم کو اس کا جواب دوں گا۔ خرید وفروخت کی کوئی پختہ بات نہیں ہوئی تھی کہ مجلس برخواست بعد ہوگئی۔ ازاں دوسرے مسلمان نے غیر مسلم مالک زمین سے زمین کو ۹۶۰/ روپیہ میں خریدلیا۔ پس اب دریافت طلب یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے استحقاق خریدار زمین پہلے شخص کو ہے جس نے ۸۵۰/ روپیہ زمین کی قیمت لگائی تھی، یا دوسرے شخص کو ہے جس نے ۹۶۰/ روپیہ میں وہ زمین خریدی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس نے آٹھ سو پچاس روپے قیمت لگائی تھی، مالک نے زمین اس کے ہاتھ فروخت نہیں کی اور نہ یہ وعدہ کیا کہ میں تیرے ہاتھ اس قیمت پر فروخت کردوں گا، بلکہ یہ کہا کہ ''یہ سوچ کر جواب دوں گا'' وہ مجلس بھی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد دوسری مجلس میں دوسرے شخص نے نوسو ساٹھ روپے میں قطعی طور پر خرید لی تو وہ اس کی ملک میں آگئی، پہلے شخص کا اس میں قضاءً کوئی حق نہیں رہا، البتہ دوسرے شخص کے لئے افضل یہ تھا کہ جب پہلے شخص کو اس کی تجویز کردہ قیمت پر فروخت کرنے سے مالک انکار کردیتا تب اس سے معاملہ کرکے خریدتا، تاہم پہلا شخص اب دوسرے شخص سے لینے کا حقدار نہیں:

"ولابأس ببيع مَن يزيد وهو بيع الفقراء وبيع من كسدت بضاعته. والاستيام على سوم الغير مكروهٌ. والفرق بين المزايدة والاستيام على سوم الغير أن صاحب المال إذاكان ينادى على سلعته، فطلبها إنسان بثمن فكفّ عن النداء وركن إلى ماطلب منه ذلك الرجل، فليس للغير أن يزيد في ذلك، وهذا استيام على سوم الغير. وإن لم يكفّ عن النداء، فلابأس لغيره أن يزيد، ويكون هذا بيع المزايدة، ولايكون استياماً على سوم الغير.

وإن كان الدلال هوالذى ينادى على السلعة وطلبها إنسان بثمن، فقال الدلال: حتى أسأل، فلابأس للغير أن يزيد بعد ذلك فى هذا الحالة، فإن أخبر الدلال المالك، فقال: بعه بذلك واقبض الثمن، فليس لأحد أن يزيد بعد ذلك، وهذااستيام على سوم الغير، كذا فى المحيط". فتاوى عالمگیری: ۳/ ۲۱۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/ ۲۱۰، كتاب البيوع، الباب العشرون فى البياعات المكروهة، رشيديه)

"والاستيام على سوم الغير مكروه، قال عليه الصلوة والسلام: "لايستام الرجل على سوم أخيه". فظن بعض الناس أن بيع المزايدة استيامٌ على سوم الغير، وليس كذلك، والفرق بين المزايدة وبين الاستيام على سوم الغير عرفاً أن صاحب المال إذا كان ينادى على سلعة فطلبه إنسان بثمن، فكفّ عن النداء، وركن إلى ماطلب منه ذلك الرجل، فليس للغير أن يزيد فى ذلك، وهذا استيام على سوم الغير. وإن لم يكف عن النداء، فلابأس لغيره أن يزيد، ويكون هذا بيع المزايدة، ولايكون استياماً على سوم الغير". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۸/ ۲۶۱، كتاب البيوع، الفصل الخامس والعشرون فى البياعات المكروهة والإرباح الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لايسم المسلم على سوم أخيه". قوله: "لايسم المسلم على سوم أخيه" صورة السوم أن يتراضيا بثمن ويقع الركون به، فيجئ آخر، فيدفع للمالك أكثر أومثله. قال الخير الرملى: ويدخل فى السوم الإجارة. والحاصل أن موقع النهى إن مايأتى بعد استقرار الثمن بين البائع والمشترى الأول وبعد ركونهما إلى البيع .... مفاد هذاالنهى عند الجمهور هوكراهة البيع على بيع أخيه والسوم على سوم أخيه، فلوفعل أحدٌ ذلك، صح البيع". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه وسومه على سومه وتحريم النجش: ۱/ ۳۲۵، دارالعلوم كراچى)

(وكذا فى إعلاء السنن: ۱۴/ ۱۸۳، كتاب البيوع، باب النهى عن سوم بعض على بعض، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/ ۱۰۱، سعيد)

غیر قانونی مال خرید کر دوسرے مُلک میں فروخت کرنا

سوال[۷۸۲۲]: بنگلہ دیش کا سامان لاکر انڈیا میں فروخت کرتے ہیں جو انڈیا کی سرکار کے خلاف ہے۔تو انڈیا کے لوگوں کو وہ سامان خرید کر استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص جو سامان خریدے وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے(۱)، اس کو اپنے سامان کا حق ہوجاتا ہے کہ خود استعمال کرے، یا کسی کو ہبہ کردے، یا فروخت کرے(۲)۔اور پھر اس سے خریدنے والے کو اس کا استعمال جائز ہوتا ہے، کیونکہ وہ مالک ہوگیا، لیکن آدمی جب کسی حکومت کے ماتحت رہتا ہے تو اس کے قانون کی پابندی قانوناً لازم ہوتی ہے، اس کے خلاف کرنا قانونی چوری ہے(۳)، جس سے عزت ومال دونوں کا خطرہ ہوتا ہے، اپنی عزت ومال کو خطرہ میں ڈالنا دانشمندی نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

"ومحله المال، وحكمه ثبوت الملك: أي في البدلين لكل منهما في بدل". (ردالمحتار: ۵۰۶/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(۲) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء.........اهـ". (شرح المجلة لسلم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره .... اهـ". (شرح المجلة، الكتاب السابع في الحجر والإكراه والشفعة، الباب الثالث، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاك: ۶۵۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۴۸/۵، كتاب القضاء، باب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك، سعيد)

(۳) "لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض، فكيف فيما هو طاعة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۲۶۴/۴، سعيد)

راشن کارڈ سے مال لیکر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۷۸۲۳]: آج کل راشن میں شکر اور ڈالڈا اور دیگر اشیاء- جو راشن کارڈ میں ملتی ہیں- اپنے کارڈ سے حاصل کر کے اس کو بلیک دام میں- جو عموماً زیادہ ہوتے ہیں- لوگ فروخت کر لیتے ہیں، اس سے ان کو فائدہ ہوجاتا ہے۔ یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

راشن کارڈ کے ذریعہ سے خرید کر آدمی مالک ہوجاتا ہے(۱)، مالک کو اپنی چیز فروخت کرنے کا حق ہے، جس قیمت پر چاہے فروخت کرے(۲) لیکن اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اگر یہ خلافِ قانون ہے تو پھر عزت اور مال کا خطرہ ہے، نفع کی خاطر عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا دانشمندی کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۸ھ۔

کنٹرول نرخ کے خلاف بیع، صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟

سوال[۷۸۲۴]: کنٹرول کی حالت سب پر روشن ہے، اگر دلال لوگ خفیہ طور سے قیمتِ مقررہ

---

(۱) "وحكمه ثبوت الملك للمشتري في المبيع، وللبائع في الثمن إذا كان باتاً". (حاشية الشلبي على التبيين، كتاب البيوع: ۲۷۶/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

"وحكمه ثبوت الملك: أي في البدلين لكل منهما في بدل". (ردالمحتار: ۵۰۶/۴، كتاب البيوع، سعيد)

"إعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع وهبة". (الدر المختار: ۴۶۳/۶، كتاب الصيد، سعيد)

(۲) "هو (أي البيع) مبادلة المال بالمال بالتراضي". (البحر الرائق: ۴۲۹/۵، كتاب البيع، رشيديه)

"أما تعريفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۷۵/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"كلٌ يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

سے زیادہ قیمت لے کر مال فروخت کردے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (دلال اپنے پیسے سے مال خرید کر لایا ہے، صرف اتنی بات ہے کہ حکومت نے کتنی شرائطِ جبریہ مقرر کردی ہے، نہ کہ مالک نے)۔اور کنٹرولِ ریٹ کے دام سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کی نوبت نہ آئے، نیز عزت اور نقصانِ مال کا خطرہ نہ ہو (جیسا کہ علم ہونے پر مقدمہ چلتا ہے اور جرمانہ ہوجاتا ہے) تو درست ہے(۱)۔اگر اپنے اخراجات بھی کنٹرول نرخ سے لیتا ہے تو صدقۂ فطر بھی اس نرخ سے ادا کرنا درست ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔



---

(۱) تسعیر یعنی کنٹرول ریٹ مقرر کرنا زیادتی بھاؤ کی وجہ سے جائز ہے: "وإن كان أرباب الطعام يتحكمون على المسلمين ويتعدّون عن القيمة تعدياً فاحشاً، وعجز القاضى عن صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير، فلا بأس بالتسعير بمشورة أهل الرأى والبصر، فإذا فعل ذلك، ثم تعدّىٰ رجلٌ عن ذلك القدر، فباعه بثمنٍ فوقه، أجازه القاضى يعنى أمضاه ولم يبطله". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، كتاب البيوع، الفصل الخامس والعشرون فى البياعات المكروهة، فصل فى الاحتكار: ۲۶۸/۸، غفاريه كوئٹه)

"فإن باع بأكثر مما سعره، أجازه القاضى". (مجمع الأنهر: ۲۱۵/۴، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، غفاريه كوئٹه)

"وظاهره أنه لو باعه بأكثر، يحل وينفذ البيع. ولا ينافى ذلك ما ذكره الزيلعى وغيره من أنه لو تعدّى رجلٌ وباع بأكثر، أجازه القاضى؛ لأن المراد أن القاضى يُمضيه ولا يفسخه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۰۰/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۳۷۱/۸، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، رشيديه)

(۲) "وجاز دفع القيمة فى زكاة وعشر وخراج وفطرة .... وتعتبر القيمة يوم الوجوب .... ويقوّم فى البلد الذى المال فيه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۸۵/۲، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، سعيد)

باب حطّ الثمن وزیادته نقداً ونسیئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا

سوال[۷۸۲۵]: ۱......اگر کوئی شخص بوجۂ مجبوری روپیہ ادھار لیتا ہے اور پھر کوئی چیز اس کی ادائیگی میں دیتا ہے تو روپیہ دینے والا شخص بازاری قیمت سے کافی کم قیمت لگاتا ہے، جیسے دھان کی قیمت ۱۶۰/، مگر بھاؤ طے کرتا ہے ۱۰۰/ روپے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

۲...... نقد بیل یا بھینس کی قیمت ۲/ ہزار ہے تو ادھار میں کچھ دینے کے بعد بھی دوگنی سے ڈھائی گنی لی جاتی ہے۔ اس میں لینے والے کو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲......خرید وفروخت میں اگر قیمت نقد دیجائے تو عموماً وہ کم ہوتی ہے، ادھار کا معاملہ ہو تو قیمت زیادہ ہوتی ہے، شرعاً یہ درست ہے(۱)، لیکن زیادہ فرق بے مروّتی ہے، خاص کر جب کہ خریدار حاجت مند ہو کہ اس

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة".

قال الترمذي: "وقد فسّر بعض أهل العلم: قالوا: بيعتين في بيعةٍ أن يقول: أبيعُك هذاالثوب بنقدٍ بعشر وبنسيئةٍ بعشرين ولايفارقه على أحد البيعتين، فإذا فارقه على أحدهما، فلابأس إذا كانت العقدة على واحد منها". (جامع الترمذي: ۱/۲۳۳، باب النهي عن بيعين، سعيد)

"وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أوقال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم من شرطين في بيع......... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتمّا العقدعليه، فهو جائز". (المبسوط للسرخسي: ۱۳/۹، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئٹه) =

کے پاس گذارہ کرنے کے لئے غلہ نہیں ہے، یا کھیتی کا وقت ہے بیل نہیں ہے۔

نقد ادا کرنے کے لئے روپیہ بھی نہیں ہے، مجبوراً ادھار لیتا ہے تو وہ مستحق رحم وشفقت ہے، اس کو مجبور اور بے بس پاتے ہوئے زیادہ قیمت لینا خلافِ مروت ہے۔ حدیث میں ہے: ''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا'' (۱) اور: ''جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا ہے اس پر رحم نہیں ہوتا ہے'' (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

ادھار میں قیمت زیادہ لینا

سوال [۷۸۲۶]: ادھار کی صورت میں قیمت میں اضافہ کرے تو بیع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر فروخت کرتے وقت بات صاف کرلی جائے کہ مثلاً دو ماہ بعد قیمت دی جائے گی اور یہ قیمت ہے تو شرعاً ایسا کرنا درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۸۷ھ۔

= "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يُزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذاملحقة بالحقيقة". (الهداية: ۷۶/۳، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدرالمختارمع رد المحتار: ۱۴۲/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲۶۲/۶، كتاب البيوع، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۷، ۸، دارالعلوم كراچى)

(۱) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرّحمون يرحمهم الرحمن، ارُحموا مَن في الأرض، يرحمكم من في السماء". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، ص: ۴۲۳، قديمى)

(۲) "عن جرير بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايرحم الله من لايرحم الناس". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول، ص: ۴۲۱، قديمى)

(۳) "البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح، يلزم أن تكون المدة معلومةً في البيع بالتأجيل والتقسيط =

ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی

سوال[۷۸۲۷]: زید نے ایک رکشا چار سو روپے کا خریدا اور زید نے اس رکشے کو ساڑھے چھ سو روپے میں دیا اور اس وقت بکر سے زید نے پچاس روپے لیا اور بقایا چھ سو روپے ساڑھے بارہ روپے کے ہفتہ کے حساب سے دیتا رہے، جب تک رقم وصول نہ ہو جائے یہ قسط دیتا رہے گا اور رقم پوری ہو جانے کے بعد رکشا بکر کے نام کر دیگا۔ اس مدت میں رکشا بکر بھی استعمال میں لائے گا اور توڑ پھوڑ کا ذمہ دار بکر ہی ہوگا۔ تو اس طرح سودا کرنا درست ہے یا نہیں، جبکہ ادھار کی آسانی کی وجہ سے ۴۰۰/ کی قیمت ۶۰۰/ ہوگئی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا شرعاً وعرفاً درست ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح کی ہے: "ألاترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل"(۱)۔ لیکن اتنی زیادتی نہ کی جائے جو کہ عرفاً قابلِ برادشت نہ ہو

= إذا عقد البيع على تأجيل الثمن إلى كذا يوماً أو شهراً، أو إلى وقت معلوم عند العاقدين كيوم قاسم أو النيروز، صح البيع إذا كان يوم القاسم أو النيروز معلوماً عند المتبايعين. أمالوكان مجهولاً عندهما أو عند أحدهما فقط، فلايصح". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۴، ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۳/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۱) (الهداية: ۶۷/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولو اشترى بألف نسيئة وباع بربح مأة ولم يبين، خيّر المشترى؛ لأنه يزاد على الثمن لأجل الأجل، فكان له شبهة بالمبيع، والشبهة في هذا الباب ملحقة بالحقيقة". (تبيين الحقائق: ۲۳۳/۴، كتاب البيوع، باب التولية، دارالكتب العلمية بيروت)

"من اشترى ثوباً بعشرة نسيئةً وباعه بربح واحد حالاً، ولم يبين ذلك فعلم المشترى خيانته، يصير مخيراً: إن شاء رده، وإن شاء قبله؛ لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذاملحقة بالحقيقة". (مجمع الأنهر: ۱۱۲/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفاريه كوئٹه)

کہ یہ خلافِ مروّت ہے(۱)۔فقہاء نے بیع مرابحہ کا مستقل عنوان قائم کیا ہے،اس میں اس کے شواہد موجود ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۶/۶/۸۹ھ۔

ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانا

سوال[۷۸۲۸]: زید نے گڑ چالیس روپے من خریدا،دوماہ بعد گڑ کا بھاؤ ۳۶/روپے ہوگیا(فی من)ایک شخص عمر نے زید سے سوروپے بطور قرض مانگے،زید نے اس کو روپے نقد تو نہ دیئے،بلکہ وہی گڑ جو

---

(۱) "ولا يسعّر حاكم إلا إذا تعدى الأرباب عن القيمة تعدياً فاحشاً، فيسعر بمشورة أهل الرأى". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۹/۶، سعيد)

"واعلم أنه لارد بغبن فاحش هو مالا يدخل تحت تقويم المقوّمين فى ظاهر الرواية، وبه أفتى بعضهم مطلقاً كما فى القنية. ثم رقم وقال: ويفتى بالرد رفقاً بالناس، وعليه أكثر روايات المضاربة، وبه يفتى. ثم رقم وقال: إن غره: أى غر المشترى البائع أو بالعكس أو غرّه الدلال، فله الرد، وإلا لا، وبه أفتى صدر الإسلام وغيره". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

"وإن كان أرباب الطعام يتحكمون على المسلمين، ويتعدون عن القيمة تعدياً فاحشاً، وعجز القاضى عن صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير، فلا بأس بالتسعير بمشورةٍ من أهل الرأى والبصر". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۲۶۸/۸، الفصل الخامس والعشرون فى البياعات المكروهية والأرباح الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

"عن على بن أبى طالب رضى الله تعالىٰ عنه قال: "سيأتىٰ على الناس زمان عضوض يعض الموسر على مافى يده ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالى: ﴿ولاتنسوا الفضل بينكم﴾. ويباع المضطرون، وقد نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر .... قال الشامى: وهو أن يضطرّ الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلابأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك فى الشراء منه .... قال الخطابى: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز فى الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله فى حق الدّين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يقتات عليه بما له، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (إعلاء السنن: ۲۰۵/۱۴، كتاب البيوع، باب النهى عن بيع المضطر، إدارة القرآن كراچى)

چالیس کے بھاؤ خریدا تھا چالیس کے بھاؤ دیا، جب کہ اس وقت چھتیس روپے بھاؤ ہے۔ کیا زید نے ٹھیک کیا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر عمر نے زید سے روپیہ قرض مانگا اور زید نے روپیہ نہیں دیا، بلکہ گڑ چالیس روپیہ من دیدیا یعنی فروخت کردیا اور عمر نے اس کو خرید کرلیا تو شرعاً یہ بیع درست ہوگئی (۱)، عمر کے ذمہ چالیس من کے حساب سے خریدے ہوئے گڑ کی قیمت لازم ہوگی، اگرچہ گڑ کی قیمت ۳۶/ روپے من بازار میں ہے اور زید نے چالیس روپیہ من بازار میں خریدا تھا۔

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہوتا ہے اور یہ شرعاً درست ہے (۲)، لیکن جو غریب اپنی ضرورت سے کوئی چیز خریدتا ہے اور قیمت اس کے پاس موجود نہیں تو وہ مستحق شفقت ہے، مستحق رحم وکرم ہے، اس سے اتنی قیمت لینا جس سے اس کو خسارہ ہو، یہ بات خلافِ مروت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "(هو مبادلة المال بالمال بالتراضي، ويلزم): أي البيع (بإيجاب وقبول)". (النهر الفائق: ۳/۳۳۹، كتاب البيوع، إمداديه ملتان)

"أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء المحدثين، فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر النقد بشرط أن يبتّ العاقدان بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم وبثمن، متفق عليه، عند العقد". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، أحكام البيع بالتقسيط، زيادة الثمن من أجل التأجيل، ص: ۷، دارالعلوم كراچی)

(۲) "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يُزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية: ۳/۷٦، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلايقابله شئ حقيقةً إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويُزاد في الثمن لأجله؛ إذ ذكر الأجل بمقابلة الأجل قصداً". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵/۱۴۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لاتفسده: ۳/۱۳٦، رشيديه)

(وكذا في جامع الترمذي: ۱/۲۳۳، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين، سعيد)

(۳) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالیٰ عنه قال: "سيأتي على الناس زمان عضوض يعضّ الموسر على =

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا

سوال[۷۸۲۹]: زیادہ نفع کی حرص میں کوئی چیز اضعافاً مضاعفۃً قیمت میں ادھار فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(۱)، مگر خلافِ مروّت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۳/ جمادی الاول/ ۵۹ھ۔

= مافي يده ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالى: ﴿ولاتنسوا الفضل بينكم﴾. ويباع المضطرون، وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر .... قال الشامي: وهو أن يضطرّ الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلابأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه .... قال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدّين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يقتات عليه بما له، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (إعلاء السنن: ۲۰۵/۱۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (راجع، ص: ۱۵۵، رقم الحاشية : ۲)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم، إن الله بما تعملون بصير﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر". الحديث.......... هو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه .... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولايفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذاالوجهِ وأن لا يقتات عليه بما له، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن: ۲۰۵/۱۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر، إدارة القرآن كراچي)

"والوجه الآخر أن يضطر إلى البيع لدين يركبه أو مونةٍ ترهقه، فيبيع مافي يده بالوكس من أجل الضرورة، فهذا سبيله في حق الدين، والمروءةُ أن لا يباع على هذاالوجه، وأن لايقتات عليه بما له، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (بذل المجهود: ۲۵۲/۵، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر، إمداديه)

1

نقد وادھار کی قیمت میں فرق

سوال[۷۸۳۰]: زید مثلاً سینے کی مشین یا ریڈیو وغیرہ کی تجارت کرنا چاہتا ہے اور اس میں یہ رواج ہے کہ نقد فروخت کرنے کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے اور قسطوار قیمت ادا کرنے میں قیمت نقد سے زیادہ لی جاتی ہے۔ تو اس طرح تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کیا صورت جواز کی ہوسکتی ہے کہ زید اپنی دوکان کے دو حصے کرلے ایک میں نقد کا بھاؤ رکھے ایک میں ادھار کا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر مجلس میں ہی نقد یا ادھار کا معاملہ صاف ہوجائے کہ خریداری نقد ہے یا ادھار تو اس طرح تجارت درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

نقد میں قیمت کم ادھار میں زیادہ

سوال[۷۸۳۱]: ۱..... عبداللہ نے عبدالغفار سے ماہ جمادی الثانیہ میں دکان خریدی، عبدالغفار نے

---

(۱) "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة. وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعک هذا الثوب بنقدٍ بعشرةٍ وبنسيئةٍ بعشرين، ولايفارقه على أحد البيعتين، فإن فارقه على أحدهما، فلابأس به إذا كانت العقدة على أحد منها". (جامع الترمذي: ۱/۲۳۳، أبواب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة، سعيد)

"وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذا هو تفسير الشرطين في بيع .... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمنٍ معلومٍ وأتمّا العقدعليه، فهو جائز؛ لأنهما ما افترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد". (المبسوط للسرخسي: ۱۳/۹، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئٹة)

"لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يُزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية: ۳/۷۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۹۰، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

کہا کہ تم آج ہی قیمت دیتے ہو تو کوئی بات ہی نہیں ہے، بازاری قیمت لے لوں گا اور اگر ماہ رجب میں دیتے ہو تو قیمت زیادہ لوں گا۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۲]: ۲......دوسری صورت یہ ہے کہ دھان ادھار لئے گئے، جس کی وجہ سے قیمت زیادہ بازار سے لی جارہی ہے۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۳]: ۳......دھان ادھار لئے گئے اور ادائیگی قیمت کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا، بازاری نرخ کا علم نہیں، لیکن عبدالغفار نے کہا کہ ۲۵/ روپیہ من لوں گا۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۴]: ۴......خود عبدالغفار دھان ادھار دے رہا ہے اور قیمت رجب میں وصول کرنے کے لئے کہہ رہا ہے اور قیمت کی بھی تعیین کردی، بازاری نرخ کا علم نہیں ہے، نمبر:۳،۴، میں تعین کا فرق اور عدمِ تعینِ وقت کا فرق۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۵]: ۵......دھان ادھار دیئے جارہے ہیں اور قیمت کی ادائیگی ماہ رجب میں بازاری قیمت سے ہوگی۔اس صورتوں میں سے کونسی جائز ہے اور کونسی ناجائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......اس طرح گول مول طریقہ پر بیع درست نہیں ہے(۱)، پہلے خریدار سے دریافت کرلیا جائے کہ تم

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عن بيعتين في بيعة".

"وعن سماك عن عبدالرحمن بن عبدالله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالیٰ عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عن صفقتين في صفقة". (إعلاء السنن: ۱۴/ ۱۷۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتن في بيعة، إدارة القرآن كراچی)

قیمت اب دوگے یا رجب میں دوگے، اگراس نے کہا کہ اب دوں گا تو اس کو بتادیا جائے کہ ۲۰/ روپے قیمت لوں گا، اگراس نے کہا رجب میں دوں گا تو اس کو بتادیا جائے کہ ۲۵/ روپے قیمت لوں گا۔ غرض ایک بات متعین ہوجائے (۱)۔

۲...... ادھار کی وجہ سے معمولی زیادہ قیمت طے کرلینا درست ہے (۲)۔

۳...... دام دینے کا وقت اس طرح مقرر کرلیا جائے کہ نزاع نہ ہوتو یہ بیع درست ہوگی، ورنہ فاسد ہوگی (۳)۔

۴...... یہ درست ہے (۴)۔

۵...... یہ بیع فاسد ہے، اس میں قیمت نہیں ہے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۵۷، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۱۵۷، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "وبثمن حال مؤجل بأجل معلوم .... قيد بمعلوم؛ لأن جهالة الأجل تفضى إلى المنازعة، فالبائع يطالب في مدة قريبة والمشترى يأباها، فيفسد". (مجمع الأنهر: ۱۳/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"(بأجل معلوم)؛ لأن جهالته تفضى إلى المنازعة، فيفسد". (الدر المنتقى بذيل مجمع الأنهر: ۱۳/۳، كتاب البيوع، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"يلزم أن تكون المدة معلومةً فى البيع بالتأجيل والتقسيط: أى أنه يلزم أن يكون الأجل معلوم الوقت عند كلا العاقدين؛ لأنّ جهالته تفضى إلى النزاع، فيفسد البيع به". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۴) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۵) "يلزم أن يكون الثمن معلوماً، فلوجهل الثمن، فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولابد من معرفة قدر ووصف ثمن غير مشار؛ لأن جهالتهما تفضى إلى النزاع المانع من التسليم والتسلم، فيخلو العقد عن الفائدة، وكل جهالة تفضى إليه يكون مفسداً". (تبيين الحقائق: =

مرض الوفات میں کم قیمت پر بیع

سوال[۷۸۳۶]: ۱......اگرکسی چیز کی خریداری میں کم قیمت ادا کی جائے اور فروخت کنندہ سے زیادہ قیمت بوجۂ مجبوری یا بیماری یا ضعیف العمری یا ناامید زیست کی بناء پر ایک دو یوم مرنے سے قبل فروخت کنندہ سے دیگر اشخاص کے بلامشورہ، خفیہ طور پر کہ جو بااعلان نہ ہو، ایسا بیعنامہ کرایا جائے تو اس بات میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

۲......جب کہ خریدار مذکور خود رقم قرض کے اندراج کو تسلیم کرتا ہے، لیکن قیمتِ باقی ماندہ کو ادا نہیں کرتا اور جو شئ بیعنامہ فروخت کنندہ سے حاصل کی گئی ہے، اس کے جز کی واپسی بھی عدمِ ادائیگی قیمت کے لحاظ سے نہیں کرتا ہے جس سے رقم اداشدہ اور شئ حاصل شدہ مساوی حالت میں ہوجاویں۔

۳......اگر فروخت کنندہ فوت ہوچکا ہے اور خریدار مذکور قیمت قرض کو مانتا ہے تو یہ قیمت باقی ماندہ خریدار اگر ادا کریں، تو وارثانِ فروخت کنندہ مذکورہ اس قیمت کے پانے کے مستحق ہوں گے۔

۴......اگر کسی جائیداد یا مکانِ مقبوضہ خود کی بابت یہ علم ہوجاوے کہ اس کی قیمت یا معاوضہ اصل مالک کو ادا نہیں ہوا اور صرف قانونی قبضہ ایک عرصۂ دراز سے مطابق قانونِ دنیوی چل رہا ہے، لہٰذا ایسا قبضہ بدستور باقی رکھنا جائز ہے، یا بعد ادائیگی قیمت معاوضہ مالکان کو قبضہ کرنا جائز ہوگا؟

نیازمند سید ممتاز علی، قصبہ نہٹور، ضلع بجنور، ۸/ ذی الحجہ/ ۱۳۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر یہ بیعنامہ ایسے شخص کے حق میں ہوا ہے کہ جو شرعاً بائع کا وارث بھی ہے تو یہ بیع بقیہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے، وہ اجازت دیں گے تو نافذ ہوجائے گی، ورنہ نہیں۔ اگر یہ بیعنامہ کسی اجنبی کے حق میں

= ۲۸۰/۴، کتاب البیوع، دار الکتب العلمية بيروت)

"لايصح البيع في غيره: أي في غير المشار إليه بلامعرفة قدره كعشرة ونحوها، وصفته ككونه مصرياً أو دمشقياً؛ لأن جهالتهما تفضي إلى النزاع المانع من التسليم والتسلم، فيعرى العقد عن المقصود، وكل جهالة هذاصفتها تمنع الجواز". (مجمع الأنهر: ۱۲/۳، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى بذيل مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۱۲/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

ہوا ہے (یعنی جو شرعاً وارث نہیں) تو اس کا حکم یہ ہے کہ دیانت داری اور تجربہ کار آدمی اس چیز کی قیمت تجویز کریں اور پھر دیکھیں کہ مشتری نے اس سے کس قدر کم ادا کی ہے، اگر وہ کمی بائع کے ایک ثلث ترکہ کے برابر یا اس سے کم ہو تب تو یہ بیع صحیح ہوگی، ورنہ اجازتِ ورثہ پر موقوف ہے، اگر ورثہ بالغ ہوں تو مشتری سے کہا جاوے گا کہ اس کی قیمت پوری کرو، ورنہ بیع کو فسخ کر دیا جائے گا (۱)، کیونکہ کہ یہ کمی وصیت کے حکم میں ہے، هکذا في مرآة المجتبی: ۱/۱۹۱ (۲)۔

۲...... بیع کی صحت وعدمِ صحت کا حکم جواب نمبر: ۱، میں آچکا ہے۔ اگر خریدار بیع کو برقرار اور اس شئے کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو شرعاً اس کی وہی صورت ہے، اس کے خلاف کرنا گناہ ہے اور معصیت ہے۔

۳...... اس کا جواب نمبر: ۱، سے ظاہر ہے۔

۴...... ایسا قبضہ ناجائز ہے (۳)، یا مالکان کی قیمت ادا کردے، یا ہبہ کرالے۔ اگر وہ بیع یا ہبہ

---

(۱) "إذا باع المريض في مرض موته شيئاً من ماله لأحد ورثته، صار ذلك موقوفاً على إجازة سائر الورثة، فإن أجازوا بعد موت المريض، نفذ البيع، وإلا فلا. وإذا باع المريض في مرض موته شيئاً من أجنبيّ بثمن المثل، صح بيعه. وإن باعه بدون ثمن المثل وسلم المبيع، كان بيعه بيع محاباة يعتبر من ثلث ماله، فإن كان الثلث وافياً بها، صحّ. وإن كان الثلث لايفي بها، لزم المشتري إكمال مانقص من ثمن المثل، وإعطاء ه للورثة، فإن فعل، لزم البيع، وإلاكان للورثة فسخه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص ۲۲۱، ۲۲۲، (رقم المادة: ۳۹۳، ۳۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وقف بيع الغاصب على إجازة المالك.......... وبيع المريض لوارثه على إجازة الباقي". (الدرالمختار). "أو على صحة المريض، فإن صح من مرضه نفذ، وإن مات منه ولم تُجز الورثة، بطل". (ردالمحتار: ۵/۱۱۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل في الفضولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۵۴، الباب الثاني عشر في أحكام البيع الموقوف، رشيديه)

(۲) لم أجده

(۳) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوّقه يوم القيامة من سبع أرضين". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، قديمي)

"عن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "على اليد ما أخذت حتى تؤدي". =

پر رضامند نہ ہوں بلکہ اپنا مکان وغیرہ خالی کرانا چاہیں تو اپنا قبضہ اٹھانا اور مکان کو خالی کرنا واجب ہے، بلکہ پہلے اپنا قبضہ اٹھا کر مالک کے قبضہ میں دیدیا جاوے، اس کے بعد بیع یا ہبہ کی گفتگو کی جاوے تا کہ ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ رہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/محرم الحرام/ ۵۷ھ۔

مبیع میں زیادتی کا مطالبہ کرنا

سوال[۷۸۳۷]: اگر کوئی شخص ایک سودا خریدے اور خریدار بیچنے والے سے علاوہ خرید شدہ چیز کے اَور کوئی چیز مانگے جس کو''رنگا'' کہتے ہیں اور بیچنے والا خوشی سے دے بھی دے تو کیا وہ رنگا مانگنا اور لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وہ رنگا جزوِ بیع ہے، لہٰذا اگر اس شئ کے واپس کرنے کی نوبت آئے تو رنگا بھی واپس کرنا ہوگا (۲)، ایسی

= (مشکوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قديمی)

(۱) "وعن أبی حرّة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلابطيب نفس منه". (مشکوة المصابيح، المصدر السابق)

(۲) "وكذا صح الزيادة فی المبيع، ولزم البائعَ دفعُها إن قبل المشتری ذلک؛ لأنه تصرف فی حقه وملكه، ويلتحق بالعقد، فيصير حصتَه من الثمن، حتی لو هلكت الزيادة قبل القبض، تسقط حصتُها من الثمن". (مجمع الأنهر: ۱۱۶/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: لا يصح بيع المنقول، غفاريه كوئٹه)

"وصح الزيادة فی المبيع، ولزم البائعَ دفعُها إن فی غير سلم وقبل المشتری، وتلتحق أيضاً بالعقد، فلو هلكت الزيادة قبل قبض، سقط حصتُها من الثمن". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۵۵/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فی التصرف فی المبيع والثمن، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲۰۰/۶، كتاب البيع، فصل فی بيان التصرف فی المبيع، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۲۴۲/۴، كتاب البيوع، باب التولية، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۳، (رقم المادة: ۲۵۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

صورت میں رنگنے کا رواج ترک کردینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۲/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/صفر/۶۸ھ۔

اصل مطالبہ سے زائد کا دعویٰ کرنا

سوال [۷۸۳۸]: میں نے مقروض ہوکر سودی لئے ہوئے قرض سے ایک انجن خریدا تھا جو حالات ناساز گار ہونے کی بناء پر مجھے ۲۹۰۰/ میں بیچنا پڑا۔ ۲۱۰۰/ وصول کر لئے، ۸۰۰/ روپے چالو ہونے پر وعدہ کیا گیا ہے، مگر اب وہ روپیہ دیتا نہیں۔ عدالت سے فیصلہ ہوگا۔ وکیل کہتے ہیں کہ ۲۹۰۰/ ہی کا دعویٰ کرو۔ جب کامیابی کی کچھ امید ہے ایسی صورت میں ۲۹۰۰/ کا دعویٰ کرسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ۲۱۰۰/ روپے کے وصول پانے کی آپ نے ان کو رسید دے دی ہے تو آپ یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ۲۱۰۰/ روپے وصول کر چکا ہوں، ۸۰۰/ باقی ہیں (۱)۔ بیعنامہ مکمل ہوجانے اور انجن فٹ ہوکر چالو ہوجانے کے بعد محض بقیہ ۸۰۰/ واجب الادا کے مطالبہ پر تو شاید بیع کو عدالت فسخ نہ کرے، بلکہ آپ کا روپیہ دلوادے۔ اگر آپ نے ۲۱۰۰/ کی رسید نہیں دی اور آپ ۸۰۰/ کا مطالبہ کریں اور عدالت اس کی کل قیمت ۸۰۰/ ہی تجویز کردے، بیعنامہ تحریر موجود نہ ہو تب بھی آپ کو ۸۰۰/ روپیہ مل جائے تو مطالبہ پورا ہوجائے گا۔

اگر بیع فسخ کردے اور انجن آپ کو واپس ملے تو آپ کو ضابطہ میں ۸۰۰/ دینا پڑے گا۔ اس صورت میں

---

(۱) "عن ابن عمر وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: "من طلب حقاً، فليطلبه في عفاف واف أو غير واف". (سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب حسن المطالبة: ۲/۱۷۴، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاء رجل يطلب نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بدين أو بحق، فتكلم ببعض الكلام، فهمّ صحابة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم به، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " مه إن صاحب الدين له سلطان على صاحبه حتى يقضيه". (سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب: لصاحب الحق سلطان: ۲/۱۷۴، قديمي)

قانوناً آپ نفع میں رہیں گے، ۱۳۰۰/ آپ کو بچے گا (مگر شرعاً اس کا رکھنا درست نہیں ہوگا)۔ تاہم اگر قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے (جن کو میں نہیں جانتا) ۲۹۰۰/ ہی کا دعویٰ کرنا ضروری ہے تو فیصلہ اور ڈگری ہونے پر آپ کو صرف مطالبہ ۸۰۰/ ہی رکھنے کا حق ہوگا، جو رقم زائد ملے اس کو واپس کرنا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۸۵ھ۔

مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت پر چوری کا مال فروخت کرنا، اور بلیک کرنا

سوال [۷۸۳۹]: کیا بلیک کرنا گناہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ مالک کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اپنی ملکیت جس قیمت پر چاہے فروخت کرے (۲)، لیکن مالک اگر مال کو زیادہ قیمت پر فروخت کریں اور عام مخلوق قیمت کی زیادتی کی وجہ سے سخت پریشان ہو اور اس کا حل بجز نرخ متعین کرنے (کنٹرول) کے کچھ نہ ہو تو حکومت کے لئے درست ہے کہ اہل الرائے کے

---

(۱) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب بيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(۲) "ويكره التسعير ...... ولأن الثمن حق العاقد، فلاينبغي له أن يتعرض لحقه". (مجمع الأنهر: ۴/۲۱۵، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

"وأما لايسعر لِمَاروى أن السعر قد غلا بالمدينة، فطلب من النبي صلى الله عليه وسلم أن يُسعّر، فأبىٰ، وقال: "إن الله تعالى هو المسعّر القابض الباسط الرازق". وفي حديث الحر قال: "الله تعالى يخفض ويرفع، وإني لأرجو أن ألقى الله تعالى وليس لأحدٍ منكم عندي مظلمةٌ". ولأن الثمن حق البائع؛ لأنه يقابل ملكه، فيكون التقدير إليه". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۸/۲۶۸، الفصل الخامس والعشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، فصل في الاحتكار، غفاريه كوئٹه)

مشورے سے قیمت متعین (کنٹرول) کردے (١) جس میں مالک کا نقصان بھی نہ ہو اور عام مخلوق کو پریشانی سے نجات مل جائے، پھر بلیک کرنا یعنی متعینہ نرخ سے زائد پر فرخت کرنا قانون شکنی ہے، جس کے نتیجہ میں خطرہ ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

افیم کی بلیک کا حکم

سوال [٧٨٤٠]: افیم کی بلیک کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلیک (٣) قانونی جرم ہے (٤)، منفعت کی خاطر جان، مال، عزت، کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں (٥)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) "ولا يسعّر حاكم إلا إذا تعدّى الأرباب عن القيمة تعدياً فاحشاً، فيسعر بمشورة أهل الرأى".
(الدرالمختار: ٣٩٩/٦، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

"ويكره التسعير إلا إذا تعدّى أرباب الطعام فى القيمة تعدياً فاحشاً، فلا بأس به بمشورة أهل الخبر" (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ٢١٥/٤، غفاريه كوئٹة)

"وإن كان أرباب الطعام يتحكّمون على المسلمين ويتعدّون عن القيمة تعدياً فاحشاً، وعجز القاضى عن صيانة حقوق المسلمين إلابالتسعير، فلا بأس بالتسعير بمشورةٍ من أهل الرأى والبصر".
(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ٢٦٨/٨، الفصل الخامس والعشرون فى البياعات المكروهة، والأرباح الفاسدة، فصل فى الاحتكار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل فى البيع: ٢١٥/٤، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى البحر الرائق: ٣٧٠/٨، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، رشيديه)

(٢) "طاعة الإمام فيماليس بمعصية واجبة". (ردالمحتار: ١٧٢/٢، كتاب الصلوة، باب العيدين، سعيد)

(٣) "بلیک: مقررہ قیمت سے زیادہ پر چوری سے مال فروخت کرنا"۔ ....=

بلیک مارکیٹ

سوال[۷۸۴۱]: بغیر سیل ٹیکس ادا کئے پوشیدہ طور پر مال کی فروختگی کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اپنے مال کی تجارت خاطر خواہ طریقہ پر جائز ہونے کے باوجود سیل ٹیکس انسپکٹر سے چھپانا اور چوری سے فروخت کرنا اپنی عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو کہ قرینِ دانشمندی نہیں (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/ ۱۳۸۷ھ۔



= ''بلیک مارکیٹ: مقررہ مارکیٹ سے زیادہ قیمت پر چوری مال فروخت کرنا''۔(فیروز اللغات، ص: ۲۱۴، فیروز سنز لاہور)

(۴) حکومتی مقرر کردہ قوانین کی خلاف ورزی شرعاً ناجائز ہے، جب کہ اس میں شرعی مفسدہ نہ ہو:''طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض''. (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۲۶۴/۴، سعيد)

(۵) ''درء المفاسد أولىٰ من جلب المنافع. ومما يتفرع من هذه القاعدة أن الرجل يمنع من التصر ف فى ملكه إذاكان تصرفه يضرّ بجاره ضرراً فاحشاً؛ لأن درء المفاسد عن جاره أولى من جلب المنافع لنفسه''. (شرح المجلة، ص: ۳۲، (رقم المادة: ۳۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

''درء المفاسد أولى من جلب المنافع، فإذا تعارضت مفسدةٌ ومصلحةٌ، قدم دفع المفسدة غالباً''. (شرح الأشباه والنظائر: ۲۶۴/۱، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

(۱) راجع الحاشية السابقة

فصلٌ فی سُلفة الثّمن فی البیع

(بیعانہ کا بیان)

بیعانہ کا حکم

سوال [۷۸۴۲]: ادھر دستور ہے کہ جب کوئی شئ خرید وفرخت کی بات چیت ہوتی ہے تو بات کو پختہ ومستحکم بنانے کے لئے چیز والا خریدار سے کچھ رقم یا نقد روپیہ لیتا ہے، اس کو ''بیعانہ'' کہتے ہیں۔ اگر خریدار نے بات چیت کے مطابق وہ چیز لی تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں لی تو وہ بیعانہ سوخت ہوجاتا ہے، خریدار کو واپس نہیں ملتا ہے۔ ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیعانہ جزوِ قیمت ہے جس کو پیشگی وصول کیا جاتا ہے، پھر بقیہ قیمت معاملہ پختہ ہونے پر وصول کرلی جاتی ہے۔ اگر معاملۂ بیع طے نہ ہو بلکہ ختم ہوجائے تو یہ بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے، اس کو روکنا اور سوخت کردینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) ''عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن بیع العربان. قال مالک: وذلک فیماتری -والله تعالی أعلم- یشتری الرجل العبد أو الولیدة أویتکاری الدابة، ثم یقول للذی اشتری منه أو تکاری منه: أعطیتُک دیناراً أو درهماً أو أکثر من ذلک أو أقل علی أنی أخذت السلعة أو رکبتُ ماتکاریت منک، فالذی أعطیتُک من ثمن السلعة أو من کراء الدابة، وإن ترکتُ ابتیاع السلعة أو کراء الدابة فما أعطیتُک لک باطلٌ بغیر شئ''. (إعلاء السنن: ۱۶۶/۱۴، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع العربان، إدارة القرآن کراچی)

''ونهی عن بیع العربان أن یقدم إلیه شئ من الثمن، فإن اشتری حُسب من الثمن، وإلافهو له مجاناً، وفیه معنی المَیسر''. (حجة الله البالغة: ۲۸۸/۲، بیوع فیها معنی المیسر، قدیمی) =

بیعانہ لینے سے بیع

سوال[۷۸۴۳] : عمر نے زید کو ایک مکان کا چوتھائی حصہ چارسو روپیہ میں فروخت کردیا اور مبلغ سو روپیہ بطورِ بیعانہ لے کر یہ تحریر لکھ دی کہ میں مبلغ سو روپے بطورِ بیعانہ اب لیتا ہوں اور مبلغ تین سو روپے رجسٹری کے وقت لوں گا۔ زید نے جب عمر بائع سے رجسٹری کا تقاضا کیا تو عمر بائع رجسٹری کو ٹالتا رہا اور کچھ عرصہ بعد مکان پر جبراً اپنا قبضہ کرلیا اور جو مبلغ سو روپے بطورِ بیعانہ لیا تھا اس کے واپس دینے سے بھی انکار کردیا۔ اب یہ باتیں دریافت طلب ہیں:

۱......کیا یہ بیع صحیح ہوگئی یا نہیں؟

۲......اگر صحیح ہوگئی تو بائع کو مکان پر جبراً بلا رضامندیٔ زید (مشتری) قبضہ کرلینا جائز ہے یا نہیں؟

۳......کیا بائع عمر کو جبراً بیع کے فسخ کا اختیار ہے؟

۴......اگر صحیح نہیں ہوئی، یا بائع کو جبراً فسخِ بیع کا اختیار ہو تو مبلغ سو روپیہ بائع کے ذمہ ضروری ہے یا نہیں؟

۵......مشتری کو اپنے اس روپیہ کے واپس لینے کا حق ہے یا نہیں جو اس نے بطورِ بیعانہ بائع کو دیئے تھے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......صحیح ہوگئی (۱)۔

= "بيع العربان: وصورته أن يشترى الرجل شيئاً فيدفع إلى المبتاع من ثمن ذلك المبيع شيئاً على أنه إن نفذ البيع بينهما، كان ذلك المدفوع من ثمن السلعة، وإن لم ينفذ ترك المشترى بذلك الجزء من الثمن عند البائع، ولم يطالبه به، وإنما صار الجمهور إلى منعه؛ لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأكل مالٍ بغير عوض". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، الباب الرابع فى بيوع الشروط والثنيا: ۸/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۸، أبواب التجارات، باب بيع العربان، قديمى)

(۱) "البيع ينعقد بإيجاب وقبول". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۵، (رقم المادة: ۱۶۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

۲.....نہیں (۱)۔

۳.....نہیں (۲)۔

۴.....بیع تھی، اب اگر بائع اس کو فسخ کرنا چاہے تو مشتری کی رضامندی سے مبلغ سوروپے واپس دے کر فسخ کرسکتا ہے (۳)۔

۵.....اگر بائع مکان نہیں دیتا اور جھگڑا کرتا ہے تو مشتری کو حق حاصل ہے کہ اپنا روپیہ واپس لے لے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۷/۳/۵۳ھ۔

جواب صحیح ہے: عبد اللطیف، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

= "البيع مبادلة مالٍ بمالٍ، وينعقد بإيجاب وقبول". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹة)

"هو (أى البيع) مبادلة المال بالمال بالتراضى، ويلزم بإيجاب وقبول". (كنز الدقائق، كتاب البيوع: ۴۲۹/۵، رشيديه)

(۱) "وفى بيع سلعة بثمن سلم هو أولاً إن لم يكن مؤجلاً". (ملتقى الأبحر). قال الفقيه عبدالرحمن بن محمد رحمه الله تعالىٰ: "فإنه لو كان موجلاً لايمكن التسليم أولاً، بل يجب تسليم المبيع". (مجمع الأنهر: ۳۱/۳-۳۲، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"القبض ليس بشرط فى البيع، إلا أن العقد إذا تم، كان على المشترى أن يسلم الثمن أولاً، ثم يسلم المبيع إليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۶، (رقم المادة : ۲۶۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "من شرائطها (أى الإقالة) اتحاد المجلس ورضا المتعاقدين؛ لأن الكلام فى رفع عقد لازم". (رد المحتار: ۱۲۱/۵، باب الإقالة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۵۷/۳، كتاب البيوع، الباب الثالث عشر فى الإقالة، رشيديه)

"للعاقدين أن يتقايلا البيع برضاهما بعد انعقاده، فالرضا شرط فى الإقالة، كمافى سائر العقود". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۲، (رقم المادة : ۱۹۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) یعنی اقالہ کرکے اپنے پیسے واپس لے لے: "وينفسخ البيع: أى ويجب ردّمثل الثمن الأول". (شرح المجلة لخالد الأتاسى: ۷۷/۲، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا فى النهر الفائق: ۴۵۲/۳، كتاب البيوع، باب الإقالة، قديمى)

باب المتفرقات

اناج کی بیع فصل کی قیمت

سوال[۷۸۴۴]: اس وقت نرخ گندم پانچ سیر ہے اور ایک غریب آدمی جس کے یہاں اناج نہیں ہے ہم سے اناج لینا چاہتا ہے تو اس کو بجائے ۵/ سیر کے چار سیر دیتے ہیں اور اس سے وعدہ کرا لیتے ہیں کہ فصلِ ربیع یعنی ساڑھی میں اناج اسی بھاؤ کا جو بھاؤ فصلِ ربیع میں ہوگا لیا جائے گا۔ آپ تحریر فرمادیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں بھاؤ کی کیا شرط ہے، اناج بطورِ قرض دیجئے، جتنے سیر یا من اناج دیں اتنے سیر من اپنا اناج ساڑھی میں واپس لے لیں(۱)، خواہ کچھ ہی بھاؤ ہو قیمت سے کچھ تعلق نہیں(۲)۔ اگر فروخت کرنا ہے

---

(۱) "ویجوز القرض فیما هو من ذوات الأمثال کالمکیل والموزون والعددیّ المتقارب کالبیض". (الفتاوی العالمکیریة: ۲۰۱/۳، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر فی القرض والاستقراض، رشیدیه)

"القرض عقد مخصوص یرد علی دفع مال مثلی لآخر لیردّ مثله، وصح القرض فی مثلیّ لافی غیره". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۶۱/۵، کتاب البیوع، فصل فی القرض، سعید)

"فلایجوز قرض ما لا مثل له.......... فتعین أن یکون الواجب فیه ردّ المثل، فیختص جوازه بماله مثل". (بدائع الصنائع: ۵۹۶/۱۰، کتاب القرض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "والذی یتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة ومشاهدة معاملات الناس أن المثلیة المطلوبة فی القرض هی المثلیة فی المقدار، والکمیّة دون المثلیة فی القیمة والمالیة". (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، مسئلة تغیر قیمة العملة وربطها بقائمة الأسعر، عرض المسئلة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم کراچی)

"وکذا کل مایکال ویوزن لما مرّأنه مضمونٌ بمثله، فلاعبرة بغلائه ورخصه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۶۲/۵، کتاب البیوع، فصل فی القرض، سعید)

تو فروخت کر دیجئے، اور ساڑھی میں قیمت لے لیں۔ جس وقت پر آپ نے فروخت کیا ہے، اسی وقت کی قیمت لی جائے خواہ ساڑھی میں کچھ بھی بھاؤ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر ساڑھی میں اس کے پاس قیمت نہ ہو، اور بجائے قیمت کے اناج دینا چاہیں تو اس وقت نرخ طے کر لیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کمہار سے بلا قیمت لوٹے لینا

سوال[۷۸۴۵]: بعض دیہات کی افتادہ زمین سے کمہار مٹی لے جاتے ہیں(۱) اور گاؤں والے ان سے لوٹے یا اَور برتن اس اجرت پر مقرر کر لیتے ہیں، اور یہ لوٹے مسجد میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گاؤں والے اس زمین کے مالک ہیں اور وہ مٹی کمہاروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں اور کمہار قیمت میں لوٹے وغیرہ دیتے ہیں تو ان لوٹوں کا استعمال درست ہے(۲)۔ اگر مالک نہیں ہیں تو ان کو کمہاروں سے لوٹے مفت لینے کا کوئی حق نہیں اور اس صورت میں وہ لوٹے کمہاروں کو لوٹانا ضروری ہے(۳)، گھر میں

---

(۱) ''کمہار: مٹی کے برتن بنانے والا، کوزہ ساز''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۳۱، فیروز سنز لاهور)

(۲) اسلئے کہ مبیع کا مملوک ہونا ضروری ہے: "يشترط لنفاذ البيع أن يكون البائع مالكاً كالمبيع أو وكيلاً لمالكه".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۰۳، (رقم المادة: ۳۶۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وشرط في المبيع كونه مالاً متقوماً شرعاً مقدور التسليم في الحال أو ثاني الحال، وزاد في البحر: أن يكون مملوكاً في نفسه". (الدر المنتقى بذيل مجمع الأنهر: ۵/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"أما شرائط المعقود عليه فأن يكون موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه)

(۳) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلابطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، قديمى)

"عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "على اليد ما أخذت حتى تؤدي". (مشكوة المصابيح،=

استعمال کرنا، یا مسجد میں دینا جائز نہیں (۱)۔ اگر گاؤں والے مالک ہونے کے بعد تعرض نہیں کرتے تو لوٹے لینا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کھوٹے روپے کا حکم

سوال [۷۸۴۶]: تجارت میں اگر پیسہ روپیہ کھوٹا آئے تو اس کو کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر معلوم ہے کہ کس کے پاس سے آیا ہے تب تو اسی کو دیدے (۲)، جس طرح بھی ممکن ہو، خواہ

= المصدر السابق)

"التصرف في مال الغير حرام، فيجب التحرز عنه". (فتح القدير: ۵۱۵/۶، كتاب البيوع، فصل: ومن اشترى شيئاً ماينقل ، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه.......... أو وكالةٍ منه أو ولايةٍ عليه، وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله طيب لايقبل إلاطيباً، وإن الله تعالى أمر المؤمنين ما أمر به المرسلين". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۱، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، قديمي)

(۲) "ومن قبض زيفاً بدل جيدٍ غير عالم به، فأنفقه، أوهلك فهو قضاء". قال في المجمع: "قيد بالإتلاف؛ لأنه لو كان قائماً، يرده ويسترد الجيد عندهم". (مجمع الأنهر: ۱۵۴/۳، ۱۵۵، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹة)

"(ومن قبض زيفاً بدل جيد) كان له على آخر (غير عالم به) فلو علم وأنفقه، كان قضاءً اتفاقاً (فأنفقه أو هلك) فلو قائماً، ردّه اتفاقاً". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

"ولو قبض زيفاً بدل جيد، كان له على آخر جاهلاً به، فلو علم وأنفقه، كان قضاءً اتفاقاً، ونفق أو أنفقه فلو قائماً، رده اتفاقاً". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲۳۳/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

بتا کر خواہ دھوکہ سے (۱)۔ اگر معلوم نہ ہو تو دھوکہ دینا جائز نہیں (۲)، بتا کر دے دیا جائے اگر چہ لینے والا کم قیمت پر لے، یا اگر کسی جگہ اس سے کچھ ظلماً لیا جائے تو وہاں بلا بتائے بھی دینا درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

مبیع مقدارِ معین سے کم یا زائد نکلے

سوال[۷۸۴۷]: مسمیٰ عبدالرحمٰن نے ایک کپڑا بیس گز ایک روپے چار آنہ کا فروخت کیا، وہ کپڑا پونے بیس گز ہوا، خریدار نے ایک روپے چار آنہ نہیں دیا، بلکہ چار گرہ کے دام کاٹ کر دیتا ہے ۳/ دیتا ہے، مسمیٰ عبدالرحمٰن خریدار کو کہتا ہے کہ چار گرہ کے دام نہ کاٹ، مگر خریدار نے ضرور کاٹ لئے۔ اس کے بعد مسمیٰ عبدالرحمٰن ایک کپڑا بیس گز اَور فروخت کرنے گیا، اس کی قیمت بھی ۱۴/ آنے قرار پائی، مگر جس وقت ناپا تو سوا بیس گز ہوا، اب خریدار کہتا ہے کہ میں تو پورے بیس گز کے دام دوں گا، مسمیٰ عبدالرحمٰن نے ہر چند کہا مگر اس نے پورے بیس گز کے دام ۱۴/ دیئے، چار گرہ کے نہیں دیئے۔

---

(۱) اس لئے کہ یہ در حقیقت اپنے حق کو حاصل کرنا ہے جو جائز ہے:

"وَجَدَ دنانیر مدیونه، وله علیه درهم، له أن یأخذه، لاتحادهما جنساً فی الثمنیة".

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۵۱/۶، کتاب الحجر، سعید)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی وسلم مرّ علی صبرة من طعام، فأدخل یده فیها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "یاصاحب الطعام! ماهذا"؟ قال: أصابته السماء یارسول الله! قال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتی یراه الناس"؟ ثم قال: "من غش فلیس منا". (جامع الترمذی، ص: ۲۴۵، أبواب البیوع، باب ماجاء فی کراهیة الغش فی البیوع، سعید)

(وفیض القدیر: ۵۹۲۴/۱۱، (رقم الحدیث: ۸۸۷۸)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

(وسنن أبی داود: ۱۳۳/۲، کتاب البیوع، باب فی النهی عن الغش، مکتبه إمدادیه ملتان)

(ومشکوة المصابیح: ۲۴۸/۲، کتاب البیوع، باب المنهی عنها من البیوع، الفصل الأول، قدیمی)

(۳) (راجع رقم الحاشیة: ۲)

اب غور طلب یہ ہے کہ کپڑے میں ایک پیسہ کاٹ لیا اور دوسرے کپڑے میں جو سوا بیس گز تھا ان کا پورا ایک روپیہ چار آنے بھی دیا، کیا اس خریدار کو وہ پیسہ جائز ہوسکتا ہے؟ والسلام۔

معرفت: مولوی شبیر احمد گنگوہی، طالبعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیس گز کپڑا فروخت کیا اور مجموعہ کی قیمت ۱۴/ بتائی اور فی گز کے حساب سے کوئی قیمت نہیں بتائی اور معاملہ ایجاب وقبول سے پختہ کردیا اور ناپنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بیس گز سے کچھ کم مثلاً پونے بیس گز ہے تو خریدار کو قیمت کاٹنے کا اختیار نہیں، بلکہ چاہے پوری قیمت دے کر خریدے اور چاہے واپس کردے، واپس کرنے کا اختیار ہے۔ اور اگر ناپنے کے بعد معلوم ہوا کہ بیس گز سے کچھ زائد مثلاً سوا بیس گز ہے تو وہ سب کا سب ۱۴/ میں خریدار کا ہوگیا، فروخت کرنے والے کو زیادہ قیمت طلب کرنے، یا واپس لینے کا اختیار نہیں:

"ومن اشترى ثوباً على أنه عشرة أذرع بعشرة، أو أرضاً على أنها مأة ذراع بمأة، فوجدها أقلّ، فالمشترى بالخيار: إن شاء أخذ بجملة الثمن، وإن شاء ترك. وإن وجدها أكثر من الذراع الذى كان، فهو للمشترى، ولا خيار للبائع". هدايه :۳/ ۲۸ (۱) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۷/ ۵۳ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۳/۲۴، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وفى المذروع يأخذ الأقل بكل الثمن، أو بفسخ، والزائد له بلا خيار للبائع". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۸/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"وإن نقص ذراع، أخذ بكل الثمن أو ترك. وإن زاد فللمشترى، ولا خيار للبائع؛ لأن الذرع فى المذروع وصف؛ لأنه عبارة عن الطول فيه، لكنه وصف يستلزم زيادة أجزاء، فإن لم يفرد بثمن، كان تابعاً محضاً، فلا يقابل بشئ من الثمن". (البحر الرائق: ۴۸۵/۵، كتاب البيع، رشيديه)

"وإن باع المذروع مثله على أنه مأة ذراع مثلاً، أخذ المشترى الأقل بكل الثمن أو ترك .... وأخذ الأكثر بلا خيار للبائع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۴۳/۴، كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ماوقع عليه العقد وإن ظن البائع أو المشترى أنه أقل أو أكثر، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲۸۴/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

بیع میں سامان زیادہ دے دیا تو کیا کرے؟

سوال[۷۸۴۸]: زید سائیکل مرمت کا کام کرتا ہے اور سامان دوسرے بڑے دوکاندار سے خرید کر لاتا ہے، ایک مرتبہ سامان لینے گیا تو اس بڑے دوکاندار کے نوکر نے کچھ سامان مالک کی چوری سے زیادہ دیدیا، وہاں تو زید نے کچھ خیال نہیں کیا، لیکن گھر آکر بیجک ملایا تو سامان زیادہ نکلا۔ اب زید پس وپیش میں ہے کہ اگر مالک پر راز افشاء کرتا ہے تو ملازم کی ملازمت جاتی ہے اور نہیں کہتا تو مالک مکان کی چوری ہوتی ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں زید کو کیا کرنا چاہئے، سامان کی قیمت ملازم کو دے یا کہ نہ دے؟ جواب تمام باتوں کا قرآن وحدیث کی رو سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہہ کر بڑے دوکاندار کو دے سکتا ہے کہ حساب میں اتنے روپے آپ کا میری طرف ہے، وہ یہ ہے، لے لیجئے، تو یہ صورت بہتر ہے (۱)، اگر ایسا نہیں کرسکتا تو ہدیہ کے طور پر دیدے، ملازم کے خیانت کرنے سے وہ سامان زید کے لئے حلال نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۹۴ھ۔

---

(۱) اس لئے کہ مذکورہ سامان کا حکم امانت کا ہے اور امانت مالک کو واپس کرنا ضروری ہے:

قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. "وذلک بالتسليم إليه عند القدرة". (تبيين الحقائق: ۲۱۶/۴ كتاب اللقطة، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أدّ الأمانة إلى من ائتمنک، ولا تخن مَن خانک". (جامع الترمذي: ۲۳۹/۱، أبواب البيوع، سعيد)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۱۶/۱۱، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۲۶، (رقم المادة: ۷۶۹، ۷۷۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۱۱۰، (رقم المادة: ۲۶۹)، الصدف پبلشرز)

بازار سے خریدی ہوئی دوا کو اپنی بتا کر نفع زیادہ لینا

سوال[۷۸۴۹]: اگر کوئی شخص بازار سے ہمدرد کی دوائیں خرید کر مریضوں کو اس نام سے دے کہ گویا یہ دوائیں میں اپنی دے رہا ہوں اور اصل محنت سے کئی گناہ منافع حاصل کریں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمدرد کا اگر وہ ایجنٹ نہیں، بلکہ اپنے پیسہ سے خرید کر مالک ہو کر دوائیں فروخت کرتا ہے اور نفع لیتا ہے تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

قیمتِ مبیع وصول کرنے کی ایک صورت

سوال[۷۸۵۰]: زید کی اراضی بکر نے قیمتِ متعینہ میں خریدی، لیکن بکر نے وقتِ متعینہ پر پوری رقم ادا نہیں کی، لیکن کھیت بکر کے قبضہ میں دیدیا گیا اور بکر پر ابھی چوتھائی رقم باقی ہے۔ تو اب صورت یہ کی گئی کہ اس فروخت شدہ اراضی سے ڈھائی ایکڑ اراضی علیحدہ تصور کر کے آٹھ سو روپیہ لگان سے اسی کو دیدیتے ہیں، اب بکر سیزن پر باقی ماندہ رقم کے علاوہ اور آٹھ سو روپیہ لگان کے دے گا۔ تو یہ آٹھ سو روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ بیع کل اراضی کی ایک معاملہ سے ہوئی اور سب مبیع قرار دی گئی ہے، پھر کچھ مخصوص قطعہ کو غیر مبیع اور ملکِ بائع قرار دے کر تجویز کر کے مشتری کو- جو سب زمین کا بذریعۂ بیع مالک ہو چکا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

"عن رافع بن خديج رضي الله تعالیٰ عنه قال: قيل: يا رسول الله ! أیّ الكسب أطيب؟ قال: "عمل الرجل بيده، وكل بيع مبرور". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۲، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثالث، قديمی)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم باع حلساً وقدحاً". الحديث. (جامع الترمذی، : ۱/ ۲۳۱، أبواب البيوع، باب ماجاء في بيع من يزيد، سعيد)

ہے- لگان پر دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ نکلا کہ اب مشتری اپنی ہی ملک کا لگان بائع کو دے گا، اب بائع باقی ماندہ چوتھائی قیمت سے زائد لینے کا حقدار نہیں (۱)۔ مشتری کو لازم ہے کہ وہ باقی ماندہ قیمت جلد از جلد ادا کردے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۸/۱۶ھ۔

۵/کلو شکر کے لئے ۲۵/کلو کی درخواست دینا

سوال [۷۸۵۱]: چینی کی اگر ۵/کلو کی ضرورت ہو تو درخواست ۲۵/کلو کی دینی پڑتی ہے، تب کہیں ۵/کلو مل پاتی ہے، اگر ۵/کلو کی درخواست دیں تو بمشکل ایک کلو ہی مل پائے گی جس سے ضرورت پوری نہیں ہوگی۔ تو مذکورہ بالا صورت کذب میں تو داخل نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں ۵/کلو کا عنوان ۲۵/کلو ہے اور حکومت کی نظر میں بھی اس کا معنون ۵/کلو ہی ہے، تو عنوان اور معنون کا یہ فرق گویا حکومت کی طرف سے تجویز کر دیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۱۱ھ۔



(۱) جتنی قیمت پر بیع ہوئی ہے اتنی ہی قیمت لینے کا بائع حقدار ہے اور باقی ماندہ رقم کے علاوہ لگان کے نام سے مزید رقم مشتری سے لینا سود ہے، کیونکہ یہ مشتری ہے، اس کے ذمہ باقی ماندہ قرض رقم کا نفع لینا ہے، اور قرض پر نفع لینا صریح سود ہے:

"کل قرض جرّ منفعةً فهو ربا". (فیض القدیر: ۴۴۸۷/۹، (رقم الحدیث: ۶۳۳۶)، مکتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۹۸/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فقه السنة، القرض: ۱۴۷/۳، ۱۴۸، دارالكتب العربی بيروت)

باب بیع الحقوق المجرّدة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

گڈول کی شرعی حیثیت

سوال [۷۸۵۲]: ایک کتابوں کی دوکان ہے جس کا نام رحمانیہ لائبریری ہے، دور دراز کے مقامات سے کتابوں کے آرڈر آتے ہیں۔ اس دوکان رحمانیہ لائبریری کے دو بھائی مالک ہیں، یہ رحمانیہ لائبریری دونوں بھائیوں کے باپ نے قائم کی تھی۔ اب یہ دوکان آپس میں تقسیم کرنی ہے، مال یعنی کتابیں شریعتِ اسلامیہ کے قانون کے مطابق تقسیم کرلی جائیں گی، لیکن نام کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس لئے جناب والا سے دریافت یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں گڈول یعنی نام کی کیا حیثیت ہے؟ دنیاوی قانون کے اعتبار سے نام بھی جائیداد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی قیمت مثل جائیداد کے ہوتی ہے، لہذا مطلع فرمایا جائے کہ نام رحمانیہ لائبریری کی قیمت بھی شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گڈول یعنی ''نام'' درحقیقت مال نہیں (۱)، بلکہ بمنزلۂ حیثیتِ عرفیہ کی ہے جس کی کوئی قیمت نہیں، قانون نے اس کو جو کچھ حیثیت دی ہے، وہ شریعت کی رو سے فتویٰ لے کر نہیں دی ہے، اس لئے یہ باہمی رضامندی سے معاملہ طے کرلیا جائے (۲)۔ جو بھائی حکمِ شرع کی قدر کرتے ہوئے عمل کرے گا، انشاء اللہ

---

(۱) ''المال مایمیل إلیه طبع الإنسان، ویمکن ادّخاره إلی وقت الحاجة، منقولاً کان أوغیر منقول''.

(شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۱/۷۱، (رقم المادة: ۱۲۶)

(۲) لیکن اگر ایک بھائی دست برداری کے طور پر اپنے حصے کا عوض لینا چاہئے تو یہ جائز ہے:

''ولا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة، وعلی هذا لایجوز الاعتیاض عن الوظائف بالأوقاف. وفیها فی آخر بحث تعارض العرف مع اللغة: المذهب عدم اعتبار العرف الخاص، =

نقصان میں نہیں رہے گا، ایثار سے کام لینا دنیا وآخرت میں بہت زیادہ عزت ومنفعت کا ذریعہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۱۴۰۱ھ۔

ٹیکسی کے پرمٹ کی بیع اوراس کی شرکت

سوال[۷۸۵۳]: ۱...... مسمی ''الف''، بمبئی میں ایک ٹیکسی کا پرمٹ رکھتا ہے۔ اس پرمٹ پر جو گاڑی پرانی ہوچکی تھی اس کے عوض حکومت کی طرف سے نئی گاڑی حاصل کرنے کے لئے اجازت نامہ ملا ہے، یہ اجازت نامہ چونکہ محدود ہوتا ہے، اس لئے اس کی مدت ختم ہوجانے کی صورت میں دوبارہ ملنے کا امکان نہیں ہے۔ اس اجازت نامہ کی بدولت ایک نئی کار کمپنی سے خریدی جائے تو مبلغ اٹھارہ ہزار پانچ سو روپیہ ہوتی ہے۔ اس کار کو خریدنے کے لئے میں استطاعت نہیں رکھتا، اس لئے مسمی ''ب'' سے میں حصہ داری کرنا چاہتا ہوں جو کہ اس موٹر پر اپنی رقم مکمل خرچ کرے گا اور یہ رقم وصول ہوجانے کے بعد ہی حصہ داری شروع ہوگی، اور یہ حصہ داری ابھی طے نہیں ہوتی ہے، نصف نصف یا کم وبیش ہوگی۔

حکومت پرمٹ اس صورت میں دیتی ہے کہ ''الف'' ہی ٹیکسی کا کاروبار کرے، کسی حصہ داری کی اجازت نہیں، ویسے بمبئی میں زیادہ تر ٹیکسی کا کاروبار حصہ داروں کی صورت میں ہوتا ہے اور حکومت اس سے واقف بھی ہوتی ہے۔ آپ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ ''الف'' کو حصہ داری کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۲...... حکومت کی طرف سے جو ٹیکسی کا پرمٹ ملتا ہے، اب سے پہلے اس کو لوگ ماہانہ کچھ رقم پر تین چار

= لكن أفتى كثير باعتباره، وعليه فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمال". (الدر المختار: ۵۱۹/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱۲۱/۱، (رقم المادة: ۲۱۶)، حقانيه پشاور)

''اپنے کاروبار کا کوئی نام رکھنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے، جس کو آج کل اصطلاح میں ''گڈول'' کہتے ہیں، لیکن اگر ایک شخص نے اپنے کاروبار کا نام ''عطرستان یا گلشن ادب'' رکھ لیا، اور اس سے اس کا تجارتی مفاد وابستہ ہوگیا تو دوسرے شخص کو وہ نام رکھنے کا حق نہیں رہا، اور جب کہ ایک خاص نام کے ساتھ مستقبل میں تحصیلِ مال اور تجارتی منفعت مقصود ہے تو گڈول کا معاوضہ لینا جائز ہے''۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب المعاملات، حقِ تصنیف سے متعلق سوال وجواب: ۳۱۷/۲، مکتبہ رحمانیہ)

سال کے لئے لیتے تھے، مگر چونکہ اب پرمٹ عام طور سے دستیاب ہوتا ہے، اس کی مانگ نہیں رہی، مگر چونکہ مجھے نئی گاڑی کا اجازت نامہ ملا ہے اور میں خود گاڑی رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا، کچھ لوگ میرے پرمٹ کو ماہانہ ۴۵/ روپے اور دو ہزار روپے سے الگ دے کر نئی گاڑی کی زندگی تک جو کہ ۶، ۷/ سال تک رہتی ہے، اس مدت کی رقم یکمشت دینا چاہتے ہیں۔ اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ بغیر ماہانہ کے صرف یکمشت ہی رقم دینا چاہتے ہیں جو کہ مبلغ چار ہزار روپے سے زائد نہیں ہوتی۔ تو کیا رقم لینا بھی ''الف'' کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

۳...... ''ب'' مجھ سے گاڑی میں حصہ داری کرنا چاہتے ہیں، اور وہ ایک شرط یوں بھی رکھتے ہیں کہ چونکہ ٹیکسی کا ڈرائیور عموماً کم دستیاب ہوتے ہیں، اس لئے گاڑی تمام دن یا اس کے کچھ حصے میں ''الف'' کو چلانی پڑے گی، بمبئی میں ٹیکسی ڈرائیور خواہ وہ ٹیکسی کا مالک ہو یا نہ ہو، ٹیکسی چلانے کی اجرت بطورِ کمیشن ۲۰/ فیصد طعام کے خرچ کے بعد لیتا ہے۔ تو اس طرح کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

۴...... ایک شرط یوں بھی ہوتی ہے کہ اجرت کے بجائے کچھ رقم طے کر لی جائے جو کہ گذارہ کے لئے کام آسکے۔ تو یہ رقم لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حصہ داری گاڑی کی قیمت وصول ہونے کے بعد ہی شروع ہوگئی۔

۵...... ایک شرط یوں بھی ہوتی ہے کہ دو چار گھنٹہ چلا کر اور اس وقت کی تمام آمدنی ''الف'' اپنے استعمال میں لے لے۔ تو یہ رقم لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اگر ''الف'' حصہ داری نہ کرے تو لامحالہ دوسروں کی گاڑی چلانی پڑے گی جو کہ کمیشن کی صورت میں ہوگی۔ اور الف چونکہ بنسبت دوسرے ڈرائیوروں کے روزگار میں کمتر رہتا ہے، اس لئے عموماً دوسرے کی گاڑی کم ملتی ہے، اور ملتی بھی ہے تو اس صورت میں کہ ڈرائیور نہ ہونے کے باعث گاڑی پڑی ہو تو بادل نخواستہ اس کو دیں گے۔ تو یہ کمیشن پر چلانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ''الف'' اگر ''ب'' سے =/۱۸۵۰۰/ روپے قرض لیکر کمپنی سے گاڑی خرید لے، پھر اس کی آمدنی سے ادا کر دے تو قرض ختم ہو جائے گا، پھر حصہ داری کرے، اس طرح کہ مثلاً نصف قیمت ''ب'' سے لے لے

اورگاڑی دونوں کی شرکت ہوکرآمدنی بھی نصف نصف ''ب'' کی رہے(۱) اوراس سے حصہ داری ہوجائے۔

اورآمدنی نصف نصف ہوکر''الف'' اپنے حصہ آمدنی میں سے''ب'' کا قرض بھی ادا کرتا رہے، چونکہ کل قیمت ''ب'' نے دی ہے جس میں سے نصف ''الف'' کے ذمہ بطورِقرض ہے، تو یہ بھی درست ہے۔قانون بھی غالباً اس طرح نہیں ہوگا۔

۲...... پرمٹ ایک حق ہے جس کے ذریعہ گاڑی خریدنے کا اختیار ہے، اس کے عوض روپیہ لینا درست نہیں(۲)۔

۳،۴...... میں شریک حصہ دار نہیں، اس وقت گاڑی چلانے کی اجرت مقررہ (۸یا۱۰) روزانہ یاماہانہ لینا شرعاً درست ہے(۳)۔

۵...... یہ صورت درست نہیں(۴)۔

---

(۱) "والحيلة في ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذلك الرجل ونصف الدجاجة ونصف بذر الفليق بثمن معلوم حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركةً بينهما، فيكون الحادث منها على الشركة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۵/۲، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه: ۶۷۱/۵، الشركة بالأعمال، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "وشرط المعقود عليه .... كونه موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

"وفي الأشباه : لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة". (الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب: لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة: ۵۱۸/۵، سعيد)

(۳) "وهي (أي الإجارة) بيع منفعة معلومة بعوض معلوم .... والمنفعة تعلم تارةً ببيان المدة كالسكنى والزراعة، فتصح مدةً معلومةً أيّ مدة كانت". (مجمع الأنهر: ۵۱۱/۳، ۵۱۳، كتاب الإجارة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۶، ۵، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها، الخ، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۹/۴، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۴) "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أي بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو =

۶...... کمیشن پر اجرت لینا درست نہیں (۱)، روزانہ یا ماہانہ یا گھنٹوں کے اعتبار سے مقرر کی جائے (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کتابوں کا حقِ طباعت بیچنا

سوال [۷۸۵۴]: بعض لوگ کتابوں کی رائلٹی وصول کرتے ہیں کہ میری کتاب اگر ایک ہزار کی تعداد میں چھپی ہو تو مجھے مبلغ ایک سو روپے، اور دو ہزار کی تعداد میں اگر چھپی ہو تو دو سو روپے دو۔ یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

ظہیر الاسلام بنی گنج ہردوئی۔

= ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجر بجزءٍ من عمله". (ردالمحتار: ۵۷/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وفسدت استيجار حائك لينسج له غزلاً ببعضه، أو حماراً ليحمل عليه طعاماً بقفيز منه، أو ثوراً ليطحن له براً بقفيز من دقيقه". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۵۳۹/۳، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق: ۴۱/۸، كتاب الإجارة، باب الاجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۰۳/۳، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "ويفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۷/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"يفسد الإجارة بشرط .... الفساد قديكون لجهالة قدر العمل بأن لايعين محل العمل، وقد يكون لجهالة قدر المنفعة بأن لايبيّن المدة، وقد يكون لجهالة البدل والمبدل". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲۹/۸، رشيديه)

(۲) "ويشترط أن تكون الأجرة معلومةً، سواء كانت من المثليات أومن القيميات أو كانت منفعةً أخرى؛ لأن جهالتها تُفضِي إلى المنازعة، فيفسد العقد". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۵۴، (رقم المادة: ۴۵۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرا شخص اگر کتاب چھاپے تو اس سے یہ روپیہ لینا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

حقِ طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا

سوال[۷۸۵۵]: اپنی کسی تالیف وتصنیف کا حقِ اشاعت محفوظ کرانا اور دوسروں کو اس کی اشاعت سے روکنا کیسا ہے؟ حق محفوظ کرانے سے جہاں مالی مفاد ملحوظ ہوتا ہے، وہاں یہ بات بھی پیشِ نظر ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ کتاب کی طباعت واشاعت میں صحت وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتے اور بعض لوگ تو کتر بیونت کرکے اصل کتاب ہی کو ناقص شکل میں چھپا لیتے ہیں۔ نیز بعض حضرات حقِ اشاعت کے محفوظ کرنے کے سلسلہ میں یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ہم نے تو اس حبسِ وقت کی قیمت کے طور پر یہ حق محفوظ کرایا ہے، جو اس تصنیف کی صورت میں ہوا ہے۔ یہ توجیہ قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مصنف کوئی تصنیف کرتا ہے تو وہ اس کا مالک ہے جس قدر اس میں محنت کی دردسری، دلسوزی، وعرق ریزی سے جو مسودہ بنایا جاتا ہے، اس کو پورا حق ہے کہ جس قدر قیمت میں معاملہ ہوسکتا ہو، اس قیمت پر فروخت کرے، چند اوراق کی قیمت ہزاروں یا لاکھوں روپے قیمت ہوسکتی ہے۔ بغیر قیمت کے کسی کو نہ دے نہ نقل کی اجازت دے۔ لیکن جب اس کی کتاب چھپ کر بازار میں آگئی اور کسی شخص نے قیمت دیکر خریدی تو اس خریدی ہوئی کتاب سے نفع حاصل کرنے کا مشتری کو پورا اختیار ہے، کیوں کہ وہ اس کا مالک ہے، وہ اپنی ملک کو محفوظ کرکے بھی رکھ سکتا ہے، فروخت بھی کرسکتا ہے، مستعار بھی دے سکتا ہے، نقلیں بھی کراسکتا ہے، چھپوا بھی سکتا ہے، پھر چھپوا کر قیمت پر فروخت بھی کرسکتا ہے، مستعار بھی دے سکتا ہے، بلکہ مفت تقسیم بھی کرسکتا ہے۔ اور اس میں مصنف کو ثواب پہونچانے کی نیت کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ مصنف کو حق نہیں پہونچتا ہے کہ مشتری جو کہ مالک

---

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "حقِ طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا")

ہے اس کو اس کی مملوکہ شئ میں تصرفات سے روکے(۱)۔

البتہ اصل کتاب میں کتر بیونت کرنا جس سے اصل مضمون خبط ہوجائے یا مقصودِ مصنف کے خلاف ہوجائے، یہ کتاب کے ساتھ خیانت ہے، اوراس ترمیم شدہ چیز کو اصل مصنف کی طرف منسوب کرنا افتراء وخداع ہے، اس کی اجازت نہیں، یہ شرعاً بھی ناجائز ہے اور اخلاقاً وعرفاً بھی مذموم وشنیع ہے۔ ھذا عندی، دل چاہے تو دیگر علماء سے بھی تحقیق فرمالیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۰ھ۔

حقوقِ طبعِ تصانیف کی بیع

سوال[۷۸۵۶]: بہت سے مصنفین ومولفین خود اپنی تصنیف کو، یا پھر وہ کسی ادارہ کو اپنی تصنیف فروخت کردیتے ہیں تو وہ ادارہ حکومت سے قانونی طور پر اس کے جملہ حقوق اپنے لئے محفوظ کرالیتا ہے، تاکہ

---

(۱) صحیح یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب کے حقِ تصنیف کو محفوظ کرسکتا ہے کوئی اور چھوا نہیں سکتا ہے:

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "من عمّر أرضاً ليست لأحد، فهو أحق". (جامع الأصول، الكتاب السادس فى إحياء الموات، (رقم الحديث: ۱۳۰): ۱/۳۴۷، دارالفكر بيروت)

"عن أسمر بن مضرس رضى الله تعالى عنه قال: أتيت النبى صلى الله عليه وسلم: "من سبق إلى مالم يسبقه مسلم، فهو له". (سنن أبى داود: ۲/۸۱، كتاب الخراج، إمداديه ملتان)

"وإن كان العلامة المناوى رحمه الله تعالىٰ رجّح أن هذاالحديث وارد فى سياق إحياء الموات، ولكنه نقل عن بعض العلماء أنه يشمل كل عين وبئر ومعدن، ومن سبق لشئ منها، فهى له، ولاشك أن العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب". (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة، حق الابتكار وحق الطباعة، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، دارالعلوم كراچى)

"والمؤلف قد بذل جهداً كبيراً فى إعداد مؤلفه، فيكون أحق الناس به، سواء فيما يمثل الجانب المادّى وهو الفائدة المادية التى يستفيدها من علمه، أو الجانب المعنوى وهو نسبة العمل إليه". (الفقه الإسلامى وأدلته: ۴/۲۸۶۱، القسم الثانى: النظريات الفقهية، المبحث الرابع: أحكام الحق، حق التأليف والنشر والتوزيع، رشيديه)

دوسرے شخص کے لئے اس کی طباعت کی قانونی طور پر گنجائش نہ رہے۔ اور رجسٹری کرانے کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی سے منتفع ہوتے رہیں، چنانچہ شیخ الہند کا ترجمۂ کلام پاک، تعلیم الاسلام از حضرت مفتی صاحب، دینی تعلیم کے رسالے از الجمعیۃ بکڈپو وغیرہ کئی مثالیں ایسی ہیں کہ جن کے حقوقِ طبع محفوظ ہیں اور جن کی طباعت بلا اجازت قانونی جرم ہے۔ سرکاری قانون سے قطع نظر شرعی نقطۂ نظر سے اس سلسلہ میں چند امور دریافت طلب ہیں:

۱......اس طرح بذریعۂ رجسٹری کسی کتاب کے حقوق اپنے لئے محفوظ کرالینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲......ایسی تصنیف کہ جس کے حقوقِ طبع محفوظ ہیں اور جس نے محفوظ کر رکھے ہیں، اس کے پاس سے مناسب قیمت پر جس وقت جس قدر بھی مطلوب ہو، دستیاب ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں دوسرے کے لئے بلا استصواب واستفسار کے یا استصواب واستفسار پر انکار اور منع کردینے کی شکل میں طبع کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۳......اپنی رجسٹری شدہ یا غیر رجسٹری شدہ کسی تصنیف کے حقوقِ طبع کسی فرد، یا ادارہ کے ہاتھ فروخت کردینا، یا اس کے معاوضہ میں رقم وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۴......مذکورہ بالا امور کے سلسلہ میں مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا رائے تھی؟ اگر آں محترم کے علم میں ہو تو براہ کرم اس سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ رشیدیہ کامل مطبوعہ کراچی، ص: ۱۷۷، میں ہے:

سوال: ''حقِ تصنیفِ کتب کا ہبہ یا بیع یا ممنوع کرنا جائز ہے یا نہیں؟''

جواب: ''حقِ تصنیف کوئی مال نہیں، جس کا ہبہ یا بیع ہوسکے، لہٰذا یہ باطل ہے: "ولا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة". أشباه'' (۱)۔

لہٰذا:

(۱) (الأشباه والنظائر، ص: ۲۴۹، کتاب البیوع، الفن الثاني، دار الفکر بیروت)

۱...... یہ بے اثر ہے(۱)۔

۲...... اجازت ہے۔

۳...... درست نہیں (۲)۔

---

(۱) لیکن صحیح یہ ہے کہ مصنف کو حقوقِ طبع محفوظ کرنے کا حق حاصل ہے کسی کو بغیر اجازت کے طبع کرانا جائز نہیں، کما تقدم ،فليراجع، ص: ۱۸۴، رقم الحاشية: ۱)

(۲) لیکن علماء نے حقوق طبع کے فروخت کرنے کی اجازت دی ہے:

"لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة، وعلى هذالايجوز الاعتياض عن الوظائف بالأوقاف. وفيها فی آخر بحث تعارض العرف مع اللغة: المذهب عدم اعتبار العرف الخاص، لكن أفتى كثيرٌ باعتباره، وعليه فيفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال". (الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب: لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة: ۴/۵۱۸، سعيد)

"ومقتضى ذلک أن يجوز النزول عن حق الابتكار أو حق الطباعة لرجل آخر بعوضٍ يأخذه النازل، لكن هذا إنما يتأتى فی أصل حق الابتكار وحق الطباعة، أما إذا قرن هذا الحق بالتسجيل الحكومی الذی يبذله المبتكر من أجله جهده وماله ووقته، والذی يعطی هذاالحق مكانة قانونية تمثلها شهادة مكتوبة بيد المبتكر وفی دفاتر الحكومة، وصارت تعتبر فی عرف التّجار مالاً متقوماً، فلايبعد أن يصير هذا الحق المسجّل ملحقاً بالأعيان والأموال بحكم هذا العرف السائر، وقد أسلفنا أن للعرف مجالاً فی إدراج بعض الأشياء فی حكم الأموال والأعيان؛ لأن المالية -كماحكينا عن ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ- تثبت بتمول الناس، وأن هذا الحق بعد التسجيل يحرز إحراز الأعيان ويُدّخر لوقت الحاجة إدخار الأموال". (بحوث فی قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة، حق الابتكار وحق الطباعة، ص: ۱۲۲، دارالعلوم كراچی)

"والقول بجواز الاعتياض عن حق المؤلف بالمال لايتعارض مع نص، إنما يتعارض مع القياس، والقياس يترک بالعرف العام باتفاق العلماء. هذا إذا سلمنا أن حق المؤلف عن الحقوق المجردة، وهذا غير مسلّم إنما المسلّم والمقرر أنه من القسم الثانی من الحقوق التی تثبت لأصحابها ابتداءً، فلايكون القول بجواز الاعتياض بالمال متعارضاً مع نص ولا مع قياس". (حق الابتكار فی الفقه الإسلامی المقارن، ص: ۱۸۰، مؤسسة الرسالة، بيروت) .... =

۴...... مجھے علم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔



= (وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۱۲۱، (رقم المادة: ۲۱۶)

مفتی نظام الدین اعظمی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ''اب رہا یہ سوال کہ حقِ طباعت کا معاوضہ لینا مصنف کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ حقوق مجردہ میں سے وہ جن میں کوئی مالی منفعت نہیں پائی جاتی، یا وہ تحصیلِ مال کا ذریعہ نہیں بن سکتے بلکہ محض دفعِ ضرر کے لئے اثباتِ حق ہوتا ہے، مثلاً: حقِ شفعہ سُوئے جوار سے مامون رہنے کے لئے یہ حق دیا گیا ہے، بے شک ایسے حقوق کا مالی معاوضہ لینا جائز نہیں، لیکن بعض حقوق ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ صاحبِ حق کی مالی منفعت حال یا مستقبل میں متعلق ہوتی ہے، مثلاً: حقِ وظائف یعنی شاہی مناصب، تو ان کا معاوضہ مال کی صورت میں لینا، یا مال کے معاوضہ میں حق سے دست بردار ہونا جائز ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حقِ خلافت سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دست برداری دے کر معاوضہ قبول فرمایا تھا۔ [الأشباه والنظائر للحموي وشامي في غاية الأوطار]. اسی طرح کتاب کا حقِ طباعت جب کہ اس کے ساتھ مصنف کی مالی منفعت حال یا مستقبل میں متعلق ہے وہ حق بالاصالۃ ہے اور مصنف اس حق کو معاوضہ لے کر منتقل بھی کر سکتا ہے''۔ (نظام الفتاوى: ۲/۳۱۴، کتاب المعاملات)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ''ولا يخفى أن صاحب الوظيفة ثبت له الحق فيه بتقرير القاضي على وجه الأصالة لا على وجه رفع الضرر، فإلحاقها بحق الموصى له بالخدمة، وحق القصاص ومابعده أولى من إلحاقها بحق الشفعة والقسم. وهذا كلام وجيه لايخفى على نبيه، وبه اندفع ماذكره بعض محشي الأشباه من أن المال الذي يأخذه النازل عن الوظيفة رشوة، وهي حرام بالنص، والعرف لايعارض النص. وجه الدفع ماعلمت من أنه صلح عن حق كما في نظائره، والرشوة لاتكون بحق. واستدل بعضهم للجواز بنزول سيدنا الحسن ابن سيدنا علي رضي الله تعالىٰ عنهما عن الخلافة لمعاوية رضي الله تعالىٰ عنه على عوض، وهو ظاهر أيضاً. وهذا أولىٰ مما قدمناه في الوقف عن الخيرية من عدم الجواز ومن أن للمفروغ له الرجوع بالبدل، بناء على أن المذهب عدم اعتبار العرف الخاص والجواز ومن أن للمفروغ له الرجوع بالبدل، بناء على أن المذهب عدم اعتبار العرف الخاص ....

ورأيت بخط بعض العلماء عن المفتي أبي السعود أنه أفتى بجواز أخذ العوض في حق القرار والتصرف، وعدم صحة الرجوع وبالجملة، فالمسألة ظنية والنظائر المتشابهة للبحث فيها مجال، وإن كان الأظهر فيها ماقلنا، فالأولىٰ ماقاله في البحر من أنه ينبغي الإبراء العام بعده. والله سبحانه تعالىٰ أعلم''.

(ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في العرف الخاص والعام: ۴/۵۲۰، سعيد)

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

شیئرز کی بیع اوراس کی زکوٰۃ

سوال[۷۸۵۷]: ۱...... ہمارے یہاں شیئرز کی ایک کمپنی ہے، اس کے اس شیئرز کی قیمت مثلاً دس روپیہ ہے تو زید نے دس شیئرز خریدے، وہ کمپنی منافع کچھ نہیں دیتی، مگر جب اس کو بیچتے ہیں تو اگر کمپنی کو نفع ہوتا ہے تو وہ نفع دیتی ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو نقصان کے ساتھ اصل روپیہ کو واپس کرتی ہے۔ تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جب وہ روپیہ مل جاوے گا تو زمانۂ ماضی کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ملنے سے قبل اس کی زکوٰۃ ادا کرے تو نفع کے حساب سے یا نقصان کے حساب سے ادا کریں؟

۲...... یہ کمپنی دوسری کمپنی کو روپیہ دیتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ سود پر ہی دیتی ہوگی اور کمپنی ہمیں سود میں سے دیتی ہوگی۔ تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جب نقصان کا خطرہ ہو تو اپنے شیئرز کو بیچ کر اپنی اصل قیمت لے لینا صحیح ہے یا نہیں؟

۳...... چھ ہزار روپیہ کا شیئرز رکھا تو اس میں سے پانچ سو روپیہ کمیشن ایجنٹ کٹ جاتا ہے۔ تو اب ہمیں ساڑھے پانچ ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، یا چھ ہزار کی؟ جبکہ ۵۰۰/ روپیہ ایجنٹ خود رکھ لیتا ہے، اسے بینک میں جمع ہی نہیں کرتا، تو اب بینک سے چھ ہزار روپے ملنے کا انتظار کر کے روپیوں کو روکے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

۴...... زید کی پوری آمدنی سودی ہے تو اس کے ساتھ تعلق رکھنا، اس کے گھر پر فیس ادا کر کے کھانا کھانا کیسا ہے؟ اور اگر بعض آمدنی سود کی ہے اور بعض حلال طریقہ کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی غیر مسلم دوست ہو اور اس کا کاروبار سود کا ہو، اس کے گھر کا کھانا کیسا ہے؟ اور غیر مسلم کے ساتھ تعلق رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر کوئی کمپنی تجارت کرتی ہے اور اسی مقصد کے لئے دس دس روپیہ کا لوگوں کو شریک بناتی ہے اور روپیہ کے مقدار کے اعتبار سے ہی نفع ونقصان کی تعیین کرتی ہے تو یہ صورت جائز ہے (۱) بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو، شراب وغیرہ کی تجارت نہ ہو (۲)۔

---

(۱) "أما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة، وهي أن تشترك اثنان في نوع بر أو طعام، أو يشتركان في عموم التجارات". (الهداية: ۲/۶۲۹، كتاب الشركة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وأما عنان .... إن تضمنت وكالة .... فتصح من أهل التوكيل وإن لم يكن أهلاً للكفالة". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴/۳۱۱، كتاب الشركة، سعيد)

"أما شركة العنان، فهي أن يشترك اثنان في نوع من التجارات برّ أو طعام، أو يشتركان في عموم التجارات، ولا يذكرانِ الكفالة خاصةً، وصورتها أن يشترك اثنان في نوع خاص من التجارات، أو يشتركان في عموم التجارات". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۱۹، الباب الثالث في شركة العنان، رشيديه)

(وكذا في امداد الفتاوى، كتاب الشركة، القصص السني في حكم حصص كمپني: ۳/۴۹۴، دارالعلوم كراچی)

(۲) "أن يكون التصرف مباحاً شرعاً، فلا يجوز التوكيل في فعل محرم شرعاً كالغصب، أو الاعتداد على الغير". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب الوكالة، شروط الوكالة: ۴/۱۵۴، حقانيه پشاور)

"إذا دفع المسلم إلى النصراني مالاً مضاربةً بالنصف، فهو جائز، إلا أنه مكروه، فإن اتّجر في الخمر والخنزير فربح، جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الثاني والعشرون في المضاربة بين أهل الإسلام وأهل الكفر: ۴/۳۳۳، رشيديه)

"لأن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى الموكل، فصار كأنه باشره بنفسه، فلا يجوز". (الهداية: ۳/۵۹، باب البيع الفاسد، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب المضاربة، باب مضاربة أهل الكفر: ۲۲/۱۰۹، مكتبه حبيبيه، كوئٹه)

ہر شخص کو اپنے اپنے رأس المال کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، نفع اگر ہر سال ملتا ہے تو اس کو بھی اصل ہی میں محسوب کرلیا جاوے(۱)۔ اگر نفع ہر سال نہیں ملتا ہے، بلکہ معاملہ ختم ہونے پر اصل مال مع نفع کے ملتا ہے تب بھی اصل مال کی زکوٰۃ دے تو (سالانہ ادا کرنے کی بناپر) بری الذمہ ہوجاوے گا، صرف نفع کی زکوٰۃ باقی رہ جاوے گی، وہ بھی ادا کردی جاوے، اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تب بھی براءت میں تو شبہ ہی نہیں (۲)۔

۲...... اگر کمپنی کا کاروبار سود پر ہی چلتا ہے، خود مستقل تجارت نہیں کرتا ہے تو اس کی شرکت ہی ناجائز ہے (۳)، اپنا روپیہ واپس لے لیا جاوے، اگر وہ کچھ نفع دے تو واپس کردیا جائے (۴)۔

۳...... جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی رقم ساڑھے پانچ ہزار رہ گئی تو زکوٰۃ بھی اتنے ہی روپے

---

(۱) "(والمستفاد) ولو بهبة أو إرث (وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه) فيزكيه بحول الأصل".
(الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۹۹، سعيد)

"(قوله: وإن هلك): أى بعض النصاب، سقط حظه: أى حظ الهالك: أى سقط من الواجب فيه بقدر ماهلك". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۸۳، سعيد)

(۲) "(و) لا في (هالك بعد وجوبها) ومنع الساعي في الأصح .... وإن هلك بعضه، سقط حقه". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولا في هالك): أى لاتجب الزكاة في نصاب هالك بعد الوجوب: أى بعد مضى الحول بل تسقط، وإن طلبها الساعي منه، فامتنع حتى هلك النصاب على الصحيح .... (قوله: وإن هلك بعضه): أى بعض النصاب سقط حظه: أى الهالك: أى سقط من الوجوب فيه بقدر ماهلك منه". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۸۳، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقى من الربوا إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ (سورة البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹)

(۴) "والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

کی ہوگی (۱)۔ اگر وہاں صرف سود پر رقم دی جاتی ہے تو اس میں شرکت ہی درست نہیں، جلد از جلد روپیہ نکال لیا جاوے (۲)۔

۴...... جب متعین طور پر معلوم ہو کہ یہ سود کی آمدنی کھاتا ہے تو فیس ادا کرکے، یا بغیر ادا کئے ہوئے کھانا درست نہیں، مسلم ہو یا غیر مسلم، سب کا حکم ایک ہے، اگر مخلوط آمدنی ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سودی کمپنی کے حصص خریدنا

سوال [۷۸۵۸]: موجودہ دور میں محفوظ سرمایہ مثلاً زرعی جائیداد و مکانات وغیرہ سب خطرہ میں ہے، کیونکہ جو قابض ہو جاتا ہے وہ چھوڑتا نہیں۔ اس لئے محفوظ سرمایہ کے لئے کمپنی کے حصص خریدنا کیسا ہے، جب کہ آج کل علماء نے بیمہ کی حالتِ موجودہ میں اجازت دے دی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب دشواریاں بڑے سرمایہ کے لئے ہیں جس کے ذریعہ منڈی میں اپنی خاص اونچی حیثیت قائم کرنا

---

(۱) "(قوله: ولا في هالك، الخ): أي لاتجب الزكوة في نصاب هالك بعد الوجوب: أي بعد مضي الحول بل تسقط .... (قوله: وإن هلك): أي بعض النصاب، سقط حظه: أي حظ الهالك: أي سقط من الواجب فيه بقدر ما هلك". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۸۳، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثتُه أو استقرضتُه من رجل". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۲، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

"إذا كان غالب مال المهدي حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام. وإن كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل". (الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، القاعدة الثانية إذ اجتمع الحلال والحرام، إدارة القرآن كراچي)

اور نام پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے، اپنی گذر اوقات اور نفقاتِ واجبہ ادا کرنے کے لئے نہ اتنے سرمایہ کی ضرورت ہے نہ اس میں دشواریاں ہیں، لہٰذا غیر ضروری سرمایہ فراہم کرنے کے لئے ممنوعاتِ شرعیہ کا ارتکاب وبال ہی وبال ہے، خواہ سودی کمپنی کے حصص ہوں یا کوئی اَور صورت (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/محرم الحرام/۶۳ھ۔

---

(۱) ایسی کمپنیوں کے حصص خرید کر سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے اس بات کا خیال رہے کہ اگر یہ کمپنیاں سودی لین دین سے کمپنیاں چلاتی ہوں تو ان کے حصص خریدنا ناجائز ہے، اور اگر سودی کاروبار نہیں کرتیں تو چند شرائط سے ان کے حصص خریدنے کی گنجائش ہے:

۱- کمپنی حلال کاروبار کرے حرام نہ ہو، مثلاً وہ سودی بینک نہ ہو، سود وقمار پر مبنی انشورنس کمپنی نہ ہو، شراب یا اس کے علاوہ اور کوئی حرام کام کرنے والی کمپنی نہ ہو۔

۲- کمپنی کے کچھ منجمد اثاثے ہیں، مثلاً: بلڈنگ، زمین، مشین وغیرہ، رقم صرف نقدی شکل میں نہ ہو اور یہ شرط دراصل اپنے حصص کو دوسرے پر فروخت کرنے کے لئے ہے، کیونکہ رقم جب نقد ہو اور اس سے منجمد اثاثے نہیں خریدے گئے تو اس نقد رقم کو دوسرے پر کم یا زیادہ قیمت پر فروخت کرنا سود ہے جو حرام ہے۔

۳- کمپنی اگر سود کا لین دین کرتی ہو تو سالانہ میٹنگ میں سود کے خلاف آواز اٹھائی جائے، کیونکہ یہ ہر مسلمان کا بنیادی فرض ہے کہ وہ اپنی اقتصادی زندگی کے ہر دائرے اور معاشی زندگی کے ہر پہلو سے سود کے لین دین کو ہر صورت میں بیخ وبن سے اکھاڑے اور اس کے خلاف مجمع میں آواز اٹھائی جائے۔

۴- جب سود کے خلاف آواز اٹھانا کارآمد نہ ہو تو اس شخص کو منافع تقسیم ہوتے وقت جو نفع سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے اس کو بغیر نیتِ ثواب کسی مستحق زکوۃ کو دیا جائے۔ ملخصاً۔ (فقہی مقالات، شیئرز کی خرید وفروخت: ۱/۱۴۴-۱۵۱، میمن اسلامک پبلشرز)

قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرّم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹) .... =

نیلام کے ذریعے خرید وفروخت

سوال[۷۸۵۹]: سوتی گنج میرٹھ میں ایک چھوٹی سی کباڑی مارکیٹ ہے جس میں موٹروں کے پرزے نیلام ہوتے ہیں۔ اب ان کی یونین بن گئی ہے، کیونکہ پہلے لوگ مال ادھار لے جاتے تھے اور پیسہ نہیں دیتے تھے، اس سے چھوٹے تاجر بہت پریشان ہوتے تھے، اب یونین بنائی گئی ہے جس کے دوسوممبران ہیں جو پانچ پانچ روپیہ ماہوار دیتے ہیں۔ اس طرح جو روپیہ جمع ہوتا ہے اس سے یونین فروخت کنندہ کے مال کو آڑھت کے طریقہ پر نیلام کرتی ہے اور قیمت جو آخری ہوتی ہے اس میں سے پانچ پیسہ فی روپیہ کے حساب سے کاٹ کر باقی فروخت کنندہ کو فوراً دیدیتی ہے۔

اور خریدار پر لازم ہوتا ہے کہ وہ پندرہ روز کے اندر پوری قیمت یونین کو ادا کردے، ورنہ اس پر پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ کردیا جاتا ہے۔ اس طرح یونین کو پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ کی رقم بچتی ہے، یہ بچت کے روپیہ یونین اپنے ممبران پر تقسیم کردیتی ہے۔ غرض! یہ یونین آڑھت کے طریقہ پر کام کرتی ہے۔ اگر مال کے خریدار بھاگ جائیں، یا روپیہ ادا نہ کریں تو اس کی ذمہ داری یونین پر ہوتی ہے، مالکِ مال پر نہیں ہوتی۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے:

۱...... یونین کا یہ فعل سود ہے یا نہیں؟

۲...... اگر سود ہے تو شرعی طریقہ پر اس کا متبادل طریقہ کیا ہے، تاکہ یہ یونین باقی رہ سکے اور لوگوں کا

= وقال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"قال النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "يأتي على الناس زمان، لايبالي المرء ماأخذ منه أمن الحلال أم من الحرام". (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب من لم يبال من حيث كسب المال: ۱/۲۷۶، قديمي)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "من رآى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان: ۱/۵۱، قديمي)

کاروبار ٹھپ نہ ہو؟

۳.....خریداری سے جو جرمانہ لیا جاتا ہے، شرعاً اس کی کوئی جائز صورت ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر ہوسکتی ہے تو وہ کیا ہے؟

۴..... یونین کا مالکِ مال پر کوئی جبر نہیں ہے، جو اپنی خوشی سے چاہے اسی کا مال یونین نیلام کرتی ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۴.....نیلام میں آخری بولی پر یونین قیمت اپنے پاس سے ادا کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یونین خود خریدار ہے اور بولی بھی یونین ہی بولتی ہے تو بائع بھی ہے یعنی بائع کی طرف سے وکیل ہے، یہ طریقہ غلط ہے(۱)۔ نیز مال فروخت ہوجائے اور خریدار کا قبضہ ہوجانے کے بعد پندرہ روز میں قیمت وصول نہ ہونے پر پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ وصول کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ سود ہے(۲)۔

---

(۱) "إذا اشترى الوكيل بالبيع مال موكله لنفسه، لا يصح وإن أطلق له الموكل بقوله: بعْ ممن شئتَ؛ لأنه يصير حينئذٍ متولياً طرفي العقد، وهو لا يجوز". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰۸، (رقم المادة: ۱۴۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الوكيل بالبيع لا يملك شراء ه لنفسه؛ لأن الواحد لا يكون مشترياً وبائعاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۵۸۹، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع، رشيديه)

"الوكيل بالبيع لا يملك شراء ه لنفسه؛ لأن الواحد لا يكون مشترياً وبائعاً، فيبيعه من غيره، ثم يشتريه منه". (البحر الرائق: ۷/۲۸۲، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

(وكذا في منحة الخالق بذيل البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۷/۲۸۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۵۲۱، كتاب الوكالة، فصل: لا يعقد وكيل البيع والشراء، سعيد)

(۲) "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جرّ منفعةً فهو ربا: ۱۴/۴۹۸، إدارة القرآن كراچی) =

معاملہ اس طرح کیا جائے کہ اصل مالک بولی بولے اور آخری بولی پر یونین خود خریدے اور قیمت اپنے پاس سے پوری دیدے، پھر بولی بولنے والے سے اپنا معاملہ مستقلاً نفع لگا کر لے، مثلاً دس پیسہ فی روپیہ۔ اگر اس خریدار سے معاملہ کرلے کہ ایک ماہ کے اندر پوری قیمت ادا کرنا ضروری ہے، اگر وہ ایک ماہ کا وعدہ نہ کرے بلکہ دو ماہ کا وقت لے تو اس سے اس طرح معاملہ کیا جائے کہ پندرہ پیسہ فی روپیہ منافع یونین لے گی تو اس طرح شرعاً درست ہے، جرمانہ بالکل نہ لے(۱)۔ یہ بیع مرابحہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۸۷ھ۔



= (وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جرنفعاً حرام: ۱۶۶/۵، سعيد)

(۱) "(قوله: لابأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لايجوز، اهـ. ومثله في المعراج. وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، قال في الشرنبلالية: ولايفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه .... لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

(۲) "المرابحة بيع ما شراه بما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۰۶/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفارية كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۷۷/۶، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

فصلٌ فی بیع الاستجرار

(بیعِ استجرار کا بیان)

پیشگی قیمت دے کر تھوڑا تھوڑا مبیع وصول کرنا

سوال[۷۸۷۰]: ہماری طرف جن کی گائے بھینس دودھ دیتی ہے، وہ دودھ باندھ دیتے ہیں، اور ماہ بماہ قیمت کا حساب کر لیتے ہیں۔ بعض غریب وضرورت مند کچھ رقم پیشگی لے لیتے ہیں اور دودھ میں حساب وضع ہوتا رہتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دودھ دے کر ماہ بماہ قیمت لیتے رہنا تو درست ہے(۱)، مگر پیشگی روپیہ دے کر دودھ لینے دینے میں کراہت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

---

(۱) "ما يستجره الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها، جاز استحساناً". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۵۱۶، كتاب البيوع، سعيد)

"ومما تسامحوا فيه وأخرجوه عن هذه القاعدة ما في القنية: الأشياء التي تؤخذ من البياع على وجه الخرج، كما هو العادة من غير بيع كالعدس والملح والزيت ونحوها، ثم اشتراها بعد ما انعدمت، صح، فيجوز بيع المعدوم هنا". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۴، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۸، دار المعرفة بيروت)

(۲) چونکہ پیشگی روپیہ دینے کی حیثیت قرض کی ہے جس میں آئندہ ہونے والی بیع مشروط ہوتی ہے اور قرض میں شرط لگانا ناجائز ہے: .... =

....

= "قال فی الولوالجیة: دفع دراهم إلی الخباز، فقال: اشتریتُ منک مأة منٍّ من خبز، وجعل یأخذ کل یوم خمسة أمناء، فالبیع فاسد، وما أکل فهو مکروه؛ لأنه اشتری خبزاً غیر مشار إلیه، فکان المبیع مجهولاً. ولو أعطاه دراهم وجعل یأخذ منه کل یوم خمسة أمناء ولم یقل فی الابتداء: اشتریتُ منک، یجوز، وهذا حلال وإن کانت نیته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النیة لا ینعقد البیع، وإنما ینعقد البیع الآن بالتعاطی، والأن المبیع معلوم: فینعقد البیع صحیحاً". (ردالمحتار، کتاب البیوع: ۵۱۶/۴ مطلب: البیع بالتعاطی، سعید)

"ولا بأس بأن یضع الرجل عند الرجل درهماً، ثم یأخذ منه بثلث أو بربع أو بکسر معلوم سلعةً معلومةً". (مؤطا الإمام مالک، ص: ۵۹۰، کتاب البیوع، باب جامع بیع الطعام، میر محمد کتب خانه)

"ویصح أیضاً ولو کان الإعطاء من أحد الجانبین فقط، وبه یفتی. وصورته أن یتفقا علی الثمن، ثم یأخذ المشتری المبتاع ویذهب برضا صاحبه من غیر أن یدفع الثمن، أو أن یدفع المشتری الثمن للبائع ویذهب بدون قبض المبیع، فإن البیع لازمٌ علی الصحیح". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادة: ۱۷۵)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۳۶/۱، (رقم المادة: ۱۷۵)، مکتبه حقانیه پشاور)

(وکذا فی بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، البیع بالتعاطی والاستجرار، ص: ۶۹، دارالعلوم کراچی)

لیکن مذکورہ صورت میں بیع لاحق کی شرط لگانا متعارف ہے اور حنفیہ کے نزدیک ایسی شرط جو متعارف ہو جائے وہ جائز ہوتی ہے اگر چہ وہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو، اس لئے مذکورہ صورت بھی جائز ہے:

"والذی یظهر لی أن هذا المبلغ دفعة تحت الحساب، وهی، وإن کانت قرضاً فی الاصطلاح الفقهی، من حیث یجوز للمد له أن یصرفها فی حوائج نفسه، من حیث کونها مضمونة علیه، ولکنها قرض یجوز فیه شرط البیع اللاحق؛ لکونه شرطاً متعارفاً، فإن الدفعات تحت الحساب لایقصد بها الإقراض، وإنما یقصد بها تفریغ ذمة المشتری عن أداء الثمن عند البیع اللاحق، وأن یتیسر له شراء الحاجات دون أن یتکلف نقد الثمن فی کل مرة، فهذا قرض تعورف فیه شرط البیع، والشرط کلما کان متعارفاً، فإنه یجوز عند الحنفیة، وإن کان مخالفاً لمقتضی العقد، کما فی شراء النعل بشرط أن یحذوه البائع". (بحوث فی قضایا فقهیه معاصره، البیع بالتعاطی والاستجرار، الاستجرار بمبلغ مقدم، ص: ۶۷، مکتبه دارالعلوم کراچی) =

ماہانہ پرچوں کی بیع

سوال[۷۸۷۱]: فی زمانناجورسالوں اور پرچوں (ماہناموں) کی خریداری کا دستور ہے کہ خریدار ابتدائے سال میں پیشگی قیمت روانہ کردیتا ہے اور سال بھر تک رسالے اور پرچے ہفتہ وار و ماہوار وغیرہ تیار کراکے مالک کی جانب سے خریدار کے پاس روانہ کئے جاتے ہیں۔ آیا یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ یہ معاملہ درست نہیں "لأنہ بیع معدوم"۔ اور بکر کہتا ہے کہ درست ہے "للضرورۃ"۔ اس میں کس کا قول صحیح ہے؟

مولوی محمد یٰسین صاحب، مدرسہ احیاء العلوم، مبارکپور اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ درست ہے، مجموعۂ قیمت کو سال بھر کے پرچوں پر تقسیم کرکے ہر ہر پرچہ کی وصولیابی کے وقت اس کی بیع کو درست کہا جائے گا۔ گویا یہ ایک بیع نہیں، بلکہ بیوعِ متعددہ ہیں، ہر ہر پرچہ کی بیع اس وقت ہوتی ہے جب وہ مشتری کے پاس پہونچتا ہے، اور اس وقت وہ موجود ہے معدوم نہیں، ھکذا فی إمداد الفتاویٰ (۱)۔

= "ولا بیع بشرطٍ لا یقتضیه العقد ولا یلائمه، وفیه نفعٌ لأحدهما، أو لمبیع من أهل الاستحقاق، ولم یجرِ العرف به، ولم یَرِد الشرع بجواز. أما لو جری العرف به کبیع نعل مع شرط تشریکه أو ورد الشرع به کخیار شرط فلا فساد کشرط أن یقطعه البائع ویخیطه قباء مثال لمالا یقتضیه العقد وفیه نفع للمشتری أو یستخدمه مثال لما فیه نفع للبائع". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۸۵/۵، سعید)

(۱) "متأخرین نے جائز رکھا ہے اور اس کی تفصیل بیع استجرار میں صاحب ردالمحتار نے ذکر کی ہے"۔ (امداد الفتاویٰ: ۱۳۲/۳، جدید آلات اور جدید معاملات کے احکام، دارالعلوم کراچی)

"قال فی الولوالجیة: دفع دراهم إلی الخباز، فقال: اشتریتُ منک مأة منٍّ من خبز، وجعل یأخذ کل یوم خمسة أمناء، فالبیع فاسد، وما أکل فهو مکروه؛ لأنه اشتری خبزاً غیر مشار إلیه، فکان المبیع مجهولاً. ولو أعطاه دراهم وجعل یأخذ منه کل یوم خمسة أمناء ولم یقل فی الابتداء: اشتریتُ منک، یجوز، وهذا حلال وإن کانت نیته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النیة لا ینعقد البیع، وإنما ینعقد البیع الآن بالتعاطی، والآن المبیع معلوم، فینعقد البیع صحیحاً". (ردالمحتار، کتاب البیوع: =

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۱/ ذی قعدہ/ ۶۹ھ۔



= ۵۱۶/۴ مطلب: البیع بالتعاطی، سعید)

"ولا بأس بأن یضع الرجل عند الرجل درهماً، ثم یأخذ منه بثلث أو بربع أو بکسر معلوم سلعةً معلومةً". (مؤطا الإمام مالک، ص: ۵۹۰، کتاب البیوع، باب جامع بیع الطعام، میر محمد کتب خانه)

"ویصح أیضاً ولو کان الإعطاء من أحد الجانبین فقط، وبه یفتی. وصورته أن یتفقا علی الثمن، ثم یأخذ المشتری المبتاع ویذهب برضا صاحبه من غیر أن یدفع الثمن، أو أن یدفع المشتری الثمن للبائع ویذهب بدون قبض المبیع، فإن البیع لازمٌ علی الصحیح". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادة: ۱۷۵)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۱/۳۶، (رقم المادة: ۱۷۵)، مکتبه حقانیه پشاور)

(وکذا فی بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، البیع بالتعاطی والاستجرار، ص: ۶۹، دارالعلوم کراچی)

فصلٌ فی بیع الفضولی

(بیعِ فضولی کا بیان)

بیعِ فضولی

سوال[۷۸۷۲]: بکر کا کتب خانہ ہے اور خالد جو کہ بکر کے نزدیک معتبر مراہق قریب البلوغ لڑکا ہے، اس کو بٹھا کر بکر کسی کام کو گیا۔ زید کتب خانہ کے اندر آیا خریدار کی حیثیت سے، بکر کی عدم موجودگی میں خالد نے کچھ کتابیں انتہائی کم قیمت کر کے دیدیں اور یہ کہا کہ میری کتابیں ہیں اور زید قیمت خالد کو دے کر چلا آیا۔ اب بکر تو موجود ہے لیکن خالد نہیں۔ آیا وہ کتاب زید کو خریدنا درست نہیں جبکہ صاف صریح دلالت اس بات پر ہے کہ یہ کتابیں بکر کی ہیں اور وہ جھوٹ بول کر اپنا کام لینا چاہ رہا ہے، اب زید کیا کرے، آیا بکر کو وہ کتابیں دکھانے کے بعد قیمت طے کرائے، یا صدقہ کردے، یا اپنے پاس رکھے مالک کی حیثیت سے؟ فقط۔

بندہ محمد عبدالرحمٰن، ۲۲/ شعبان/ ٦٦ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے اگر خالد کو اپنی کتابوں کے فروخت کرنے کا وکیل نہیں بنایا تو یہ بیع، بیعِ فضولی ہوئی ہے جو کہ بکر کی اجازت پر موقوف ہے(۱)، براہ راست بکر سے معاملہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "بیع الفضولی إذا أجاز صاحب المال أو وکیله أو وصیه أو ولیه نفذ، وإلا انفسخ". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۲۱۲، (رقم المادة: ۳۷۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"ومن باع ملک غیره بغیر أمره، فالمالک بالخیار: إن شاء أجاز البیع، وإن شاء فسخ". (الهدایة: ۸۸/۳، کتاب البیوع، باب الاستحقاق، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"ولمن باع فضولیٌّ ملکه أن یفسخه، وله أن یجیزه، یعنی ینعقد بیعه موقوفاً علی إجازة المالک". (مجمع الأنهر: ۱۳۴/۳، کتاب البیوع، باب الحقوق والاستحقاق، فصل فی بیع الفضولی، =

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارن پور، ۲۳/ ۸/ ۶۲ھ۔



= غفارية كوئٹه)

"ومن باع ملک غيره، فللمالک أن يفسخه ويجيزه إن بقى العاقدان والمعقود عليه، وله وبه لو عرضا يعنى أنه صحيح موقوف على الإجازة". البحر الرائق: ۲۴۵/۶، كتاب البيع، باب الاستحقاق، فصل فى بيع الفضولى، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴۸۳/۴، كتاب البيوع، باب الاستحقاق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب البيوع: ۱۱۳/۵، مطلب: البيع الموقوف نيفٌ وثلاثون، سعيد)

باب المرابحة والسَّلَم

الفصل الأول فی المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

بیع مرابحہ

سوال[۷۸۷۳]: ۱......میں دوکانداروں کوادھار مال فروخت کرتا ہوں، وہ مجھے پہلے آڈر دیتے ہیں، یہ بھی طے کرلیا کہ کانپور والا مال جس کی خریداری ایک روپے کی ہوگی وہ ۱/۱۷ آنے میں فروخت ہوگا اور دہلی کا ایک روپیہ کا مال ۱/۲۵، میں فروخت ہوگا بشرطیکہ مال صحیح سالم ہو اور تاجر کی مرضی کے موافق ہو۔ تو اس طرح نفع لینا درست ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۷۸۷۴]: ۲......ایک شخص نے اپنا مال خود کرایہ پردے کر اس کے ہاتھ منگوایا، اگر لانے والے سے روپیہ تلف ہوجاتا یا مال ٹوٹ جاتا تو اس کی ذمہ داری اس پر نہیں تھی، بہر حال وہ مال لے آیا اور اس نے میرے قبضہ میں دیدیا، اس کے بعد میں نے وہ مال نفع لگا کر اس کے ہاتھ فروخت کردیا۔ تو یہ نفع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس طرح فروخت کرنا درست ہے(۱)۔

---

(۱) "هی (أی التولیة) بیع بثمن سابق، والمرابحة به وبزیادة". (کنز الدقائق، کتاب البیوع، باب التولیة والمرابحة، ص: ۲۴۵، رشیدیه)

"المرابحة بیع ما شراه بما شراه به وزیادة". (ملتقی الأبحر: ۱۰۶/۳، کتاب البیوع، باب =

۲...... یہ جائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۸ھ۔



= المرابحة الخ ، غفارية كوئته)

(۱) "المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۱۳۳/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة ، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۴۲۲، كتاب البيوع، باب التولية، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۷۳/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة، إمداديه ملتان)

الفصل الثانی فی السَّلَم
(بیع سَلَم کا بیان)

بیع سَلم میں جہالتِ ثمن کی ایک صورت

سوال[۷۸۷۵]: ایک شخص قرض روپے چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دو ماہ کے بعد روپیہ کے بعد گندم کو اس وقت کے بھاؤ سے چار سیر زیادہ دوں گا اور اصلی معروف دوں گا۔ تو اس طریقہ سے قرض لینا اور دینا اور پھر اسی طریقہ سے ادا کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں یہ شرط کرنا کہ ’’اس وقت کے بھاؤ سے چار سیر زیادہ دوں گا‘‘ مفسدِ بیع ہے، کیوں کہ یہ بیع سلم ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ اسی وقت یعنی روپیہ دیتے وقت نرخ متعین کرلیا جاوے (۱) اور صورت مسئولہ میں

---

(۱) ’’وشرطه (أی السلم) بیان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل وأقلُّه شهر، وقدر رأس المال فی المکیل والموزون والمعدود، ومکان الإیفاء فیما له حمل من الأشیاء‘‘. (کنز الدقائق، ص: ۲۵۵، باب السلم، رشیدیه)

’’وشرطه بیان الجنس کبُرٍّ وشعیر، والنوع کسقیة، أو بخسیة، والصفة کجید أو ردئ، والقدر نحو کذا رطلاً أو کیلاً بما لا ینقبض ولا ینبسط، وأجل معلوم وأقله شهر فی الأصح، وقدر رأس المال إن کان کیلیاً أو وزنیاً أو عددیاً، فلا یجوز فی جنسین بلا بیان رأس مال کل منهما .... ومکان إیفائه إن کان له حمل ومؤنة‘‘. (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۴۱، ۱۴۲، کتاب البیوع، باب السلم، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الهدایة: ۳/۹۶، کتاب البیوع، باب السلم، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۲۱۴، ۲۱۵، باب السلم، سعید)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۱۴/۳۹۸، أبواب السلم، إداره القرآن کراچی)

نرخ مجہول ہے، لہٰذا یہ معاملہ ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/محرم/۵۷ھ۔

قرض لے کر فصل کٹتے وقت قرض کے بدلے اناج دینا

سوال[۷۸۷۶]: احمد صاحب اناج کا بیوپار کرتے ہیں اور دوسرے بیوپار بھی کرتے ہیں۔ برسات میں ہم کو روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے تو ہم لوگ پہلے ہی بھاؤ کر کے مال کا روپیہ لے جاتے ہیں اور اسی بھاؤ سے فصل پر اناج دیدیتے ہیں خواہ بھاؤ کم ہو یا زیادہ۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں، یہ سود تو نہیں؟ اس کا خلاصہ صاف لکھ دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر روپیہ قرض دیا جائے تو پھر اس روپیہ کی واپسی لازم ہے(۱)، اس میں زیادتی کی شرط کرنا سود ہے(۲)۔ البتہ اگر واپسی کے وقت روپیہ موجود نہ ہو اور روپیہ کے عوض غلہ وغیرہ دینا چاہے تو دیتے وقت جو

---

(۱) "هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثليّ لآخر، ليردّ مثله، وصح في مثليّ لا في غيره". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۱۶۱/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

"الديون تُقضىٰ بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب: ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود. ۳۸۹/۲، سعيد)

(۲) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا" (فيض القدير: ۴۴۸۷/۹، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعةً، فهو ربا" أخرجه الحارث بن أبي أسامة في مسنده، قال الشيخ: حديث حسن لغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، بابٌ: كل قرض جرّ منفعةً فهو ربا: ۵۱۲/۱۴، ۵۱۳، إدارة القرآن كراچی

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلبٌ: كل قرض جر نفعاً حرام: ۱۶۲/۵، سعيد)

معاملہ کرلیا جائے وہ درست ہے، مثلاً جس وقت روپیہ قرض لیا، اس وقت غلہ کا نرخ تیرہ روپیہ کا تھا اور جب روپیہ واپس کرنے کا وقت آیا تو غلہ کا نرخ دس روپیہ کا ہو گیا اور دس کے حساب سے بجائے روپیہ دینے کے غلہ دیدیا تو یہ سود نہیں بلکہ درست ہے(۱)۔

اگر روپیہ قرض نہیں دیا بلکہ غلہ خریدا، اس طرح کہ روپیہ اب دیدیا اور غلہ لینے کا وقت فصل کا موقع تجویز کرلیا اور غلہ کا نرخ ابھی تجویز کرلیا کہ اس کے حساب سے غلہ لیں گے اور فلاں قسم کا غلہ ہو، فلاں جگہ پہونچانا ہوگا تب بھی درست ہے۔ اگر روپیہ دیتے وقت غلہ کا نرخ تیرہ کا ہو جو روپیہ دیا گیا ہے، اس صورت میں پیشگی قیمت ہے(۲)، قرض نہیں، یہ بھی سود نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "والثاني: بيع العين بالدين نحو بيع السلع بالأثمان المطلقة وبيعها بالفلوس الرائجة، والمكيل والموزون والمعدود المتقارب ديناً". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۴/۴۹۹، كتاب البيوع، باب السلم، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۶/۲۴۷، كتاب البيوع، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۶/۲۴۷، كتاب البيوع، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وشرطه (أي السلم) بيان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل وأقلُّه شهر، وقدر رأس المال في المكيل والموزون والمعدود، ومكان الإيفاء فيما له حمل من الأشياء". (كنز الدقائق، ص: ۲۵۵، باب السلم، رشيديه)

"وشرطه بيان الجنس كبُرٍّ وشعير، والنوع كسقية، أو بخسية، والصفة كجيد أو ردئ، والقدر نحو كذا رطلاً أو كيلاً بما لا ينقبض ولا ينبسط، وأجل معلوم وأقله شهر في الأصح، وقدر رأس المال إن كان كيلياً أو وزنياً أو عددياً، فلا يجوز في جنسين بلا بيان رأس مال كل منهما .... ومكان إيفائه إن كان له حمل ومؤنة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۴۱، ۱۴۲، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳/۹۶، كتاب البيوع، باب السلم، مكتبه شركت علميه ملتان) .... =

بیع سلم

سوال[۷۸۷۷]: کوئی شخص بالکل غریب ہے کھانے کو کچھ نہیں، اس نے ۱۰/ روپیہ اس شرط پر دیا کہ جو بھی غلہ مثلاً گندم یا مکئی ہوگی وہ کٹنے پر دو سیر یا تین سیر کے لوں گا، مثلاً بازار میں بھاؤ ڈیڑھ سیر کا نکلا۔ تو اب اس کو حسبِ وعدہ تین سیر کے غلہ لینا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ طے شدہ معاملہ ہے یا سود ہو جائے گا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع سَلَم ہے، جو غلہ دینا طے پائے اس کی حفاظت اور نرخ وغیرہ اس طرح مقرر کرلیا جائے کہ نزاع کا اندیشہ نہ رہے، پھر وقت پر بازاری نرخ کچھ بھی ہو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ جو نرخ طے کیا گیا ہے اسی نرخ سے دینا ہوگا، کذا فی الشامی(۱)۔ مگر اتنا نرخ مقرر کرنا جس سے غلہ دینے والے کو زیادہ نقصان ہو اور وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے اسے منظور کرلیتا ہو، یہ ہمدردی اور مروت کے خلاف ہے کہ وہ بیچارہ مستحقِ امداد ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في ردالمحتار: ۲۰۴/۵ ، ۲۱۵ ، باب السلم ، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن: ۳۹۸/۱۴، أبواب السلم ، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وأجل، وأقله شهر، وقدر رأس المال في مكيل وموزون، وعدد غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيما له حمل .... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۱۴/۵، ۲۱۵، كتاب البيوع، باب السلم ، سعيد)

"لا يصح السلم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ إلا بسبع: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير. ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسية. وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردئ ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يُوفِيه فيه". (الهداية: ۹۶/۳، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

(۲) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، قال: "سيأتي على الناس زمان عضوض يعضّ بعض =

بیع سلم میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ

سوال[۷۸۷۸]: موجودہ وقت میں جیٹھ(۱) کے ماہ میں دھان (۲) پچیس روپیہ مَن بازار میں فروخت ہوتا ہے، زید نے کہا کہ اگر کاتک (۳) کے مہینے میں دھان کی قیمت دوگے تو ۳۵/ روپے لوں گا۔ تو ایک من دھان کے بدلہ میں ۳۵/ روپیہ لینا درست ہے یا نہیں؟

۲......بیع سلم کی صورت تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت کریں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......نقد اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی وبیشی ہوتی ہے، یہ شرعاً سود نہیں ہے(۴)۔ جس قیمت پر

= الموسر على ما في يديه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾ ويباع المضطرون، وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۴/۱۴، ۲۰۵، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "جیٹھ: ہندی سال کا دوسرا مہینہ جو پندرہ مئی سے ۱۵/ جون تک ہوتا ہے"۔(فيروز اللغات، ص: ۵۰۶، فيروز سنز، لاهور)

(۲) "دھان: چھلکے دار چاول، چاول کا پودا"۔(فيروز اللغات، ص: ۶۶۰، فيروز سنز، لاهور)

(۳) "کاتک: ہندی سال کا ساتواں مہینہ، تقریباً ۱۵/ اکتوبر سے ۱۵/ نومبر تک کا زمانہ"۔(فيروز اللغات، ص: ۹۶۹، فيروز سنز، لاهور)

(۴) "وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا أو شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع ...... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما، ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم، وأتمّا العقد عليه، فهو جائز". (المبسوط للسرخسي: ۹/۱۳، باب البيوع الفاسدة، ، غفاريه كوئٹه)

"إن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية: ۷۶/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة، إمداديه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۴۲/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، قبيل: مطلب في الكلام على الرد بالغبن الفاحش، سعيد)

دھان فروخت کیا ہے وقتِ مقررہ پر وہی قیمت لینا درست ہے، لیکن جو شخص غریب ہے اور قیمت ادا نہیں کرسکتا اس کے ساتھ احسان کرنا چاہئے، قیمت میں زیادہ اضافہ کرنا خلافِ مروّت ہے(۱)۔

۲......بیع سلم یہ ہے کہ روپیہ پہلے دیا جائے اور گندم وغیرہ بعد میں وصول کیا جائے اور بیع کے لئے جنس، نوع، صفت، وقت، وصولیابی کی جگہ وغیرہ کی ایسی طرح تفصیل کردی جائے کہ نزاع کا احتمال باقی نہ رہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔

بیع سلم میں مبیع کی قیمت کم کرنا

سوال[۷۸۷۹]: مثلاً آج کل منجی کا بھاؤ ۲۵/ روپیہ من ہے، ہم سے زید روپیہ قرض مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فصل پر تم کو آٹھ روپیہ مَن منجی دیدوں گا۔تو اس طریقے سے روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ ﴿ولاتنسوا الفضل بينكم﴾ (سورة البقرة: ۲۳۷)

"والثانی: أن يضطر إلى البيع لدين أو مؤنة ترهقه، فيبيع ما فی يده بالوكس من أجل الضرورة، فسبيله من حيث المروءة أن لا يترک حتى يبيع ماله، ولكن يعاون، ويقرض، ويستمهل له إلى الميسرة حتى يكون له فيه بلاغ". (إعلاء السنن: ۲۱۴/۱۴، كتاب البيوع، باب النهی عن بيع المضطر، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا فی بذل المجهود، كتاب البيوع، باب فی بيع المضطر: ۲۵۲/۴، معهد الخليل كراچی)

(۲) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وقدر وأجل، وأقله شهر .... وقدر رأس المال إن تعلق العقد بمقداره كما فی مكيل، وموزون، وعددی، غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيماله حمل أو مؤنة ...... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۵/۵ : ۲۰۲، ۲۱۶، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲۶۵/۶، باب السلم، رشيديه)

(وكذا فی ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداًومصلیاً:

قرض کااس طرح معاملہ کرنا شرعاًدرست نہیں: "لأن الأقراض تُقضى بأمثالها" (۱)۔البتہ بیع سلم کامعاملہ کیاجاسکتاہے،وہ یہ کہ قیمت پیشگی دی جائے اور منجی بعد فصل وصول کی جائے،اس کے لئے نرخ،قسم، وصولی کی جگہ، وصولی کا وقت،غرض سب چیزیں اس طرح صاف صاف طے کرلی جائیں کہ بعد میں نزاع نہ ہو(۲)۔فصل پرعامۃً جونرخ ہواس کی پابندی لازم ہوگی،مگراس کاخیال رہے کہ اس بیع سلم کوقرض لینے اورنرخ سے زیادہ منجی دینے کا حیلہ نہ بنایا جائے،جس سے سود کے ساتھ مشابہت ہوجائے،اس میں احتیاط کی ضرورت ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۸۸/۳/۱۱ھ۔

الجواب صحیح:سیداحمدعلی سعید،دارالعلوم دیوبند،۸۸/۳/۱۱ھ۔

---

(۱) "إن الديون تقضىٰ بأمثالها". (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، كتاب الأيمان، مطلبٌ: الديون تُقضى بأمثالها، سعيد)

"القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تقضى بأمثالها". (بحوثٌ في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم كراچی)

"فصل في القرض: هو عقد مخصوص يَرد على دفع مال مثليّ لآخر، ليَردّ مثله، وصح القرض في مثليّ لا في غيره". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

(۲) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وقدر وأجل، وأقلُّه شهر......... وقدر رأس المال إن تعلق العقد بمقداره كما في مكيل، وموزون، وعددي، غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيماله حمل أو مؤنة ...... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۱۵/۵، ۲۱۶، باب السلم،سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۶۵/۶، باب السلم ، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(۳) "وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل سلف وبيع". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب المنهى عنها من البيوع، الفصل=

ایک من مکئی کے عوض ایک من گیہوں کی بجائے بیع سلم کی جائز صورت

سوال[۷۸۸۰]: یہاں پر بعض تجار لوگ زمینداروں کو ایک من مکئی وعدہ پر دیتے ہیں کہ فلانے مہینے میں اس کی جگہ ایک من گیہوں لیں گے۔ زمیندار لوگ لے لیتے ہیں اور وعدہ کئے ہوئے پر دیتے ہیں۔ اور اس میں ملا لوگ بھی مختلف ہیں، بعض حرام اور بعض جائز کہتے ہیں کہ وعدہ معلوم ہونے پر جائز ہے اور مجہول ہونے پر ناجائز ہے، بعض کیل ووزن کی بات نکالتے ہیں، لہٰذا جو صحیح ہو تحریر فرمایئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ ناجائز ہے، اگر جائز طریق پر کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ فی الحال مکئی فروخت کردی جائے اور اس کی قیمت وصول کر کے کاشتکار کو یا جس سے خریدنا چاہیں اس کو دیدیں کہ اس روپیہ کے عوض ہم فلاں مہینے میں اس قسم کے اس نرخ پر گیہوں لیں گے اور وہ اس کو منظور کرلے، پس یہ صورت شرعاً درست ہے:

"إذا بيع قفيز حنطة بقفيزى شعير يداً بيد، حل الفضل، فإن أحد جزئى العلة وهو الكيل موجود هنا دون الجزء الآخر وهو الجنسية .... فلا يصح سلم هروى فى هروى، لوجود الجنس والنسأ فى المسلم فيه، ولا سلم بر فى شعير بوجود القدر مع النسأ، اھ". مجمع الأنهر: ۲/ ۸۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۶/ ۵/ ۵۸ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۲۱/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

= الثانی، ص: ۲۴۸، قدیمی)

ذكر المحشى: "أى لايحل أن يقرضه قرضاً ويبيع منه شيئاً بأكثر من قيمته؛ لأن كل قرض جرّ نفعاً حرام". (حاشية مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۱) (مجمع الأنهر، شرح الملتقى الأبحر: ۳/ ۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

"وعلته: أى علة تحريم الزيادة القدرُ مع الجنس، فإن وُجدا حرم الفضل: أى الزيادة والنسأ، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما حلّ الفضل وحرم النسأ". (ردالمحتار: ۵/ ۱۷۱، ۱۷۲، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد) .... =

بیع سلم میں روپیہ کے عوض دھان ہی لینے کی شرط

سوال[۷۸۸۱]: ایک شخص آج ایک روپیہ کا چاول مثلاً ۸/ سیر ہے اور اس خریدنے والے سے یہ کہے کہ میں دو مہینے کے بعد تم سے اس روپیہ کے عوض ۳۲/ سیر دھان لوں گا(۱)۔ اور جو شخص اس شرط پر وہ چاول لیجاتا ہے اسی کو دیا جاتا ہے اور دوسرے کو اس بھاؤ پر نہیں مل سکتا۔ تو ایسی صورت میں یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

آفاق احمد بستوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع ناجائز ہے(۲)، جواز کی صورت یہ ہے کہ چاول کا معاملہ بلا شرطِ مذکور کیا جائے، پھر اس کی قیمت

= "(فإن وجد الوصفان): أى الكيل أو الوزن مع الجنس (حرم الفضل وحرم النسأ. وإن عد ما، حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حلّ التفاضل لا النسأ". (ملتقى الأبحر: ۱۲۱/۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۱۳/۶، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۸۱/۳، كتاب البيوع، باب الربوا، إمداديه ملتان)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، الربا في كل مايكال ويوزن وأن الجيد والردئ ى الربويات سواء: ۲۶۰/۱۴، ۲۶۱، إدارة القرآن كراچى)

"باب السلم: هو بيع آجل بعاجل، ويصح فيما أمكن ضبط صفته ومعرفة قدره، لا في غيره، فيصح في المكيل والموزون .... وشرطه بيان الجنس كبُرٍّ أو شعير، والنوع كسقية أو بخسية، والصفة كجيد أو ردى، والقدر نحو كذا رطلاً أو كيلاً بما لا ينقبض ولا ينبسط، وأجل معلوم، وأقله شهر في الأصح، وقدر رأس المال ...... ومكان إيفائه إن كان له حمل ومؤنة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۲/۳، ۱۴۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(۱) "دھان: چھلکے دار چاول، چاول کا پودا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۶۶۰، فيروز سنز، لاهور)

(۲) "ولا بيع بشرط .... لا يقتضيه العقد، ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو فيه نفع لمبيع، هو من أهل الاستحقاق للنفع بأن يكون آدمياً .... ولم يَجرِ العرف به، ولم يَرِدِ الشرع بجوازه". =

میں جو ایک روپیہ واجب ہوگا، بہتر یہ ہے کہ وہ روپیہ ادا کردے، اگر اپنے پاس نہ ہوتو اس بائع سے یا کسی دوسرے شخص سے قرض لے کر دیدے، اس کے بعد بائع وہ روپیہ مشتری کو دے اور معاملۂ سلم باقاعدہ طے کرے کہ اتنے روز بعد اس حساب سے اس روپیہ کے عوض اس قسم کے دھان مجھے دیدینا۔ غرض سلم کی پوری شرائط کی رعایت کرے کہ وصولیابی کے وقت کسی چیز کے ذکر نہ کرنے یا مبہم رہ جانے کی وجہ سے نزاع پیدا نہ ہو(۱)۔

اگر چاول خریدتے وقت روپیہ ادا کرنے کی نوبت نہ آئے تو یہ بھی جائز ہے کہ چاول کی بیع پوری ہونے کے بعد اس طرح معاملہ کرے کہ میرا روپیہ جو تمہارے ذمہ چاول کی قیمت کا واجب ہے، اس کے عوض اتنی مدت بعد اس نرخ سے اتنے دھان دے دینا۔

صورت مسئولہ کے عدمِ جواز کی وجہ یہ ہے کہ اگر چاول کی قیمت روپیہ کو قرار دیا جائے تب تو یہ شرط کہ اس روپے کے عوض دھان لوں گا (روپیہ نہیں لوں گا) شرطِ فاسد ہے، نیز صفقۃٌ فی صفقۃ ہے اور یہ دونوں

= (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۸۵/۵، سعید)

"لیس کل شرط یفسد البیع، بل لابد أن لا یقتضیه العقد ولا یلائمه ولا یتعارف، وکان فیه منفعةٌ لأحد المتعاقدین، وللمعقود علیه، وهو من أهل الاستحقاق، ولم یرد الشرع بجوازه". (النهر الفائق: ۴۳۴/۳، باب البیع الفاسد، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۹۱/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۱۴۰/۶، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(۱) "وشرطه بیان جنس ونوع وصفة وأجل، وأقلُّه شهر، وقدر رأس المال فی مکیل وموزون، وعدد غیر متفاوت، ومکان الإیفاء فیما له حمل .... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۲۱۴/۵، ۲۱۵، کتاب البیوع، باب السلم، سعید)

"لا یصح السلم عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ إلابسبع: جنس معلوم کقولنا: حنطة أو شعیر. ونوع معلوم کقولنا: سقیة أو بخسیة. وصفة معلومة کقولنا: جید أو ردی. ومقدار معلوم کقولنا: کذا کیلاً بمکیال معروف، أو کذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا کان یتعلق العقد علی مقداره کالمکیل والموزون والمعدود. وتسمیة المکان الذی یُوفیه فیه". (الهدایة: ۹۶/۳، کتاب البیوع، باب السلم، إمدادیه ملتان)

چیزیں مفسدِ بیع ہیں، کما هو مصرح فی کتب الفقه مثل الهداية(١) والدر المختار(٢) وغيرهما(٣)۔ اور اگر چاول کی قیمت دہان کو قرار دیا جائے، یہ ربا ہے، ومنعه أظهر من أن يذكر(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۷/۲۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف ۲۸/ رجب/ ۵۸ھ۔

ایک من گندم دے کر آئندہ فصل پر سَوا دو من گندم لینا

سوال[۷۸۸۲]: ا......ایک دوکاندار سے دوسرے شخص نے دومن غلہ گندم مثلاً لیا، اور تحریر کر دیا کہ دو ماہ بعد یعنی فصل گندم کٹنے کے بعد اس کے عوض سوا دومن دوں گا، اس کو اس جگہ بھتوی کہتے ہیں، یہ لین دین

---

(١) "ومن باع عبداً على أن يعتقه المشترى أو يدبّره أو يكاتبه، أو أمةً على أن يستولدها، فالبيع فاسد؛ لأن هذا بيع وشرط، وقد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع وشرط .... وكل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعةٌ لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق، يفسده.......... وكذلك لو باع عبداً على أن يستخدمه البائع شهراً، أو داراً على أن يسكنها أو على أن يقرضه المشترى درهماً أو على أن يُهدى له هدية؛ لأنه شرط لايقتضيه العقد .... ولأنه لو كان الخدمة والسكنى يقابلهما شئ من الثمن، يكون إجارةً فى بيع ولو كان لايقابلهما، يكون إعارةً فى بيع، وقد نهى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن صفقتين فى صفقةٍ". (الهداية: ٣/٢٦٢، ٢٦٣، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(٢) (الدر المختار مع رد المحتار: ٥/٨٥، باب البيع الفاسد، سعيد)

(٣) "ولا بيع بشرط .... لايقتضيه العقد ولايلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو فيه نفع لمبيع هو من أهل الاستحقاق للنفع بأن يكون آدمياً .... ولم يَجرِ العرف به، ولم يرد الشرع بجوازه". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٥/٨٤، ٨٥، سعيد)

(٤) "وعلته القدر والجنس، فيحرم بيع الكيلي والوزني بجنسه متفاضلاً أو نسيئةً .... فإن وجد الوصفان، حرم الفضل والنسأ. وإن عدما حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لا النسأ". (ملتقى الأبحر: ٣/١١٩، ١٢٠، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

جس میں تفاضل بھی ہے اور مہلت بھی نہ یداً بید اور نہ سواءً بسواء ہے۔ یہ صورت بیع سلم کے اندر شرائطِ سلمیہ کے ملحوظ رکھنے کے بعد داخل ہے یا نہیں؟ جبکہ دونوں طرف سے جنس ہے نقد نہیں، داخل ہو کر جائز ہے یا نہیں؟

ایک مَن گندم کو رقم تصور کر کے آئندہ فصل میں اس کے عوض سوا مَن گندم لینا

سوال[۷۸۸۳]: ۲...... ایک من غلہ جس کی قیمت مثلاً دو روپیہ ہے، دوکاندار نے کہا کہ یہ ایک من غلہ جس کی قیمت اس وقت بازاری نرخ کے لحاظ سے دو روپیہ ہوتے ہیں، گویا تم کو دو روپیہ دے رہا ہوں، گیہوں کی فصل کٹنے کے بعد ان دو روپیوں کا گندم سوا من لوں گا، اس صورت میں وہی گندم دیتا ہے، اور گندم تفاضل کے ساتھ لیا ہے، نقد پھر بھی نہیں دیا، فرق اتنا ہے کہ پہلی صورت میں گندم قیمت کر کے نہیں دی تھی اس میں قیمت پائی گئی۔ اس صورت میں بھی لینا دینا جنس کا ہے فقط ربوا سے بچنے کے لئے بطور حیلہ کے یہ سلم میں داخل ہو کر جائز ہے یا نہیں؟

دو من گندم قرض دے کر دو ماہ بعد دو من گندم واپس لینا

سوال[۷۸۸۴]: ۳...... تیسری صورت قرض کی ہے کہ ایک قیمت کے دوسرے کو دو من گندم قرض دے دو ماہ کے بعد پھر وہی دو من لے گا، اس میں تفاضل و زیادتی تو نہیں البتہ نسیئۃً ہے، یداً بید نہیں ہے۔ آیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... یہ صورت ناجائز ہے: "العاشر: أن لا يشمل البدلين أحد وصفى علة ربا الفضل، وهو القدر والجنس، اه". فتاویٰ عالمگیری(۱)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۸۰/۳، الباب الثامن عشر فى السلم، رشيدية)

"عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "الذهب بالذهب مثلاً بمثل، والفضة بالفضة مثلاً بمثل، والتمر بالتمر مثلاً بمثل، والبر بالبر مثلاً بمثل، والملح بالملح مثلاً بمثل، والشعير بالشعير مثلاً بمثل، فمن زاد أو ازداد، فقد أربى". (جامع الترمذى: ۲۳۵/۱، أبواب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، وكراهية التفاضل فيه، سعيد)

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلاً بمثل يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء". (الصحيح لمسلم: ۲۵/۲، باب الربا، قديمى) .... =

۲......اس صورت میں دو معاملہ ہوئے: ایک تو یہ کہ ایک من غلہ دو روپیہ میں فروخت کیا، دوسرا یہ کہ ان دو روپیوں کے عوض فلاں وقت سَوا دو من غلہ لوں گا۔ پہلا بیع اجل کا ہے(۱) اور دوسرا بیع سلم کا ہے(۲)، پس اگر معاملہ پختہ اور ختم ہونے کے بعد مستقل طور پر دوسرا معاملہ کیا ہے، اس طرح کہ اولاً ایک من غلہ فروخت کیا اور اس میں کوئی شرط خلافِ مقتضائے عقد نہیں لگائی، البتہ قیمت مؤجل رہی جس کی اجل متعین کردی، پھر اس کے بعد دوسرا معاملہ کیا کہ تمہارے ذمہ دو روپیہ واجب الادا ہے، ان کے عوض اس نرخ سے فلاں وقت گیہوں دیدینا اس نے منظور کرلیا تو یہ معاملہ درست ہوگیا۔ اگر پہلے معاملہ کے لئے دوسرے معاملہ کو شرط قرار دیا ہے، مثلاً اس طرح معاملہ کیا کہ ایک من غلہ دو روپیہ کا اس شرط پر تمہارے ہاتھ فروخت کیا کہ فلاں ماہ میں اس دو روپیہ کے عوض تم سے سوا دو من غلہ لوں گا تو یہ ناجائز ہے(۳)، اس سے نہ بیع اجل ہوئی نہ بیع سلم۔

۳...... یہ جائز ہے، یہ قرض ہے: "الأقراض تقضی بأمثالها" (٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۱/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/۱/۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= (وسنن ابن ماجه، ص: ۱۶۳، أبواب التجارات، باب الصرف ومالایجوز متفاضلاً یداً بید، قدیمی)

(۱) "البیع مع تأجیل الثمن، وتقسیطه صحیح". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۴)

"ویصح البیع بثمن حال ومؤجل بأجل معلوم". (مجمع الأنهر: ۱۳/۳، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

(۲) "فإن البیع یکون سلماً وهو بیع الدین بالعین" (فتح القدیر: ۲۴۷/۶، کتاب البیوع، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"باب السلم: هو بیع آجل بعاجل، ویصح فیما أمکن ضبط صفته ومعرفة قدره .... وشرطه بیان الجنس کبُرّ أو شعیر، والنوع". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب البیوع، باب السلم: ۱۳۷/۳، ۱۴۱، غفاریه کوئٹه)

(۳) "لوکان فی الشرط منفعة لأحد المتعاقدین بأن شرط البائع أن یقرض المشتری أو علی القلب، یفسد البیع". (خلاصة الفتاوی: ۵۰/۳، الفصل الخامس فی البیع، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۶۳/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی ردالمحتار: ۸۵/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(۴) "الدیون تقضی بأمثالها". (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الضرب والقتل =

بیع سلم کی تین صورتیں

سوال[۷۸۸۵]: (الف) ہمارے یہاں مروج ہے کہ زمیندار لوگ ساہوکاروں کو کپاس لکھ دیتے ہیں(۱) یعنی فصل سے پہلے تحریر کر دیتے ہیں کہ میں دس من کپاس مثلاً بحساب فی من ۲۰/ ...... دوں گا اور تحریر دینے کے وقت رقم یا تو بالکل نہیں دیتے اور (۲۰/) فی من کے حساب سے اسی وقت لے لیتے ہیں، باقی ادائیگی کپاس کے بعد وصول کرتے ہیں، یا ساری رقم اسی وقت لے لیتے ہیں۔ تو مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے کس صورت میں بیع جائز ہے اور کس میں نہیں؟

(ب) اگر تحریر کرتے وقت مروج بھاؤ سے کم نرخ پر بیع کریں، مثلاً متعاقدین کی رضا سے ۲۰/ کی بجائے ۱۶/ نرخ طے ہوا اور زمیندار نے تمام رقم اسی وقت وصول کر لی۔ تو اس صورت میں بیع جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

بندہ نور احمد، مدرسہ نور پور بٹوانی، ریاست بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع سلم ہے، اگر دیگر شروط بھی موجود ہوں تو تیسری صورت میں بیع درست ہے، پہلی دوصورتوں میں درست نہیں (۲)۔

= وغير ذلك، مطلب: الديون تقضى بأمثالها، سعيد)

"القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تقضى بأمثالها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دار العلوم كراچی)

"فصل في القرض: هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثليّ لآخر، ليَردّ مثله. وصح القرض في مثليّ، لا في غيره". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

(۱) "ساہوکار: تجار، سوداگر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۷۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) پہلی دوصورتوں میں رأس المال پر قبضہ نہیں ہوا اور تیسری صورت میں قبضہ ہوگیا:

"وقبض رأس المال قبل التفرق شرط بقائه، فلو أسلم مأةً نقداً ومأةً ديناً على المسلم إليه =

(ب) درست ہے:"والسادس: أن یکون (رأس المال) مقبوضاً فی مجلس السلم .... وفی النوازل: رجل أسلم عشرة دراهم فی عشرة أقفزة حنطة، ولم تکن الدراهم عنده، فدخل بیته، لیخرج الدارهم، إن دخل حیث یراه المسلم إلیه، لا یبطل السلم، وإن تواریٰ عنه بطل، کذا فی الخلاصة، اه". عالمگیری:۳/۱۷۹(۱)۔

"ولا بأس بالسلم فی القطن والکتان والأبریشم، اه". عالمگیری :۳/۱۸۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

بلا شرائط بیع سلم

سوال [۷۸۸۶]: بیع سلم جائز تو ہے، لیکن اگر مع شرائط نہ ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اور عدمِ شرائط کے ساتھ اس بیع کے کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

= فیکرّ، بطل فی حصة الدین فقط". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۴۴، کتاب البیوع، باب السلم، غفاریه کوئٹه)

"ولا یصح السلم حتی یقبض رأس المال قبل أن یفارقه فیه". (الهدایة: ۳/۹۸، کتاب البیوع، باب السلم، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"وبقی من الشروط: قبض رأس المال قبل الافتراق .... وهو شرط بقائه علی الصحة لا شرط انعقاده بوصفها، فینعقد صحیحاً، ثم یبطل بالافتراق بلا قبض". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۵/۲۱۶، ۲۱۷، کتاب البیوع، باب السلم، سعید)

"(وقبض رأس المال قبل الافتراق) والصحیح أنه شرط بقائه علی الصحة، فینعقد صحیحاً بدونه، ثم یفسد بالافتراق بلا قبض". (البحر الرائق: ۶/۲۷۱، کتاب البیع، باب السلم، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۵۱۴، باب السلم، سعید)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۱۷۹، الباب الثامن عشر فی السلم، رشیدیه)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۱۸۵، الباب الثانی فی بیان ما یجوز السلم فیه وما لا یجوز، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب مع شرائط نہ ہوتو جائز نہیں (۱)، ناجائز بیع کرنے والا گنہگار ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۲/ جمادی الاولی/ ۵۹ھ۔

بیع سلم کی شرطیں

سوال[۷۸۸۷]: بیع سلم کی کتنے شرائط ہیں؟ کیا ایک شرط کے ترک ہو جانے سے بیع سود ہو جاتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بیع سلم کی صحت کے لئے چند شرائط ہیں: جس چیز میں بیع سلم کی جارہی ہے اس کی جنس معلوم ہو، مثلاً: گیہوں یا جو۔ نیز اس گیہوں وغیرہ کی کیفیت اس طرح بیان کردی جائے کہ لیتے وقت جھگڑا نہ ہو، مثلاً: فلاں قسم کا گیہوں ہو، بہت پتلا نہ ہو، نہ پالا مارا ہو (۳)، عمدہ ہو خراب نہ ہو، اس میں دیگر شیٔ چنے مٹر ملی نہ ہو، مقدارِ مبیع معلوم ہو، تاریخِ ادائیگی کی تعیین ہو، اور کم از کم ایک مہینہ کی مدت ومہلت ہو، رأس المال کی مقدار متعین ہو، اگر مبیع

---

(۱) "ولا یصح السلم عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ إلا بسبع شرائط: جنس معلوم کقولنا: حنطة أو شعیر. ونوع معلوم کقولنا: سقیة أو بخسیة. وصفة معلومة کقولنا: جید أو ردیّ. ومقدار معلوم کقولنا: کذا کیلاً بمکیال معروف، أو کذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال". (الهدایة: ۹۶/۳، کتاب البیوع، باب السلم، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲۱۴/۵، کتاب البیوع، باب السلم، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۵۰۸/۴، کتاب البیوع، باب السلم، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۲۱۸، (رقم المادة: ۳۸۵)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "وعلی کل واحد منهما فسخه قبل القبض، أو بعده مادام فی ید المشتری إعداماً للفساد؛ لأنه معصیة، فیجب رفعها". (ردالمحتار: ۹۱/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(۳) "پالا مارجانا: برف یا کہرے کا کسی سبز چیز کو خشک کر جانا۔ پالے کا مارا: سردی سے ٹھٹھرا ہوا، سردی کی وجہ سے خشک ہوا پودا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۶۲، فیروز سنز، لاهور)

وزنی شئ ہو جس کے لے جانے میں مزدوری لگتی ہو تو دینے کی جگہ معلوم ہو، جس چیز پر بیع سلم کی جارہی ہے وہ چیز ایسی ہو کہ لینے اور وصول پانے کے زمانہ تک بازار میں ملتی ہو، نایاب نہ ہو، مجلسِ عقد ہی میں رأس المال حوالہ کر دیا گیا ہو۔

شرائطِ مذکورہ میں سے کسی ایک کا فقدان بیعِ سلم کے فساد کو مستلزم ہوگا، هکذا فی کتب الفقه (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

مبیع نہ دینے کی صورت میں بیع سلم کا حکم

سوال [۷۸۸۸]: ایک شخص نے تجارت کے لئے پچاس روپیہ بایں طریق ایک دوسرے شخص سے لئے کہ لینے کے دن سے چار ماہ بعد متعین تاریخ کو ان پچاس روپیوں کے بالعوض دو من گھی ادا کرے گا۔ اگر گھی

---

(۱) "لایصح السلم عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ إلا بسبع شرائط: جنس معلوم کقولنا: حنطة أو شعیر. ونوع معلوم کقولنا: سقیة أو بخسیة. وصفة معلومة کقولنا: جید أو ردئ. ومقدار معلوم کقولنا: کذا کیلاً بمکیال معروف، أو کذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا کان یتعلق العقد علی مقداره کالمکیل والموزون والمعدود. وتسمیة المکان الذی یُوفِیه فیه إذا کان له حمل ومؤنة .... ولا یصح السلم حتی یقبض رأس المال قبل أن یفارقه فیه". (الهدایة: ۹۸/۳، کتاب البیوع، باب السلم، شرکت علمیة ملتان)

"ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجوداً من حین العقد إلی حین المحل، حتی لو کان منقطعاً عند العقد موجوداً عند المحل أو علی العکس أو منقطعاً فیما بین ذلک، لایجوز". (الهدایة: ۹۵/۳، باب السلم، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲۱۴/۵، ۲۱۵، کتاب البیوع، باب السلم، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، ۱۴۲، کتاب البیوع، باب السلم، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۵۰۸/۴، ۵۰۹، کتاب البیوع، باب السلم، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۷۸/۳، ۱۷۹، کتاب البیوع، الباب الثامن عشر فی السلم، رشیدیه)

نہ ہوسکا تو جتنی رقم بدن (۱) مروجہ کے طریق کے مطابق ہوگی اس کو تاریخ متعین پر ادا کردے گا، اور آج کل کی بدن مروجہ کی صورت بنیوں (۲) کے یہاں یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی بدن پر روپیہ لینے والا شخص جنس مقرر کو وقت پر ادا نہیں کرتا تو ایام جنسِ معہودہ کے ادا کرنے کے مقرر ہوتے ہیں، ان سے جو دن ایسا ہو کہ سبھی جنس معہودہ گراں فروخت ہو تو اس نرخ کے حساب سے دام کاٹتے ہیں، مثلاً: مقررہ مدت چار ماہ ہے اور جنس مقررہ ادا نہ ہوسکی اور جنس معہود کے دام ادا کرتے ہیں تو ان چار ماہ میں اگر گھی آدھ سیر کا کسی روز فروخت ہوگیا تو دو من گھی کے دام ایک سو ساٹھ روپے لیں گے۔

اب اگر یہ رقم مذکور مقروض سے تاریخِ مقررشدہ پر نہ ادا کی تو ایک سو ساٹھ روپیوں پر سود چالو ہو جاوے گا، مالک جب چاہے تین سال کے اندر اندر بذریعہ ڈگری اپنی رقم مع سود وصول کرسکتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو جائے کہ گھی سیر کا فروخت ہوتا تھا اور اس وقت ڈیڑھ سیر کے نرخ پر بدنی ہوئی تھی اور بدنی ہوتے ہی مثلاً گھی دو سیر کا ہوگیا تو بنیا دو من گھی کے دام سیر کے نرخ کے حساب سے کاٹتے ہیں، دو سیر کے نرخ سے دو من گھی کے چالیس روپیہ نہ کاٹیں گے، یعنی مطلب یہ کہ پورے پچاس روپیہ یا پچاس سے کم روپیہ کبھی نہیں لیتے۔

اس مسئلہ میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ اگر یہ روپیہ لینے والا شخص کسی سے بدنی مذکورہ پچاس روپیہ لیتا تو مشکل سے روپیہ ملتے اور ان پر روپیہ لیتے ہی سود چالو ہو جاتا تو اس سے بہتر تو یہی ہے کہ بایں طور روپیہ لے لے اور اس بدنی کی صورت میں چونکہ مقروض کو اپنے مال حقیقت کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہے کہ بہر صورت اس دو من گھی کو وقت پر ادا کردوں گا، تو اس صورت میں تاہم ایک بگڑی صورت بیع سلم کی جب بھی ہے۔ اس یقین مذکور کی بناء پر ایک ایسا معاملہ کرلیا جائے تو شرعاً درست ہے یا نہیں؟ نیز دوسری صورت یہ ہے کہ پچاس روپیہ لیتا تو ہے بدنی پر لیکن لینے والے کی نیت روپیہ لیتے ہی یہ ہوتی ہے کہ وقت پر وہ دام ادا کردوں گا جو دو من گھی کے مالک دام کاٹے گا تو اس صورت کا حکم بھی بیان فرمایا جائے۔

عبداللہ، موضع ماپوری، ضلع گوڑگانوں، تحصیل نوح۔

مورخہ ۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

---

(۱) ''بدنا: شرط لگانا، اقرار کرنا، خاطر میں لانا، سمجھنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۹، فیروز سنز، لاهور)

(۲) ''بنیا: بقال، آٹا دال بیچنے والا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۲۰، فیروز سنز، لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً ناجائز ہے، اس روپیہ کے عوض اس نرخ سے فلاں تاریخ کو گھی دیدوں گا تو درست ہے، لیکن گھی نہ دینے کی صورت میں بدنی مروجہ کے طریق پر رقم کی ادائیگی کو شرط قرار دینا مفسد ہے اور بیع ان عقود میں سے ہے جو کہ شرطِ فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے۔ گھی کے ادا نہ کر سکنے کی صورت اصلی رقم کی واپسی بلا کمی بیشی لازم ہے، کمی بیشی ناجائز ہے اور اس پر سود بالکل ہی حرام ہے:

”ولا يجوز لرب السلم شراء شيئ من المسلم إليه برأس المال قبل قبضه، لقوله عليه السلام: ”لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك“: أى لا تأخذ إلا ماسلمت فيه حال قيام العقد أو رأس مالك بعد الانفساخ، اه“. مجمع الأنهر: ۱/۱۰۳(۱)۔

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۳/۱۴۵، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

”فإن تقايلا السلم، لم يشتر رب المال من المسلم إليه برأس المال شيئاً: يعنى قبل قبضه بحكم الإقالة، لقوله عليه الصلوٰة والسلام: ”لا تأخذ إلا سلمک أو رأس مالک“ : أى إلا سلمک حال قيام العقد، أو رأس مالک حال انفساخه“. (تبيين الحقائق: ۴/۵۱۷، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

”ولا يجوز لرب السلم شراء شئ من المسلم إليه برأس المال بعد الإقالة قبل قبضه بحكم الإقالة، لقوله عليه الصلوٰة والسلام: ”لا تأخذ إلا سلمک أو رأس مالک“: أى إلا سلمک حال قيام العقد، أو رأس مالک حال انفساخه“. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۲۱۹، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)
(وكذا فى الهداية: ۳/۹۹، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

”كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا“. الحارث عن على“. (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

”عن على أمير المؤمنين رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: ”كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا“. أخرجه الحارث بن ابى أسامة فى مسنده، قال الشيخ: حديث حسن لغيره“. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، بابٌ: كل قرض جر منفعةً فهو ربا: ۱۴/۴۹۸، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلبٌ: كل قرض جرنفعاً حرام: ۵/۱۶۶، سعيد)

محض مال حیثیت کے اعتماد پر کسی عقد میں شرطِ فاسد کا لگانا درست نہیں ہے(۱)، اس صورت میں اصل راٴس مال دینا تو درست ہے اور زیادہ دینا ناجائز ہے، البتہ اس میں ایک دھوکہ ہے وہ یہ ہے کہ دوسرا اس خیال میں ہے کہ مجھے وقتِ متعین پر گھی ملے گا اور یہ شروع سے ہی راٴس المال ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس لئے یہ نیت بھی ممنوع ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲۳/۵/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۵/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۵/۵۹ھ۔

قیمتِ متعینہ میں تاخیر کی وجہ سے زیادتی

سوال[۷۸۸۹]: زید نے بکر کو ایک من دھان دیا اور زید نے بکر کے ساتھ شرط کیا کہ پوس(۲) مہینہ میں تم سے ڈیڑھ روپیہ لوں گا، مگر غریب اس وقت روپیہ ادا نہ کرسکا۔ دھان(۳) آسان ہے۔ اگر زید اسی نرخ معینہ کا اس وقت کے بازار کے حساب سے دھان لے تو یہ دھان لینا اس نرخ کا بیع سلم کے مطابق ہے یا نہیں؟ یا اور کسی طرح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ فقط۔

مولوی ابوالحسن صاحب۔

---

(۱) "ليس كل شرط يفسد البيع، بل لابد أن لا يقتضيه العقد، ولا يلائمه، ولا يتعارف، وكان فيه منفعة لأحد المتعاقدين، وللمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق، ولم يَرد الشرع بجوازه". (النهر الفائق: ۴۳۴/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۸۵/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۴۰/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۲) "دھان: چھلکے دار چاول"۔ (فيروز اللغات، ص: ۶۶۰، فيروز سنز، لاهور)

(۳) "پوس: فصل سن (بکرمی) کا نواں مہینہ جو تخمیناً دسمبر کی پندرھویں تاریخ سے جنوری کی پندرھویں تاریخ تک رہتا ہے"۔ (فيروز اللغات، ص: ۳۰۹، فيروز سنز، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع سلم نہیں، کیونکہ بیع سلم کے لئے تو ضروری ہے کہ مشتری کہ روپیہ پہلے دے اور مسلم فیہ کی صفات متعین کر کے وقتِ معینہ پر مسلم فیہ وصول کر لے(۱) اور یہاں ایسا نہیں ہوا، بلکہ یہاں ایک من دھان کی ڈیڑھ روپیہ کے عوض بیع کی اور ڈیڑھ روپیہ کی ادائیگی کا وقت معین کر دیا ہے۔ اب اصل تو یہ ہے کہ بکر سے اپنا ڈیڑھ روپیہ زید وصول کر لے، اگر بکر کے پاس ڈیڑھ روپیہ موجود نہیں تو وہ دھان فروخت کر کے کسی جگہ سے ڈیڑھ روپیہ لاکر زید کو دیدے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ زید اس ڈیڑھ روپیہ کے عوض بکر سے اس وقت کے نرخ سے دھان لے لے، اس میں سود نہ ہوگا۔

اگر زید اولاً دھان ڈیڑھ روپیہ کے عوض فروخت نہ کرتا بلکہ یہ کہتا کہ ایک من دھان اس وقت لے لو اور پھر فلاں ماہ میں اس ایک من کے عوض مثلاً ڈیڑھ من مجھے دینا، یا اس طرح معاملہ کرتا کہ اس وقت ایک روپیہ کے دھان میں لے لوں گا تو ناجائز ہوتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "وشرطه بيان جنس، ونوع، وصفة، وقدر، وأجل وأقله شهر .... وبيان قدر رأس المال في مكيل، وموزون، وعددي غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيماله حمل .... وبقي من الشروط قبضُ رأس المال قبل الافتراق، وهو شرط بقائه على الصحة لاشرط انعقاده بوصفها، فينعقد صحيحاً، ثم يبطل بالافتراق بلا قبض". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۲۱۲، ۲۱۷، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۷۹، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، الفصل الخامس في الإقالة في المسلم والصلح فيه وخيار العيب، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۲۷۱، كتاب البيع، باب السلم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۱۴۴، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(۲) "وعلته: أي علة تحريم الزيادة القدرُ مع الجنس، فإن وُجدا حرم الفضل: أي الزيادة والنسأ. و.. =

بیع سلم فی الفلوس

سوال[۷۸۹۰]: زید ایک عالم شخص ہے، روپیہ کی ترقی کے لئے اس صورت سے ایک معاملہ کرتا ہے کہ زید نے عمر کو ۶/ ماہ کے وعدہ پر ۲۰۰/ روپیہ قرض دیا اور قرض دیتے وقت عمر سے اس مضمون کی ایک دستاویز لکھوالی کہ میں نے مبلغ ۲۰۰/ روپیہ ۶/ ماہ کے وعدہ پر بطور سلم عمر کو دیا، میعاد کے ختم ہونے پر فی روپیہ نو دونی (بڑی چوگوشہ والی) کے حساب سے وصول کرلوں گا، عمر نے اس کو قبول کرلیا۔

میعاد گذرنے پر عمر نے حسبِ قرارداد دوسو روپیہ کی دونیاں نو دونی کے حساب سے ۱۸۰۰/ دونیاں زید کے حوالہ کردیں، پھر ان دونیوں کو بازار میں لیجا کر روپیہ ونوٹ سے تبادلہ کرلیا۔ عوام کو جب اس معاملہ کی اطلاع ہوئی تو سودخوری کی تہمت لگائی، اس پر زید نے کہا کہ میرا یہ معاملہ بیع سلم ہے اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک علاوہ سونے چاندی کے سکوں کے اَور تمام سکوں میں بیع سلم درست ہے، تمام کتب فقہ درمختار شامی وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ معاملہ بیع سلم ہے یا سود کا حیلہ ہے، اگر سود کا حیلہ ہے تو بیع سلم فی الفلوس کی کونسی صورت ہے جو درست ہے؟ مثال سے واضح فرمادیا جاوے۔

نیز دستاویز والے معاملے میں سود لینے کا کیا قرینہ ہے اور اس کی کیا علامت ہے اور اگر یہ معاملہ بیع سلم ہے اور عندالشیخین جائز ہے تو ایسی حالت میں جبکہ عوام اس صورت کے مرتکب کو سودخوری کی تہمت لگائیں اور زید مذہبی مقتدا بھی ہو تو اس کو ایسے معاملات سے اجتناب ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نظر اقدس میں کوئی عبارت کتب فقہ حنفی کی ایسی ہو کہ بیع سلم فی الفلوس میں اگر نیت سود لینے کی ہو تو حرام ہے ورنہ درست تو اس کے نشان سے مطلع فرماویں۔

محمد ساجد درگاہ، بازار کٹک۔

= عدما، حلا. وإن وجد أحدهما، حل الفضل وحرم النسأ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۷۲/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۲۰/۳، ۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۵۰/۴، ۴۵۱، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۸۰/۳، كتاب البيوع، باب الربوا، إمداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہائے حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ بیع سلم فی الفلوس شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے، بلکہ ظاہر الروایت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی جواز کی منقول ہے، البحر الرائق: "وظاهر الرواية عن الكل الجواز". :١٥٦/٦(١)- فتح القدير: ٣٢٧/٥(٢)- شامي: ٣١٨/٥(٣) اور دیگر کتب میں بھی ظاہر الروایۃ ائمۂ ثلاثہ سے جواز کی موجود ہے۔

اصل یہ ہے کہ اثمان یعنی سونا، چاندی میں بیع سلم جائز نہیں اور سلم، تانبا، کانسی وغیرہ کو اگر سکہ بنالیا جائے تو اس کو اصطلاحاً ثمن کہا جاوے گا، حقیقت میں وہ ثمن نہیں، جس وقت اس اصطلاح کو توڑ دیا جائے گا تو ثمنیت باطل ہوجائے گی۔ جب دو مسلمان کسی ایسے سکہ میں بیع سلم کرلیں حالاں کہ وہ جانتے ہیں کہ ثمن میں بیع بسلم جائز نہیں تو لامحالہ کہا جائے گا کہ انہوں نے اصطلاحی ثمنیت کو باطل کردیا تو اب وہ نہ شرعاً ثمن ہے نہ اصطلاحاً، بلکہ مثل دوسری غیر متفاوت اشیاء کے ہے، جیسے ان اشیاء میں بیع سلم عدداً جائز ہے، اسی طرح اس سکہ میں بھی جائز ہوگی:

"وأما السلم فی الفلوس عدداً، فجائز عند أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما الله تعالیٰ، وعند محمد رحمه الله تعالیٰ لا یجوز، بناءً علی أن الفلوس أثمان عنده، فلایجوز السلم فیها

---

(١) "(الفلس)؛ لأنه عددیّ یمكن ضبطه، فیصح السلم فیه .... وظاهر الروایة عن الكل الجواز". (البحر الرائق: ٢٦١/٦، كتاب البیع، باب السلم، رشیدیه)

(٢) "(قوله: وكذا فی الفلوس عدداً): أی یجوز السلم فی الفلوس عدداً، هكذا ذكره محمد رحمه الله تعالیٰ فی الجامع من غیر ذكر خلاف، فكان هذا ظاهر الروایة عنه". (فتح القدیر: ٧٥/٧، كتاب البیوع، باب السلم، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(٣) "(قوله: وفلس) قیل: وفیه خلاف محمد لمنعه بیع الفلس بالفلسین، إلا أن ظاهر الروایة عنه كقولهما". (ردالمحتار: ٢١٠/٥، كتاب البیوع، باب السلم، سعید)

(وكذا فی النهر الفائق: ٤٩٨/٣، كتاب البیوع، باب السلم، إمدادیه ملتان)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ١٣٩/٣، كتاب البیوع، باب السلم، غفاریه كوئٹه)

(وكذا فی تبیین الحقائق: ٥٠١/٤، كتاب البیوع، باب السلم، سعید)

كـمـا لا يـجـوز السلم في الدراهم والدنانير. وعندهما ثمنيتها ليست بلازمة، بل تحتمل الزوال؛ لأنهـا تثبـت بالاصطلاح، فتزول بالاصطلاح، وإقدام العاقدين على عقد السلم فيها مع علمهما أنـه لا صـحة للسلم في الأثمان اتفاقٌ منهما على إخراجهما عن صفة الثمنية، فتبطل ثمنيتها في حـق الـعـاقـديـن سـابقاً على العقد، وتصير سلعاً عدديةً، فيصح السلم فيها، كما في سائر السِّلَع العددية". بدائع: ۲۰۸/۵ (۱)۔

اس میں شک نہیں کہ ایک حیلہ سود کا ہے، مگر جب فقہاء نے جائز لکھا ہے تو عوام کے حرام کہنے سے حرام نہیں ہوسکتا، البتہ اس قسم کے حیلہ سے بچنا اَولیٰ وافضل ہے (۲)، خصوصاً جب کہ اس حیلہ کی وجہ سے علماء کو سود خواری کی تہمت لگائیں اور برا سمجھیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۳/ جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

اشکال برجوابِ مذکورہ

سوال [۷۸۹۱]: ۱...... مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ ''اس میں شک نہیں کہ یہ ایک حیلہ سود کا ہے، مگر

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل: وأما الذي يرجع إلى المسلم فيه: ۱۲۷/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال محمد رحمه الله تعالىٰ في "الجامع الصغير": ويجوز السلم في الفلوس عدداً. ذكر المسئلة مطلقاً من غير ذكر خلاف، فمِن مشايخنا مَن قال: إن جواز السلم في الفلوس قولهما؛ لأن ثمنية الفلوس عندهما قابلة للبطلان؛ لأن الفلوس إنما صار ثمناً باصطلاح الناس، وإلا فهي سلعة في الأصل. وما ثبت باصطلاحهم على خلافه، فإذا أقدما على السلم فيها، والسلم لايجوز إلا في المثمن ذلك إبطالاً لاصطلاح الأول، فعادت سلعةً، فيجوز السلم فيها". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۱۸۸/۸، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۶۲/۱۲، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۲) قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دع مايريبك إلى مالا يريبك". (فيض القدير: ۳۲۴۵/۶، (رقم الحديث: ۴۲۱۱)، نزار مصطفىٰ الباز رياض)

جب کہ فقہاء نے، الخ''۔ تو عرض یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک یہ حیلہ یقینی سود کا ہے، پھر فقہاء جائز کیسے لکھ سکتے ہیں، کیا ہمارے فقہاء حیلہ سے سود لینے کی تعلیم دیتے ہیں، مجھ کو وقت درس حضور نے سمجھایا تھا کہ شبہ ربا بھی حرام ہے، فقہاء نے اس سے بچنے کی تاکید شدید فرمائی ہے۔

۲......حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ امدادیہ، تتمۂ اُولیٰ، جلد ثالث، ص: ۱۶۷ اور تتمۂ ثالثہ، ص: ۲۳، میں بیع سلم فی الفلوس کے جواب میں بیع سلم کی صحت تسلیم کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اس حیلہ سے مقصود سود لینا ہے، لہٰذا ناجائز ہوگا''(۱)۔

۳......سائل کو بیع سلم فی الفلوس کی صحت اور اتفاقی جواز میں کلام نہیں، مقصود یہ ہے کہ واقعہ مندرج سوال بیع سلم میں داخل ہے یا حیلہ سے سود لینا؟ حضور نے فرمایا ''حیلہ سے سود لینا''۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ اس کی علامت کیا ہے جس سے ہم سمجھ لیں کہ یہاں سے سود لینا مقصود ہے، سائل کا خیال ہے کہ زید کا فوراً بازار میں جاکر دونیوں کے نوٹ اور روپیہ سے تبادلہ کرنا اس کی علامت ہے کہ

---

(۱) ''**سوال**: ایک مسئلہ کے جواب کا خواستگار ہوں، بارہا لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ بیع سلم فی الفلوس جائز ہے یا نہیں؟ آج تک اس کا جواب نہیں دے سکا، حضور سے اس کا جواب چاہتا ہوں، انگریزی سکہ کے ایک روپیہ دے کر انگریزی سکہ بیس آنہ پیسہ پر بیع سلم کرنا درست ہے یا نہیں؟ دلائل کی ضرورت نہیں صرف حکم کافی ہے۔

الجواب: قال في الدر: ويصح فيما أمكن ضبط صفته كجودته ورداءته ومعرفة قدره ككيل وموزون، وخرج بقوله: "مثمن" الدراهم والدنانير؛ لأنها أثمان، فلم يجز فيها سلم -خلافاً لمالك- وعددي متقارب كجوز وبيض وفلس، الخ". قال الشامي: "قيل: وفيه خلاف محمد، لمنعه بيع الفلس بالفلسين، فهو ثمن عنده، إلا أن ظاهر الرواية عنه كقولهما، وبيان الفرق في النهر وغيره، اهـ". (۳۱۵/۴)

اس سے معلوم ہوا کہ پیسوں میں سلم جائز ہے جب کہ شرائطِ سلم کی رعایت کی جائے۔ واللہ اعلم۔

لیکن جہاں ربا لینے کے لئے اس کو حیلہ قرار دیا گیا ہو وہاں باقاعدہ "مقدمة الحرام حرام" اس کو ناجائز کہا جائے گا۔ جواز اس صورت میں ہے کہ اتفاقاً ہوجائے اور اس میں إفضاء إلی ترویج الربا کا احتمال نہ ہو''۔ (اشرف علی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔ (إمداد الأحکام تکملۂ إمداد الفتاویٰ، کتاب البیوع، فصل في بیع السلم، بیع سلم بالفلوس جائز ہے یا نہیں: ۴۲۵/۳، ۴۲۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

مقصود سلم کی آڑ میں سود ہے۔ یہ خیال صحیح ہے یا نہیں؟

۴......بیع سلم فی الفلوس کی وہ کونسی صورت ہے جس میں مقصود بیع ہو، سود نہیں؟

محمد حسین بجنوری، وارد حال کٹک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے فقہائے حنفیہ -رحمہم اللہ تعالیٰ- حیلہ سے سود لینے کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ سود سے بچنے کا طریق اور مخرج بتلاتے ہیں، جس حیلہ سے سود لینا یا کسی شئ حرام کا ارتکاب یا ابطالِ حقِ غیر مقصود ہو اس سے ہمارے فقہاء نے منع فرمایا ہے اور جس حیلہ سے تخلص عن الحرام یا توصل إلى الحلال مقصود ہو، اس کی اجازت دی ہے، بلکہ اس کو مستحسن کہا ہے:

"من مذهب علمائنا أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل، فهي مكروهة. وكل حيلة يحتال بها الرجل لينخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال، فهي حسنة. والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالىٰ ﴿وخذ بيدك ضغثاً، فاضرب به ولا تحنث﴾ وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي عليه وعلى نبينا الصلوٰة والسلام عن يمينه التي حلف: "ليضربنّ امرأته مأة عود". وعامة المشايخ علىٰ أن حكمها ليس بمنسوخ، وهو الصحيح من المذهب، كذا في الذخيرة". عالم گیری: ٤/٨٢٨، أول كتاب الحيل(١)۔

ایک شخص کسی وجہ سے حرام میں مبتلا ہونے والا ہے، اگر وہ اس حرام سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کرے تو شرعاً کچھ مذموم نہیں:

"الحِيَل جمع حيلة، وهي الحرق في تدبير الأمور، وهي تقليب الفكر حتى يهتدي إلى المقصود". الفن الخامس في الحيل في الأشباه، ص: ٤١٧(٢)۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية: ٦/٣٩٠، كتاب الحيل، الفصل الأول، رشيديه)

(٢) (الأشباه والنظائر، ص: ٤٧٧، الفن الخامس: الحيل، دارالفكر المعاصر بيروت)

لیکن مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: "فقہائے کرام نے فلوس میں بیع سلم کے جواز =

بہت سے فقہاء نے کتاب الحیل کو کتاب المخارج سے تعبیر کیا ہے:

"قال أبو سليمان: كذبوا على محمد، ليس له كتاب الحيل، وإنما هو الهرب من الحرام، والتخلص منه حسن، قال تعالىٰ ﴿وخذ بيدك ضغثاً﴾ الخ. وذكر في الخبر: أن رجلاً اشترىٰ صاعاً من تمر بصاعين، فقال صلى الله عليه وسلم: "أربيت، هلا بعت تمرك بسلعتك، ثم ابتعت بسلعتك تمراً". وهذا كله إذا لم يؤد إلى الضرر". انتهىٰ أشباه(۱)۔

اگر نیت فاسد ہو تو حیلہ ناجائز ہے، لیکن نیت پر اطلاع ہونا مشکل ہے، اس لئے حکمِ قطعی کسی کی نیت کے متعلق نہیں لگایا جاسکتا۔

۲......حضرت حکیم الامت أدام اللہ فیوضہم نے جو کچھ تحریر فرمایا، خود جناب قائل ہیں کہ انہوں نے بیعِ سلم کی صحت کو تسلیم کرلیا ہے اور فسادِ نیت کی وجہ سے اس قسم کے معاملات کو ناجائز کہا ہے، سو حضرت کی تحریر یہاں کے جواب کے خلاف نہیں۔

۳......سائل کا خیال بظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن احتمال یہ بھی کہ اول زید کو دونیوں کی ضرورت تھی پھر رائے بدل گئی، اس لئے قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے کہ زید کا مقصود حیلہ سے سود لینا ہی ہے۔

۴......کسی شخص کو کسی کام کے لئے ایسے سلور کی ضرورت ہے جس میں دوسری دھاتیں اس نسبت سے پڑی ہوں جس نسبت سے سلور کی چوگوشہ دونیوں میں ہوتی ہیں اور کہیں ایسا سلور بغیر سکہ کے ملتا نہیں تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ بیع سلم مقصود ہے، سود نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ۷/ ۵۲ھ۔

جب عاقل بالغ کے کلام میں دو محمل ہوں: ایک صحیح ایک فاسد، تو شریعت کی تعلیم ہے کہ اس کا کلام صحیح

= کی جو دلیل پیش کی ہے کہ: "لأن الثمنية تثبت في حقهما باصطلاحهما، فتبطل بإبطالهما" مخدوش ہے، اس لئے کہ موجودہ دَور میں کسی چیز کی ثمنیت حکومتی قانون کی رو سے عمل میں آتی ہے، اس لئے فلوس میں بیع سلم کے جواز کا فتوی دینا مشکل ہے"۔ (كفايت المفتي: ۸/ ۵۹، كتاب البيوع، دار الإشاعت كراچي)

(وكذا في إمداد الأحكام، كتاب البيوع، فصل في بيع السلم، بیع السلم بالفلوس جائز ہے یا نہیں؟: ۳/ ۴۲۵، ۴۲۶، مكتبه دارالعلوم كراچي)

(۱) (الأشباه والنظائر، الفصل الخامس، الحيل، ص: ۳۹۷، قديمي)

محمل پرحمل کیا جائے گا(۱)۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہرعلوم، ۲۶/ رجب/ ۵۲ھ۔

قسطوں پر روپیہ جمع کر کے سامان حاصل کرنا اور انعام لینا

سوال[۷۸۹۲]: یہاں پر سائیکل کے ایک تاجر نے چند ماہ سے یہ طریقہ شروع کیا ہے کہ سائیکل کے خریداروں کو بیس ماہ کے لئے ممبر خریداری بناتا ہے، ہر خریدار کو ایک خریداری نمبر دیتا ہے، ہر خریدار ہر ماہ مبلغ ۱۲/ روپیہ بیس ماہ تک جمع کرتا رہتا ہے، جب کہ کل رقم مبلغ ۲۴۰/ روپیہ ہو جاتی ہے تو سائیکل خریدار کو دے دی جاتی ہے۔ نیز دوکاندار اپنے خریداروں سے ہی لے کر ہر ماہ ایک سائیکل بطور انعام دیتا ہے، اپنے ممبران میں سے جس کا نمبر خریداری مقرر کردہ نمبر مطابق ہوتا ہے۔

انعام پانے والے خریدار کو اختیار ہوتا ہے، چاہے اب قسطیں بند کر دے اور یہ سائیکل لے لے، یا دوسری سائیکل قسطوں کے اختتام پر حاصل کرلے۔ تو مذکورہ شکل کو بیع سلم مانا جائے گا یا نہیں؟ اور اس شکل میں بیع فاسد ہے یا باطل یا بیع صحیح ہے؟ اور یہ انعام لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع سلم کے لئے مجلسِ عقد میں (رأس المال) ثمن پر مسلم الیہ کا قبضہ ضروری ہے، وہ یہاں مفقود ہے۔ اگر ثمن کا کچھ حصہ دے دیا جائے اور کچھ حصہ مسلم الیہ کی طرف بطورِ دین کے ذمہ میں پہلے سے تھا تو مقدارِ دَین میں بیع سلم باطل ہو جائے گی اور صرف مقدار مخصوص میں صحیح رہے گی:

"فإن أسلم مأتي درهم في كرّبرّ مأة ديناً عليه: أي على المسلم إليه ومائة نقداً نقدها

---

(۱) "الأصل أن أمور المسلمين محمولة على السداد والصلاح حتى يظهر غيره". قال السيد عميم الإحسان: "من مسائله أن من باع درهماً وديناراً بدرهمين ودينارين، جاز البيع، وصرف الجنس إلى خلاف جنسه تحرياً للجواز حملا لحال المسلم على الصلاح". (قواعد الفقه، أصول الإمام الكرخي، (رقم القاعدة: ٦)، ص: ١٢، الصدف پبلشرز)

(وأيضاً في قواعد الفقه، القواعد الفقهيه، (رقم القاعدة: ٥٢)، ص: ٦٣، الصدف پبلشرز)

رب السلم وافترقا على ذلك، فالسلم فی حصة الدین باطل، اھ". درمختار (۱)۔

اورصورت مسئولہ میں تو بائع کے ذمہ مقدار بائع کو دی جائے۔ اور پھر اس قرض کے عوض سائیکل خریدی جائے تو یہ بیع مداینہ کے قبیل سے ہوجائے گی (۲)۔

ہر ماہ ایک سائیکل انعام میں دینا، یہ لالچ دے کر خریداروں کو بڑھانا ہے کہ خریدار بلاضرورت مبلغ ۱۲/ روپے ماہانہ جمع کرادیا کریں، پھر ایک سائیکل تو بہر حال ملے ہی گی، ممکن ہے کہ انعام بھی نکل آوے، اگر اس انعام کی صورت میں خریدار کا روپیہ ضائع ہونے کی کوئی صورت نہیں، جیسا کہ عبارتِ سوال سے ظاہر ہوتا ہے اور قیمت بھی پوری دیتا ہے، یہ نہیں کہ قیمت پوری ہونے سے پہلے (خواہ ایک ہی خط پر سہی) اگر نام نکل آئے تو

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۱۸/۵، باب السلم، سعید)

"وقبض رأس المال قبل التفرق شرط بقائه، فلو أسلم مأةً نقداً ومأةً ديناً على المسلم إليه فى كر، بطل فى حصة الدين فقط". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۴/۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹة)

"فإن أسلم مأتى درهم فى كُرّ بر مأةً ديناً عليه ومأةً نقداً، فالسلم فى الدين باطل: أى فى حصة الدين؛ لأنه دين بدين". (تبيين الحقائق: ۵۱۵/۴، كتاب البيوع، باب السلم، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲۷۳/۶، كتاب البيوع، باب السلم، رشيديه)

(۲) "فإن وقع الصلح عن إقرار، اعتبر فيه ما يعتبر فى البياعات: إن وقع عن مال بمال، فتجرى فيه الشفعة إذا كان عقاراً .... ولو كان نقدين، لهماحكم الصرف، حتى لو لم يقبض المصالح عليه فى المجلس، يبطل الصلح". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۳۰/۴، كتاب الصلح، رشيديه)

"وإذا وقع عن إقرار، اعتبر فى مايعتبر فى البياعات: إن وقع عن مال بمال لوجود معنى البيع، وهو مبادلة المال بالمال فى حق المتعاقدين بتراضيهما، فتجرى فيه الشفعة إذاكان عقاراً". (الهداية: ۲۴۵/۳، كتاب الصلح، شركت علميه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق: ۴۳۴/۷، كتاب الصلح، رشيديه)

سائیکل مل جائے اور بقیہ قیمت ساقط ہو جائے تب تو بظاہر یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ تو جوئے کی شکل میں ہو کر ناجائز ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۸ھ۔



(۱) "ولاخلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة من القمار". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۲۹، باب تحريم الميسر، دارالكتب العلمية بيروت)

"وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة، فصل في البيع ۶/۴۰۳، سعيد)

فصلٌ فی الاحتکار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

ذخیرہ اندوزی کا حکم

سوال[۷۸۹۳]: ایک شخص کی آمدنی کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ وہ پیاز، لہسن، آلو، گیہوں وغیرہ خرید کر جمع کر لیتا ہے اور جب یہ چیزیں مہنگی ہوجاتی ہیں تب بیچتا ہے۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بستی میں یہ اشیاء بکثرت موجود ہیں اور اس شخص کے خریدنے سے کوئی تنگی پیش نہیں آتی اور دیر بعد جب موسم نہ رہے، ان کو گراں فروخت کرتا ہے اور گراں بھی اس قدر جو کہ قابلِ برداشت ہے تو اس میں گناہ نہیں، اس کی آمدنی درست ہے۔ اگر اس کے خریدنے سے تنگی اور پریشانی ہوتی ہے اور وہ ناقابلِ برداشت گراں فروخت کرتا ہے تو یہ سخت گنہگار ہے(۱) اور یہ طریقہ موجبِ لعنت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وإن اشترى في ذلك المصر، وحبسه، ولا يضر بأهل المصر، لابأس به. وإذا اشترى من مكان قريب من المصر، فحمل طعاماً إلى المصر، وحبسه، وذلك يضرّ بأهله، فهو مكروه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۱۳/۳، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، فصل في الاحتكار، رشيديه)

"الاحتكار مكروه، وإنه على وجوه: أحدها: أن يشتري طعاماً في مصر أو ما أشبهه، ويحبسه، ويمتنع من بيعه، وذلك يضر بالناس، فهو مكروه .... والثاني: أن يشتري في مكان قريب من المصر، فحمل إلى المصر، وحبسه، وذلك يضر بأهل المصر، فهو مكروه أيضاً للحديث". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۲۶۶/۸، كتاب البيع، فصل في الاحتكار، غفاريه كوئٹه)

"احتكار قوت الآدميين والبهائم في بلد يضر بأهلها: يعني يكره الاحتكار في بلد يضر بأهلها؛ =

ذخیرہ اندوزی کا حکم

سوال[۷۸۹۴]: عمرو فصل کے موقعہ پر از قسم سبزی مثلاً آلو، اروی، پیاز وغیرہ خریدتا ہے اور جب فصل نکل جاتی ہے تو فروخت کرتا ہے جب کہ گراں ہوجاتی ہیں اشیائے مذکورہ۔ تو کیا صورت مذکورہ احتکار میں داخل نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس کے خریدنے سے بستی والوں کو ضرر ہوتا ہے کہ وہ چیز نایاب ہو جاتی ہے، یا گراں ہوجاتی ہے تو یہ احتکار میں داخل ہو کر ممنوع ہے، اگر ضرر نہیں ہوتا تو ممنوع نہیں ہوتا:

"وكره احتكار قوت البشر كتبنٍ وعنب ولوز، والبهائم كتبن وقتّ في بلد يضر بأهله لحديث: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". فإن لم يضر، لم يكره، اه". درمختار۔

"والتقييد بقوت البشر قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ، وعليه الفتوىٰ، وكذا في الكافي. وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: كل ماأضر بالعامة حبسه، فهو احتكار. (قوله: كتين وعنب ولوز): أي مما يقوم به بدنهم من الرزق، ولو دخناً، لاعسلاً وسمناً. (قوله: وقت) بالقاف والتاء المثناة من فوق الفصفصة -بكسر الفائين- وهي الرطبة من علف الدواب، اه. وفي المغرب: القتّ اليابس من الاسفست، اه، ومثله في القاموس. وقال في الفصفصة -بالكسر-: هونبات، فارسيته اسفست، تأمل. (قوله: في بلد) أو مافي حكمه كالرستاق،

= لقوله عليه الصلوة والسلام: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (البحر الرائق: ۸/۳۷۰، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۲۰، كتاب الكراهية، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۲۱۲، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۶، أبواب التجارات، باب الحكرة والجلب، قديمي)

والقرية. (قوله: يضر بأهله) بأن كان البلد صغيراً، اه". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔



(۱) (ردالمحتار مع الدرالمختار: ۳۹۸/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع، سعيد)

"ويكره الاحتكار فی أقوات الآدميين والبهائم إذا كان ذلک فی بلد يضرّ الاحتكار بأهله، وكذلک التلقی، فأما إذا كان لا يضر، فلا بأس به. والأصل فيه قوله عليه الصلوٰة والسلام: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (الهداية: ۴۶۸/۴، كتاب الكراهية، فصل فی البيع، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويكره الاحتكار فی أقوات الآدميين والبهائم ببلد يضر بأهله؛ لأنه تعلق به حق العامة". (ملتقى الأبحر). "قيد بقوله: (يضر بأهله)؛ لأنه لو كان المصر كبيراً لا يضر بأهله، فليس بمحتكر؛ لأنه حبس ملكه، ولا ضرر فيه لغيره". (مجمع الأنهر: ۲۰۳/۴، كتاب الكراهية، فصل فی البيع، غفاريه كوئٹه)

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

نوٹ وروپیہ کی بیع ریزگاری کے ساتھ

سوال[۷۸۹۵]: ریزگاری روپیہ چاندی سکہ سابق، یاروپیہ کانسی سکہ جدید، یانوٹ سے کمی بیشی یعنی نوٹ یاروپیہ دے کر چودہ یااٹھارہ آنے سے لینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوروپیہ خالص چاندی کا روپیہ ہو، یااس میں چاندی غالب ہواس کی بیع ایسی ریزگاری کے عوض جو خالص چاندی کی ہو، یااس میں چاندی غالب ہوکمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے، اس میں برابری ضروری ہے۔اور ایسی ریزگاری کے عوض جونہ خالص چاندی کی ہواور نہ اس میں چاندی غالب ہو، کمی بیشی کے ساتھ بھی درست ہے، اس میں برابری ضروری نہیں۔

اور جوروپیہ نہ خالص چاندی کا ہواور نہ اس میں چاندی غالب ہو، اس کی بیع ایسی ہی قسم کی ریزگاری کے عوض کمی بیشی کے ساتھ شرعاً درست ہے، اس میں برابری ضروری نہیں، البتہ خالص وغالب چاندی کی ریزگاری کے عوض اس وقت درست ہوگی جب کہ اس کی چاندی روپیہ کی چاندی سے زائد ہو، خواہ کسی قسم کی ہو، کم زیادہ لینا دینا درست نہیں۔اسی طرح نوٹ کے عوض روپیہ کم زیادہ لینا دینا درست نہیں ہے:

"وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ، حتی لا یصح بیع الخالصة بهما، ولا بیع بعضها ببعض إلامتساویاً وزناً، ولا یصح الاستقراض بهما إلا وزناً. وغالب الغش لیس فی حکم الدراهم والدنانیر، فیصح بیعها بجنسها متفاضلاً، اه". کنز۔

"أی وزناً و عدداً؛ لأن الحکم للغالب، فلا یضر التفاضل لجعل الغش مقابلاً بالفضة،

أو الـذهـب الـذي في الأخر، ولكن يشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف في البعض لوجود الـفضة أو الذهب من الجانبين. ويشترط في الغش أيضاً؛ لأنه لا يتميز إلا بضرر. وكذا إذا بيعت بـالـفـضة الخالصة أو الذهب الخالص، لابد أن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذي في الـمـغشـوش، حتـى يـكـون قـدره بـمثـلـه، والـزائـد بالغش على مثال بيع الزيتون بالزيت". بحر: ٢١٧/٦ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال[۷۸۹۶]: ریزگاری کی قلت کی وجہ سے نوٹ کے بارہ آنہ یا چودہ آنہ دینا یا لینا سودی لین دین میں شامل ہے یا نہیں؟ جبکہ قانوناً ہر دو یعنی نوٹ اور روپیہ کے سولہ آنہ قیمت مقرر ہو، کیا حکم شرعی ہے کہ اس کا مرتکب کس گناہ میں شامل ہوگا؟

---

(١) (البحر الرائق: ٣٣٤/٦، كتاب الصرف، رشيديه)

"وما غالبه الفضة أو الذهب فضةٌ وذهبٌ، فلا يجوز بيع الخالص به، ولا بيع بعضه ببعض إلامتساوياً وزناً، ولا استقراضه إلا وزناً. وما غلب عليه الغش منهما، فهو في حكم العروض، فبيعه بالخالص على وجوه حلية السيف، ويصح بيعه بجنسه متفاضلاً بشرط التقابض في المجلس". (ملتقى الأبحر). "(قوله: على وجوه السيف)؛ لأنه إذا كانت زيادة الخالصة معلومةً، يجوز البيع لو تقابضا قبل الافتراق، وتكون الفضة بالفضة، والزيادة في مقابلة الغش هو النحاس وغيره على مثال بيع الزيتون بالزيت. أما إذا كانت الخالصة مثل ما في المغشوش، أو أقل، أو لم يعلم أيهما أقل، فلا يجوز". (مجمع الأنهر: ١٦٧/٣، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ٢٦٥/٥، ٢٦٦، كتاب البيوع، باب الصرف، سعيد)

(وكذا في الهداية: ١١٠/٣، كتاب الصرف، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ٢١٩/٣، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الأول في بيع الذهب والفضة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ کے عوض کمی زیادتی جائز نہیں (۱)، روپیہ کے عوض کمی زیادتی درست ہے (۲) اور ریزگاری اور روپیہ میں خالص بیع صرف نہیں۔ البتہ اگر ایک جانب خالص چاندی یا غالب چاندی ہو اور دوسری طرف بھی ایسا ہی ہو تو مساوات شرط ہے (۳)، ورنہ چاندی کے مقابلہ میں چاندی اور کھوٹ (۴)، یا دوسری دھات کے مقابلہ

(۱) "بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً .... والذى يظهر لهذ العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ فى زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها فى كل شىء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغى أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۸، دارالعلوم كراچى)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك فى العدالى والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال فى ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، يفتح باب الربا". (الهداية: ۳/۱۱۰، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۲) "اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فصّ أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع ليس بصرف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثانى فى أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث فى بيع الفلوس: ۳/۲۲۴، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۵/۱۸۰، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

واضح رہے کہ ازمنۂ ماضیہ میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ لوہے اور کاغذ سے بنتا ہے اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلہ کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے، كما تقدم فى الحاشية المتقدمة.

(۳) "عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولاتبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعضها ولا تبيعو منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۴، كتاب المساقاة والمزارعه، باب الربا، قديمى)

(۴) لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ خالص چاندی زیادہ ہو، تاکہ چاندی، چاندی اور زائد کھوٹ کے بدلے ہو جائیں: "لا بيع =

میں کھوٹ یا چاندی یا دوسری دھات ہونے سے بیع ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الزيتون بالزيت والسمسم بالشيرج حتى يكون الزيت والشيرج أكثر ما في الزيتون والسمسم، لتكون الزيادة بالثجير". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۲۶/۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

"إذا كانت زيادة الخالصة معلومةً، يجوز البيع لو تقابضا قبل الافتراق، وتكون الفضة بالفضة والزيادة في مقابلة الغش هو النحاس وغيره على مثال بيع الزيتون بالزيت". (مجمع الأنهر: ۱۶۷/۳، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۲۵/۶، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

(۱) "بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً .... والذي يظهر لهذ العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شئ، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۵۸۸/۱، دارالعلوم كراچی)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، يفتح باب الربا". (الهداية: ۱۱۰/۳، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فصّ أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع ليس بصرف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث في بيع الفلوس: ۲۲۴/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۸۰/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

واضح رہے کہ ازمنۂ ماضیہ میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ لوہے اور کاغذ سے بنتا ہے اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلہ کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے، كما تقدم في العبارة الأولىٰ.

دینار کی قیمت

سوال[۷۸۹۷]: دو دینار شرعی کی قیمت کیا ہوتی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو دینار کی قیمت بازار سے دریافت کی جائے، شریعت نے اس کی قیمت مقرر نہیں کی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

درہم کی قیمت

سوال[۷۸۹۸]: درہم کی قیمت موجودہ روپے کے حساب سے کتنی ہونی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کے ۵۰۰/ درہم کا وزن ۱۳۲/ تولہ ہے(۱)، قیمت بازار سے دریافت کرلی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۹/ ۱۱/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳۰/ ۱۱/ ۸۹ھ

روپیہ، نوٹ، ریز گاری کی متفاضلاً بیع

سوال[۷۸۹۹]: ۱.....فی الحال جو روپیہ رائج ہیں جس میں چاندی کم اور غش غالب ہو ان کو، یا

---

(۱) مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جب کہ یہ متفق علیہ ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے اور تحقیق مذکور سے ثابت ہوگیا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک پانچواں حصہ رتی کا ہے تو حساب نکالنے سے واضح ہوگیا کہ چاندی کا نصاب باون تولہ چھ ماشہ ہے اور چونکہ رائج الوقت روپیہ ہمارے زمانہ میں ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے تو روپیہ سے چون روپیہ بارہ آنے چھ صحیح چھ بٹہ تیئس پائی نصاب زکوۃ ہوا.......... درہم کا جو وزن اوپر بیان کیا گیا ہے، تمام احکام ومعاملات شرعیہ میں جہاں کہیں درہم بولا گیا ہے، یہی درہم شرعی مراد ہوگا۔

اس لئے عورت کے مہر کی کم سے کم مقدار جو حنفیہ کے نزدیک دس درہم ہے، دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوئی اور مہر فاطمی کی مقدارِ منقول پانچ سو درہم ہے، اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی''۔ (جواھر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی، سونے سے صحیح نصاب: ۱/ ۴۲۳، ۴۲۴، مکتبہ دار العلوم کراچی)

نوٹ کو پہلے کے روپیہ کے عوض تفاضلاً بیچنا جس میں چاندی غالب اور کھوٹ کم ہو جائز ہے یا نہیں؟

۲......روپیہ یا نوٹ کی بیع ریزگاری یا پیسوں سے تفاضلاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز ہر ریزگاری کا ایک حکم ہے یا مثل گلٹ کی ریزگاری کا دوسرا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

۳......آج کل کا روپیہ اور پہلے کا روپیہ دونوں مساوی الحکم ہیں یا پہلا روپیہ نقد کے حکم میں ہے اور فی الحال جو رائج ہے عروض کے حکم میں ہے؟

محمد یٰسین مبارکپوری، مدرس احیاء العلوم۔

الجواب: ۱، ۲، ۳: سکوں کا ایک حکم ہے، کھوٹ کے کم وبیش کی وجہ سے قیمت کم وبیش نہیں ہوتی، اس لئے صحیح یہ ہے کہ اس کی بیع تفاضلا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

عبدالرؤف قادری داناپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......موجودہ روپیہ کو سابقہ روپیہ کے عوض تفاضلاً بیچنا شرعاً درست ہے، کیونکہ موجودہ روپیہ میں چاندی مغلوب بلکہ معدوم ہونے کی وجہ سے چاندی کے حکم میں نہیں کہ تفاضلاً بیع کی صورت میں ربا لازم آئے اور تساوی واجب ہو، بلکہ اس میں ہر طرح کی کمی بیشی درست ہے۔ نوٹ حوالہ ہے(۱)، اس میں کمی بیشی جائز نہیں: "لأن الأقراض تقضی بأمثالها"(۲)۔

اور کمی بیشی کی صورت میں ربا لازم آئے گا۔ اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ موجودہ روپیہ میں بھی کچھ چاندی موجود ہے تو پھر اتنی شرط ضروری ہوگی کہ سابقہ روپیہ میں جس قدر چاندی ہے وہ اس چاندی سے زائد رہے جو کہ موجودہ روپیہ میں ہے، اس کے خلاف نہ ہو یعنی دونوں کی چاندی مساوی نہ ہو اور موجودہ روپیہ کی چاندی زائد نہ

---

(۱) اب نوٹ کی حیثیت حوالہ کی نہیں، بلکہ ثمنِ عرفی کی ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ "نوٹ بمنزلہ روپے کے ہے" کے تحت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے۔

(۲) (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، کتاب الأیمان، سعید)

"القروض یجب فی الشریعة الإسلامیة أن تقضی بأمثالها" (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، ص: ۱۷۴، مکتبہ دار العلوم کراچی)

ہو، نیز تقابض ضروری ہوگا اور اس وقت موجودہ روپیہ کی چاندی کو اتنی چاندی کے مقابلہ میں قرار دیا جائے گا اور کھوٹ کو زائد چاندی کے مقابلہ میں، ودلیله ما سیأتی۔

۲......نوٹ کے عوض ناجائز ہے(۱)، روپیہ کے عوض جائز ہے، ہر ریزگاری کا ایک ہی حکم ہے، اتحادِ جنس کے وقت تساوی وتقابض ضروری ہے، کما سیأتی۔

۳......موجودہ روپیہ ستوقہ چاندی کے حکم میں نہیں بلکہ فلوسِ نافقہ یا عروض کے حکم میں ہے اور گذشتہ روپیہ چاندی غالب ہونے کی وجہ سے فضہ کے حکم میں ہے:

"وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ، حتی لا يصح بيع الخالصة بهما ولا بيع بعضها ببعض إلا متساوياً وزناً، وغالب الغش ليس فی حكم الدراهم والدنانير؛ لأن العبرة للغالب فی الشرع، فصح بيعها بجنسها متفاضلاً: أی بالمغشوش مثلها عدداً أو وزناً؛ لأن الغش من كل واحد منهما تقابل بالفضة أو الذهب الذی فی الأخير، فلا يضرّ التفاضل فيهما لاختلاف الجنس. ويشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف فی البعض لوجود الفضة والذهب من الجانبين، ويشترط فی الغش أيضاً؛ لأنه لا يتميز إلا بضرر. وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو

---

(۱) اس لئے کہ نوٹ کا حکم فلوسِ نافقہ کا ہے اور فلوس میں تفاضل کے ساتھ بیع ناجائز ہے، البتہ روپیہ کے عوض تفاضل کے ساتھ اس لئے جائز ہے کہ روپیہ چاندی کا ہے اور ریزگاری دوسری دھات کی ہے:

"بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً .... والذی يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ فی زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها فی كل شیء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا بمصر اعيه لكل من هب ودب، فينبغی أن يختار قول محمد رحمه الله تعالیٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۸، دارالعلوم كراچی)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك فی العدالی والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال فی ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، يفتح باب الربا". (الهداية: ۳/۱۱۰، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فی بحوث فی قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

الـذهـب الـخـالص، لابدأن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذى فى المغشوش حتى يكون قدره بمثله والزائد بالغش، اه". زيلعى شرح كنز(۱)۔

قـولـه فـى الـمتـن: "(وغـالـب الـغـش ليـس فى حكم الدراهم إلىٰ آخره) اعلم أن الـكـرخى رحمه الله تعالىٰ يسمى هذا النوع الستوق، فقال: الستوق عندهم ما كان الصفر أو الـنـحـاس هـو الـغالـب، فإذا كان الصفر أو النحاس هو الغالب كانت فى حكم الصفر أو الـنـحـاس، حتـى لاتبـاع بـالـصـفـر أو النحاس إلا مثلاً بمثل يداً بيد، ولكن إذا بيعت هذه الـدراهـم بـجـنسهـا متـفـاضلاً جـاز، ويـصـرف الجنس إلى خلاف الجنس تجويزاً للعقد، ويشتـرط الـقبـض لكونه صرفاً؛ لأنه بيع فضة بفضة، فلما اشترط القبض فى الفضة، اشترط فـى الـصـفر أو النحاس أيضاً؛ لأن فى تمييزه .... مضرةٌ، انتهى". شلبى حاشية زيلعى: ۴/۱۴۱(۲).

وأيضاً فيه: "لما كان الغالب فيهما الغش، صارت كالفلوس"(۳).

"ومـا غلب عليه الغش منهما، فهو فى حكم العروض لا فى حكم الدراهم والدنانير؛ إذ الحكم للغالب فى الشرع، اه". مجمع الأنهر: ۲/۱۲۰(۴).

وفيـه: ۲/۸۶: "وجـاز بيـع فـلـس مـعيـن بفلسين معينين عند الشيخين –رحمهما الله تـعـالـىٰ– خـلافـاً لـمحمد رحمه الله تعالىٰ، اه".(۵)۔ وأيضاً فيه: ۲/۱۱۹: "وصح بيع درهم صحيح ودرهمين غلة بدرهمين صحيحين ودرهم غلةٍ، اه".(۶).

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۴/۵۲۱، ۵۲۲، كتاب الصرف، سعيد)

(۲) (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ۴/۵۲۲، كتاب الصرف، سعيد)

(۳) (تبيين الحقائق: ۴/۵۲۳، كتاب الصرف، سعيد)

(۴) (مجمع الأنهر: ۳/۱۶۷، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(۵) (مجمع الأنهر: ۳/۱۲۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(۶) (مجمع الأنهر: ۳/۱۶۶، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

والبسط فی البحر(۱) ورد المحتار(۲) ومرأة المجلة وغیرها من کتب الفقه المتون۔

عباراتِ مذکورہ سے گذشتہ روپیہ موجودہ روپیہ وریزگاری سب کا حکم معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶۴/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶۴/۹/۱۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رمضان/۶۴ھ۔

---

(۱) "وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ يعني، فلا يصح بيع الخالصة بها ولا بيع بعضها ببعض إلا متساوياً وزناً .... وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير، فيصح بيعها بجنسها متفاضلاً: أي وزناً وعدداً؛ لأن الحكم للغالب، فلا يضر التفاضل لجعل الغش مقابلاً بالفضة أو الذهب الذي في الآخر، ولكن يشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف في البعض لوجود الفضة أو الذهب من الجانبين، ويشترط في الغش أيضاً؛ لأنه لا يتميز إلا بضرر. وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو الذهب الخالص، لابد أن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذي في المغشوش، حتى يكون قدره بمثله والزائد بالغش على مثال بيع الزيتون بالزيت". (البحر الرائق: ۳۳۴/۶، کتاب الصرف، رشیدیه)

(۲) "وما غلب فضته وذهبه فضةٌ وذهبٌ حكماً، فلا يصح بيع الخالص به ولا بيع بعضه ببعض إلا متساوياً وزناً .... والغالب عليه الغش منهما في حكم عروض اعتباراً للغالب، فصح بيعه بالخالص إن كان الخالص أكثر من المغشوش ليكون قدره بمثله والزائد بالغش". (ردالمحتار: ۲۶۵/۵، ۲۶۶، کتاب البیوع، باب الصرف، سعید)

"وصح بيع الفلس المعين بفلسين معينين عندهما، وقال محمد: لايجوز؛ لأن الفلوس الرائجة أثمان وهو لايتعين، ولذا لاتتعين الفلوس إذا قوبلت بخلاف جنسها كالنقدين". (البحر الرائق: ۲۱۹/۶، کتاب البیوع، باب الربا، رشیدیه)

"وصح أيضاً بيع درهم صحيح ودرهمين غلة بدرهمين صحيحين ودرهم غلة". (النهر الفائق: ۵۳۶/۳، کتاب الصرف، مکتبه امدادیه ملتان)

(وكذا في الهداية: ۱۱۰/۳، کتاب الصرف، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وكذا في فتح القدير: ۱۵۱/۷، کتاب الصرف، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۹/۳، کتاب البیوع، الباب الثانی فی أحکام العقد، رشیدیه)

نوٹ کی بیع کمی بیشی سے

سوال[۷۹۰۰]: بٹہ داری جائز ہے کہ نہیں یعنی کہ ایک روپیہ کے دام کسی سے لیتا ہو تو وہ روپیہ لیتا ہے اور اس کو ساڑھے پندرہ آنے واپس کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ روپیہ اس کو لینا جائز ہے یا سود لینا ہوگا، یا نوٹ دے کر پندرہ آنے لیتا ہے تو یہ ایک آنہ رکھ لیتا ہے لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نورالدین مچھرسنگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب چاندی کی بیع چاندی کے عوض کی جائے تو اس میں کمی زیادتی ناجائز ہے، اگر چاندی کی بیع چاندی کے علاوہ کسی دوسری شیٔ کے ساتھ کی جائے خواہ وہ سونا ہو خواہ سلور، پیتل، تانبا وغیرہ کچھ ہو تو اس میں برابری شرط نہیں، بلکہ کمی زیادتی جائز ہے(۱)، اور پیسہ اصلِ خلقت کے اعتبار سے ثمن نہیں بلکہ متعاقدین نے اصطلاحاً اس کو ثمن قرار دیا ہے اور اس کا رواج ہوگیا ہے، لہٰذا شرعاً اس کی بھی گنجائش ہے کہ زید وعمر جب فلوس کی بیع کریں تو مروجہ ثمنیت کا اعتبار ساقط کرکے اپنی بیع میں علیحدہ یعنی رواج کے علاوہ فلوس کی قیمت متعین کرلیں:

"واعلم أن الفلوس ليست بثمن فى الأصل، وإنما ضربت لتقام مقام الكسور من الفضة لحاجة الناس إلى ذلك فى شراء الدراهم اه". در منتقى : ۱۲۳/٤(۲)۔

"وكذا فى الفلوس: أى يصح السلم فيها عدداً؛ لأن الثمنية ليست خلقية، وإنما الجواز فيها بالاصطلاح، فللعاقدين إبطالها، خلافاً لمحمد ؛لأنها أثمان. وفى البحر: وظاهر الرواية عن الكل الجواز، اه". مجمع الأنهر: ۹۸/۲(۳)۔

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (الصحيح لمسلم: ۲۵/۲، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمى)

(وسنن ابن ماجة، ص: ۱۶۳، أبواب التجارات، قديمى)

(۲) (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱۷۱/۳، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(۳) (مجمع الأنهر: ۱۳۹/۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه) .... =

ایک روپیہ کا نوٹ دے کر ۱۵/ آنہ لینا درست نہیں کیونکہ نوٹ کی خود قیمت ایک روپیہ یا ۱۵/ آنہ نہیں، بلکہ یہ ایک حوالہ اور رسید ہے(۱)، جتنے کی یہ رسید ہے اتنا ہی لیا دیا جا سکتا ہے اس میں کمی زیادتی جائز نہیں، ورنہ بدل قرض میں زیادتی کمی لازم آئے گی جو کہ ربا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

نوٹ بمنزلہ روپے کے ہے

سوال[۷۹۰۱]: موجودہ دور میں بیع صحیح کی شرعی پابندی کس طرح کی جائے جبکہ خریداری نوٹوں سے کی جاتی ہے جس سے چاندی سونا بھی خریدا جاتا ہے، ایک وقت میں ایک مقام پر خریداری نہیں ہوتی، قیمت میں دین بذریعہ چیک دیا جاتا ہے، یا وی پی سے بھی کیا جاتا ہے، اس حالت میں بیع شرعی کے شرائط پورے نہیں ہوتے، ورنہ کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب جبکہ روپیہ کا وجود بہت کم ہو گیا ہے گویا کہ نایاب ہو گیا تو نوٹ کو ہی بمنزلہ روپیہ کے قرار دیدیا گیا کہ سارا کاروبار اب نوٹ ہی سے ہوتا ہے، اگر نوٹ کی وہی اصل حیثیت (حوالہ) رہے تو عام مخلوق حرجِ عظیم

= مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ: ''فقہاء کی دلیل ''لأن الثمنية تثبت في حقهما باصطلاحهما، فتبطل بإبطالهما''. مخدوش ہے، ممکن ہے کہ فقہائے کرام کے زمانے میں ایسا ہی ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں مقدمۂ اُولیٰ کی صحت غیر مسلّم ہے، بلکہ ''الثمنية تثبت بقانون الحكومة، ولا ترتفع إلا بقانون الحكومة''. اس لئے جواز فی الفلوس النافقہ کا فتویٰ دینا مشکل ہے''۔ (کفایة المفتی: ۸/۵۹، باب السلم، فلوس میں بیع سلم کا حکم، دار الإشاعت کراچی)

اس لئے فلوس کی ثمنیت کو ساقط کر کے علیحدہ قیمت مقرر کر کے بیع کرنے کا جواز مشکل ہے۔

(۱) لیکن موجودہ نوٹ کی حیثیت حوالہ کی نہیں، بلکہ ثمن عرفی کی ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ بعنوان: ''نوٹ بمنزلہ روپے کے ہے''، میں مفتی صاحب نے موجودہ نوٹ کو ثمن قرار دیا ہے۔

میں مبتلا ہوگی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۱/۸۸ھ۔

حج میں نوٹ کا تبادلہ کمی زیادتی سے

سوال[۷۹۰۲]: عام ملکوں کی حکومتوں کا دستور ہے کہ وہاں کی حکومت سعودیہ عربیہ میں حاجیوں کو خرچ کے لئے ایک خاص قسم کا نوٹ دیتی ہے جو سعودیہ عربیہ میں گراں قیمت پر فروخت ہوتا ہے، تو کیا حج کا سو روپے والا نوٹ اس ملک کے دوسرے نوٹ سے کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ نوٹ حکومت سعودیہ عربیہ میں چلانے کے لئے دیا جاتا ہے، اس کو اپنے ملک میں زیادہ قیمت پر چلانا درست نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ڈالر کی بیع کمی زیادتی سے

سوال[۷۹۰۳]: زید سعودیہ عربیہ میں ملازمت کے دوران ڈالر (کرنسی) خریدتا ہے اور ہندوستان

---

(۱) "وبالجملة صارت هذه الأوراق اليوم كالنقود، ويطلق عليها اسم النقد والعملة في العربية والإنكليزية والأردية .... فالذي أرىٰ أن القول بثمنيتها أصبح قوياً منذ أن جعلتها الحكومات أثماناً قانونيةً، وجبرت الناس بقبولها عند اقتضاء ديونهم". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۲۰، باب تحريم مطل الغني، دارالعلوم كراچي)

"فالذي أراه حقاً وأدين الله عليه: أن حكم الورق المالي كحكم النقدين في الزكاة سواء بسواء؛ لأنه يتعامل به كالنقدين تماماً، ولأن مالكه يمكنه صرفه وقضاء مصالحه به في أيّ وقت شاء، فمن ملك النصاب من الورق المالي ومكث عنده حولاً كاملاً، وجبت عليه زكاته". (شرح الفتح الرباني: ۸/۲۵۱، آخر باب الزكاة الذهب والفضة)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص. ۱۵۹، دارالعلوم كراچي)

(۲) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قانونِ حکومت کو مدنظر رکھ کر "درست نہیں" فرمایا، ورنہ ان نوٹوں کا دوسرے ملک کے نوٹوں سے نفسِ تبادلہ میں بظاہر کوئی حرج نہیں، كما سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية آنفاً.

میں جہاں بھی اس کو ڈالر کا بھاؤ اچھا ملتا ہے اسے فروخت کر دیتا ہے، ایسا کرنے پر اس کو بینکوں ۔ کے سرکاری بھاؤ سے کہیں زیادہ فائدہ ڈالر میں مل جاتا ہے۔ کیا اس کو ایسا کرنا جائز ہے جبکہ ہندوستان کی حکومت غیر اسلامی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ڈالر کی حیثیت وہ ہے جو کہ انڈیا میں نوٹ کی ہے، یہ اصالۃً وہ رسید اور حوالہ تھا، اس رقم کا جو اس میں درج ہے کہ اس کے ذریعہ رقم وصول کی جا سکتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ اب رقم تقریباً معدوم ہو چکی اور سب جگہ نوٹ ہی رقم کی طرح مستعمل ہے، پس یہ نوٹ بھی اب مبیع بن چکا ہے، اس کی بیع کمی زیادتی کے ساتھ درست ہے تو ڈالر کی بیع بھی کمی زیادتی کے ساتھ درست ہے، مگر اس کا خیال رہے کہ یہ قانونی جرم نہ ہو جس سے عزت اور مال دونوں خطرہ میں پڑ جائیں (۱)۔ اگر ڈالر کی حیثیت وہ نہیں جو ہندوستان میں نوٹ کی ہے تو اس کا حکم بھی

---

(۱) "وأما العملة الأجنبية من الأوراق فهي جنس آخر، فيجوز مبادلتها بالتفاضل، فيجوز بيع ثلاث ربيات باكستانية بريال واحد سعودي. ثم إن العملات المختلفة لها قيمة معهودة في البنوك والدوائر الحكومية، فهل تجوز المبادلة بأكثر أو أقل من هذه القيمة المعهودة كما يفعل ذلك في السوق السوداء؟ والجواب: أننا لما اعتبرنا العملة الأجنبية جنساً آخر، فالأصل أن التفاضل في مثله جائز شرعاً بالغاً مّا بلغ، فلا تكون المبادلة على خلاف سعرها الحكومي ربا، ولكن يمنع من ذلك، لكونه مخالفةً لأولي الأمر إذا كانت الحكومة إسلاميةً، ولكونه عرضاً للنفس لعقوبات قانونية إذا كانت الحكومة غير إسلامية". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۹۰، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، حكم الأوراق النقدية، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، دارالعلوم كراچی)

"وإذا عدم الوصفان: الجنس والمعنى المضموم إليه، حل التفاضل والنسأ لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة. وإذا وُجدا، حرم التفاضل والنسأ لوجود العلة. وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر، حل التفاضل وحرم النسأ". (الهداية: ۳/۸۱، باب الربا، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

دوسرا ہوسکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

ڈالر کم زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۷۹۰۴]: ملیشیا میں ایک سوڈالر کی قانونی قیمت ۲۴۵/روپے ہندوستانی ہے، مگر بلیک مارکیٹ میں ۱۰۰/ڈالر کی قیمت ۳۵۰/روپیہ ہے، کبھی زیادتی بھی ہوتی ہے۔تو یہ زائد قیمت لے کر ڈالر دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کا روپیہ اور ملیشیا کا روپیہ برابر نہیں ہے، جو نرخ گورنمنٹ نے مقرر کر رکھا ہے وہ ایک قانونی چیز ہے، اس سے کم زیادہ پر فروخت کرنے میں جو روپیہ حاصل ہوگا وہ روپیہ شرعاً جائز ہوگا، مگر قانون کی رعایت بھی رعایا کے ذمہ لازم ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے روپیہ وعزت دونوں کا خطرہ ہے، عزت کی حفاظت بھی شرعاً ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۸۸ھ۔

غیر ملکی پونڈ وغیرہ کی بیع

سوال[۷۹۰۵]: ممالکِ غیر سے پاؤنڈ کی شکل میں لندن بینک کا ڈرافٹ ہندوستان آتا ہے، اس ڈرافٹ کا گورنمنٹ آف انڈیا نے جو بھاؤ متعین کیا ہے اس بھاؤ سے انڈیا کی بینک میں ڈرافٹ کو نہ تڑواتے ہوئے خانگی تاجروں کے ہاں گورنمنٹ کے معینہ بھاؤ سے زیادہ رقم ملنے کی وجہ سے ڈرافٹ تڑوانا جائز ہے یا نہیں، اس فعل کا مرتکب کیسا ہے؟

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "ڈالر کی بیع کمی زیادتی سے")

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ایسا کرنے پر قانونی گرفت نہیں تو اس کی گنجائش ہے(۱)، بشرطیکہ مسلم کو خسارہ نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

سونے کے سیال پانی کی بیع

سوال[۷۹۰۶]: حل (یعنی سونے کا سیال پانی تیزابی اشیاء ڈال کر سونے کو محلول کر کے بنایا جاتا ہے اور اسے چوڑی پر پوتا جاتا ہے جس سے چوڑی سنہری خوشنما معلوم ہوتی ہے) یہاں بالعموم اس کی فروخت ادھار ہوتی ہے، لیکن اس زمانہ میں جب کہ ذریعۂ خرید چاندی نہیں، بلکہ نوٹ ہے تو حل کی ادھار خرید وفروخت سود میں تو داخل نہیں، کیا عموم بلویٰ کی وجہ سے درست ہے؟

خریدار نظام۔

---

(۱) "وأما العملة الأجنبية من الأوراق فهي جنس آخر، فيجوز مبادلتها بالتفاضل، فيجوز بيع ثلاث ربيات باكستانية بريال واحد سعودي. ثم إن العملات المختلفة لها قيمة معهودة في البنوك والدوائر الحكومية، فهل تجوز المبادلة بأكثر أو أقل من هذه القيمة المعهودة كما يفعل ذلك في السوق السوداء؟ والجواب: أننا لما اعتبرنا العملة الأجنبية جنساً آخر، فالأصل أن التفاضل في مثله جائز شرعاً بالغاً مّا بلغ، فلا تكون المبادلة على خلاف سعرها الحكومي ربا، ولكن يمنع من ذلك، لكونه مخالفةً لأولي الأمر إذا كانت الحكومة إسلاميةً، ولكونه عرضاً للنفس لعقوبات قانونية إذا كانت الحكومة غير إسلامية". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۹۰، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، حكم الأوراق النقدية، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، دارالعلوم كراچی)

"وإذا عدم الوصفان: الجنس والمعنى المضموم إليه، حل التفاضل والنسأ لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة. وإذا وُجدا، حرم التفاضل والنسأ لوجود العلة. وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر، حل التفاضل وحرم النسأ". (الهداية: ۳/۸۱، باب الربا، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) لیکن یہ شرط صحتِ بیع کے لئے لگانا مشکل ہے، کیونکہ مسلم کو خسارہ کی صورت میں بھی تراضی کے ساتھ جائز ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود میں داخل نہیں، اس کی خرید وفروخت ادھار بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بٹہ پر نوٹ فروخت کرنا

سوال[۷۹۰۷]: گلٹ یا چاندی کا روپیہ ۲۰/آنہ میں بیچنا کیسا ہے؟ نیز پھٹے پرانے نوٹ کو بٹے پر لینا دینا کیسا حکم رکھتا ہے؟

صوفی محمد اسحاق انصاری نصیر آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی یا گلٹ کا روپیہ ۲۰/آنہ یا ڈیڑھ روپے میں بیچنا شرعاً درست ہے(۲)، کم زیادہ پر پھٹا پرانا

---

(۱) "إن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فصّ أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۲۴/۳، كتاب الصرف، الباب الثاني في العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث في بيع الفلوس، رشيديه)

"سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئةً، فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين لما في البزازية: لو اشترى مأة فلس بدرهم، يكفي التقابض من أحد الجانبين، ومثله ما لو باع فضةً أو ذهباً بفلوس". (رد المحتار: ۱۸۰/۵، كتاب البيوع، آخر كتاب الربا، سعيد)

"وإذا اشترى الرجل فلوساً بدراهم، ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز، وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، إن تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا". (المبسوط للسرخسي: ۳۳/۱۴، كتاب الصرف، باب البيع بالفلوس، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۹۴، باب الربا، دار الكتب العربية پشاور)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۵، كتاب الصرف، رشيديه)

(۲) آنے چونکہ تانبہ کے ہوتے ہیں اس لئے چاندی کے روپیہ کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے، البتہ گلٹ کے روپیہ=

نوٹ درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ناجائز ہے، کیونکہ ان کا حکم فلوسِ نافقہ کا ہے جن میں کمی بیشی کے ساتھ بیع کرنا ناجائز ہے:

"إن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۲۴/۳، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث في بيع الفلوس، رشيديه)

"فالصحيح الراجح في زماننا أن مبادلة الأوراق النقدية إنما تجوز بشرط تماثلها، ولا يجوز التفاضل فيها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، دارالعلوم کراچی)

"بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً .... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولى بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۵۸۸/۱، دارالعلوم کراچی)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله سلى عليه وسلم قال: "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم: ۲۳/۲، ۲۴، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمی)

"عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد" (الصحيح لمسلم: ۲۵/۲، كتاب البيوع، باب الربا، قديمی)

"وفي المعراج: القدر عبارة عن العيار والجنس عبارة عن مشاكلة المعاني، اهـ. والأصل في هذا الباب الحديث المشهور وهو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، والذهب بالذهب، مثلاً بمثل، يداً بيد" .... وحرم الفضل والنسأ =

سناروں سے خاک خرید کراس سے سونا اور چاندی نکالنا

سوال[۷۹۰۸]: کچھ لوگ سناروں سے خاک خرید کراس سے سونا چاندی نکالتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔



= بهما: أى بالقدر والجنس، لوجود العلة بتمامها .... والنسأ فقط بأحدهما: أى وحرم التأخير لا الفضل بوجود القدر فقط والجنس فقط". (البحر الرائق: ۶/۲۱۲، ۲۱۳، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴/۴۵۲، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(۱) لیکن اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سونے یا چاندی کی خاک کو سونے یا چاندی کے عوض میں خریدا جائے تو پھر مساوات شرط ہے اور اگر موجودہ نوٹ کے عوض خریدا جائے تو کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے:

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: قال: "لاتبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۴، قديمى)

"عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، التمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواء بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۵، قديمى)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۴۵۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ۶/۲۱۲، ۲۱۳، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا: ۳/۱۲۱، غفاريه كوئٹه)

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

بیع الوفاء

سوال[۷۹۰۹]: زید اپنی جائیداد بکر کے حق میں بیع قطعی کرتا ہے اور زید بکر سے یہ درخواست کرتا ہے کہ بکر زید کو یہ رعایت دیدے کہ وہ عرصۂ معینہ فریقین میں اگر زید روپیہ ادا کردے تو بکر زید کو جائیداد واپس کردے۔ آیا یہ بیع شرعاً جائز یا نہیں؟

۱۸/ اگست/ ۳۹ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیعنامہ میں یا مجلسِ عقد میں بطورِ شرط یا بطورِ وعدہ واپسی کا کوئی ذکر نہیں آیا، بلکہ جس طرح اَور لوگ شب وروز بیع وشراء کرتے ہیں، اسی طرح زید وبکر نے بھی بیع وشراء کرلی، پھر کسی دوسری مجلس میں دوسرے وقت زید نے بکر سے اس رعایت کی درخواست کرلی اور بکر نے اس کو منظور کرلیا تو شرعاً یہ بیع درست ہوگئی۔ اب زید کو قانوناً مطالبۂ واپسی کا کوئی حق باقی نہیں رہا(۱)، وہ کسی طرح بکر کو واپسی پر مجبور نہیں کرسکتا، بکر کو اس جائیداد میں

(۱) "والصحيح أن العقد الذي جرى بينهما إن كان بلفظ البيع، لا يكون رهناً. ثم ينظر: إن ذكرا شرط الفسخ في البيع، فسد البيع. وإن لم يذكرا ذلك وتلفظ بلفظة البيع بشرط الوفاء أو تلفظا بالبيع الجائز. وعندهما: هذا البيع عبارة عن عقد غير لازم فكذلك، وإن ذكرا البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة، جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعيد قد تكون لازمةً فتجعل لازمةً لحاجة الناس". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۶۵/۲، فصل في الشروط المفسدة، رشيدية)

"وكذا لو تواضعا الوفاء قبل العقد ثم عقدا بلا شرط الوفاء فالعقد جائز، ولا عبرة بالمواضعة =

مالکانہ تصرف کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، اگر چاہے تو دوسرے شخص کو ہبہ یا بیع یا رہن سب کچھ کرسکتا ہے، زید کو ان تصرفات سے روکنے کا حق حاصل نہیں۔

اور عرصہ معینہ فریقین میں اگر زید روپیہ ادا کردے تب بھی بکر کو اختیار ہے کہ وہ اگر مناسب سمجھے اور اس کی مصالح کے خلاف نہ ہو، اور بھی کوئی مانع نہ ہو تو واپس کردے۔ اور اگر مصالح کے خلاف ہو اور نقصان ہوتا ہو تو اس کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ زید کا روپیہ لینے سے انکار کردے، غرض! قضاءً اس پر کوئی حق باقی نہیں رہا، البتہ دیانۃً اس وعدہ کا پورا کرنا بہتر ہے، تاہم اگر وعدہ کرتے وقت تو پورا کرنے کی نیت تھی، لیکن بعد میں کسی مصلحت و ذاتی ضرورت یا احتمال نقصان کی بنا پر پورا نہیں کرتا تو شرعاً اس پر گناہ نہیں (۱)۔

= السابقة". (جامع الفصولين: ۱/۲۳۷، اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن)

(وكذا في الفتاوى الأنقروية: ۱/۲۹۳، في بيع الوفاء، دارالإشاعة العربية قندهار)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء: ۵/۲۷۶، ۲۷۷، سعيد)

"وعده أن يأتيه، فلم يأته، لا يأثم. قال بعض الفضلاء: فإن قيل: ما وجه التوفيق بين هذين القولين، فإن الحرام يأثم بفعله، وقد صرح في القنية بنفي الإثم؟ قلت: يحمل الأول على ما إذا وعد وفي نيته الخلف فيحرم؛ لأنه من صفات المنافقين. والثاني على ما إذا نوى الوفاء وعرض مانع". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۷، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له، فلم يف ولم يجي للمعياد، فلا إثم عليه". قال الأشراف: هذا دليل على أن النية الصالحة يثاب الرجل عليها وإن لم يقترن معها المنوي وتختلف عنها، اهـ. ومفهومه أن من وعد وليس من نيته أن يفي، فعليه الإثم، سواء وفىٰ به أولم يف، فإنه من أخلاق المنافقين. ولا تعرض فيه لمن وعد ونيته أن يفي، ولم يف بغير عذر". (مرقاة المفاتيح: ۸/۶۱۵، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۸۱)، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۸/۶۲۷، ۶۲۸، كتاب الآداب، باب المزاح، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۹۲)، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۲/۸۹۱، (رقم الحديث: ۷۹۴)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

اگر بیعنامہ میں یا اس سے پہلے بطورِ شرط، یا بطورِ وعدہ واپسی کا ذکر آچکا ہے تو یہ بیع رہن کے حکم میں ہے، کل جائیداد جس کی بیع ہوئی ہے رہن رہے گی، بکر کو اس سے انتفاع ناجائز ہے، نہ اس کی آمدنی لے سکتا ہے، نہ اس کو بیع کرسکتا ہے، نہ اجارہ، نہ رہن، نہ ہبہ بلکہ اس جائیداد کا محض محافظ ہے، امین رہے گا اور اس کی جس قدر آمدنی ہوگی وہ بھی تمام رہن رہے گی، روپیہ وصول ہونے پر اس جائیداد کے ساتھ اس آمدنی کی بھی واپسی ضروری ہوگی۔ جس طرح بکر کو اس جائیداد سے اس عرصہ میں نفع حاصل کرنا ناجائز ہے اسی طرح زید کو بھی نفع حاصل کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۵۸ھ۔

بائع یا اس کے ورثہ کو مکان دوبارہ فروخت کرنے کا معاہدہ کرنا

سوال[۷۹۱۰]: ایک مکان زید نے پانچ سو روپیہ کا خریدا اور بیعنامہ تحریری لکھے جانے کے بعد بائع نے مشتری سے یہ کہا کہ تم ایک اقرار نامہ علیحدہ اس امر کا لکھ دو کہ دس سال تک اگر بائع یا اس کے ورثہ اس کو واپس لینا چاہیں گے تو میں اسی دام پر واپس کردوں گا تا کہ ہم دونوں کا اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ فریقین رضامند ہوگئے، بیعنامہ کے علاوہ ایک اقرار نامہ مضمون بالا کا لکھوایا گیا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا مشتری کو اس مکان خرید شدہ سے منافع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

نثار احمد ٹھیکیدار، محلہ نخاسہ، شہر سہارنپور، ۳/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

---

(۱) "وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح. قال السيد الإمام: قلت للإمام الحسن الماتريدي: قد فشا هذا البيع، وفيه مفسدة عظيمة، وفتواك أنه رهن، وأنا أيضاً على ذلك".

(ردالمحتار: ۲۷٦/۵، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

"لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۴۸۲/٦، كتاب الرهن، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامديه: ۲۵۲/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في كفاية المفتي: ۱۴۸/۸، دار الإشاعت كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً بیع تام اور پختہ ہوچکی، بعد میں ایک اقرار نامہ بائع اور مشتری کے درمیان بطورِ وعدہ تحریر کیا گیا ہے جس سے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا مشتری مکان کا مالک ہے اور اس مکان سے نفع حاصل کرنا مشتری کو جائز ہے:

"وفی الخيرية: فيما لوأطلق البيع ولم يذكر الوفاء، إلا أنه عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل الثمن يفسخ البيع معه، أجاب: هذه المسئلة اختلف فيها مشايخنا لى أقوال، ونص فى الحاوى الزاهدى: أن الفتوىٰ فى ذلك أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشترى عهد إلىٰ البائع أنه إن أوفى مثل ثمنه، فإنه يفسخ معه البيع، يكون باتاً حيث كان الثمن ثمن المثل أو بغبن يسير". ردالمحتار: ۵/۲۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۱۲/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۵/۱۷۷، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب فى بيع الوفاء، سعيد)

"ونص فى الحاوى الزاهدى: أن الفتوى فى ذلك أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشترى عهد إلى البائع بعد البيع المطلق أنه إن أوفىٰ بمثل ثمنه، فإنه يفسخ معه البيع، يكون باتاً حيث كان ثمن ثمن المثل أو بغبن يسير". (الفتاوى الكاملية ص: ۸۳، مطلب فى بيع الوفاء، حقانيه پشاور)

"إذا أطلق البيع لكن وكل المشترى وكيلاً بفسخ البيع إذا أحضر البائع الثمن أو عهد على أنه إذا أوفاه فسخ البيع، والثمن لايعادل المبيع، وفيه غبن فاحش، أو وضع المشترى على أصل المال ربحاً بأن وضع على مأة عشرين ديناراً، فرهن. وإن كان بلا وضع ربح بمثل الثمن أو بغبن يسير، فبات".

(الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۷، كتاب البيوع، نوع فيما يتصل بالبيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا فى الحاشية الجليلة بذيل جامع الفصولين: ۱/۲۳۶، الفصل الثامن عشر فى بيع الوفاء، اسلامى كتب خانه بنورى ٹاؤن كراچى)

زمین کم قیمت میں واپس کرنے کا وعدہ کر کے بعد میں انکار کرنا

سوال[۷۹۱۱]: زید نے دس پندرہ آدمیوں کے سامنے یہ اقرار کیا کہ میں تمہاری زمین دو ہزار کم میں واپس کردوں گا، کیونکہ اس نے کچھ روپیہ کے بدلہ میں عمر کی زمین لے رکھی تھی اور مدت کوئی متعین نہیں تھی، یہ اقرار تھا کہ جب تو چاہے واپس لے سکتا ہے، اب عمر کے پاس پیسہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی زمین کو واپس لے، اب زید انکار کرتا ہے زمین واپس نہیں کرتا ہے۔ تو زید کا یہ قبضہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے وہ زمین رہن رکھی تھی تو اس کو اس زمین سے نفع حاصل کرنا اور اس کی پیداوار لینا جائز نہیں تھا(۱)، نیز دو ہزار کم کی شرط بھی بیکار اور غیر معتبر تھی، اس کو حق تھا کہ اپنا پورا قرض وصول کر کے زمین واپس کر دیتا، اور اب لازم ہے کہ زمین واپس کردے۔ لیکن اگر زمین خریدی تھی اور اس میں یہ شرط تھی کہ دو ہزار کم میں واپس کردے گا، یہ بیع فاسد تھی (۲)، اس کا فسخ کرنا لازم ہے (۳)۔ اگر بیع میں تو شرط نہیں بلکہ بیع مکمل ہونے کے بعد علیحدہ اقرار کیا تھا، تو یہ وعدہ تھا جس کو پورا کرنا اخلاقاً زید کے ذمہ ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجهٍ من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۸۲/۶، كتاب الرهن، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۷۳/۴، كتاب الرهن، غفارية كوئٹه)

(۲) "ولا بيع بشرطٍ لايقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما أو لمبيع، وهو من أهل الاستحقاق". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۸۴/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض أو بعده مادام المبيع بحاله في يد المشتري إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۰/۵، ۹۱، سعيد)

(۴) "لو ذكرا البيع بلا شرط، ثم ذكرا الشرط على وجه العقد، جاز البيع، ولزم الوفاء بالوعد؛ إذ المواعيد قد تكون لازمةً، فيجعل لازماً لحاجة الناس". (ردالمحتار: ۸۴/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع بشرط فاسد، سعيد) .... =

دس سال کی مدت تک مکان فروخت کرنا

سوال[۷۹۱۲]: میں نے اپنی جائیداد سکنائی قیمتی مبلغ دو ہزار روپیہ بوجہ ضرورت خرچ خانگی مبلغ نوسو روپے میں ایک شخص کو اس شرط پر بیع کر دی کہ مبلغ نوسو روپیہ مذکورہ بالا دس سال کے اندر ادا کردوں تو مشتری مذکور بیع واپس کر دے گا اور میرے حق میں بیعنامہ تحریر کر دے گا، بدیں وجہ مشتری مذکور نے ایک اقرار نامہ بھی تحریر کر کے رجسٹری کرادیا کہ وہ دس سال کے اندر اپنا روپیہ لے کر بیع واپس کر دے گا اور مشتری مذکور دس سال تک فائدہ آمدنی کرایہ وغیرہ سے اٹھاتا رہے گا۔

لہٰذا یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ بیع مذکورہ جو کہ میعادی ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ دیگر یہ کہ مشتری جو کہ ہر ماہ میں آمدنی کرایہ وغیرہ وصول کر کے فائدہ اٹھاتا ہے وہ بھی جائز ہے یا ناجائز؟

محمد رفیع، ۵/ جولائی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً یہ بیع صحیح نہیں ہوئی، بلکہ یہ رہن کے حکم میں ہے(۱) اور مشتری کو- جو کہ درحقیقت مرتہن ہے-اس

= (وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۷، إدارة القرآن كراچی)

وكذا في مرقاة المفاتيح: ۸/۶۱۴، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، رشيديه)

(۱) "وفي حاشية الفصولين: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن، فهذا بيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (ردالمحتار: ۵/۲۷۶، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

"أقول: وفي جواهر الفتاوى، في الباب الأول: بيع الرفاء أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن. قال رضي الله عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا، وهو الصحيح. وذكر الإمام محمد بن الفضل البخاري هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملك إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين: ۱/۲۳۴، الفصل الثامن عشر، اسلامی كتب خانه بنوری ٹاؤن)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۸/۳۶۰، كتاب البيع، الفصل العشرون في البيعات المكروهة، غفاريه كوئٹه)

جائیداد سے میعادِ مذکور میں نفع حاصل کرنا جائز نہیں (۱)، جس قدر آمدنی ہوگی، وہ اصل مالک یعنی بائع کی ہوگی جو کہ درحقیقت راہن ہے اور وہ آمدنی بھی جائیداد مذکور کے ساتھ رہن رہے گی (۲)، اصل مالک جبکہ مبلغ نوسو روپیہ- جو کہ صورت مسئولہ میں زرِرہن ہے- واپس کردے گا، اس وقت اس جائیداد اور اس کی آمدنی کے واپس لینے کا حق دار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

ایضاً

سوال [۷۹۱۳]: زید نے اپنا مکان عمر کے ہاتھ فروخت کردیا اور دستاویز بیع قطعی کی رجسٹری کرادی اور دستاویز کے ساتھ ہی ایک اقرار نامہ عمر سے تحریر کرالیا کہ جو روپیہ زید نے عمر سے وصول کیا ہے، اگر وہ دس سال کے بعد زید عمر کو واپس کردے تو عمر زید کو مکان واپس کردے گا، اور بعد گذر جانے دس سال کے زید کو عمر سے مکان واپس لینے کا کوئی حق نہ ہوگا، مرمت، شکست وریخت دس سال تک عمر کے ذمہ رہے گی۔ ایسی صورت میں عمر کو اس مکان کا کرایہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بیع ہونے سے پہلے اقرار نامہ کی شرائط طے کرلی جاتی ہیں۔

المستفتی: عبد الکریم پسر حاجی رحیم بخش، سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ شرطیں ایجاب وقبول بیع سے پہلے کی گئی ہیں، یا بیع کے ساتھ کی گئی ہیں تو ان دونوں کا ایک

---

(۱) "ولا ينتفع المرتهن استخداماً وسكنى ولبساً وإجارةً وإعارةً؛ لأن الرهن يقتضي الحبس إلى أن يستوفي دينه دون الانتفاع". (البحر الرائق: ۶/۲۳۸، كتاب الرهن، رشيديه)

(۲) "ونماء الرهن كالولد والثمر واللبن والصوف والوبر والأرش ونحو ذلك للراهن، لتولده من ملكه، وهو رهن مع الأصل تبعاً له". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۵۲۱، كتاب الرهن، باب الرهن يوضع على يد عدل، فصل في مسائل متفرقة، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۳۰۴، كتاب الرهن، فصل في المتفرقات، غفاريه كوئٹه)

حکم ہے(۱)، اگر بیع قطعی کی گئی اور پھر شرطیں لگادی گئیں تب بھی امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان شرطوں کا ایسا ہی حال ہے جیسا کہ نفسِ بیع میں لگالینے سے ہوتا۔ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بیع ہوگئی اور یہ اقرارنامہ علیحدہ ہے(۲)، اس کا پورا کرنا دیانۃً ضروری ہے، اگر پورا نہیں کرے گا تو وعدہ خلاف کہلائے گا(۳)، اس سے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح بتایا ہے:

”لو شرط بعد العقد يلتحق بالعقد عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، اه“. درمختار۔

”فيصير بيع الوفاء كأنه شرط في العقد. وقدمنا في البيع الفاسد ترجيح قولهم، لعدم التحاق

---

(۱) وہ حکم یہ ہے کہ یہ معاملہ بیع باطل اور بجمیع احکام رہن ہے:

”هو أن يقول: بعتُ منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح“. (رد المحتار: ۲۷۶/۵، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفا، سعيد)

(وكذا في حاشية جامع الفصولين: ۲۳۴/۱، الفصل الثاني عشر في بيع الوفاء وأحكامه وشرائطه وأقسامه، اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن)

(۲) ”وقيد بكون الشرط مقارناً للعقد؛ لأن الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد، قيل: يلتحق عند أبي حنيفة، وقيل: لا، وهو الأصح“. (البحر الرائق: ۱۴۲/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين: ۳۲۲/۲، الفصل التاسع والثلاثون، اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۳۵/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۳/۲، كتاب البيوع، باب الخيار، رشيديه)

(۳) ”الخلف في الوعد حرام“. (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

”قال النووي رحمه الله تعالىٰ: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهيٍّ عنه، فينبغي أن يفي بوعده“. (مرقاة المفاتيح: ۶۲۷/۸، ۶۲۸، كتاب الآداب، باب المزاح، الفصل الثاني، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۸۹۱/۲، (رقم الحديث: ۸۹۴)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

الشرط المتأخر من العقد به، اھ". شامی : ٤/٣٧٥(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۴/۱۰/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۴/۱۰/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/شوال/۶۰ھ۔

مکان فروخت کر کے دوبارہ خریدنے کا معاہدہ

سوال[۷۹۱۴]: زید مجبوری کی وجہ سے بکر کے نام اپنا مکان فروخت کرتا ہے اور رجسٹری بھی کراتا ہے، اس طریقہ پر کہ اگر مجھے سہولت ہوگی تو ایک سال بعد رقم ادا کر کے حاصل کرلوں گا اور یہ مکان بکر کا ہوگا۔ کیا یہ طریقہ جائز ہے اور بکر کا زید کے اس مکان کو اپنے تصرف میں لانا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا بیعِ فاسد ہے، بلکہ یہ رہن کے حکم میں ہے، اس کو بیع الوفاء کہتے ہیں، وہ مکان رہن ہوگا (۲)، اس سے نفع اٹھانا مرتہن کو درست نہیں ہوگا۔ لیکن اگر بیع تو بلاشرط کے کرلی جائے، اس کے بعد دوسری مجلس میں پھر واپسی کا معاہدہ کرلیا جائے تو بیع درست ہوجائے گی (۳) اور مدتِ معینہ میں رقم ادا

---

(١) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ٢٧٨/٥، سعيد)

(٢) "هو أن يقول: بعتُ منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار: ٢٧٦/٥، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب البيع، الفصل الخامس والعشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة: ٢٦٠/٨، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في حاشية جامع الفصولين: ٢٣٤/١، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء وأحكامه وشرائطه وأقسامه، اسلامی کتب خانه، بنوری ٹاؤن کراچی)

(٣) "لو أطلق البيع ولم يذكر الوفاء إلا أنه عهد إلى البائع أنه إن أوفىٰ مثل الثمن، يفسخ البيع معه؟ أجاب: هذه المسئلة اختلف فيها مشايخنا على أقوال، ونص في الحاوي الزاهدي: أن الفتوى في ذلك أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشتري عهد إلى البائع أنه إن أوفىٰ مثل ثمنه، فإنه يفسخ

کرنے پر حسبِ معاہدہ وہ مکان واپس کرنا اخلاقاً لازم ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۴/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۷/ ۸۷ھ۔

زمین بیچ کر دوبارہ لینے کا دل میں خیال رکھنا

سوال [۷۹۱۵]: زید اپنی مجبوری کی بناء پر بکر سے ایک بیگھ زمین کو مناسب قیمت پر لے کر رجسٹر آفس جا کر بکر کو رجسٹری کردی اور بکر اس کا مالک بن کر زمین کو آباد کرتا ہے، دوبارہ زمین واپس لینے کی شرط بھی نہیں رہتی ہے، مگر دل میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ معاملہ، معاہدہ کا ہو جس میں واپسی کی شرط نہیں تھی تو یہ بیع صحیح ہوگئی (۲)، پھر زبانی وعدہ خارج سے ہوا، اس کی تکمیل اخلاقاً کردی جائے: "لأن الخلف في الوعد حرام". الأشباه والنظائر (۳)۔ لیکن بیع کو زبردستی واپس لینے کا حق نہیں۔ اگر وعدہ نفسِ بیع میں داخل ہے تو یہ بیع بالوفاء ہے جس کے متعلق شامی نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں راجح یہ ہے کہ یہ صورۃً بیع ہے، مگر معنیً رہن ہے (۴)۔ شیٔ مرہون سے انتفاع مرتہن کو

= معه البيع، يكون باتاً حيث كان الثمن ثمن المثل أو بغبن يسير". (رد المحتار: ۵/ ۲۷۷، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۸۳، مطلب في بيع الوفاء، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۰۷، كتاب البيوع، نوع فيما يتصل بالبيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في حاشية جامع الفصولين: ۱/ ۲۳۶، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء وأحكامه وشرائطه وأقسامه، اسلامی كتب خانه بنوری ٹاؤن)

(۱) (راجع، ص: ۲۶۱، رقم الحاشية: ۲)

(۲) (راجع، ص: ۲۶۳، رقم الحاشية: ۱)

(۳) (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۳/ ۲۳۷، إدارة القرآن كراچی)

(۴) (راجع، ص: ۲۶۳، رقم الحاشية: ۳)

جائز نہیں (۱)، لہٰذا اتنی مدت میں جو کچھ مال بطورِ نفع حاصل کیا ہے اس کو واپس کردے، یا اس کی قیمت میں جو کہ درحقیقت قرض ہے محسوب کرلے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل رسالہ ہے اس مسئلہ پر جس کا نام "الفلك المشحون" اس میں مفصل طور سے دلائل مذکور ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۸۹ھ۔

کٹ قبالہ کا حکم

سوال [۷۹۱۶]: ہمارے یہاں کٹ قبالہ کا عام رواج ہوگیا ہے، اس کی حقیقت وہی ہے جو بیع الوفاء کی ہے، یعنی لوگ بمجبوری روپیہ اپنی مملوکہ اراضی کا کل یا بعض کو اس شرط پر کہ مثلاً دس، گیارہ برس کی مدت میں جب واپس کردیئے جائیں گے تو زمین واپس کردی جائے (فروخت کرتے ہیں) اور اس وقت تک زمین سے برابر مشتری نفع اٹھاتا رہتا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمین کی بیع واپسی کی شرط پر کی جاتی ہے تو شرعاً یہ بیع نہیں، بلکہ یہ رہن ہے، اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے، واپسی کی مدت تک جو آمدنی مشتری نے حاصل کی ہے، وہ درست نہیں بلکہ سود ہے:

"صورته أن يبيعه العين بألف على أنه إذا رد عليه الثمن رد عليه العين". درمختار۔ "وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعتُ منك على أن تبيعه مني متىٰ جئتُ بالثمن، فهٰذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". شامي: ٤/٣٤١ (٢)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) "وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن ولا إجارته ولا إعارته". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۷۳/۴، كتاب الرهن، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۳۸/۸، كتاب الرهن، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۲۳/۶، كتاب الرهن، باب الرهن يوضع على يد عدل، فصل في مسائل متفرقة، سعيد)

(۲) (رد المحتار: ۲۷۶/۵، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد) .... =

بیع الوفاء کی ایک صورت

سوال[۷۹۱۷]: زید نے بکر سے کہا کہ بعوض سترہ سوروپیہ رقبہ دو بیگہ زمین گروی لے لو، بکر نے جواباً کہا کہ میں اس طرح خلاف شرع گروی کی زمین اپنی تحویل میں نہیں لے سکتا، اگر تمہاری مرضی ہو پچھتر سال کے واسطے بطور معاملہ پندرہ سوروپیہ مجھ سے لے کر اپنی دو بیگہ زمین میرے قبضہ میں دیدو اور سالانہ بیس روپے کے حساب سے دو بیگہ کا معاملہ اداشدہ رقم سے منہا کرتے جاؤ، اگر اس عرصہ میں کسی وقت تم کو ضرورت لاحق ہو تو منہا شدہ رقم کے علاوہ باقی زر مجھے واپس کر کے اپنی زمین لے سکتے ہو، ہمارا اس پر کسی طرح کا حق دنیاوی وشرعی نہ ہوگا، مثلاً دس سال تک تم دوصد روپیہ معاملہ کا منہا کر چکے ہو۔

اب تیرہ سوروپیہ باقی ہے، اس موقع پر تمہاری رائے واپسی کی ہو تو وہ تیرہ سوروپیہ کی رقم دے کر اپنی زمین چھوڑا سکتے ہو اس عرصہ تک کاشتکاری اور اس کا نفع ہمارا مال ہوگا۔

زید نے اس موجودہ صورت پر معاملہ طے کیا اور رقم بکر سے لے لی اور زمین بکر کے حوالہ کردی، مگر کاغذات پٹواری میں اس کا اندراج بلفظ رہن ہوا ہے اور عاقدین کا منشاء رہن کا نہیں ہے۔ اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ موجودہ صورت مذکورہ بالا ٹھیکہ ہے یا رہن؟ جواب سے مشرف فرمادیں۔

اس صورت میں بعض اس کو ٹھیکہ شمار کرتے ہیں اور بعض دیگر رہن۔ پس واضح فرمایا جائے۔ نیز ٹھیکہ اور رہن کا فرق یا مابہ الامتیاز کیا ہے، جس سے ہم لوگوں کو آئندہ دونوں کا فرق معلوم ہو جائے؟ نیز امام احمد رحمہ اللہ

= "أن البيع الذی تعارف عليه أهل سمرقند، وسموه بيع الوفاء تحرزاً عن الربا فی الحقيقة رهنٌ، والمبيع فی يد المشتری كالرهن فی يد المرتهن، لايملكه ولا يحل الانتفاع به". (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، كتاب البيع، الفصل الخامس والعشرون، فی البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة: ۸/۲۶۰، غفاريه كوئٹه)

"أقول: وفی جواهر الفتاوی فی الباب الأول: بيع الوفاء أن يقول: بعت منک علی أن تبيعه منی متی جئتُ بالثمن. قال رضی الله تعالیٰ عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكر، وهو الصحيح، ذكر الإمام محمد بن الفضل البخاری هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملک إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين. ۲/۲۳۴، الفصل الثامن عشر فی بيع الوفاء، اسلامی كتب خانه بنوری ٹاؤن)

تعالیٰ انتفاع بالمرہون کے کس بناء پر قائل ہوتے ہیں، جبکہ تصریحاتِ علمائے ثلٰثہ کی اس کے خلاف ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عقد کا حاصل یہ ہے کہ مالکِ زمین زید نے اپنی زمین بکر کو کرایہ پر دی ہے اور رقم مذکور بطورِ کرایہ طے کر کے پیشگی وصول کر لی، مجموعی رقم کے ساتھ ہر سال کا کرایہ بھی ظاہر کر دیا اور بکر نے زید کو یہ بھی اختیار دیدیا کہ اگر مدتِ مذکورہ سے قبل اس معاملہ کو فسخ کرنا چاہو اختیار ہے، بقیہ رقم پیشگی وصول شدہ ہے، واپس کر دی جائے گی۔

یہ معاملہ شرعاً کرایہ اور ٹھیکہ ہے، رہن نہیں (۱)، مگر حیلہ کی صورت ہے، اس لئے بوقتِ ضرورت ایسی صورت پر عمل کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ رہن میں شیٔ مرہون کو محض وثوق کے لئے مرتہن کے پاس رکھا جاتا ہے (۳) اور ٹھیکہ کا حاصل ہے "تملیك المنفعة بالعوض"۔ جو کہ رہن میں قطعاً مفقود ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا استدلال اس حدیث سے ہے:

"عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم: "لبن الدر يحلب بنفقة

---

(۱) "هى (أى الإجارة) بيع منفعة معلومة بعوض معلوم دَين أو عين. وما صلح ثمناً، صلح أجرةً". (ملتقى الأبحر، كتاب الإجارة: ۳/ ۱۵۱، غفاريه كوئٹه)

"هى تمليك نفع بعوض، وكل ما صلح ثمناً، صلح أجرةً". (الدرالمختار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) "وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام، أو ليتوصل بها إلى حلال، فهى حسنة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول فى بيان جواز الحيل وعدم جوازها، رشيديه)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "فهو فک عسرة الطلب عن الراهن، ووثوق قلب المرتهن بما يحصل ماله". (البحر الرائق: ۸/ ۴۲۷، ۴۲۸، كتاب الرهن، رشيديه)

"ولأنه عقد وثيقة لجانب الاستيفاء، فيعتبر بالوثيقة فى طرف الوجوب، وهى الكفالة". (الهداية: ۴/ ۵۱۲، كتاب الرهن، مكتبه شركت علميه ملتان)

إذا كان مرهوناً، والظهر يركب بنفقة إذا كان مرهوناً، وعلى الذى يحلب ويركب النفقةُ، اه".

ابوداؤد نے اس کی تخریج وتصحیح کی ہے(۱)۔اور بذل المجہود:۴/۲۹۴، میں بڑی تفصیل سے اس حدیث پرکلام کرکے اس کا محمل بیان کیا ہے جوکہ ائمۂ ثلاثہ کے خلاف نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶/ربیع الثانی/۶۴ھ۔

میعادی بیع اوراس کا نفع

سوال[۷۹۱۸]: ۱......کریم بخش نے ایک مہاجن سے چارسوروپے سود پرقرض لئے اوراصل وسود کل پانچ سوروپئے ہوگئے۔کریم بخش نے مہاجن سے دوسو پچاس روپے میں اپنا حساب بیباق کرنا طے کرلیا اور مہاجن کو دوسو پچاس روپے دینے کے لئے اپنا مکان عمرکوتین سوروپے میں کردیا اور عمر سے ایک اقرارنامہ لکھوالیا کہ وہ اس کے تین سوروپے واپس کرنے پرمکان اس کوواپس کردے گا، اور چھ ماہوار کرائے کا ایک ٹھیکہ نامہ لکھ کر عمرکودے دیا۔سوال یہ ہے کہ بیعنامہ میعادی جائز ہے یا ناجائز؟

۲...... یہ کہ چھ روپے ماہوار کریم بخش سے عمرکوکرایۂ مکان لینا جائز ہے یانہیں؟

---

(۱) (سنن أبی داؤد: ۲/۱۴۱، کتاب البیوع، باب فی الرهن، إمدادیه ملتان)

(۲) "وقد اختلف العلماء فی تأویله، فقال أحمد بن حنبل: للمرتهن أن ینتفع بالرهن بالحلب والركوب بقدر النفقة .... وقال الشافعی وأبوحنیفة ومالک وجمهور العلماء رحمهم الله تعالیٰ: لاینتفع من الرهن بشیء، بل الفوائد للراهن والمؤن علیه .... قال الحافظ فی الفتح: وأجاب الطحاوی عن الحدیث بأنه محمول علی أنه كان قبل تحریم الربوا، ولما حرم الربوا حرم أشكاله من بیع اللبن فی الضرع، وقرض كل منفعة تجر ربوا. قال: فارتفع بتحریم الربوا ما أبیح فی هذا للمرتهن. واحتج الموفق فی المغنی بأن نفقة الحیوان واجبة، وللمرتهن فیه حق، وقد أمكن استیفاء حقه من نماء الرهن والنیابة عن المالک فیما وجب علیه واستیفاء ذلک من منافعه، فجاز ذلک كما یجوز للمرأة أخذ مؤنتها من مال زوجها عند امتناعه بغیر إذنه والنیابة عنه فی الإنفاق". (بذل المجهود: ۵/۲۹۴، كتاب البیوع، باب فی الرهن، إمدادیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بیع میں واپسی کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے(۱) جس کا فسخ کرنا واجب ہوتا ہے(۲)، یہ درحقیقت رہن ہے، رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ سود ہے(۳)، لہٰذا یہ میعادی بیع ناجائز ہے۔

۲...... یہ چھ روپے لینا ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

بیع میعادی میں مبیع سے انتفاع

سوال[۷۹۱۹]: زید اپنا مکان عمر کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اس کی فروختگی کے شرائط یہ ہیں:

---

(۱) "ولو بشرطٍ لايقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين أو لمبيع يستحق، فهو فاسد". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۳/۹۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(۲) "ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض، ويكون امتناعاً عنه أو بعده مادام المبيع بحاله فى يد المشترى إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (الدر المختار: ۵/۹۰، ۹۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه منى متى جئتُ بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار: ۵/۲۷۶ كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب فى بيع الوفاء، سعيد)

"أقول: وفى جواهر الفتاوىٰ فى الباب الأول: بيع الوفاء أن يقول: بعت منك على أن تبيعه منى متى جئتُ بالثمن؟ قال رضى الله عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا، وهو الصحيح. وذكر الإمام محمد بن الفضل البخارى هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملك إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين: ۱/۲۳۴، الفصل الثامن عشر، اسلامى كتب خانه بنورى ٹاؤن كراچى)

"لا يحل له أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له فى الربا؛ لأنه يستوفى دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (رد المحتار: ۶/۴۸۲، كتاب الرهن، سعيد)

۱- جو رقم میں نے اس وقت یعنی فروخت کرنے کے وقت عمر سے لی ہے اس رقم کو اگر دس سال میں واپس دیدوں تو زید کو عمر مکان لازمی واپس دے گا، اگر زید دس سال کے اندر رقم عمر کو ادا نہ کر سکا تو بعد گذر جانے دس سال کے بیع قطعی سمجھا جاوے گا یعنی پھر زید اپنا مکان عمر سے واپس نہیں لے سکتا۔

۲- اس دس سال کا کرایہ اس زید کے مکان سے عمر وصول کرے گا اور عمر اپنے تصرف میں لائے گا، اور جو کچھ مرمت، شکست وریخت مکان مذکور میں دس سال کے اندر ہوں گے وہ عمر مرمت کرادے گا۔ ایسی شکل میں زید کے اس مکان کا کرایہ جو میعادی بیع ہے عمر کو اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر کرایہ ناجائز ہے تو بحوالہ کتب تحریر فرمادیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع شرعاً رہن کے حکم میں ہے اور شئ مرہون سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، لہٰذا مکان کی شکست وریخت کی مرمت اصل مالک یعنی زید کے ذمہ ہے اور دس سال کے کرایہ کا مالک بھی زید ہی ہے، عمر کو یہ کرایہ تصرف میں لانا درست نہیں:

"وفی حاشیة الفصولین عن جواهر الفتاویٰ: هو أن یقول: بعتُ منك علی أن تبیعه منی متی جئتُ بالثمن، فهذا البیع باطل، وهو رهن، وحکمه حکم الرهن، وهو الصحیح، اه". شامی: ۲۷۴/٤(۱)۔

"ونفقة الرهن والخراج والعشر علی الراهن، والأصل أن کل مایحتاج إلیه لمصلحة الرهن بنفسه ونفقته، فعلی الراهن؛ لأنه ملکه، وکل ما کان لحفظه فعلی المرتهن؛ لأن حبسه له، اه". درمختار: ۳٤٦/٥(۲)۔

"لایحل له أن ینتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن إذن له الراهن، اه". شامی: ۳٤۳/٥(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/شوال/۶۱ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۲۷٦/٥، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب فی بیع الوفاء، سعید)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ٤۸۷/٦، کتاب الرهن، سعید)

(۳) (ردالمحتار: ٤۸۲/٦، کتاب الرهن، سعید)

باب الربوا

(سود کا بیان)

سود کسے کہتے ہیں؟

سوال[۷۹۲۰]: کیسا نفع سود کہلاتا ہے اور سود کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زیادتی بلا معاوضہ حاصل ہو وہ سود ہے(۱) جیسے ایک من گندم دے کر ایک من ایک سیر گندم لینا، دس

---

(۱) ”الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين فى المعاوضة الخالى عن عوض شرط فيه“. (الهداية: ۸۰/۳، باب الربا، مكتبه شركت علميه ملتان)

”أما فى اصطلاح الفقهاء، فهوزيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذه الزيادة عوض“. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ۲۲۷/۲، مباحث الربا، تعريفه وأقسامه، دارالكتب العلمية بيروت)

”وهوفى الشرع عبارة عن فضل مال لايقابله عوض فى معاوضة مال بمال“. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۷/۳، الباب التاسع، الفصل السادس فى تفسير، رشيديه)

”باب الربا: هوفضل مال بلاعوض فى معاوضة مال بمال“. (كنز الدقائق، ص: ۲۴۸، باب الرباء، رشيديه)

”الربا .... وشرعاً فضل ولو حكماً، فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة، فكلها من الربا خال عن العوض بمعيار شرعى، وهو الكيل والوزن مشروط أحد المتعاقدين فى المعاوضة“. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۶۸/۵، باب الربا، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۴۴۲/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۱۹/۳، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الربا ۵۶۲/۱، مكتبه دارالعلوم كراچى)

تولہ چاندی دے کر گیارہ تولہ چاندی لینا، پانچ تولہ سونا چاندی دے کر ساڑھے پانچ تولہ سونا لینا، سوروپے دے کر ایک سو پانچ روپیہ لینا وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۸ھ۔

دارالحرب اور غیر دارالحرب میں سود کے متعلق ایک اہم تفصیلی بحث وتحقیق

سوال[۷۹۲۱]: ہندوستان میں موجودہ حالات میں مختلف کاروبار کے لئے حکومت سے مسلمانوں کوسود پر روپیہ لینا یا دینا کیسا ہے؟

(الف) نیز سود لینے پر ضرورت منداور غیر ضرورت مند دونوں کا حکم ایک ہے یا فرق ہے، اگر فرق ہوتو براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں کہ کس قدر ضرورت اور اضطراب عذر بن چکا ہے؟

(ب) سود کی حرمت مؤبد ومقید ہے، نیز سود کی حرمت جن حالات میں نازل ہوئی وہ کیسے تھے؟ مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشرتی حالت کیا اس وقت موجودہ مسلمانوں سے زیادہ بہتر تھی؟

(ج)"یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". الأشباہ والنظائر، فن اول(۱) اس کا مصداق کیا ہے؟

(د) فتاوی عزیزی جلداول، ص: ۷ پر ہے:"و دادنِ سود بحربیان بایں وجہ حلال است کہ خورانیدنِ حرام بمسلمانان درست نیست، و آنہا حرام خوارند، اگر چیزے بطریقِ سود دادہ خواہد شد بیش ازیں نیست کہ حرام خواہد خورد"(۲)۔

اس عبارت کی اور مبسوط کی متعدد عبارتیں:"ولا ربوا بین حربی ومسلم مستأمن". درمختار: ۲/۴۳ (۳)۔ وغیرہ سے کیا ہندوستان میں موجودہ حالات میں مسلمانوں کوسود پر روپیہ لینے پر استدلال صحیح ہے؟

(ہ)"ولاربا بین حربی ومسلم". جو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، یہ کس حدیث سے مستنبط

---

(۱) (الأشباہ والنظائر، الفن الأول، القاعدۃ الخامسۃ، ص: ۹۳، قدیمی)

(۲) (فتاویٰ عزیزی، مسئلۂ سود دادن بحربیان: ۱/۴۰، رحیمیہ دیوبند)

(۳) (الدر المختار، کتاب البیوع، باب الربا: ۵/۱۸۶، سعید)

ہے، نیز امام صاحب کے اس قول کی ان آیات قرآنیہ صریحہ در بارۂ حرمتِ ربا کے ساتھ - جن میں اطلاقِ سود کی حرمت وارد ہے- تطبیق کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟

(و) مستأمن کے لئے دارالحرب میں بعض حالات میں اگر سود لینے یا دینے کی گنجائش نکلے تو کیا شرعاً صرف دارالحرب کے اس حکم ہی پر معاملہ ختم ہوجائے گا، یا دارالحرب کے دوسرے احکام کا اطلاق بھی مستأمن پر ہوگا؟ براہِ کرم اس کی وضاحت فرمائیں، جیسا کہ وجوبِ ہجرت وغیرہ۔

(ز) ہمارے اکابر دیوبند کا اس بارے میں کیا مسلک رہا ہے؟ امید ہے کہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر جو ابتلا اس بارے میں ہورہا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں گے۔

رشید احمد قاسمی، مالپوری، ضلع گوڑگانواں، میوات۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) سود کی حرمت (سود لینے) والے اور سود دینے والے دونوں پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، بلکہ سود کا رُقعہ لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو بھی لعنت میں شریک کیا گیا ہے:

"عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال: "هم سواء". رواه مسلم". مشکوٰۃ شریف، ص: ٢٤٤ (١)۔

(١) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۴۴، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول، قدیمی)

"وعن عبد الله بن حنظلة رضی الله تعالیٰ عنه غسیل الملائکة قال: قال رسول الله صلی الله وسلم: "درهم ربوا یأکله الرجل وهو یعلم أشدّ من ستة وثلاثین زنیةً".

"وعن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الربوا سبعون جزءً، أیسرها أن ینکح الرجل أمه". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۴۶، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

"وعن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أربعة حق علی الله أن لا یدخلهم الجنة، ولا یذیقهم نعیمها: مُدمن الخمر، وآکل الربوا، وآکل مال الیتیم بغیر حق، والعاق لوالدیه". (المستدرک للحاکم، کتاب البیوع: ۲/۳۷، دار الفکر بیروت)

جوشخص اپنی ضرورت کی وجہ سے مجبور ہے، اپنی مجبوری اور اس مذکورہ لعنت دونوں کووزن کر لے، پھر اگر ضرورت کاوزن زیادہ ہوتو وہ اپنی مجبوری کی حدتک مجبور ہوگا۔

(ب) سود کی حرمت قطعی ہے، مطلق ہے، مؤبد ہے: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ الآیہ (۱)۔

"عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه: أن آخر مانزلت آية الربا وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض، ولم يفسرها لنا، فدعوا الربوا والريبة". رواه ابن ماجة والدارمی". مشكوة شريف، ص: ٢٤٦ (۲)۔

"قوله: (اخر مانزلت): أی آيةٌ تعلقت بالمعاملات آية الربو، ثابتة غير منسوخة، لكن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها بحيث يحيط بجميع جزئياتها وموادها، فينبغی لكم أن تدعوا الربوا الصريح، وما يشبه الأمر فيه تورعاً واحتياطاً. هذا ما يفهم من ظاهر سوق العبارة. وقال الطيبی: يعنی أن هذه الآية ثابتة غير منسوخة غير مشتبهة، فذلك لم يفسرها النبی صلى الله عليه وسلم، فأخبرها على ماهی عليه، ولا ترتابوا فيها، واتركوا الحيلة فی حل الربوا". لمعات هامش مشكوٰة شريف (۳)۔

جب سود کی حرمت نازل ہوئی، معاشی حالت عامۃً بہت کمزور تھی، ہفتوں بلکہ مہینوں گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، مہر میں دینے کے لئے لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آئی، تن پوشی کو کپڑا تک نہیں تھا، لنگی ہے تو کرتا نہیں، کرتا ہے تو لنگی نہیں، صرف ایک لنگی بدن پر ہے، اس میں نصف مہر میں دینے کو آمادہ ہو گئے (۴)۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الثالث، قديمی)

(۳) (لمعات التنقيح على هامش مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، قديمی)

(۴) عن سهل بن سعد الساعدی رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جاء ته امرأة، فقالت: يارسول الله! إنی قد وهبت نفسی لک، فقامت قياماً طويلاً، فقام رجل فقال: يارسول الله! زوجنيها إن لم تكن لک بها حاجة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هل عندک من شئ تصدقها إياه"؟ قال: ماعندی إلا إزاری هذا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنک إن أعطيتها إزارک =

یہود کے قرض میں دبے ہونے کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلام بنانے کی دھمکی دی گئی، جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ چھوڑ کر روپوش ہونے کا ارادہ کرلیا(۱)، گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا، اندھیرا رہتا تھا

= جلست لا إزارلک، فالتمس شيئاً". قال: لا أجد شيئاً، قال: "فالتمس ولو خاتماً من حديد". فالتمس، فلم يجد شيئاً". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۸۷، باب في التزويج على العمل، إمداديه، ملتان)

(۱) "أخرج البيهقي عن عبدالله الهوريني رحمه الله تعالىٰ قال: لقيت بلالاً رضي الله تعالىٰ عنه مؤذن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحلب، فقلت: يابلال! حدثني كيف كانت نفقة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ فقال: ماكان له شئ إلا أنا الذي كنت ألي ذلک منه منذ بعثه الله إلى أن توفي، فكان إذا أتاه (الإنسان) المسلم فراٰه عائلاً يأمرني، فأنطلق، فأستقرض، فأشتري البردة والشئ، فأكسوه وأطعمه، حتى اعترضني رجل من المشركين، فقال يابلال! إن عندي سعة، فلا تستقرض من أحد إلا مني، ففعلت، فلما كان ذات يوم توضأت ثم قمت لأؤذن بالصلوة، فإذا المشرک في عصابة من التجار، فلما رأني قال: يا حبشي! (قال) : قلت: يالبيه! فتجهمني، وقال قولاً عظيماً –أو غليظاً– وقال: أتدري كم بينک وبين الشهر؟ قلت: قريب، قال: إنما بينک وبينه أربع ليال، فاٰخذک بالذي لي عليكم، فإني لم أعطک الذي أعطيتک من كرامتک ولا من كرامة صاحبک، وإنما أعطيتک لتصيرلي عبداً فأذرک ترعى في الغنم كما كنت قبل ذلک.

قال: فأخذني في نفسي مايأخذ في أنفس الناس، فانطلقت، فناديت بالصلوة حتى إذا صلّيت العتمة، ورجع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى أهله، فاستأذنت عليه فأذن لي، فقلت: يارسول الله! بأبي أنت وأمي! إن المشرک الذي ذكرت لک أني (كنت) أتدين منه قد قال: كذا وكذا، وليس عندک مايقضي عني ولا عندي وهو فاضحي، فأذن لي أن اٰتي (إلى) بعض هؤلاء الأحياء الذين قدأسلموا حتى يرزق الله رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مايقضي عني".

فخرجت حتى أتيت منزلي، فجعلت سيفي وحرابي ورمحي ونعلي عند رأسي، فاستقبلت بوجهي الأفق، فكلما نمت انتبهت، فإذا رأيت عليّ ليلاً نمت حتى انشق عمود الصبح الأول، فأردت أن أنطلق، فإذا إنسان يدعو يابلال! أجب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فانطلقت حتى اٰتيه، فإذا أربع ركائب عليهن أحمالهن، فأتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال لي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أبشر، فقد جاءک الله بقضاء دينک".

فحمدت الله، وقال: "ألم تمرّ على الركائب المناخات الأربع؟" قال: قلت: بلى، قال: "فإن =

وغیرہ وغیرہ (۱)۔ احادیث وسِیَر میں بڑی حد تک یہ حالات مذکور ہیں، آج کل کا یہاں کا مسلمان عموماً ان حالات سے نا آشنا ہے۔

(ج) قاعدہ تو یہ بیان کیا ہے: "الحاجة تنزل منزلة الضرورة" (۲)۔ اسی ذیل میں استقراض بالربح کے جواز کو لکھا ہے، حاجت کی کوئی تفصیل وتشریح شرح میں بیان نہیں کی۔ بظاہر مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس درجہ محتاج ہو کہ کما نہیں سکتا ہے اور بغیر قرض لئے گذارہ کی کوئی صورت نہیں اور قرض بغیر ربا نہیں ملتا، وہ اپنی مجبوری کی حد تک معذور ہے۔

(د) مطبوعہ فتاوی عزیزی میں رطب ویابس کو شامل کر دیا گیا، جس میں مبتدعین وروافض کی تدسیس بھی ہے، موضوع روایات بھی ہیں، غلط مسائل بھی ہیں، بغیر سوال وجواب کے بھی بعض عبارات ہیں، اس لئے جب تک کتبِ معتمدہ سے تائید نہ ہو جائے، اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ تقریباً پچاس مقامات کے متعلق تو میری یادداشت میں کلام ونظر۔ بعض مسائل تو بالیقین روافض کی تائید میں ہیں۔ جس نے حضرت شاہ صاحب کی "تحفہ اثناء

لک رقابهن وماعليهن –فإذا عليهنّ كسوة وطعام أهداهنّ له عظيم فَدَک– فاقبضهنّ إليک ثم اقض دينک".

قال: ففعلت، فحططت عنهنّ أحمالهنّ، ثم علفتهنّ، ثم عمدت إلى تأذين صلوة الصبح. الخ".

(حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوی رحمه الله تعالیٰ، باب إنفاق الصحابة فی سبيل الله، كيف كانت نفقة النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، قصة بلال رضی الله تعالیٰ عنه فی ذلک مع مشرک: ۲/۲۱۰، ۲۱۱، دار القلم دمشق)

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: كان يأتی علينا الشهر ما نوقد فيه ناراً، إنما هو التمر والماء لا أن نؤتی باللحيم". (صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب: كيف كان عيش النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم وأصحابه: ۲/۹۵۶، قديمی)

(۲) (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، القاعدة الخامسة، قديمی)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قديمی)

عشریہ'' کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے، حضرت شاہ صاحب کا مزاج ومذہب کیا تھا۔اس لئے اس مجموعہ کو یہ کہنا کہ حضرت شاہ صاحب ہی کا ہے صحیح نہیں:

''لا [ربوا] بین حربی ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح، فیحل برضاه مطلقاً بلا غدر، خلافاً للثانی والثلثة''. درمختار (۱)۔

اس میں بظاہر جواز کا عموم معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ربا اور عقدِ فاسد وقمار میں زیادتی کا حصول دونوں طرف محتمل ہے، لیکن تقاضائے حلت یہ ہے کہ جواز اسی صورت تک محدود ہے جب تک زیادتی مسلمان کو ہو: ''لأن ماله ثمة مباح''. اس لئے فتح القدیر سے علامہ شامی نے نقل کیا ہے:

''فالظاهر أن الإباحة بقید نیل المسلم الزیادة''. ردالمحتار: ۱۸۸/۴ (۲)۔

پھر اس کی تائید میں شرح السیر الکبیر سے نقل کیا ہے کہ:

''قلت: ویدل علی ذلك مافی السیر الکبیر وشرحه حیث قال: وإذا دخل المسلم دارالحرب بأمان، فلا بأس بأن یأخذ منهم أموالهم بطیب أنفسهم بأیّ وجه کان؛ لأنه إنما أخذ المباح علی وجه عُرّی عن الغدر، فیکون ذلك طیباً، والأسیر والمستامن سواء، حتی لو باعهم درهماً بدرهمین، أو باعهم میتةً بدراهم، أو أخذ مالاً منهم بطریق القمار، فذلك کله طیب له، ملخصاً. فانظر کیف جعل موضوع المسئلة الأخذ من أموالهم برضاهم، فعلم أن المراد من الربوا والقمار فی کلامهم ماکان علی هذا الوجه وإن کان اللفظ عاماً؛ لأن الحکم یدور مع علته غالباً''. ردالمحتار، ص: ۱۸۸ (۳).

(۱) (الدرالمختار: ۱۸۶/۵، کتاب البیوع، باب الربا، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الربا: ۱۸۶/۵، سعید)

(۳) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الربا: ۱۸۶/۵، سعید)

''ولا بین المسلم والحربی ثمة .... فالظاهر أن الإباحة بقید نیل المسلم الزیادة، وقد ألزم الأصحاب فی الدرس: أن مرادهم من ''حل الربا والقمار'' ما إذا حصلت الزیادة للمسلم، نظراً إلی العلة وإن کان إطلاق الجواب خلافه''. (منحة الخالق علی البحر الرائق: ۲۲۶/۲، کتاب البیع، باب الربا، رشیدیه) .... =

اس تفصیل کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کردہ فتوی میں جو علت بیان کی گئی ہے، اس پر کچھ کلام کرنے کی حاجت نہیں ہی۔ خود اس قول "لا ربوا، الخ". کی حیثیت اور "المبسوط" کی روایات کا جواب آگے آرہا ہے۔

(ہ) نصب الرایہ، ص: ۴۴، میں "الحديث الثامن: قال عليه السلام: "لاربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب" قلت: غريب. وأسند البيهقي في المعرفة في كتاب السير عن الشافعي قال: قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: إنما قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ هذا؛ لأن بعض المشيخة حدثنا عن مكحول عن رسول الله صلى عليه وسلم "أنه لا ربا بين أهل الحرب". أظنه قال: "وأهل الإسلام". قال الشافعي: وهذا ليس بثابت، ولاحجة فيه". انتهى كلامه(۱)۔

یہ حدیث منقطع ہے، مکحول صحابی نہیں، واسطہ غیر معلوم ہے، جس کا صحابی ہونا بھی متعین نہیں کہ انقطاع کو غیر مضر کہا جائے۔ "غريب، ليس بثابت، لا حجة فيه" کی بھی تصریح ہے۔ اصحابِ صحاح نے اس کو اپنی کتاب میں نہیں لیا۔ اگر مرفوع، صریح، ثابت، بلاعلتِ قادحہ بھی روایت مل جائے تب بھی نصِ قرآنی کے لئے وہ مقید یا مخصص نہیں بن سکتی، کماهو المذكور في كتب الأصول(۲)۔

= "وقد التزم الأصحاب في الدرس: أن مرادهم من حلّ الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم، نظراً إلى العلة وإن كان إطلاق الجواب خلافه". (فتح القدير: ۷/ ۳۹، كتاب البيوع، باب الربا، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"دخل مسلم أو ذمي دارالحرب بأمان أوبغيره، وعقد مع الحربي عقد الربا بأن اشترى درهماً بدرهمين، أو درهماً بدينار إلى أجل معلوم، فذلك كله جائز عند الطرفين. وقال القاضي: لايجوز بين المسلم والحربي ثمة إلا ما يجوز بين المسلمين، والصحيح قولهما. رأيت في بعض الكتب أن هذا الاختلاف فيما إذا اشترى منهم درهمين بدرهم، أما إذا اشترى منهم درهماً بدرهمين، فلايجوز بالاتفاق، كذافي المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/ ۲۴۸، كتاب الصرف، الباب الخامس في أحكام العقد بالنظر إلى أحوال العاقدين، الفصل السادس في الصرف في دار الحرب، رشيديه)

(۱) (نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا، الحديث الثامن: ۴/ ۴۴، مؤسسة الريان، بيروت)

(۲) "تخصيص القرآن بخاص خبر الآحاد، فالعلماء متفقون على أن اللفظ العام الوارد في القرآن =

اس روایت کی بناء پر امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو، یا کسی اَور دوسری روایت پر ان کے قول کی بناء ہو، اس قول کی تشریح میں شراح وفقہاء نے کلام کیا ہے: **ایک تشریح** یہ ہے کہ "لاربوا" ہی ہے یعنی "ربا" اس موقعہ پر بھی جائز نہیں، کذافی العنایۃ (۱)۔

شبہ ہوتا تھا کہ حربی مباح الاموال ہے، اس لئے جس طرح بھی لیا اس کو قطع فرمایا کہ نصِ قطعی سے حرمت جیسا ثابت ہے تو اس کا ارتکاب جائز نہیں کہ تاویل کی حاجت ہو۔

دوسری تشریح یہ ہے کہ دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لیکر جو مسلم داخل ہوں، عقودِ فاسدہ ربویہ کے ذریعہ جو مال حاصل کر کے لے آئے، وہ اسی کی ملک ہے، اس کو مالِ غنیمت تصور کر کے اس میں سے خمس وصول کرنے کا حق بیت المال کو نہیں۔ بخلاف اس کے اگر ایک جماعت حملہ کے لئے جائے اور وہاں سے لائے، اس جماعت کی حفاظت ومدد کی ذمہ داری امام المسلمین نے لی ہے، لہٰذا اس میں سے خمس لینے کا حق ہے، اس تشریح کی صورت میں دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف منتقل ہونے پر ملکِ تام حاصل ہوگی (۲)۔

= يجوز تخصيصه بالقرآن، أو بالسنة المتواترة، ولكنهم يختلفون في جواز تخصيصة بسنة الآحاد؛ لأن القرآن قطعي الثبوت، والسنة الآحاد ظنية الثبوت، فلا يقوى الظني على تخصيص القطعي، وهذا ماقال به الأحناف، فلايجوز عندهم تخصيص عام القرآن بسنة الآحاد". (الوجيز في أصول الفقة، ص: ۳۱۸، طهران إيران)

"وذلك عام كله: أي النصوص الأربعة التي تمسك بها عليّ وابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنهما في الجمع بين الأختين والعدة، لكن عند الشافعي هو دليل فيه شبهة، فيجوز تخصيصة بخبر الواحد والقياس. أي تخصيص عام الكتاب بكل واحد من خبر الواحد والقياس. وعندنا هو قطعي مساوٍ للخاص، وسيجئ معنى القطعي، فلايجوز تخصيصه بواحد منهما مالم يخص بقطعي". (التوضيح والتلويح، ص: ۷۶، ۷۸، ۷۹، نور محمد كتب خانه)

(۱) "ويحتمل بقوله: "لاربا" النهي عن الربا، كقوله تعالى ﴿ولارفث ولا فسوق ولا جدال في الحج﴾. (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۳۹/۷، كتاب البيوع، باب الربا، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "في كافي الحاكم: وإن بايعهم الدرهم بدرهمين نقداً أو نسيئةً، أو بايعهم بالخمر والخنزير والميتة، فلابأس بذلك؛ لأن له أن يأخذ أموالهم برضاهم في قولهما، ويجوز شئ من ذلك في قول أبي يوسف". (ردالمحتار: ۱۶۶/۴، باب المستامن، سعيد)

تیسری تشریح یہ ہے کہ مسلم مستامن جو مال عقودِ فاسدہ ربویہ کے ذریعہ دارالحرب میں حربی سے حاصل کرتا ہے، اس پر ربا کا اطلاق نہیں ہوتا، بلکہ جس طرح سے مال مباح حطب وحشیش وغیرہ پر استیلاء سے ملک حاصل ہوجاتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہے، فرق یہ ہے کہ یہاں قابض کی رضامندی ضروری ہے، وہ بصورتِ عقد حاصل ہے، تو موجبِ ملکِ عقد نہیں بلکہ موجبِ ملکِ استیلاء ہے اور عقد صرف تحصیلِ رضائے قابض کے لئے ہے:

"إن مال الحربي ليس بمعصوم، بل هو مباح في نفسه، إلا أن المسلم المستأمن منع عن تملكه من غير رضاه، ولما فيه من الغدر والخيانة، فإذا بدله باختياره ورضاه، فقد زال هذا المعنى، فكان الأخذ استيلاءً على مال مباح غير مملوك، وأنه مشروع مفيد للملك كالاستيلاء على الحطب والحشيش، وبه تبيّن أن العقد ههنا ليس بتملك بل هو تحصيل شرط التملك، وهو رضاه؛ لأن ملك الحربي لايزول بدونه، وما لم يزل ملكه لايقع الأخذ تملكاً، لكنه إذا زال فالملك للمسلم يثبت بالأخذ والاستيلاء، لا بالعقد، فلا يتحقق الربا؛ لأن الربا اسم لفضل يستفاد بالعقد". بدائع الصنائع: ۵/۲ (۱)۔

---

(۱) (بدائع الصنائع: ۷/۸۱، کتاب البیوع، فصل: فی شرائط جریان الربا، دارالکتب العلمیة بیروت)

"إذادخل المسلم دارالحرب بأمان، أو بغير أمان، وعقد مع حربي عقد الربا بأن اشترى درهماً بدرهمين، أو اشترى درهماً بدينار إلى أجل .... قال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى: ذلك كله جائز؛ وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: لا يجوز بين المسلم وأهل الحرب في دار الحرب، إلامايجوز بين المسلمين. والصحيح قولهما؛ لأن مال الحربي على الإباحة الأصلية، إلا أن الذي دخل دار الحرب بأمان التزم أن لايعترض لهم ولِمَا في أيدهم إلا بتراضيهم، فحرم عليه الأخذ بدون رضاهم تحرزاً للغدر. وإذا أعطى برضا هم، فقد انعدم الغدر والخيانة، فيأخذه المسلم بحكم الإباحة الأصلية، وتأثير المعاقدة في تحصيل الرضا بالأخذ لافي التملک". (المحيط البرهاني: ۸/۳۷۶، کتاب الصرف، فصل العشرون في الصرف في دارالحرب، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۴۷۲، کتاب البیوع، باب الربا، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۴/۷۰، کتاب البیوع، باب الصرف في دارالحرب، مكتبه غفاريه كوئٹه)

المبسوط کی روایت: ”کل ربوا فی الجاهلیة فهو موضوع تحت قدمی“ سے قبل کی ہیں، بعد میں تو یہ حکم نازل ہوا تھا: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰه وذروا ما بقی من الربوا إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللّٰه ورسوله﴾ لآیة(۱)۔

یہ ربا اہلِ حرب ہی کے ذمہ تھا جس کو وصول کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، اس مضمون کی روایت بھی المبسوط: ۵/ ۵۷، میں مذکور ہیں (۲)۔

(و) ۱۸۵۷ء میں شاملی کا معرکہ پیش آیا، پھر ریشمی خط کی تحریک چلی۔ کراچی، نینی جیل وغیرہ اسارتِ مالٹا کا واقعہ پیش ہوا۔ ہمارا شاندار ماضی، مسلمانوں کا روشن مستقبل، سفرنامۂ اسیر مالٹا، نقشِ حیات، وغیرہ میں تفصیلات مذکور ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ وعلمہ أتم وأحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حکومت کے سودی قرضے اور بینکوں کے سود کا شرعی حکم

سوال [۷۹۲۲]: حکومت کے ترقیاتی منصوبوں میں ہندوستانی عوام کی خوش حالی اور فلاح و بہبود کے لئے بہت سے شعبے قائم کئے گئے ہیں جس کے ذریعہ حسبِ ضرورت و مصلحت طویل المیعاد قرضے دیئے جاتے ہیں اور برائے نام سود لیا جاتا ہے۔

چھوٹے انڈسٹریوں سے لیکر بڑے بڑے فیکٹری پلانوں تک میں حکومت قرض دیتی ہے، اس سے غیر مسلم حضرات خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور دن بدن اقتصادی میدان میں ترقی کرتے چلے جارہے ہیں۔ مسلمانوں کو اس قرض کے لینے میں دشواری یہ ہے کہ اس میں سود دینا پڑتا ہے، نیز آج کل لین دین اور تجارتی معاملات بڑی حد تک سودی طور پر چل رہے ہیں، کیونکہ آج کل تجارت کا انحصار بڑی حد تک بینکوں پر ہے جو تمام کے تمام سودی کاروبار پر مبنی ہیں۔

اگر مسلمان حکومت سے قرض لیکر اقتصادی میدان میں آگے بڑھنے کی سعی کرتے ہیں تو قرآن کی

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۹)

(۲) (المبسوط للسرخسی، کتاب البیوع، باب الصرف فی دارالحرب: ۱۴/ ۷۰، مکتبہ غفاریہ، کوئٹہ)

آیاتِ حرمتِ سوداُن کا دامن روکتی ہیں اور اگر اس سے بچنے کی سعی کرتے ہیں تو اقتصادی میدان میں وہ پچھڑے جاتے ہیں۔ وقت کا اہم سوال یہ ہے کہ اُنہیں ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ ڈربن سے مسٹر احمد صاحب نے اسی قسم کا ایک سوال مرتب کر کے بطور استفساء ہندوستان کے علماء کی خدمت میں روانہ کیا ہے، حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ نے اس کا جواب بڑی تفصیل سے دیا ہے، ہم اس جواب کو من وعن شائع کررہے ہیں، انشاء اللہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس جواب سے بڑی روشنی حاصل ہوگی۔

قمرالدین ایڈیٹر ماہنامہ نظام کانپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں، بلکہ منصوص اور قطعی ہے: ﴿وحرم الربوا﴾(۱) اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

تحریمِ ربا نازل ہونے پر بقایا سود کے وصول کرنے کی بھی ممانعت کردی گئی، بلکہ اس کو بمنزلۂ شرطِ ایمان قرار دیا گیا: ﴿وذروا مابقی من الربوا إن کنتم مؤمنین﴾(۲)۔

''سود کا بقایا چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو'' (قرآن)۔

جولوگ سود لینے سے باز نہ آئیں ان کے لئے اعلان جنگ ہے: ﴿فإن لم تفعلوا، فأذنو ابحرب من اللہ ورسولہ﴾(۳)۔

''اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود کا بقایا نہ چھوڑا) تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے''۔

سودخوار کا حشر اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿الذین یأکلون الربوا لایقومون إلا کما یقوم الذی

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿أحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاأیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا إن کنتم مؤمنین﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۸)

(۳) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹)

يتخبطه الشيطان من المس﴾(۱)۔

''جولوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط بنادیا ہو''۔

سودخوار کے لئے سخت وعید ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله لعلكم تفلحون، واتقوا النار التى أعدت للكافرين﴾(۲)۔

''اے ایمان والو! سود در سود کر کے نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، شاید تم فلاح پاؤ، اور اس آگ سے ڈرو، جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے''۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں سب سے زیادہ خوفناک یہ آیت ہے:

''كان أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ يقول: هى أخوف آية فى القرآن حيث أوعد الله المؤمنين بالنار المعدة للكافرين إن لم يتقوه فى اجتناب محارمه''. تفسير مدارك التنزيل(۳)۔

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ خوفناک

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (سورة ال عمران: ۱۳۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يمحق الله الربوا ويربى الصدقات﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

''﴿وأخذهم الربوا، وقد نهوا عنه﴾ كان الرباء محرماً عليهم، كماحرم علينا ﴿وأخذهم أموال الناس بالباطل﴾ بالرشوة وسائر الوجوه المحرمة''. (مدارك التنزيل وحقائق التأوين: ۲۰۲/۱، (سورة ال عمران: ۱۳۰)، قديمى)

(۳) (تفسير مدارك التنزيل، ۲۹۲/۱، (سورة النساء: ۱۶۱)، قديمى)

قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال القرطبى: ''من أخذ مال غيره لاعلى وجه إذن الشرع، فقد أكله بالباطل''. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبى: ۳۲۳/۲، دارإحياء التراث العربى بيروت)

قال العلامة البغوى رحمه الله تعالىٰ: ﴿بالباطل﴾ بالحرام يعنى بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها''. (معالم التنزيل للبغوى: ۵۰/۲، قديمى)

آیت، آیتِ مذکورہ بالا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو دوزخ کی آگ کی دھمکی دی ہے جو درحقیقت کافروں کے لئے ہے، اگر مؤمنین خدا سے نہ ڈریں اس کی حرام کردہ چیز (سود) سے پرہیز کرنے میں''۔

انسان کے بدن میں جو گوشت حرام مال سے پیدا ہو، وہ نارِ جہنم ہی کے لائق ہے، سود کا ایک درہم جان بوجھ کر لینا چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید ہے:

"عن عبدالله بن حنظلة غسيل الملائكة رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلاثين زنيةً". رواه أحمد والدار قطني. وروى البيهقى فى شعب الإيمان عباس رضى الله تعالىٰ عنه، وزاد وقال: "من نبت لحمه من السحت، فالنار أولىٰ به". مشكوة المصابيح، ص: ٢٤٦(١)۔

''حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''دیدہ ودانستہ سود کا ایک درہم (چار آنہ بھر) کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے''۔اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس کا گوشت حرام غذا سے پرورش پایا ہے، وہ جہنم کے ہی زیادہ لائق ہے''۔

سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی کی گواہی دینے والے سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے اور سب کو نفس گناہ میں برابر قرار دیا ہے:

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا

---

(١) (مشكوٰة المصابيح، ص: ٢٤٥، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمى)

"عن سمرة بن جندب رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى اللى عليه وسلم: "رأيت الليلة رجلين أتياني، فأخرجاني إلى أرض مقدسة، فانطلقنا حتى أتينا على نهرٍ من دمٍ، فيه رجل قائم، وعلى وسط النهر رجل بين يديه حجارة. فاقبل الرجل الذى فى النهر، فإذا أراد الرجل أن يخرج، رمىٰ الرجل بحجر فى فيه، فرده حيث كان، فجعل كلما جاء ليخرج رمىٰ فيه بحجر، فيرجع كما كان، فقلت: من هذا؟ فقال الذى رأيته: آكل الربوا". (الصحيح للبخارى: ١/ ٢٨٠، كتاب البيوع، باب آكل الربوٰ وشاهده وكاتبه، قديمى)

ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". رواه مسلم". مشكوه شريف(۱)۔

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے، سود دینے والے اور سود کا رقعہ لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والے پر اور فرمایا کہ: ''یہ سب کے سب گناہ میں برابر ہیں''۔

سود کے ستّر اجزاء ہیں، سب سے ہلکا جز ماں سے بدفعلی کرنے کے برابر ہے، سود سے مال بظاہر بڑھتا ہوا نظر آئے گا، مگر اس کا انجام قلت ہے:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءً أيسرها أن ينكح الرجل أمّه".

"وعن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "إن الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل". رواهما ابن ماجة والبيقهی فی شعب الإيمان، وروی أحمد الأخير". مشكوٰة شريف، ص: ۲٤٦(۲)۔

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''سود کے ستّر درجے ہیں اور ان میں سب سے ہلکا درجہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے کے برابر ہے''۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الأول، قديمی)

"عن عليّ رضی الله تعالیٰ عنه أنه سمع رسول الله صلی الله عليه وسلم: "لعن الله آكل الربوٰ مؤكله وكاتبه ومانع الصدقة، وكان ينهی عن النوح". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمی)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "أتيت ليلة أسری بی علی قوم بطونهم كالبيوت فيها الحيات تری من خارج بطونهم، فقلت: من هؤلاء ياجبرئيل؟ قال: هؤلاء أَكَلَةُ الربوا". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ۲۴۶، قديمی)

نے فرمایا کہ: ''سود سے اگر چہ مال بڑھتا ہے، مگر اس کا انجام قلت ہے''۔

حرمتِ ربا کی آیت محکم ہے، منسوخ نہیں۔ شبہِ ربا سے بھی بچنے کا حکم ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه أن اٰخرمانزلت اٰية الربوا، وأن رسول الله صلی الله علیه وسلم قبض ولم یفسرها لنا، فدعوا الربو ا والريبة". رواه ابن ماجة، والدار می". مشکوة: ٢٤٦(١)۔

''قوله: (اٰخر مانزلت اٰية الربوا) یعنی هی ثابتة غیر منسوخة، لکن رسول الله صلی الله علیه وسلم قبض ولم یفسر بحیث یحیط بجمیع جزئیاتها وموادها، فینبغی لکم أن تَدَعوا الربوا الصریح، وما یشتبه الأمر تورعاً واحتیاطاً. هذامایفهم من ظاهر سوق العبارة. وقال الطیبی: یعنی أن هذه الاٰية ثابتة غیر منسوخة غیر مشتبهة، فلذلك لم یفسرها النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فأجروها علی ماهی علیه، ولاترتابوا فیها، واترکوا الحیلة فی حل الربوا". لمعات ومرقات(٢)۔

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (معاملات سے متعلق) سب سے آخری سود کی آیت ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایسے وقت ہوئی کہ سود کی (ہر ہر جزئیات کی تفصیل) نہیں بیان کی، اس لئے سود کیساتھ ساتھ جس میں سود کا شبہ ہو اُسے بھی چھوڑ دو''۔

''عمر کے قول: "آخر مانزلت" کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت ثابت غیر منسوخ ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جزئیات کو بطورِ احاطہ بیان نہیں فرمایا، اس لئے تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم سود اور سود

---

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب البيو ع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ٢۴٦، قديمی)

(٢) حاشیه مشکوة المصابیح، کتاب البیو ع، باب الربا، الفصل الثالث، (رقم الحاشية: ۴)، ص: ۲۴۶، قدیمی)

(وبمعناه فی مرقاة المفاتیح: ٦/٦٧، کتاب البیو ع، باب الربا، الفصل الثالث، رشیدیه)

کے مشابہ تمام چیزیں تورّع اور احتیاط کی وجہ سے چھوڑ دو۔ ظاہر عبارت سے یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے۔

طیبی نے کہا کہ یہ آیت ثابت غیر منسوخ غیر مشتبہ ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح نہیں فرمائی، اس لئے تم لوگ اس کو اس کے ظاہری مفہوم پر جاری رکھو اور اس میں کچھ شک نہ کرو اور سود کے حلت کے سلسلہ میں حیلہ حیلہ ترک کردو"۔

مقروض اگر قرض کے دباؤ میں کوئی ہدیہ پیش کرے تو وہ ہدیہ بھی ربا ہے، نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی ہے:

"عن أبی بردة بن أبی موسی رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قدمت المدينة، فلقيت عبدالله بن سلام، فقال: إنك بأرض فيها الربوا فاش، فإذا كان لك على رجل حق فأهدیٰ إليك حمل تبنٍ أو حمل شعير أوحمل قت، فلاتأخذه، فإنه ربوا". رواه البخاری". مشكوة المصابيح(۱)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمی)

"عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: "الربا ثلاثة وسبعون باباً، أيسرها مثل أن ينكح أمّه، وإن أربی الربا عرض الرجل المسلم". (المستدرک للحاكم، كتاب البيوع: ۳۷/۲، دارالفكر بيروت)

"عن عطاء الخراسانی أن عبد الله بن سلام رضی الله تعالیٰ عنه قال: "الربا اثنان وسبعون حوباً، أصغرها حوباً كمن أتیٰ أمه فی الإسلام، ودرهم من الربا أشدُّ من بضع وثلاثين زنيةً، قال: ويأذن الله بالقيام للبَرِّ والفاجر يوم القيامه إلالآكل الربا، فإنه لايقوم إلا كما يقوم الذی يتخبطه الشيطان من المس". (مصنف عبد الرزاق: ۲۶۱/۱۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "من أعان ظالماً بباطل ليدحض بباطله حقاً، فقد برئ من ذمة الله عزوجل وذمة رسول الله صلی الله عليه وسلم. من أكل درهماً من ربا، فهو مثل ثلاث وثلاثين زنيةً. ومن نبت لحمه من سحت، فالنار أولی به". (المعجم الصغير للطبرانی: ۱۴۷/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں مدینہ آیا اور حضرت عبداللہ بن سلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: تم ایسے علاقہ میں رہتے ہو جس میں سود کا رواج بہت زیادہ ہے، پس اگر تمہارا کسی پر حق ہو اور وہ تمہیں ہدیہ میں بھوسہ یا جَو کا گٹھریا، یا گھانس دے تو وہ بھی نہ لو، کیونکہ وہ بھی سود ہے''۔

ہدیۂ مالی کے علاوہ بھی کسی اَور منفعت کے قبول کرنے کی اجازت نہیں:

"عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إذا أقرض أحدکم قرضاً، فأهدی إلیه أو حمله علی الدابة، فلایرکبه ولایقبلها، إلا أن یکون جری بینه وبینه قبل ذلك". رواه ابن ماجة والبیهقی فی شعب الإیمان". مشکوة شریف، ص: ٤٢٦(١)۔

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی کسی کو قرض دے، پس اس قرض خواہ کو اگر قرض دار کچھ ہدیہ دے، یا اپنی سواری پر سوار کرائے تو نہ سوار ہو، اور نہ اس ہدیہ کو قبول کرے، مگر یہ کہ قرض سے پہلے ہدیہ وغیرہ کا لین دین جاری ہو''۔

مسلمانانِ افریقہ کے جو حالات سوال میں درج ہیں، ان کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کے حالات

---

(١) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ٢٤٦، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

"عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "ماظهر فی قوم الزنا والربا، إلا أحلوا بأنفسهم عقاب اللہ". (مجمع الزوائد: ١١٨/٤، دارالفکر بیروت)

"وکتب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لأهل نجران: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. هذاماکتب محمدٌ النبی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لنجران .... ولنجران وحاشیتها جوار اللہ وذمة محمد النبی علی أنفسهم، وملتهم، وأرضیهم .... ولا یغیر حق من حقوقهم، ولاملتهم .... ومن أکل الربا من ذی قبل، فذمتی منه بریئة". (دلائل النبوة للبیهقی: ٣٨٩/٥، باب وفد نجران وشهادة الأساقفة لنبیناصلی اللہ علیه وسلم، دارالکتب العلمیه بیروت)

زیادہ دردانگیز تھے جن کوخطاب کر کے سود کوحرام قرار دیا گیا، اور سخت وعیدیں سنائی گئیں ہیں۔

وہ حضرات کفار کے قرضہ میں دبے ہوئے تھے، کفار ان کا خون چوس رہے تھے، حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوبارہ غلام بنانے کی دھمکی دی گئی تھی جس سے پریشان ہوکر انہوں نے مدینہ پاک سے مخفی طور پر قرض کی ادائیگی کا انتظام ہونے تک کے لئے باہر چلے جانے کا ارادہ کرلیا تھا(۱)۔ وہ حضرات، پیٹ پر پتھر

---

(۱) "أخرج البيهقي عن عبدالله الهوزيني رحمه الله تعالىٰ قال: لقيت بلالاً رضى الله تعالىٰ عنه مؤذن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحلب، فقلت: يابلال! حدثني كيف كانت نفقة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ؟ فقال: ماكان له شئ إلا أنا الذى كنت ألي ذلك منه منذ بعثه الله إلى أن توفي، فكان إذا أتاه (الإنسان) المسلم فراٰه عائلاً يأمرني، فأنطلق، فأستقرض، فأشترى البردة والشئ، فأكسوه وأطعمه، حتى اعترضني رجل من المشركين، فقال يابلال! إن عندى سعة، فلا تستقرض من أحد إلا منّي، ففعلت، فلما كان ذات يوم توضأت ثم قمت لأؤذن بالصلوة، فإذا المشرك في عصابة من التجار، فلما رآني قال: يا حبشي! (قال) : قلت: يالبيه! فتجهمني، وقال قولاً عظيماً –أو غليظاً– وقال: أتدرى كم بينك وبين الشهر؟ قلت: قريب، قال: إنما بينك وبينه أربع ليال، فاٰخذك بالذى لى عليكم، فإنى لم أعطك الذى أعطيتك من كرامتك ولا من كرامة صاحبك، وإنما أعطيتك لتصيرلى عبداً فأذرك ترعى في الغنم كما كنت قبل ذلك.

قال: فأخذني في نفسي مايأخذ في أنفس الناس، فانطلقت، فناديت بالصلوة حتى إذا صلّيت العتمة، ورجع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى أهله، فاستأذنت عليه فأذن لي، فقلت: يارسول الله! بأبي أنت وأمي! إن المشرك الذى ذكرت لك أني (كنت) أتدين منه قد قال: كذا وكذا، وليس عندك مايقضي عني ولاعندى وهو فاضحي، فأذن لي أن اٰتي (إلى) بعض هؤلاء الأحياء الذين قد أسلموا حتى يرزق الله رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مايقضي عني".

فخرجت حتى أتيت منزلي، فجعلت سيفي وحرابي ورمحي ونعلي عند رأسي، فاستقبلت بوجهي الأفق، فكلما نمت انتبهت، فإذا رأيت عليّ ليلاً نمت حتى انشق عمود الصبح الأول، فأردت أن أنطلق، فإذا إنسان يدعو. يابلال! أجب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فانطلقت حيت اٰتيه، فإذا أربع ركائب عليهن أحمالهن، فأتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال لي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أبشر، فقد جاءك الله بقضاء دينك". .... =

باندھتے تھے، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش کھا کھا کر گر جاتے تھے(۱)، دو دو، تین تین مہینے تک گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی۔

کپڑا ابھی پوری تن پوشی کے لئے موجود نہیں تھا، چادر ہے تو تہہ بند نہیں، تہہ بند ہے تو کرتا نہیں (۲)۔ نکاح کی خاطر مہر میں دینے کو لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آئی، صرف ایک لنگی بدن پر تھی اسی میں سے آدھی لنگی مہر دینے پر آمادہ ہوئے (۳)۔ بچوں کو بھوکا روتا ہوا دیکھ کر تین چار دانے کھجور حاصل کرنے کے لئے یہود کی

= فحمدت الله، وقال: "ألم تمرّ على الركائب المناخات الأربع؟" قال: قلت: بلى، قال: "فإن لک رقابهن وماعليهن -فإذا عليهنّ كسوة وطعام أهداهنّ له عظيم فَدَک- فاقبضهنّ إليک ثم اقض دينک".

قال: ففعلت، فحططت عنهنّ أحمالهنّ، ثم علفتهنّ، ثم عمدت إلى تأذين صلوة الصبح. الخ". (حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوی رحمه الله تعالىٰ، باب إنفاق الصحابة فی سبيل الله، كيف كانت نفقة النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم، قصة بلال رضی الله تعالىٰ عنه فی ذلک مع مشرک: ۲/۲۱۰، ۲۱۱، دار القلم دمشق)

(۱) "عن محمد بن سيرين قال: كنا عند أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه وعليه ثوبان ممشقان من كتان، فتمخط فی أحدهما، ثم قال: بخ بخ! يتمخط أبوهريرة فی الكتان، لقد رأيتنی وإنی لأخرّ فيما بين منبر رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم وحجرة عائشة من الجوع مغشياً علی، فيجئ الجائی فيضع رجله على عنقی يرى أن بی الجنون، ومابی جنونٌ وما هو إلا الجوع".

"عن فضالة بن عبيد رضی الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا صلى بالناس يخر رجال من قامتهم فی الصلوة من الخصاصة وهم أصحاب الصفة". الحديث. (جامع الترمذی، أبواب الزهد، باب ماجاء فی معيشة أصحاب النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۶۲، سعيد)

(۲) "عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة، مامنهم رجل عليه رداءٌ، إما إزارو إما كساء، قد ربطوا فی أعناقهم، فمنها مايبلغ نصف الساقين ومنها ما يبلغ الكعبين فيجمعه بيده كراهية أن تُرىٰ عورته". (مشكوة المصابيح، باب فضل الفقراء وماكان من عيش النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۴۴۷، قديمی)

(۳) "عن سهل بن سعد رضی الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم جاء ته امرأة =

مزدوری کرنا پڑتی (۱)۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے نفقہ کے لئے اپنی جہاد میں کام آنے والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی (۲)۔ اسی حال میں آپ کا وصال ہوا (۳)۔ ان حالات کے باوجود ان

= فقالت: یا رسول الله: إنی وهبت نفسی لک، فقامت طویلاً فقام رجل فقال: یارسول الله! زوجنیها إن لم تکن لک فیها حاجة، فقال: "هل عندک من شئ تصدقها"؟ قال: ماعندی إلا إزاری هذا. قال: "فالتمس ولو خاتماً من حدید". فالتمس فلم یجد شیئاً". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الصداق، الفصل الأول، ص: ۲۷۷، قدیمی)

(۱) "وأخرج الطبرانی -بإسناد حسن- عن فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أتاها یوماً، فقال: "أین ابنای"؟ یعنی حسناً وحسیناً- قلت: أصبحنا ولیس فی بیتنا شئ یذوقه ذائق، فقال علی رضی الله تعالیٰ عنه: أذهب بهما فإنی أتخوّف أن یبکیا علیک ولیس عندک شئ، فذهب إلی فلان الیهودی. فتوجه إلیه النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فوجدهما یلعبان فی شَربة، بین أیدیهما فضل من تمر. فقال: "یاعلی! ألا تقلب ابنیّ قبل أن یشتد الحر"؟

قال: أصبحنا ولیس فی بیتنا شئ، فلو جلست یارسول الله! حتی أجمع لفاطمة رضی الله تعالیٰ عنها فضل من تمر، فجعله فی خرقة، ثم أقبل، فحمل النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أحدهما وعلی الأخر حتی أقلباهما. کذا فی الترغیب". (حیاة الصحابة للعلامة الشیخ محمد یوسف الکاندهلوی رحمه الله تعالیٰ، باب تحمل الشدائد فی الله، عنوان: جوع علی وفاطمة رضی الله تعالیٰ عنها: ۱/۳۱۱، دارالقلم دمشق)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: رهن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یهودیاً درعاً وأخذ منه طعاماً". (المسند للإمام أحمد: ۲۳۸/۷، (رقم الحدیث: ۲۵۴۰۳)، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(ومشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب السلم والرهن، الفصل الأول، ص: ۲۵۰، قدیمی)

(۳) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: ماشبع آل محمد من خبز الشعیر یومین متتابعین حتی قبض رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (مشکوة المصابیح، باب فضل الفقراء وماکان من عیش النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، الفصل الأول، ص: ۴۴۶، قدیمی)

حضرات کو کفار کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو بھی منع فرمادیا گیا:

﴿ولاتمدنّ عينيك إلى مامتعنا به أزواجاً منهم زهرة الحيوٰة الدنيا لنفتنهم فيه، ورزق ربك خيرٌ وأبقى﴾(الآية).(١).

''اور ہرگز آنکھیں اٹھا کر آپ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دنیاداروں) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کررکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دنیاوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ اس سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے''۔

نیز ارشاد ہوا: ﴿ولولا أن يكون الناس أمةً واحدةً، لَجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سُقُفاً من فضة ومعارج، عليها يظهرون. ولبيوتهم أبواباً وسرراً عليها يتكئون. وزخرفاً، وإن كل ذلك متاع الحيوة الدنيا، والأخرة عند ربك للمتقين﴾(٢)۔

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقے کے ہوجاویں گے تو جو خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے لئے بھی ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کردیتے، اور زینے بھی، جن پر چڑھا کرتے اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی، اور یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں خداترسوں کے لئے ہے''۔

مال میں کفار کی حرص کو قرآن پاک نے منع فرمایا ہے، مگر اسی کو آج مسلمان بار بار للچائی ہوی نظریں اٹھا کر دیکھتا ہے اور ان ہی کی رَوش پر چلنے کے لئے راستہ تلاش کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی اسی منزل پر پہنچے گا جس منزل پر وہ پہنچے۔

سودی کاروبار کے ذریعہ سے نہ مسلمان کا مال ترقی کرسکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:''ان

(۱) (سورة طه: ۱۳۱)

(۲) (سوره الزخرف: ۳۳-۳۵)

الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل"(۱)۔

''سود خواہ کتنا ہی زیادہ ہو، اس کا انجامِ کار قلّت ہے''۔

نہ مال محفوظ رہ سکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿يمحق الله الربوا﴾. (سورة البقرة: ٢٧٦)

''اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتے ہیں''۔

لہٰذا سودی کاروبار کو مالِ مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوصِ قرآن وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے، مسلمان کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں، بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکامِ شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔

دینی اور مذہبی اداروں کو اگر حرام مال سے چلایا جائے گا تو ان سے ایسے لوگ تیار ہو کر نکلیں گے جو خود بھی حرام وحلال کی تمیز سے بے بہرہ ہوں گے اور قوم کو حرام سے روکنے کا جذبہ بھی ان میں نہیں ہوگا۔ اسی طرح ایسے لوگوں کو تیار کرنا ظاہر ہے کہ کوئی دینی خدمت نہیں جس سے رضائے خداوندی میسر آسکے جو کہ مسلمان کی خلقت کا اصل مقصد ہے۔

جب عام معاشرہ بگڑ چکا ہو، غیر قومیں حرام مال سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوں، تو علماء کا یہ کام نہیں کہ مسلمانوں کے لئے بھی جواز کی راہ نکال کر ان غیر قوموں کے اتباع کا فتوی دیدیں، بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ رضائے خداوندی اور ابدی انعامات کا پورا نقشہ قوم کے سامنے اخلاص وقوت کیساتھ پیش کریں، متعین طور پر بلا کسی تذبذب کے حکم خداوندی سنادیں۔

اگر کوئی شخص مستامن وغیرہ مخصوص حالات میں کسی بلا میں گرفتار ہو جائے اور اس کے لئے شرعی

---

(۱) "عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الربا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل". (مسند أحمد بن حنبل: ۱/۳۵۲، (رقم الحديث: ۳۷۵۴)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ماأجد أكثر من الربا، إلا كان عاقبة أمره إلى قلة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۶۵، باب التغليظ في الربا، قديمي)

اسباب کے پیشِ نظر کسی قول پر کوئی گنجائش نکل سکتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کو عام ضابطہ بنا کر منہی عنہ کو ختم کر دیا جائے:

﴿هذاصراطی مستقیماً، فاتبعو ه ولا تتبعوا السبل﴾ (الاية)(١)۔

''یہ میرا سیدھا راستہ ہے، پس اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو''۔

﴿ولاتتبعوا خطوات الشیطان﴾(٢)۔

''شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو''۔

اگر بگڑے ہوئے معاشرے اور دیگر اقوام کی ترقیات سے متاثر ہو کر مسلمان کے لئے حرام کی راہیں کھول دیں تو اس کا انجام بہت خطرناک ہے۔ علمائے بنی اسرائیل نے اول قوم کو معاصی سے روکا، وہ نہیں رکی تو روکنا چھوڑ دیا اور معاشرہ میں قوم کے ساتھ شریک ہوگئے تو سب پر لعنت کی گئی:

"عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لماوقعت بنو إسرائیل فی المعاصی، نهتهم علمائهم، فلم ینتهوا، فجالَسوهم فی مجالسهم، وآكلوهم وشاربوهم، فضرب الله قلوب بعضهم ببعض، فلعنهم علی لسان داود وعیسیٰ بن مریم، ذلك بماعصو وكانوا یعتدون". قال: فجلس رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وكان متكئاً فقال: "لا، والذی نفسی بیده! حتی تأطِرُوهم اَطْرًا". رواه الترمذی وأبو داود.

فی روایة قال: "كلا، والله! لتأمرُنّ بالمعروف ولتنهوُنّ عن المنكر، ولتأخذنّ علی یدی الظالم، ولتأطرنه علی الحق اطراً، ولتقصرنه علی الحق قصراً، أو لیضربن الله بقلوب

---

(١) (سورة البقرة: ١٦٨)

قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبیله﴾ (سورة الأنعام: ١٥٣)

﴿یا أیهاالذین آمنوا لاتتبعوا خطوات الشیطان ﴾ (سورة النور: ٢١)

(٢) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الناس كلوا مما فی الأرض حلالاً طیباً، ولا تتبعوا خطوات الشیطان﴾ (سورة البقرة: ١٦٨)

وقال الله تعالیٰ: ﴿كلوا ممارزقكم الله، ولاتتبعوا خطوات الشیطان﴾ (سورة الأنعام: ١٤٢)

بعضكم على بعض، ثم ليلعننكم كما لعنهم". مشكوة شريف، ص: ٤٣٨(١)۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:''جب بنی اسرئیل معاصی میں مبتلا ہوئے تو علماء نے پہلے تو ان کو روکا، لیکن وہ نہیں رکے، مگر اس حال میں بھی ان کی مجلسوں میں اٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے، پس اللہ تعالیٰ نے بعض کے دلوں کو بعض کے ساتھ ملا دیا اور عیسیٰ بن مریم اور داود علیہما السلام کے ذریعہ ان پر لعنت بھیجی، اس لئے انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کر گئے تھے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے تھے، اٹھ کے بیٹھے گئے اور فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یہاں تک کہ تم ان کو حق کی طرف مائل کرو''۔

حرام کا دروازہ کھول دینے پر کیا کیا لعنت نازل ہوگئی۔ اگر طبقہ وارانہ کشاکش اور تباغض وتحاسد پیدا ہو تو اس سے بچانے کی یہ صورت نہیں کہ حرام کا دروازہ کھول دیا جائے، بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ نصوصِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی زیادہ سے زیادہ تلقین کی جائے:

﴿ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض﴾ (٢)۔

"ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، وكونوا عباد الله إخواناً". وفي روايه: "ولا تنافسوا". متفق عليه". مشكوة شريف، ص: ٤٢٧(٣)۔

''اللہ نے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے اس کی تمنا نہ کرو۔

''اور آپس میں حسد، بغض، اور ایک دوسرے کی غیبت مت کرو اور سب لوگ بھائی بھائی بن کر رہو''۔ اور ایک روایت میں ہے کہ'' دنیا میں ایک دوسرے پر بڑھنے کی

---

(١) (مشكوة المصابيح، ص: ٤٣٨، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني، قديمي)

(٢) (سورة النساء: ٣٢)

(٣) (مشكوة المصابيح، ص: ٤٢٧، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، قديمي)

حرص مت کرو"۔

سرمایہ دار طبقہ کو ایثار و ہمدردی سکھائی ہے:

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "لیس المؤمن الذی یشبع وجارُہ جائع إلی جنبہ". مشکوۃ شریف، ص: ٤٣٤(١)۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "وہ مومن کامل ہی نہیں جو خود تو پیٹ بھرے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو"۔

"عن جریر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "لا یرحم اللّٰہ من لا یرحم الناس". متفق علیہ". مشکوۃ شریف(٢)۔

"حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جو لوگوں پر رحم نہ کرے، اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا"۔

غریب طبقہ کو صبر و قناعت کا سبق دیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمومی حالاتِ زندگی سنائے جائیں:

"عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا قالت: ما شبع آل محمد من خبز الشعیر یومین متتابعین حتی قُبض رسول اللّٰہ صلی للّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم". متفق علیہ".

---

(١) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۲۴، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، الفصل الثالث، قدیمی)

(٢) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۲۱، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، الفصل الأول، قدیمی)

"عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت أبا القاسم الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم: "لا تُنزع الرحمۃ إلا من شقیّ".

"وعن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الراحمون یرحمھم الرحمٰن، ارحموا من فی الأرض، یرحمکم من فی السماء". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۴۲۳، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، الفصل الثانی، قدیمی)

مشکوۃ المصابیح(۱)۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لگاتار دودن تک جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی''۔

"عن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: دخلت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فإذا هو مضطجع علی رمال حصیر لیس بینه وبینه فراش، قد اثر الرمال بجنبه متکئاً علی وسادة من أدمٍ حشوها لیفٌ، قلت: یارسول اللّٰہ! ادعُ اللّٰہ، فلیوسع علی أمتك، فإن فارس والروم قد وسع علیهم، وهم لایعبدون اللّٰہ. فقال: "أوَ فی هذا أنت یابن الخطاب! أولئك قوم عجلت لهم طیباتهم فی الحیوة الدنیا". وفی روایة: "أماترضی أن تکون لهم الدنیا ولنا الأخرة". متفق علیه"(۲)۔

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، جس پر کوئی بستر بچھا ہوانہیں تھا، جس سے آپ کے پہلو شریف میں چٹائی کے نشان بن گئے (جیسا کہ عموماً چٹائی وغیرہ پر بیٹھنے یا لیٹنے سے ہوتا ہے) اور چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اس پر آپ تکیہ لگائے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ: یارسول

---

(۱) (مشکوٰة المصابیح، ص: ۴۴۶، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء وماکان من عیش النبی صلی اللہ علیه وسلم، الفصل الأول، قدیمی)

"وعنها (أی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها) قالت: ماشبع اٰل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یومین من خبزبُرّ إلا وأحدهما تمر".

"وعنها (أی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها) قالت: توفی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وماشبعنا من الأسودین". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۳۶۵، کتاب الأطعمة، الفصل الأول، قدیمی)

(۲) (مشکوٰة المصابیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، وماکان من عیش النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، الفصل الأول، ص: ۴۴۷، قدیمی)

اللہ! دعاء فرمایئے کہ اللہ آپ کی امت (مسلمانوں) پر وسعت فرمادے، روم اور فارس جو اللہ کی عبادت نہیں کرتے، ان پر دنیا کس قدر کشادہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اے ابن خطاب! کیا تم ابھی اس خیال میں ہو، ان کے لئے دنیا کی زندگی ہی میں ان کی مرغوبات دیدی گئی ہیں، کیا تم اس پر راضی نہیں، کہ ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے اخرت''۔

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة مامنهم رجل عليه رداء: إما إزار وإما كساء، قد ربطوا فی أعناقهم، فمنها مايبلغ نصف الساقين، ومنها مايبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهة أن تُرى عورته". رواه البخاری، اه". مشكوٰة المصابيح، ص: ٤٤٧(١)۔

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر صحابہ کو دیکھا، ان کے پاس کوئی چادر نہیں تھی، اگر ازار یا کملیاں بھی تھی تو اس کی یہ حالت تھی کہ وہ اس کو گلے میں باندھ لیتے تو کسی صحابی کا کپڑا نصف پنڈلی تک ہوتا اور کسی کا ٹخنہ تک، وہ عامۃً اُسے اپنے ہاتھ سے پکڑے رہتے کہ کہیں کشفِ عورت نہ ہوجائے''۔

"عن قتادة بن النعمان رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: "إذا أحب الله عبداً، حماه الدنيا، كما يظل أحدكم يَحمِی سقيمه الماء". رواه الترمذی، وأحمد". مشكوٰة شريف، ص: ٤٤٨(٢)۔

''حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

(۱) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۴۷، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبی صلی الله عليه وسلم، الفصل الأول، قديمی)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۴۸، باب فضل الفقراء، وماكان من عيش النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، الفصل الثانی، قديمی)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو دنیا سے ایسے بچاتے ہیں جیسے تم اپنے بیمار کو پانی سے''۔

"عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "من رضی من اللّٰہ بالیسیر من الرزق، رضی اللّٰہ عنه بالقلیل من العمل" (۱)۔

''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تھوڑے رزق پر اللہ سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کے تھوڑے عمل سے راضی رہیں گے''۔

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "من جاع، أو احتاج، فکتمه الناسَ، کان حقاً علی اللّٰہ أن یرزقه سَنةً من حلال". رواہ البیهقی فی شعب الإیمان (۲)۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو بھوکا ہو، یا کوئی حاجت مند ہو اور لوگوں پر ظاہر نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ ایک سال کا حلال رزق اس کے لئے مقدر فرمادیں'' (حاجت ظاہر نہ کرنے کی برکت سے)۔

"عن عمران بن حصین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "إن اللّٰہ یحب عبده المؤمن الفقیر المتعفف بالعیال". رواہ ابن ماجة". مشکوٰۃ شریف (۳)۔

''عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایسے مؤمن بندہ کو پسند کرتے ہیں جو فقیر ہو، عفیف اور بال

(۱) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۴۴۹، الفصل الثالث، باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، قدیمی)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

(۳) (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

بچوں والا ہو''۔

اسی طرح تعلیماتِ نبویہ عام ہوسکتی ہیں، اور امتِ مسلمہ کا طغرائے امتیاز باقی رہ سکتا ہے جس کے باقی رکھنے کی زیادہ ذمہ داری علماء کے سر ہے۔ اگر دورِ حاضر کے سیلِ رواں میں بہنا شروع کر دیا تو یہ امت اپنا تاجِ افتخار مغربی اقوام کی قدموں پر نثار کر کے ان ہی اقوام میں منضم ہو جائے گی اور سخت قسم کا خسارہ اٹھائے گی اور اس طرزِ عمل سے ملتِ اسلامیہ کو بڑا دھکا لگے گا، جس سے قہار کا قہر جوش میں آجائے گا، اور گوناں گوں عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، جس کے کچھ نمونے پیش آبھی رہے ہیں۔ جب نافرمانی عام ہو جائے اور اس طرح پر روک ٹوک نہ کی جائے تو عذابِ عام کی وعید حدیث پاک میں بیان فرمائی گئی ہے:

"عن أبی بكر رضی الله تعالىٰ عنه: ما من قوم يعمل فيهم المعاصی، ثم يقدرون على أن يغيّروا، ثم لا يغيّرون، إلا يو شك أن يعمهم الله بعقاب"(۱)۔

''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس قوم میں خدا کی نافرمانی ہورہی ہو اور کچھ لوگ نافرمانی کو روکنے پر قادر ہوں، پھر بھی وہ نہ روکیں تو ضرور اللہ پاک ان پر ایک عمومی عذاب نازل فرمائے گا''۔

"عن جرير بن عبدالله رضی الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "ما من رجل يكون فی قوم يعمل فيهم بالمعاصی، يقدرون على أن يغيّروا عليه ولا يغيرون، إلا أصابهم الله منه بعقاب قبل أن يموتوا". رواه أبو داؤد، وابن ماجة". مشكوة شريف، ص: ٤٣٦، ٤٣٧ (٢)۔

''حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''اگر کسی قوم میں کوئی شخص معصیت میں مبتلا ہو اور اہلِ قوم اس کو روکنے پر قادر ہوں، پھر وہ نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ مرنے سے قبل پوری قوم پر عمومی عذاب نازل فرمائے گا''۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ٤٣٦، ٤٣٧، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثانی، قديمی)

(۲) (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

ایسی حالت میں دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نصرت وحمایت بھی نہیں ہوگی:

"عن حذيفة رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "والذى نفسى بيده! لتأمرُنّ بالمعروف ولتنهوُنّ عن المنكر، أوليوشكنّ الله أن يبعث عليكم عذاباً من عنده، لَتدعُنّه ولا يستجاب لكم". رواه الترمذى". مشكوة المصابيح، ص: ٤٣٦(١)۔

''حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ عنقریب اپنا عذاب تم پر نازل کرے گا، پھر تم دعاء کروگے، لیکن دعا قبول نہ کی جائے گی''۔

تو پھر کیا ان تعمیرات اور تجارت میں عذابِ الٰہی روکنے کی قوت ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو عذابِ الٰہی کا سبب ہیں، اگر ان کو حرام طریق (سودی کاروبار) سے تیار نہ کیا جاتا تو عذاب کیوں آتا۔ اور جہاں جہاں عذاب کا نمونہ آیا ہے، کیا وہاں ان تجارات وتعمیرات نے کوئی حفاظت کی؟ اگر موسم خراب ہوا اور امرود سے ہیضہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو حفظانِ صحت کے ماہرین حدودِ میونسپلٹی میں بھی امرود کا داخل ہونا بند کرا دیتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ بندر اور گدھے امرود کھا رہے ہیں اور ان کو کس وجہ سے ہیضہ نہیں ہوتا کہ ان کی حرص میں انسانوں کو بھی اجازت دیدی جائے۔ فقط۔ والله الموفق لما يُحبّ ويرضى۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بینک سے سودی قرض لینا

سوال[۷۹۲۳]: یہاں ملیشیا میں تجارت پیشہ مسلمان آباد ہیں، وہ لوگ بینک سے تجارت کے لئے روپیہ لیتے ہیں، بینک ان سے ایک فیصد زائد وصول کرتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ ملازمت پیشہ ہیں وہ گورنمنٹ سے قرض لیتے ہیں تو اس کو نصف یعنی سو روپیہ میں نصف روپیہ زائد دینا پڑتا ہے۔ یہ سود ہوا یا نہیں؟

---

(١) (مشكوة المصابيح، ص: ٤٣٦، ٤٣٧، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثانى، قديمى)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سود ہے،سود لینے اورسود دینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے،اور دونوں کو گناہ میں برابر فرمایا گیا ہے:

"عن جابر رضی اللّٰہ تعالی عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آکل الربوٰ وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: "هم سواء". رواہ مسلم". مشکوٰۃ شریف، ص ۲٤٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سودی قرض لینا

سوال[۷۹۲۴]: میں پرائمری اسکول کا ماسٹر ہوں، پانچ بچے ہیں، والدہ ہیں، گھر کی ضروریات کے لئے سودی قرض لیتا ہوں، ہر وقت دل پریشان رہتا ہے، حتی کہ دین کے کاموں کو بھی اچھی طرح سے نہیں ادا کر پاتا۔ ایسی حالت میں اپنا ذریعۂ معاش ٹھیک کرنے کے لئے سرکار سے صنعتی قرضہ لے سکتا ہوں یا نہیں؟ جس میں کچھ سود بھی قسطوں کے ساتھ ادا کرنا پڑے گا، ایسی صورت میں میرے لئے گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سود لینا اور سود دینا حرام ہے (۲)، اگر گذارہ کی کوئی صورت نہ ہو تو محتاج کے لئے بقدرِ ضرورت سودی

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۴۳، باب الربوا، الفصل الأول، قدیمی)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (البقرة، ۲۷۵)

"عن عبد اللہ بن حنظلة رضی اللہ تعالیٰ عنه غسیل الملائکة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "درهم ربوا یأکله الرجل وهو یعلم أشدّ من ستة وثلثین زنیةً".

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "الربوا سبعون جزاءً أیسرها أن ینکح الرجل أمّه". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

"قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "کل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فیض القدیر، ۹/۴۴۸۷، (رقم الحدیث: ۶۳۳۶)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز، ریاض)

(۲) (راجع رقم الحاشیة: ۱)

قرض لینے کی گنجائش ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

سرکاری قرضہ

سوال[۷۹۲۵]: مرکزی صوبائی حکومتیں کاروبار، کارخانہ جات اور دوسری صنعتوں وغیرہ کی ترقی وترویج کے واسطے روپیہ اور دوسری چیزیں بطورِ قرض معمولی سود پر دیتی ہیں، آپ بخوبی واقف ہیں کہ حکومت کے پاس جو روپیہ ہوتا ہے وہ سب پبلک سے ہی حصول کیا ہوا ہوتا ہے، یا وہ رقم ہوتی ہے جو ہماری حکومت دوسری حکومتوں سے قرض کی شکل میں یا امداد کی شکل میں حاصل کرتی ہے۔

(الف) کیا حکومت سے سود پر انفرادی کاروبار یا کارخانہ جات وغیرہ کے لئے روپیہ قرض لیا جاسکتا ہے؟

(ب) کیا حکومت سے سود پر قرض مندرجہ بالا کاروبار کے واسطے جبکہ اجتماعی منافع کے لئے امداد باہمی

---

(۱) "ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه) قال الحموی: "وذلک نحو أن یقترض عشرة دنانیر مثلاً ویجعل لربها شیئاً معلوماً فی کل یوم ربحاً". (غمز عیون البصائر للحموی: ۱/۲۹۴، القاعدة الخامسة، الفصل الأول، إدارة القرآن، کراچی)

"المشقة تجلب التیسیر". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۴، إدارة القرآن، کراچی)

"الضرورات تبیح المحظورات، ومن ثم جاز أکل المیتة عند المخمصة، .... وکذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من أداء الدین بغیر إذنه، ودفع الصائل ولو أدی إلی قتله". (الأشباه والنظائر، ص: ۸۷، الفن الأول، القاعدة الخامسة: الضرر یزال، قدیمی)

لیکن ضرورت جب پوری ہوجائے تو اس کے بعد مزید سودی قرض کا سلسلہ بڑھانا جائز نہیں:

"الحاجة إذا عمّت کانت لضرورة". (الأشباه للسیوطی، ص: ۱۷۹)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۴۵، إدارة القرآن کراچی)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"الضرورات تتقدر بقدرها". (شرح المجلة، ص: ۳۰، رقم المادة: ۲۲)

(وکذا فی الأشباه والنظائر: ۱/۲۷۶، إدارة القرآن، کراچی)

کی بناپر چلائے جائیں، لیا جاسکتا ہے؟

(ج) کیا اس طرح سود پر قرض لے کر کئے گئے کاروبار سے حاصل شدہ آمدنی جائز ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حکومت نے جو روپیہ دوسری حکومتوں سے قرض لیا ہے وہ اس کی مالک ہوگئی، اور واپسی کی ذمہ دار ہے، جو روپیہ پبلک سے قانونی حد میں یا قاہرانہ قوت سے لیا ہے وہ بھی استیلاء کی وجہ سے اس کی ملک میں آگیا (۱)۔

(الف) سودی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، سود قلیل ہو یا کثیر (۲)، اگر پبلک اس روپیہ کو اپنی ملک تصور کر کے قرض کے نام پر لے اور سود دے تو یہ مزید خسارہ ہے کہ اپنا ہی روپیہ لیا ہے، پھر اس کو واپس کرنا ہے اور سود دینا ہے۔

(ب) اس کی بھی اجازت نہیں (۳)۔

(ج) سود پر قرض لینا تو ناجائز ہوگا، مگر ایسے کاروبار سے جو آمدنی حاصل ہوگی اس کو ناجائز نہیں

---

(۱) "إذا سبى كافر كافراً آخر بدار الحرب، وأخذ ماله، مَلَكه، لاستيلاء ه على مباح.......... وإن غلبوا على أموالنا ولو عبداً مؤمناً، وأحرزوها بدارهم، مَلَكوها". (الدرالمختار: ۱۶۰/۴، باب استيلاء الكفار، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۲۴/۲، الباب الخامس في استيلاء الكفار، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۶۰/۵، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، رشيديه)

(۲) "عن عبد الله بن حنظلة رضي الله تعالىٰ عنه غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلثين زنيةً". (مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب ماجاء في الرباء: ۱۱۷/۴، دارالفكر)

(ومشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمى)

(۳) "ولهذا لايجوز أن يردّ المقترض إلى المقرض إلاما اقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة: كل قرض جرّ نفعاً، فهو ربا". (فقه السنه، البيع، القرض: ۱۴۸/۳، دارالكتاب العربى بيروت)

"كل قرض جرمنفعةً، فهو ربا". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۴۴۸۷/۹، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمى)

کہا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

سود پر قرض لینا

سوال [۷۹۲۶]: زید کو روپیہ کی اشد ضرورت پیش آئی اور اس نے بہ مجبوری اپنی جائیداد رہن رکھ کر سود پر روپیہ قرض لے لیا۔ ایسی حالت میں جب کہ سخت مجبوری کی حالت میں سود پر روپیہ لیا جائے تو اس کے لئے حکم کیا ہے اور کیا زید بحالتِ مجبوری اس فعل سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سود دینا حرام ہے (۲)، ایسے شخص پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے (۳)۔ حرام کا ارتکاب

---

(۱) سود پر لی ہوئی رقم قرض ہے، اس میں فی نفسہ کوئی خبث نہیں ہے، بلکہ خبث ان کے درمیان سودی معاملہ اور اس کے بعد مُقرض کو حاصل ہونے والا نفع میں ہے، لہٰذا سود پر لی ہوئی رقم (قرض) سے کاروبار چلا کر مستقرض کو جو نفع ہوتا ہے، وہ حرام نہیں کہلائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

"وقال الحنفية: يبطل الشرط؛ لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً. وقولهم ببطلان الشرط لكونه منافياً للعقد فيه تصريح بأن القرض إذا كان مشروطاً بالمنفعة يلزم منه انقلابه بيعاً، ولذا أبطلوا الشرط حفظاً للعقد عن الانقلاب، وإلا لم يكن لإبطاله معنى. مرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً، أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط يصير ديناً عليه، لاتكون أمانةً غير مضمونة. وأما أن الإقراض والاستقراض بالشرط جائز فكلا، فقد صرح في "الدر" عن "الخلاصة": القرض بالشرط حرام والشرط لغو. وفيه أيضاً: واعلم أن المقبوض بقرض فاسد كمقبوض ببيع فاسد سواء، اهـ". (إعلاء السنن، كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۳) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسو ل صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". (مشكوة المصابيح، باب الربوا، الفصل الأول، ص: ۲۴۳، قديمی)

اضطرار کی حالت میں معاف ہے، پس اگر جان کا قوی خطرہ ہے، یا عزت کا قوی خطرہ ہے، نیز اَور کوئی صورت اس سے بچنے کی نہیں، مثلاً: جائیداد فروخت ہوسکتی ہے، نہ روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے تو ایسی حالت میں زید شرعاً معذور ہے (۱)۔ اور اگر ایسی ضرورت نہیں بلکہ کسی اَور دنیوی کاروبار کے لئے ضرورت ہے، یا روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے، یا جائیداد فروخت ہوسکتی ہے تو پھر سود پر قرض لینا جائز نہیں، کبیرہ گناہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۰/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳۰/شوال/۵۶ھ۔

سرکاری سودی قرضہ

سوال [۷۶۲۷]: ۱...... زید کاشتکار ہے اور اپنے ہل بیل سے کاشت کرواتا ہے، اچانک اس کے بیل مرجاتے ہیں اور وہ اپنے پاس سے بیل خرید سکنے کی گنجائش نہیں پاتا۔ لہٰذا اس کو بیلوں کے لئے سودی قرض لینا کیسا ہے؟

۲...... زید کاشتکار کے بوجہ خشک سالی کئی سالوں سے پیداوار بہت ہی کم ہورہی ہے، حتی کہ گھریلو اخراجات کے لئے اس کو قرض لینے کی نوبت آگئی، حالانکہ وہ اتنی زمین رکھتا ہے کہ اگر آبپاشی وغیرہ کا معقول

---

(۱) "ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسه، قديمى)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة وإساغة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه". (الأشباه والنظائر، مع شرحه للحموى، ص: ۱۸۷، الفن الأول، القاعده الخامسة، قديمى)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به، فمن اضطر غير باغ ولاعاد، فإن الله غفور رحيم﴾ (سورة النحل: ۱۱۵)

انتظام ہو سکے تو خاصی پیداوار ہو سکتی ہے۔ چونکہ آبپاشی کا انتظام نہیں، بریں بنا زمین افتادہ رہ جاتی ہے، اور پوری زمین نہیں بو سکتے ہیں، زمین کے علاوہ زید کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں رکھتا ہے جس سے اس کا کام چل سکے۔ ایسی مجبوری میں آبپاشی کی غرض سے سرکار سے قرض لینا کیسا ہے؟ جبکہ اس میں سود بھی دینا ہوگا اور کبھی کبھی اصل قرض سے کم وبیش چھوٹ بھی مل جاتی ہے جس کی وجہ سے سود کا اضافہ اور چھوٹ کی کمی مل کر اوسط ادائیگی قرض اصل قرض کے برابر ہو جاتا ہے، لیکن یہ شکل ہمیشہ نہیں ہوتی؟

٣......سوسائٹی کے بنک (جس میں فیس ممبری جمع کر کے حصہ دار بننا پڑتا ہے اور اس میں صرف حصہ دار ہی کو قرض دیا جاتا ہے) سے قرض لینا اور پیداوار کی ترقی کے لئے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا ہے، حصہ دار بننے کی کوئی صورت نہیں بلکہ سرکار سے براہ راست یا اور کسی شخص خاص سے سودی قرض لینا کیسا ہے؟ تینوں شکلیں یکساں ہیں، یا کوئی فرق ہے، جب کہ معاملۂ سود ہر ایک میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

١، ٢......پہلی دونوں صورتوں میں سودی قرض لینے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اگر انسان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے اور بے حد درجے کی پریشانی ہو، اور بلا سود قرض نہ ملتا ہو تو بقدرِ ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، ہر حالت میں خداوند قدوس کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، اسی پر بھروسہ ہونا چاہیئے "يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". كذا في الأشباه والنظائر، ص: ١١٥(١)۔

---

(١) (الأشباه والنظائر، ص: ٩٣، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسة، قديمي)

"وفي القنية من الكراهية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ٢١١/٦، رشيديه)

"وإذا كانت هناك ضرورة أو حاجة ملحّة اقتضت معطي الفائدة أن يلجأ إلى هذا لأمر، فإن الإثم في هذا الحال يكون على آخذ الربا. (الفائدة) وحده وهذا بشرط أن تكون هناك ضرورة أو حاجة حقة لامجرد توسع في الكماليات أو أمور يستغنى عنها......، ومن ناحية أخرى، عليه أن يستنفد كل طريقة للخروج من مازقه المادي، وعلى إخوانه المسلمين أن يعينوه على ذلك، فإن لم يجد وسيلةً إلاهذ افأ قدم عليه غير باغ ولاعاد، فإن الله غفور رحيم". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، "مؤكل الربا وكاتبه"، ص: ٢١٩، المكتب الإسلامي، بيروت) ......=

۳......ایسی سوسائٹی بینک (جس سے قرض لینے کے لئے ممبری فیس دینا ضروری ہو) سے قرض لینادرست نہیں:"کل قرض جرّ نفعاً، فھو حرام"(۱)۔ اورسودی لین دین ممنوع ومذموم ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳/۶/۸۸ھ۔

سرکاری سودی قرض

سوال[۷۹۲۸]: ۱......حکومتِ ہندبطورِقرضہ کے کچھ روپیہ ورقم تجارت وغیرہ کے سلسلہ میں قرض خواہ کو دیتی ہے، پھرحکومت اس روپیہ کی واپسی کے لئے قسط مقرر کرلیتی ہے اوراصل روپیہ سے کچھ زائد لیتی ہے۔پس ایسی صورت میں ہم مسلمانوں کو لینا چاہئے یانہیں؟اورحکومت سے لین دین روپیہ کااس صورت میں کیسا ہے؟

باہمی سودی فنڈ

سوال[۷۹۲۹]: ۲......ہم چندنوجوانوں نے ایک فنڈ آپس میں جمع کر کے کھول رکھا ہے،چنانچہ اس فنڈ کے ماتحت بہت سے سامان خریدے جاتے ہیں،مگراس کے فروخت کی نوعیت کے لئے تو خیر جو ہے وہ ٹھیک ہے،مگر ادھار کا سلسلہ یوں ہے کہ جوسامان لیتا ہے اس سے ایک ماہ کی، دوماہ کی مدت متعین کرلی جاتی ہے۔اب اگر وہ شخص اس متعینہ مدت میں روپیہ نہیں دیتا ہے تو ذمہ دارانِ فنڈ متعینہ مدت کی رقم میں اضافہ کر کے لیتے ہیں۔تو کیا ایسی صورت میں جائز ہے؟

= (وکذا فی شرح المجلة للأتاسی: ۱/۵۶، مکتبه حبیبیه کوئٹه)

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثانی، کتاب المداینات، ص: ۲۵۷، قدیمی)

"قال علیه السلام: "کل قرض جر منفعةً، فهو ربا". الحرث عن علی رضی الله تعالیٰ عنه".

(فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۶۳۳۶): ۹/۴۴۸۷، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل اللّٰه البیع، وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

ایضاً

سوال[۷۹۳۰]: ۳......ہم کپڑے سازی کا کاروبار کرتے ہیں اور مہاجنوں (۱) کے یہاں سے سوت ادھار لاتے ہیں اور ادھار ونقد میں بڑا فرق ہوتا ہے، مثلاً نقد ۴۵/ روپیہ کا ملے گا اور اگر ادھار لینا ہے تو وہی سوت ۵۰/ روپیہ کا ملتا ہے۔ بہرحال جو حضرات نقد لاتے ہیں، وہ گھر لاکر پھر گاہکوں کو ادھار کا دام رکھ کر فروخت کرتے ہیں، یا نقد لے کر گھر کے کسی آدمی کے نام بھی ادھار فروخت کردیتے ہیں اور گاہکوں کو ایک اصول کے مطابق نفع رکھ کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ سود ہے اور سود کا لینا بھی حرام ہے، دینا بھی حرام ہے (۲) جس کا گذارہ بغیر اس قرض کے ہوسکتا ہے وہ ہرگز قرض نہ لے۔

۲...... سامان کی دو قیمتیں تجویز کرلی جاویں: ایک نقد کی، دوسری ادھار کی، پھر خریدار سے دریافت کیا جائے کہ آپ کس طرح خریدیں گے، نقد یا ادھار، پھر جو صورت وہ بتائے اس کے موافق اس کو قیمت بتادی جائے اور ادھار کی صورت میں مدت متعین کرلی جائے (۳)۔ اگر خریدار اس مدت میں قیمت نہ دے تو اس پر

---

(۱) "مہاجنی: ساہوکاری، سوداگری"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۱، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الذهب بالذهب والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، یداً بید، فمن زاد أو استزاد، فقد أربی، الأخذ والمعطی فیه سواء". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۴، باب الرباء، الفصل الأول، قدیمی)

"ماحرم أخذه، حرم إعطاءه......... فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلک الربا".
(شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۴)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"ماحرم أخذه حرم إعطاءه......... كالربا". (الأشباه والنظائر، ص: ۱۵۵، الفن الأول، القاعدة الرابعة عشر، قدیمی)

(۳) "البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح، یلزم أن تکون المدة معلومةً فی البیع بالتأجیل والتقسیط".
(شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۴، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه) =

اضافہ نہ کیا جائے، اس طرح درست ہے، ورنہ سود ہو کر معاملہ ناجائز ہو جائے گا(۱)۔

۳......نمبر:۲ سے اس کا جواب واضح ہے، ادھار کی مدت کے اعتبار سے قیمتوں میں تفاوت جائز ہے، مگر اس کی صورت بھی یہی ہے کہ خریدار سے دریافت کرلیا جائے کہ کتنی مدت میں قیمت دیگا، اس کے اعتبار سے قیمت بتادی جائے (۲)، اس میں اگر تاخیر ہو تو قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۰ھ۔

ایک روپیہ قرض دیکر ۱۸/ آنہ واپس لینا

سوال[۷۹۳۱]: زید بکر کو ایک روپیہ انتفاع کے لئے بمیعاد ایک سال قرضاً دیتا ہے، لیکن بکر سے

= "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألايرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية: ۷۶/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۱۴/۶، كتاب البيع، باب المرابحة والتوالية، رشيديه)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الأخذ والمعطي فيه سواء". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۴، باب الرباء، الفصل الأول، قديمي)

"ماحرم أخذه، حرم إعطاءه.......... فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا".

(شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ماحرم أخذه حرم إعطاءه.......... كالربا". (الأشباه والنظائر، ص: ۱۵۵، الفن الأول، القاعدة الرابعة عشر، قديمي)

(۲) "وإذاعقد العقد على أنه إلى أجل كذابكذا، وبالنقد بكذا، أو قال: على أنه إلى شهر بكذا وإلى شهرين بكذا، فهوفاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذاهو تفسير الشرطين في بيع، ومطلق النهي يوجب الفساد في العقود الشرعية. وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كانا يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأعاد العقد عليه، فهو جائز".

(المبسوط للسرخسي: ۸/۱۳، باب البيوع الفاسدة، دار المعرفة بيروت)

روپیہ مقروضہ وصول کرنے کے وقت بجائے ایک روپیہ کے اٹھارہ آنہ پیسے لیتا ہے۔ اب مطلوب امر یہ ہے کہ صورت مرقومہ شرعاً جائز ہے نہیں؟ تسلی بخش جواب مع دلائل ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

یہ سود ہے، لہٰذا حرام ہے: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (الآية)(۱)۔ "كل قرض جرّ نفعاً حرام"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۰/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

مال فروخت کرنے پر کچھ پابندی لگانا

سوال[۷۹۳۲]: نیر بنانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بنانے والا سوت (۳) اور کچھ روپیہ لے کر کے

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (الأشباه والنظائر، الفن الثانی، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمی)

"قوله عليه السلام: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". الحارث عن عليّ رضی الله تعالیٰ عنه" (فيض القدير، ۹/۴۴۸۷، (رقم الحديث: ۲۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز رياض)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو، بأن يقرض على أن يكتب به إلى بلد كذا، ليوفى دينه. وفی الأشباه: كل قرض جرّ نفعاً حرام". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض: ۵/۱۶۶، سعيد)

"عن عليّ أمير المومئين مرفوعاً: "كل قرض جرّ منفعةً، فهوربا". "وعن عطاء قال: كانوا يكرهون كل قرض جرّ منفعةً". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۸، ۵۰۰، كتاب الحولة، إدارة القرآن كراچی)

"محمد قال: أخبرنا أبوحنيفة عن حماد عن إبراهيم رحمهم الله تعالیٰ قال: "كل قرض جرّ منفعةً، فلاخير فيه". (كتاب الأثار، ص: ۱۷۰، باب القرض، سعيد)

"وعن أنس رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: "إذا أقرض الرجلُ الرجلَ، فلايأخذ هديةً". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمی)

(۳) "سوت: تاگا، دھاگہ، تار، سیدھ دیکھنے کا ڈور"۔ (فيروز اللغات، ص: ۸۱۷، فيروز سنز لاهور)

دیتا ہے اور تیار ہونے والے مال کو اپنی دوکان پر لانے کی پابندی عائد کرتا ہے، اور دوسری قسم کی پابندی میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھتا، مثلاً سوت کو رنگ بھرانا، یا کسی دوسرے کے یہاں مال نہ بھرا جائے، لہٰذا سوت کی جب بکری کر کے دیتا ہے تو اس طرح کی پابندی کہاں تک صحیح ہے؟ بہر کیف سوت رنگاتے رنگاتے روپیہ بڑھ جاتا ہے۔ چونکہ ادھار ہماری طرف زیادہ ہوتا ہے، تو اس میں کمیشن ملتا ہے، بعد میں اس کمیشن کو وہی سوت فروخت کرنے والا لیتا ہے۔

نیز ساڑیاں کر کے جب مزدور لاتا ہے (۱) اور وہی سوت بیچنے والا دلال اس کو بھی بازار میں فروخت کرتا ہے جس میں پلاسٹک کی تھیلی لگتی ہے، اس کی قیمت بازار میں پانچ پیسہ ہے، مگر وہ دس پیسہ رکھتا ہے۔ پس یہ صورت کہاں تک جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب سوت فروخت کیا اور روپیہ قرض دیا ہے تو ان پابندیوں کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۸ھ۔

حفاظت کے لئے بینک میں روپیہ رکھنا

سوال [۷۹۴۳]: ایک شخص متولی اس خیال سے کہ شریعت اسلام میں اس چیز کی ممانعت ہے کہ کسی بینک میں روپیہ جمع کیا جائے، روپیہ اپنے پاس رکھتا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ موجودہ لوگوں سے بینک میں رکھنا بہتر ہے۔ اس میں کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ بینک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے، اگر اور کوئی صورت نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری بینک میں بھی

---

(۱) "ساڑیاں کرنا: جمع ہے ساڑی کی، ایک قسم کی لمبی دھوتی، جسے عورتیں آدھی باندھتی اور آدھی اوڑھتی ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۶۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) "لا یمنع أحد من التصرف فی ملکه أبداً، إلا إذا أضرَّ بغیره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة، ص: ۶۵۷، (رقم المادۃ: ۱۱۹۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

روپیہ داخل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہاں روپیہ ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسلم بینک کا قیام اور اُس کی آمدنی

سوال[۷۹۳۴]: ۱...... یہاں پر مسلم تاجر حضرات صرف مسلمانوں ہی سے لین دین کی غرض سے اپنا خاص مسلم بینک قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس طرح مسلم فنڈ کے اندر دیوبند وغیرہ میں ہر ایک سو روپیہ پر ایک فارم کی قیمت مقرر ہے کہ روپیہ لینے والے کو پہلے فارم قیمتاً خریدنا پڑتا ہے، تو اس طرح پر یہاں مسلم بینک میں اگر فارم کی قیمت متعین کی جائے تو یہ کیسا ہے؟ مسلم بینک میں صرف ضمانت پر بلاسود روپیہ دیا جائے گا۔

۲...... مسلم بینک کے حصہ دار اس کی آمدنی کو اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں یا اس کی آمدنی کو صرف دین اور مذہبی کاموں میں خرچ کردیا جائے؟

---

(۱) "قال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "دع مایریبک إلی لایریبک". (فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۴۲۱۱-۴۲۱۴): ۶/۳۲۴۵-۳۲۴۷، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"ولابأس بأن یؤاجر المسلم داراً من الذمیّ لیسکنها، فإن شرب فیها الخمر أو عَبَد فیها الصلیب أو أدخل فیها الخنازیر، لم یلحق المسلم إثم فی شئ من ذلک؛ لأنه لم یؤاجرها لذلک، والمعصیة فی فعل المستاجر، وفعله دون قصد رب الدار، فلا إثم علی رب الدار فی ذلک". (المبسوط للسرخسی، کتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱۶/۲۹، مکتبه حبیبیه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً کانت أو خاصةً، ولهذاجوزت الإجارة علی خلاف القیاس للحاجة". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، القاعدة الخامسة، الفن الأول، قدیمی کراچی)

"المشقة تجلب التیسیر، والأصل فیها قوله تعالی: ﴿یرید الله بکم الیسر ولایرید بکم العسر﴾ (الأشباه والنظائر، ص: ۷۷، القاعدة الرابعة، الفن الأول، قدیمی کراچی)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً .... ومنه تجویز بیع السَّلم مع أنه بیع المعدوم .... ومنه تجویز الاستیجار علی الطاعات باطل قیاساً، فجوزوه للحاجة استحساناً".

(شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......ضمانت کے بغیر بھی بلاسود قرض لینا درست ہے، ایک روپیہ کا فارم خریدنا سود میں داخل نہیں (۱)۔

۲......آمدنی کی کیا صورت ہے جبکہ وہاں سود نہیں لیا جاتا۔ جتنا روپیہ وہاں سے کسی نے قرض لیا ہے اتنا ہی واپس کرے گا، اور ایک روپیہ کا فارم ملتا ہے بلکہ مزید کچھ خرچ کرنا ہوگا، پھر آمدنی کی کیا صورت ہے جس کے استعمال کرنے کا سوال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۲/۵/۲۴ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۲/۵/۲۴ھ۔

مسلم فنڈ کی رقوم کو بینک یا ڈاکخانہ میں رکھنا

سوال[۷۹۳۵]: علاقہ نجھار پور ضلع کٹک کے چند نوجوانوں نے جمعیۃ علمائے ہند کے شائع شدہ تعمیری پروگرام کی روشنی میں اور مسلم فنڈ دیوبند کے طرز پر ایک مسلم فنڈ قائم کیا ہے، اس میں داخل شدہ تمام رقوم امانت کی حفاظت کا فی الحال کوئی ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے اراکینِ مسلم فنڈ نے مشورہ کر کے ڈاکخانہ میں یہ رقوم جمع کر کے پاس بک کھلوالیا ہے، آئندہ ارادہ ہے کہ جب فنڈ کی آمدنی معتد بہ ہوگی تو اس کی حفاظت کا انتظام بھی اپنے طور پر کرلیا جائے گا۔ اس پر بعض ممبران کو اعتراض ہے کہ رقومِ امانت کا ڈاکخانہ یا بینک وغیرہ میں جمع کرنا جائز نہیں۔ ''چونکہ گورنمنٹ ان رقوم کے اندر تصرف کرتی ہے اور امانت کے اندر تصرف جائز نہیں''۔ یہ ہے مبنیٰ اعتراض کا۔

---

(۱) ''﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

''لأن الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه''. (الهداية: ۸۰/۳، باب الرباء، مكتبه شركت علميه ملتان)

''وهوفي الشرع عبارة عن فضل مال لايقابله عوضٌ في معاوضة مال بمال''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع، الفصل السادس في تفسير الربا: ۱۱۷/۳، رشيديه)

''فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذا، الزيادة عوضٌ''. (الفقه على المذاهب الأربعة: ۲۲۷/۲، المبحث الربا، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقومِ امانت بغرضِ حفاظت اگر ڈاکخانہ یا کسی بھی رجسٹرڈ بینک میں جمع کیا جائے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ نیز واضح رہے کہ یہ مسلم فنڈ شائع شدہ دستور العمل کے ص:۳ پہلی سطر بعنوان ''سرمایہ'' یہ عبارت مرقوم ہے ''مسلم فنڈ دیوبند کا سرمایہ خزانۂ دار العلوم اور کسی بھی رجسٹرڈ بینک میں محفوظ رہے گا''۔ اس معاملہ میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

امانت عامۃً دو قسم کی رکھی جاتی ہے: ایک نوٹ کی شکل میں، دوسری سونے، چاندی یا زیور کی شکل میں۔ دوسری قسم کو تو بعینہٖ محفوظ رکھا جاتا ہے، اس میں تصرف نہیں کیا جاتا۔ پہلی قسم میں تصرف کیا جاسکتا ہے(۱)۔ آپ مسلم فنڈ سے براہِ راست تحقیق کرلیں کہ اس کا کون سا سرمایہ خزانۂ دار العلوم یا رجسٹرڈ بینک میں محفوظ رہتا ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ امانت کو بعینہٖ محفوظ رکھنا ضروری ہے(۲)، اس میں تصرف جائز نہیں (۳)، ہاں! اگر اصل

---

(۱) ''لا یتعین الثمن بالتعیین فی العقد مثلاً: لو أری المشتری البائع ذهباً مجیدیاً فی یده، ثم اشتری بذلک الذهب شیئاً لا یجبر علی أداء ذلک الذهب بعینه، بل له أن یعطی البائع ذهباً مجیدیاً من ذلک النوع غیر الذی أراه إیاه.

یراد بالعقد عقد المعاوضة کالبیع والإجارة أو ما غیرهما من العقود کالإیداع والشرکة، فتعین فیه النقود بالتعیین، فلو أودع رجلاً عشرین ذهباً عثمانیاً، لزم الودیع أن یرد هذه الذهبات عیناً''.
(شرح المجلة لسلیم رستم باز ص: ۱۲۴، (رقم المادة: ۲۴۳)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

''أحکام النقد: لا یتعین فی المعاوضات .... و لا یتعین فی النذر والوکالة قبل التسلیم، وأما بعده فالعامة کذلک، ویتعین فی الأمانات والهبة والصدقة والشرکة''. (شرح الأشباه والنظائر: ۵۲/۳، أحکام النقد و ما یتعین فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۱۵۳/۵، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، سعید)

(۲) ''عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالی عنهما، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ''أربع من کن فیه کان منافقاً خالصاً، ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث کذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر''. (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قدیمی)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: ''إذا أوتمن'' -بالبناء للمفعول-: أی وُضع عنده أمانة ''خان'': أی بالتصرف الغیر الشرعی''. (مرقاة الفاتیح: ۲۲۹/۱، کتاب الإیمان، رشیدیه)

(۳) ''لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه، أو وکالة منه، أو ولایة علیه. وإن فعل، کان =

مالک اجازت دیدے تو تصرف درست ہے، پھر یہ امانت نہیں رہے گی بلکہ اس کو قرض کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۹۴ھ۔

= ضامناً". (شرح المجلة، لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي". (شرح المجلة، ص: ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "وعارية الدراهم والدنانير والفلوس قرضٌ؛ لأن الإعارة إذن في الانتفاع، ولايتأتى الانتفاع إلاباستهلاك عينها، فيصير ماذوناً في ذلك". (المبسوط للسرخسي: ۱۱/۱۵۵، كتاب العارية، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"إذا استعار الدراهم، فقال له: أعرتك دراهمي هذه، كان بمنزلة أن يقول: أقرضتك، وكذلك كل مكيل وموزون؛ لأن الإعارة تمليك المنفعة، ولايمكن الانتفاع إلاباستهلاك عينها، فكان ذلك تمليكاً للعين اقتضاء، وتمليك العين إما بالهبة، أو القرض والقرض أدناهما". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، ۹/۱۳، كتاب العارية، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۸۱، كتاب العارية، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۷/۴۸۰، كتاب العارية، رشيديه)

"وعارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود قرضٌ". (البحرالرائق: ۷/۴۸۰، كتاب العارية، سعيد)

"عارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود والمتقارب عند الإطلاق قرض ضرورة استهلاك عينها، فيضمن المستعير بهلاكها". (ردالمحتار: ۵/۶۸۱، كتاب العارية، سعيد)

"وعارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود قرض؛ لأن الإعارة إذن في الانتفاع به، ولا يتأتى الانتفاع بهذه الأشياء إلا باستهلاك عينها، ولا يملك الاستهلاك إلا إذاملكها فاقتضت تمليك عينها ضرورةً، و ذلك بالهبة أو بالقرض، والقرض أدناهما ضرراً، لكونه يوجب رد المثل، ولأن العارية توجب ردّ العين، والقرضَ يوجب رد المثل، وهو يقوم مقام العين". (تبيين الحقائق: ۶/۴۰، ۴۱، كتاب العارية، دارالكتب العلمية بيروت)

مسلم فنڈ سے متعلق تحقیق

سوال[۷۹۳۶]: باسمہ سبحانہ تعالیٰ!

حضرت اقدس دامت برکاتکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج کل جابجا مسلم فنڈ کا قیام ہوتا جارہا ہے، جمعیۃ العلماء کے پروگراموں میں اس کو بھی شامل کیا گیا ہے، دیوبند مسلم فنڈ کا قیام حضرت مولانا اسعد صاحب کی سرپرستی میں اور لکھنؤ ورائے بریلی میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کی سرپرستی میں ہے اور جابجا اسی طرح ہوتا جارہا ہے۔

دیوبند مسلم فنڈ کے کسی پروگرام کے موقع پر آپ کے اردگرد مدرسے کے بہت سے مدرسین وعلماء جمع ہوگئے تھے، اس وقت آنجناب نے یہ فرمایا تھا کہ ایک فتویٰ میں نے لکھا ہے اس کو دیکھ لو، پھر سوال کرو میں جواب دوں گا، اس وقت سارے لوگوں کے سوال کا جواب دینا مشکل ہے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے بار بار آپ کے پاس جاکر سوال کئے جس کو انہوں نے آکر بتلایا اور اخیر میں کہا کہ اب مجھ کو اطمینان ہوگیا۔

یہاں بھی مسلم فنڈ قائم ہے، آپ حضرات کے اس پرگروام کی ہمت افزائی کیوجہ سے ہم لوگوں کو شرحِ صدر رہا کہ جائز ہے، لیکن اسی دوران کچھ لوگوں نے بہار امارتِ شرعیہ اور دارالعلوم دیوبند مفتی احمد علی سعید صاحب سے فتویٰ منگائے جس میں ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا گیا اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کا لکھا ہوا فتویٰ جس پر حضرت والا کے دستخط ہیں، اس میں جائز کہا گیا، تینوں فتاویٰ منسلک ہیں۔ مسلمانوں کے اس ملی کام کے لئے دفتر کا قیام، ملازمین کی تنخواہ اور دیگر مصارف ضروری ہے۔ اگر فارم یا معاہدہ نامہ کی قیمت دفتری ضرورت کے موافق نہ رکھی جائے بلکہ کم رکھی جائے تو کام چلنا مشکل ہے۔ اس لئے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے فتویٰ صادر فرمایا جائے۔

سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

۱......قرض کے فارم، معاہدہ نامہ کی قیمت، ملازمین کی تنخواہ اور دیگر دفتری مصارف کے لحاظ رکھنا جائز یانہیں؟

۲......قرض کی مدت ختم ہونے پر فارم قرض، معاہدہ نامہ کی تجدید اور اسی کی از سرنو قیمت لینا جائز

ہے یا نہیں؟

۳......قرض کی میعاد ختم ہونے پر ایک دو نوٹس کے بعد راہن کی مرضی ہو یا نہ ہو بقدرِ قرض شئ مرہون کی فروختگی جائز ہے یا نہیں؟ ضروری بات یہ ہے کہ معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہوتی ہے کہ ''میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کر دیا جائے گا''۔

۴...... فارم، قرض ومعاہدہ نامہ کی قیمت قرض دیتے وقت وضع کرلیا جائے یا وہ اپنے پاس سے ادا کرے؟

۵......فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت سے حاصل شدہ رقم جو دفتری خرچ اور ضروریاتِ مصارف سے بچ جائے۔اس کا مصرف کیا ہے؟ صرف فقراء پر اس کا صدقہ ضروری ہے یا مسلمانوں کے دیگر ملی کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟

۶......قرض حاصل کرنے والے کی جو رقم مسلم فنڈ میں کسی دوسری قسط امانت وغیرہ میں جمع ہے، اگر مستقرض یہ چاہتا ہے کہ میرا قرض اس مد سے وضع کرلیا جائے اور میری مرہونہ شئ مجھے واپس کردی جائے، فروخت نہ کی جائے۔تو ایسی صورت میں شئ مرہونہ کی فروختگی جمع شدہ رقم سے وضع کے بغیر جائز ہے کہ نہیں؟

۷......شئ مرہونہ پر قرض کی میعاد گذرنے کے بعد کرایہ کے طور پر کوئی رقم قرض گیرندہ سے وصول کرنا کیسا ہے؟ شئ مرہونہ کی حفاظت کا خرچہ کس کے ذمہ ہے، مسلم فنڈ پر یا مستقرض پر؟

۸...... مسلم فنڈ چلانے والے سودی لین دین سے مسلمانوں کی بچانے کی نیت رکھیں، یا اس سے حاصل شدہ آمدنی سے مسلمانوں کے رفاہی کاموں کو زیادہ سے زیادہ دینے کی نیت رکھیں، دونوں نیتوں میں سے کس کو اصل بنائیں؟

احرار الحق، بہرائچ۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

محترمی زیدَ احترامہ سلام مسنون!

الجواب حامداًو مصلیاً:

جس طرح ربا کی حرمت منصوص ہے، بیعِ مطلق کی حلت بھی منصوص ہے:قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿أحل اللّٰہ

البیع وحرّم الربوا﴾(الآیه)(۱)۔

معاملۂ سود کرنے کے سلسلہ میں متعدد اشخاص پر لعنت آئی ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

"قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم اٰکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: "هم سواء". رواه مسلم"۔

یہ روایت بحوالۂ مشکوٰۃ شریف، ص: ۲٤٤، میں موجود ہے(۲)۔

دوسری روایت میں سود کے ایک درہم کو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدترین فرمایا ہے(۳)۔ ایک روایت میں اپنی ماں سے بدفعلی کرنے کے برابر بتایا گیا(۴)۔ اس لئے مسلمانوں کو سودی کاروبار لین دین کرنے کے پاس بھی نہیں جانا چاہیے۔ سود حاصل کرنے کی نیت سے حیلہ اختیار کرنا بھی ممنوع ہے، لیکن سود سے بچنے کی نیت سے جائز تدبیر اختیار کرنا بھی درست ہے(۵)۔ جو شخص صرف خوفِ خدا کے پیشِ نظر حرام سے بچنا

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۴۴، باب الربا، الفصل الأول، قدیمی)

(۳) "عن عبد اللہ بن حنظلة غسیل الملائکة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "درهم ربوا یأکله االرجل وهو یعلم أشدُّ من ستة وثلثین زنیةً". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۴) "عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "الربوا سبعون جزءاً، أیسرها أن ینکح الرجل أمّه". (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

(۵) "إن کل حیلة یحتال بها الرجل لإبطال حق الغیر، أو لإدخال شبهة فیه، أو لتمویه باطل، فهی مکروهة. وکل حیلة یحتال بها الرجل لیتخلص بها عن حرام، أو لیتوصل بها إلی حلال، فهی حسنة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۹۰/۶، الفصل الأول فی بیان جواز الحیل وعدم جوازها، رشیدیه)

"فالحاصل أن ما یتخلص به الرجل من الحرام: أی یتوصل به إلی الحلال من الحیل، فهو أحسن، وإنما یکره ذلک: أن یحتال فی حق الرجل حتی یبطله، أوفی باطل حتی یموهه، أو فی حق یدخل فیه شبهة، فما کان علی هذا السبیل، فهو مکروه". (المبسوط للسرخسی: ۲۳۰/۳۰، کتاب الحیل، مکتبه غفاریه کوئٹه)

چاہتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخرج بنادیتے ہیں: ﴿ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجاً﴾ (۱)۔

عقودِ مالیہ میں أحد العاقدین کو کچھ زیادتی حاصل ہوجائے اگر چہ مثلیات ہی میں ہو، اس میں بھی دوصورتیں ہیں: کبھی وہ زیادتی حرام ہوتی ہے اور کبھی وہ حلال۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعلیٰ قسم کی کھجوریں لائی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا وہاں کی سب کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں''؟ عرض کیا گیا نہیں، دوصاع یہ معمولی کھجوریں دیکر ایک صاع اعلیٰ کھجوریں لی جاتی ہیں، ارشاد فرمایا: ''ارے ارے! یہ تو سود ہے'' (۲)۔

حدیث مشہور میں چھ چیزوں کو فرمایا گیا: "مثلاً بمثل، یداً بید، والفضل ربوا" ان میں کھجوریں بھی ہیں (۳)۔

---

(۱) سورة الطلاق: ۲)

(۲) "عن يحيى بن حسان قال: نامعاوية- وهو ابن سلام- قال: أخبرني -يعني وهو ابن أبي كثير- قال: سمعت عقبة بن عبد الغافر، يقول: سمعت أباسعيد، يقول: جاء بلال بتمر برني، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أين هذا"؟ فقال بلال: تمر كان عندنا رديٌّ فبعت منه صاعين بصاع لمَطعم النبي صلى الله عليه وسلم. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند ذلك: "أوّه! عينُ الربا، لاتفعل، ولكن إذا أردت أن تشتري التمر، فبعه ببيع آخر، ثم اشتر به".

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم بتمر فقال: "ماهذا التمر من تمرنا"؟ فقال الرجل: يارسول الله! بعنا تمرنا صاعين بصاع من هذا. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هذا الربا، فردّوه، ثم بيعوا تمرنا، واشتروا لنا من هذا". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۶، ۲۷، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربوا، قديمی)

(وصحيح البخاري: ۱/۲۹۳، باب إذا أراد بيع تمر بتمر خير منه، قديمی)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّ بالبُرّ، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الأخذ والمعطي فيه سواء". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۵، قديمی)

(وكذا في نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۲۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدراية في منتخب تخريج أحاديث الهداية: ۳/۷۷، كتاب البيوع، باب الربا، شركت علميه ملتان)

پھر اس کی ترکیب بیان فرمائی کہ اعلیٰ کھجور روپے کے عوض میں خرید لو، مثلاً ایک روپیہ کی ایک صاع اور وہ پھر بائع اس روپے کے عوض تم سے تم دوصاع معمولی کھجور لے لے۔ حال تو یہی رہا کہ ادھر ایک صاع ادھر دوصاع جس کی ممانعت ہے، لیکن ایک صاع دوصاع کا براہ راست معاملہ نہیں کیا گیا، بلکہ دونوں طرف کھجوریں روپے سے خریدی گئیں۔

حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الحیل میں "قال بعض الناس" فرما کر متعدد اعتراضات کئے ہیں، انہوں نے صرف مال کو دیکھا، لیکن یہ غور نہیں فرمایا کہ درمیان میں کوئی حائل بھی ہے۔ بیع کی قیمت عاقدین کی رضامندی پر ہے جو کچھ طے ہوجائے، ایک چادر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً ستائیس اونٹوں میں خریدی تھی (۱)۔

اگر کوئی فرد یا جماعت سود سے بچنے کی نیت کرے اور اس کا اظہار بھی کردے تو اس کے اظہار رائے کے خلاف رائے قائم کرنے کا کسی کو کیا حق ہے: "هلا شققت قلبه"۔ حدیث پاک میں ہے: "لكل امرئ مانوى" (۲)۔ فقہ میں ہے: "الأمور بمقاصدها" (۳)۔

---

(۱) "عن علي بن زيد، عن إسحاق بن عبد الله بن الحارث أن رسول الله صلى الله اشترى حلةً ببضعة وعشرين قلوصاً، فأهداها إلى ذى يَزَنَ". (سنن أبى داؤد: ۲/ ۲۰۲، كتاب اللباس، باب فى لبس الصوف والشعر، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "إنما الأعمال بالنيات، وإنما لامرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ماهاجر إليه". (صحيح البخارى، بابٌ : كيف كان بدأ الوحى، اهـ: ۱/ ۲، قديمى)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، ص: ۲۴، الفن الأول، القاعدة الأولى، قديمى كراچى)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۷، (رقم المادة: ۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) (الأشباه والنظائر، ص: ۳۱، الفن الأول، القاعده الثانية، قديمى)

"الأمور بمقاصدها: يعنى أن الحكم الذى يترتب على أمر يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر مثلاً: كتابة اسم الله على الدراهم إن كان بقصد العلامة لايكره، وللتهاون يكره".

(قواعدالفقه، ص: ۶۲، (رقم القاعدة: ۵۱)، الصدف پبلشرز)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۱۸، (رقم المادة: ۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

اس لئے سود حاصل کرنے کیلئے کوئی حیلہ اور تدبیر اختیار کرنا ممنوع ہے، اور سود سے بچنے کے لئے تدبیر اختیار کرنا درست ہے۔ نماز جیسی عبادت بلکہ اہم العبادات بھی نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے منہ پر پھینک کر ماردی جاتی ہے۔ اور اس کا ثمرہ ''ویل'' ملتا ہے ﴿فویل للمصلین﴾ الایہ(۱)۔ ہجرت بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

جو شخص سود سے بچنا چاہتا ہے وہ ماجور ہے۔ جب دو معاملہ ہوں: ایک قرض کا جس کا تعلق روپے ورہن سے ہے، دوسرا بیع کا جس کا تعلق کاغذ وفارم سے ہے، اور دونوں شرعاً درست ہوں تو مجموعہ کو بھی درست کہنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ نے حوادث الفتاوی، حصہ ثانیہ، ص: ۱۵۵، پر ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے:

الجواب.

''منی آڈر، مرکب ہے دو معاملہ سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرا اجارہ جو فارم پر لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے لی جاتی ہے۔ اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے۔ اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لئے یہ تاویل کر کے جواز کا فتوی مناسب ہے''۔ فقط، ۹/شوال/۱۳۳۲ھ (۲)۔

اگر ''صفقةٌ فی صفقةٍ'' کا اشکال ہو تو منی آڈر میں بھی ہے، پس فنڈ سے روپیہ لینے میں دو معاملے ہیں: ایک رہن بالقرض یا قرض بالرہن، اس کا تعلق روپے سے ہے اور شئی مرہون زیور وغیرہ سے ہے۔ دوسرا معاملہ بیع ہے، اس کا تعلق کاغذ معاہدہ نامہ سے ہے۔ دونوں معاملے الگ الگ درست ہیں، پس مجموعہ بھی درست ہے۔

رہی یہ بات کہ ''فارم کی قیمت زیادہ ہے'' سو بعض کی اپنی اصلی مالیت کے اعتبار سے گو کم قیمت ہو، مگر کسی صفتِ خاصہ کی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ سرکاری اسٹامپ مختلف قیمتوں کے ہوتے ہیں، خود اتنی مالیت کے نہیں، مگر ان کے ذریعہ عدالتی کارروائی کی جاتی ہے، اس لئے ان کی قیمت زیادہ ہے، ایسے ہی یہ فارم

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون، الذین هم یراء ون، ویمنعون الماعون﴾. (سورة الماعون: ۴، ۵، ۶، ۷)

(۲) إمداد الفتاوی: ۳/۱۴۶، مکتبه دار العلوم کراچی)

چاہے کتنا ہی کم قیمت سہی اس کے ذریعہ قرض ورہن کا معاملہ سہل وآسان ہوجاتا ہے، اس لئے اگر زیادہ قیمت ہوتو کوئی اشکال نہیں۔

حضرت تھانویؒ نے منی آڈر کے جواز کی دوسری وجہ ابتلائے عام بھی بیان فرمائی ہے، مگر اول تو وہ پہلی علت کی وجہ سے جائز فرماچکے ہیں، یعنی ''دومعاملے الگ الگ '' دوسرے یہ کہ ابتلائے عام حرام کو حلال کرنے میں موثر نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ابتلائے عام درجۂ علت میں نہیں بلکہ موقعہ مصلحت میں ہے، اصل علت وہی ہے کہ دومعاملے الگ الگ ہیں۔

اب نمبر وار آپ کے سوالات کے جوابات درج ھیں:

۱...... فارم کی قیمت متعین کرلینا درست ہے، خاص کر جب کہ سود سے بچنے کیلئے دفتری طور پر یہ کام کیا جائے کہ کسی کو نفع اندوزی مقصود نہیں، فتح القدیر میں جزئیہ موجود ہے کہ ایک کاغذ کا پرزہ بڑی قیمت (ایک ہزار) پر فروخت کرنا درست ہے (۱)، یہاں تو یہ کاغذ کا پرزہ بھی نہیں، بلکہ ایک درجہ میں چیک کی حیثیت رکھتا ہے، چیک کی بیع کے متعلق ''ردالمحتار شرح الدرالمختار'' میں بحث موجود ہے (۲)۔

۲...... قرض کی مدت ختم ہونے پر معاملہ کردیا جائے، مستقرض سے کہا جائے کہ: اپنا رہن واپس لے لو، قرض ادا کردو، اگر اس کے پاس ادا کرنے کے لئے نہ ہوں تو وہ کہیں سے قرض لیکر دیدے، پھر فنڈ سے مستقل معاملہ کرلے، لیکن پہلا معاملہ ختم کئے بغیر فارم تو وہی رہے، فارم کی قیمت از سرِنو لی جائے، یہ درست نہیں۔

۳...... جب معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہے کہ میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کردیا جائے گا تو یہ راہن کی طرف سے توکیل ہے، وکیل کو فروخت کرنے کا اختیار ہے، پھر بقدرِ قرض رکھ کر زائد راہن کو واپس کردے۔

---

(۱) لم أجد

(۲) "بيع البراءات التي يكتبها الديوان على العمال لايصح بخلاف بيع حظوظ الأئمة". (الدرالمختار). "(قوله. بخلاف بيع حظوظ الأئمة) بالحاء المهملة، والظاء المشالة جمع حظ، بمعنى النصيب المرتب له من الوقف، فإنه يجوز بيعه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب البيوع بالتعاطي: ۵۱۶/۴، سعيد)

۴......فارم قرض معاہدہ نامہ قیمت دے کر مستقل خریدا جائے تا کہ وہ معاملہ مستقل رہے۔

۵......فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت سے حاصل شدہ رقم جو دفتری خرچ وضروری مصارف سے بچ جائے اس کو فنڈ کی توسیع میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔اور بہتر تو یہ ہے کہ جیسے جیسے رقم زائد بچتی جائے،فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت میں تخفیف کردی جائے۔

۶......جب کہ راہن کی کوئی رقم کسی دوسری مد میں فنڈ میں جمع ہے،اور وہ کہتا ہے کہ اگر مقدار قرض اس رقم سے وصول کرلیں اور میرا زیور واپس کردیں تو پھر شئ مرہونہ کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں،کیونکہ موکل نے وکیل کو بیع مرہون سے معزول کردیا،اب اس کو بیع کرنے کا حق نہیں۔

۷......شئ مرہون واپس کرتے وقت قرض گیرندہ سے کوئی مزید رقم بنام کرایۂ حفاظت وصول کرنے کا حق نہیں (۱)۔

۸......مسلم فنڈ چلانے والے مسلمانوں کو سودی لین دین سے بچانے کی نیت رکھیں (۲)،مسلمانوں

---

(۱) "المصاريف التي تلزم لمحافظة الرهن كأجرة المحل، والحارس على المرتهن، ولو شرطت على الراهن، فالشرط باطل، ويراد بالمحل محل حفظ الرهن كمأوىٰ الغنم والإصطبل لوكان الرهن حيواناً، فأجرة ذلك واجبة على المرتهن ولو كان في قيمة الرهن فضل عن الدين؛ لأن وجوب ذلك بسبب الحبس، وحق الحبس في الكل ثابت له". (شرح المجلة، ص: ۳۹۹، (رقم المادة: ۷۲۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وعليه: أي على المرتهن مؤنة حفظه: أي الرهن: أي مايحتاج في حفظ نفس الرهن، ومؤنة رده: أي رد الرهن إلى يده: أي إلى يد المرتهن إن خرج من يده .... وأجرة بيت حفظة وأجرة حافظه". (مجمع الأنهر: ۲۷۶/۴، كتاب الرهن، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وأجرة المأوىٰ والمسكن تكون على المرتهن". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الرهن، فصل في جناية الرهن والجناية عليه ونفقه الرهن ومؤناته: ۲۱۰/۳، رشيديه)

(۲) "درء المفاسد أولى من جلب المصالح .... لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتناءه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة، ص: ۹۱، قديمي)

"درء المفاسد أولى من جلب المنافع؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتناءه =

کے رفاہی کاموں کوزیادہ سے زیادہ فروغ دینے کی نیت ہرگز نہ رکھیں، بلکہ اگر فنڈ اس حیثیت میں ہوجائے کہ اس کوقرض کے فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت کی ضرورت نہ رہے تو فارم ومعاہدہ نامے بلا قیمت ہی دیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۹/ ۱۴۰۲ھ۔

جواب مذکور پر اشکال

باسمہ تعالیٰ!

سوال [۷۹۳۷]: حضرت اقدس مدت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

استفتاء کا جواب مل گیا، لیکن طالبِ علمانہ دوخلجان ہیں: پہلا یہ ہے کہ مسلم فنڈ، قرض اسی وقت دیتا ہے جب فارم خرید کر لایا جاوے، یہ بات لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے، اسی پر تعامل ہے، یہ قرض بشرطِ بیع معلوم ہوتا ہے اور ”لایحل سلف وبیع“ کی ممانعت کے تحت داخل معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا خلجان یہ ہے کہ ”دومعاملہ جب الگ الگ درست ہوں تو مجموعہ بھی درست ہو“، یہ قاعدہ سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ بیع اور اعتاق، یا بیع اور اجارہ، یا بیع اور اعارہ وغیرہ دونوں الگ الگ صحیح ہوں اور ان سب کو بیع کیلئے شرط بنادیا جاوے اور مجموعہ صحیح ہوجائے، ایسا نہیں ہے، کیونکہ ان صورتوں میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگنے کی وجہ سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، اس لئے قرض الگ صحیح ہو اور فارم کی بیع الگ صحیح ہو، اور بیع قرض کے لئے شرط بن رہی ہے، پھر بھی مجموعہ صحیح ہو محلِ اشکال ہے۔

احرار الحق غفرلہ،

۱۱/ رمضان المبارک/ ۱۴۰۲ھ۔

= بالمأمورات، ومن ثم جاز ترک الواجب دفعاً للمشقة، ولم یسامح فی الإقدام علی المنهیات“.

(قواعد الفقه، ص: ۸۱، (رقم المادة: ۱۳۳)، الصدف پبلشرز)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۲، (رقم المادة: ۳۰)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا معاملہ ایک شخص سے ہے کہ اس سے فارم خریدیں، پھر اس کو کوئی مطلب نہیں کہ خریدار اس کو استعمال کرتا ہے یا نہیں، یہ بلاشرط ہے درست ہے، اگرچہ بائع وکیل ہو مقرض کا، مگر حقوقِ عقدِ بیع (خیـــار أو بـالـعيـب تسليم قبض ثمن وغيرهم) وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں، جب اصیل عاقد نہ ہو بلکہ وکیل عاقد ہو(۱)، حتی کہ اگر ملک مسلم میں کسی طرح کوئی ممنوع العقد چیز: خمر، خنزیر مثلاً آجائے، وہ خود اس کو فروخت نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کے حق میں وہ مالِ متقوّم نہیں، البتہ کسی ذمی کی توکیل کے ذریعہ بیع ہوسکتی ہے(۲)۔

قرض اور دین کا معاملہ مقرض سے ہے، اس کی طرف سے اتنی شرط ہے کہ مخصوص فارم پُر کرکے دو،

---

(۱) "وشـرائـط الـصـحة أربـع وعشـرون، منها عامةٌ، ومنها خاصةٌ، فالعامة هي شرائط الانعقاد الإحدى عشرة المارة؛ لأن مـالاينـعـقـد لايـصـح، وعـدم التـوقيـت ومعلومية المبيع والثمن بمايرفع الجهالة، وخـلـو البيع من شرط مفسد والرضا والفائدة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۰۲، (رقم المادة: ۳۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لايشتـرط إضـافة الـعـقـد إلـى المؤكل في البيع والشراء والإجارة والصلح عن إقرار، فإن لم يُضـفـه الوكيل إلى موكله، واكتفى بإضافته إلى نفسه، صح أيضاً. وعلى كلتا الصورتين لاتثبت الملكية إلا لـمؤكله، ولكن إن لم يُضف العقد إلى المؤكل، تعود حقوق العقد إلى العاقد: يعني الوكيل". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۷۸۱، (رقم المادة: ۱۴۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وحـقـوق عـقـد يـضيـفه الوكيل إلى نفسه كبيع وإجارة وصلح عن إقرار، تتعلق به إن لم يكن مـحـجوراً، فيسلم المبيع ويتسلمه، ويقبض الثمن ويطالب به، ويرجع به عند الاستحقاق، ويخاصم في عيـب مشـريـه، ويـرد بـه إن لـم يسـلـمه إلى مؤكله، وبعد تسليمه لا إلا بإذنه، ويخاصم في عيب مبيعه". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۳۱۰، كتاب الوكالة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوكالة: ۵/۵۱۳، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۵۶۷، كتا ب الوكالة، الباب الأول، وأما مايتصل بذلك، رشيديه)

(۲) "ان الـمسـلـم لايـمـلـك بيـع الـخـمر، ويملك توكيل الذمي به". (ردالمحتار: ۵/۵۱۱، كتاب الوكالة، سعيد)

یک طرح اس کا ثبوت نص میں بھی ہے: ﴿یا أیها الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی، فاکتبوه﴾ الایہ (۱)۔ اگر کوئی کاتب اجرتِ کتابت لے اس کے لئے یہ بھی جائز ہے (۲)، مگر ظاہر ہے کہ یہ قرض شرط نہیں ہے جس کی بناء پر معاملۂ قرض ناجائز ہوجائے۔ کاتب وکیلِ مقرض ہو یا غریب سب کا حکم ایک ہے۔

''شخصِ واحد سے دومعاملے ہوں اور ایک دوسرے کے لئے شرط قرار دیا جائے، پھر بھی مجموعہ درست ہو'' اس پر جو خلجان ہے اس کا تعلق حضرت تھانویؒ کی منقولہ عبارات سے ہے، اس کا جواب جس طرح آپ میرے ذمہ سمجھ رہے ہیں، آپ کے ذمہ بھی ہے، وہ یہ ہے کہ دومعاملوں میں سے ایک کو دوسرے کے لئے شرط قرار دیا جائے تب ناجائز ہے جیسے پھلوں کی بیع درختوں پر اور پھل پکنے تک درختوں کو اجارہ پر لیا جائے، یا اعارہ پر لیا جائے، یہ شرط کرلی جائے (۳)۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۸۲)

(۲) ''ونوع يرد على العمل، كاستيجار المتحرفين للأعمال كالقصارة والخياطة، والكتابة، وما أشبه ذلك، كذافي المحيط''. (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۱۱، كتاب الإجارة، رشيديه)

''يجوز إجارة الأدمى للخدمة، أولإجراء صنعة ببيان المدة، أو تعين العمل.......... مفاده أنه لابد في إجارة الأدمى من تعين المنفعة: إما بتعيين المدة، وإما بتعيين العمل، وإلا فالإجارة فاسدة''. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۰۲، (رقم المادة: ۵۶۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) ''عن النبي صلى الله عليه وسلم: ''أنه نهى عن بيع وشرط''. (إعلاء السنن، باب النهي عن البيع بالشرط: ۱۴/۱۴۰، كتاب البيوع، إدارة القرآن، كراچی)

''وإن شرط تركها على الأشجار، فسد البيع''. (الدرالمختار). ''وشرط تركها على الشجر، والرضا به، يفسد البيع عندهما، وعليه الفتوى''. (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۴/۵۵۶، سعيد)

لیکن بیع اس صورت میں فاسد ہے کہ بیع بدوِّ صلاح سے قبل ہو اور درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی جائے:

''وأما بيعها بعد الظهور قبل بدوّ صلاحها، فله صور ثلاثة.......... والصورة الثانية أن يشترط المشتري ترك الثمار على الأشجار حتى يحين الجذاذ، وهذه الصورة باطلة بالإجماع، ولايصح البيع فيها عند أحد''. (تكملة فتح الملهم: ۱/۳۸۶، كتاب البيوع، مكتبه دارالعلوم كراچی)

میں نے تو مسلم فنڈ دیوبند کے ذمہ دار کو یہی مشورہ دیا تھا کہ فارم فروش مستقل آدمی کو علیحدہ قرار دیا جائے، آپ یہ کام نہ کریں تاکہ دومعاملے دوشخصوں سے الگ الگ ہوجائیں۔ اگر کوئی مقرض کتابت کو شرط قرار دے تو یہ درست ہے۔

اس کی مہذب اور سہل صورت یہ فارم ہے اور اس کی قیمت بمنزلۂ اجرتِ کتابت ہے اور فارم بھی متقوّم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۹/ ۱۴۰۲ھ۔

اشکال باقی ہے

الاستفتاء [۷۹۳۸]: حضرت اقدس مُدّ ت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا کی دعاء سے بخیریت پہونچ گیا تھا، مدرسہ کی قریب والی مسجد میں اعتکاف اخیر عشرہ کا کیا ہے، دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ حضرت مولانا منور حسین صاحب مدت فیوضھم کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے کہ مسلم فنڈ کے فتوی دینے کے بعد حضرت والا نے فرمایا تھا کہ مزید سوال کرنا چاہو تو کیجو، اجازت ہے، اس لئے چند سوالات کرتا ہوں:

تیسرا سوال یہ تھا کہ ''قرض کی میعاد ختم ہونے پر ایک دو نوٹس دینے کے بعد راہن کی مرضی ہو یا نہ ہو، بقدرِ قرض شئ مرہون کی فروختگی جائز ہے یا نہیں، ضروری بات یہ ہے کہ معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہوتی ہے کہ ''میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کردیا جائے گا''۔

تو یہ راہن کی طرف سے توکیل ہے، وکیل کو فروخت کرنے کا اختیار ہے، پھر بقدرِ قرض رکھ کر زائد کو واپس کردے۔

مدرسہ کے مفتی مولانا عبدالعزیز صاحب نے ایک اشکال کیا تھا، وہ اشکال مجھے بھی ہوا تھا تو حضرت والا نے جواب دیا تھا کہ دوصورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ زبان سے فروخت کرنے کو روک دے تو اس صورت میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ موکل نے وکیل کو معزول کردیا۔

دوسری صورت یہ کہ زبان سے منع نہ کرے بلکہ دل سے چاہتا ہو کہ فروخت نہ کرے تو ایسی صورت میں

فروخت کرنا جائز ہے۔جواب اسی صورت پر محمول ہے۔سوال یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض ادانہیں کرتا اور زبان سے شئ مرہون کی فروختگی کو روکتا ہے تو ایسی صورت میں قرض کی ادائیگی کیسے ہو، مستقرضین کا حال یہ ہے کہ ادائیگی میں بڑی ٹال مٹول کرتے ہیں تو ادائیگی قرض کی کیا شکل ہو؟ مسلم فنڈ کے ذمہ دار تنخواہ ملازمین سے کام کراتے ہیں، ایک ملازم صرف فارم فروخت کرتے ہیں، دوسرا ملازم قرض دیتا ہے، کاغذات ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔اور ہر ملازم اپنا متعلقہ کام اسی کاغذ کے آنے پر کرتا ہے، نہ ایجاب ہوتا ہے نہ قبول ہوتا ہے، سارا نفع فنڈ کو ملتا ہے۔

حضرت والا نے خلجان دوسرے کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ میں نے مسلم فنڈ دیوبند کے ذمہ دار کو یہی مشورہ دیا تھا کہ فارم فروش مستقل آدمی کو علیحدہ قرار دیا جائے، آپ یہ کام نہ کریں، تاکہ دومعاملے دوشخصوں سے الگ الگ ہوجائیں۔مسلم فنڈ نے اگر اپنا ایک ملازم فارم فروخت کرنے پر مقرر کردیا، حالانکہ وہ دفتر ہی کا آدمی ہے اور فائدہ مسلم فنڈ ہی کو ملتا ہے۔تو کیا یہ صورت آپ کی مقرر کردہ صورت میں داخل ہے یا نہیں، یعنی اس صورت سے جو نفع مسلم فنڈ کو حاصل ہو وہ درست ہوگا یا نہیں؟

اگر اجنبی آدمی فارم فروخت کرے اور نفع خود لے تو ایسی صورت میں مسلم فنڈ کے اخراجات کیسے پورے ہوں، فارم کی قیمت تو فروخت کرنے والا لے گا، مسلم فنڈ کے ہاتھ کیا آئے گا کہ وہ ہر ضروریات پوری کرے؟ خط کشیدہ صورت کا نفع اگر مسلم فنڈ کو جائز ہوجاتا ہے تو "کل قرض جرّ به نفعاً، فهو ربوا" سے اس کا اخراج کس طرح ہوگا؟ اگر ایک آدمی قرض اس صورت پر دے کہ فلاں سامان میرے وکیل بالبیع سے خریدو اور وہ سامان بہت گراں فروخت کرتا ہے اور مستقرض مجبوراً اس کو خریدتا ہے۔کیا یہ صورت درست ہے درآنحالیکہ نفع مقرض ہی کو ملے گا؟ والسلام۔

احرار الحق غفرلہ۔

مکرم ومحترم زیدمجدکم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

قال فی الدر المختار: "فإن شرطت الوكالة فی عقد الرهن، لم ينعزل بعزل، ولا بموت

الراهن ولاالمرتهن، للزومهابلزوم العقد، الخ". وقال قبله: "فإن وكل الراهن المرتهن، أو وكل العدل أو غيرهما عند حلول الأجل، صح توكيله، الخ". الدرالمختار۔ قال الشامی تحت قوله: (للزومها بلزوم العقد): "لأنها لماشرطت فی ضمن عقد الرهن، صارت وصفاً من أوصافه، وحقاً من حقوقه، ألاترى أن عقد الوكالة لزيادة الوثيقة، فيلزم بلزوم أصله، وتمامه فی الهداية". ردالمحتار: ٥/٣٢٤(١)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ جب اصل قرضہ ورہن میں بطورِ معاہدہ یہ شرط درج ہے کہ میعادِ مقررہ پر اگر قرض واپس نہ کیا تو ہم اس کو یعنی شیٔ مرہون کو فروخت کرکے اپنا قرض وصول کرلیں گے تو پھر مقرض کو حق ہے کہ حلولِ اجل پر مرہون کو بحیثیتِ وکیلِ راہن فروخت کردے، اگر راہن اجازتِ بیع نہ دے اور دین بھی واپس نہ کرے تو اس صورت میں وکیل معزول نہیں ہوگا۔ وکالتِ مقررہ سے یہ صورت وکالت جو کہ ضمنِ رہن میں ہے مستثنیٰ ہے، رہن بھی توثیق کے لئے ہے کہ اصل دین ضائع نہ ہوجائے اور توکیل زیادہ توثیق کے لئے ہے۔

سوال نمبر ٦، کے جواب میں جو کچھ عزلِ وکیل کے متعلق لکھا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں، کیونکہ مستقرض کی رقم پہلے سے دوسرے مد میں جمع ہے، وہ اس سے دین وصول کرنے کی اجازت دیتا ہے اور شیٔ مرہون کو واپس مانگتا ہے تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ دین واپس کرکے مرہون کو واپس لیتا ہے (٢)، جب کہ مقرض کو جنسِ دَین بغیر کسی خلجان کے وصول ہورہا ہے تو مقصدِ دین (توثیق) اور مقصد وکالت (زیادہ توثیق) حاصل ہے اور وکالت اسی لئے تھی کہ وصولِ دین ہوجائے اور اب وہ وکالت بیع مرہون سے معزول کرتا ہے تو انعزال ہوجائے گا۔ نیز وکیل اگر بیع مرہون کرے اور پھر اس کی قیمت سے دَین وصول کرے تو یہ طولِ عمل بلا فائدہ ہے،

(١) (ردالمحتار: ٦/٥٠٣، كتاب الرهن، سعيد)

"يصح توكيل الراهن المرتهنَ أوالعدل أوغيرهما بيع المرهون عند حلول الأجل، وليس للراهن عزل ذلك الوكيل من الوكالة .... وذلك لأنها لماشرطت فی ضمن عقد الرهن، صارت وصفاً من أوصافه، وحقاً من حقوقه، ألا لاترى أن عقد الوكالة لزيادة الوثيقة، فيلزم بلزوم أصله".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ٤٢١، (رقم المادة: ٧٦٠)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(٢) "وإذا أخذ المرتهن دينه، فعليه أن يرد الرهن، فإن منعه بعد سؤاله، فإنه غاصب". (النتف فی الفتاوى، ص: ٣٧٢، كتاب الرهن، سعيد)

اس میں مستقرض کا ضرر بھی ہے۔

(دوم) جب حقوقِ عقد عاقد کی طرف عائد ہیں اور عاقد وکیلِ اصیل ہے تو کیا خلجان ہے، مقرض اَور ہے اور بائع اَور ہے اگرچہ بائع وکیلِ مقرض ہے، نیز بیع فارم بلاشرط ہے، البتہ مشتری اس سے فائدہ قرض کا حاصل کرتا ہے تو یہاں بیع پر قرض مرتب ہوتا ہے، نہ کہ قرض پر بیع، اور بیع میں نفع درست ہے، قرض میں درست نہیں، یہ نہیں فرمایا گیا کہ "کل بیع جرّ نفعاً فھو ربوا"(۱) حتی کہ بیع کی ایک مستقل قسم کا نام ہی بیعِ "مرابحہ" ہے، اس میں نفع صراحۃً ہوتا ہے(۲)۔

بیع کے لئے صریح ایجاب وقبول کے بجائے اگر تعاطی ہو جائے تب بھی درست ہے(۳) جیسے ایک

---

(۱) "لقوله عليه السلام "كل قرض جر منفعةً، فهو ربا". الحارث عن عليّ رضى الله تعالىٰ عنه". (فيض القدير، ۹/۴۴۸۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"كل قرض جرّ نفعاً حرام". (الأشباه والنظائر، الفن الثانى، كتاب المداينات، ۲۵۷، قديمى)

(وكذا فى تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، ربا النسيئة وأقسامه: ۱/۵۶۸، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۲) "عن أبى بحر عن شيخ لهم قال: رأيت علىٰ عليّ رضى الله تعالى عنه إزاراً غليظاً، قال: "اشتريتُ بخمسة دراهم، فمن أربحنى فيه درهماً، بعته إياه". (إعلاء السنن: ۱۴/۲۲۱، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، إدارة القرآن، كراچى)

"التوليه بيع بثمن سابق، والمرابحة به وبزيادة". (تبيين الحقائق، ۴/۲۲۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتوليه، دارالكتب العلمية بيروت)

"هى: أى التولية بيع بثمن سابق، والمرابحة به وبزيادة". (البحر الرائق: ۶/۱۷۷، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

(۳) "وأما الفعل فالتعاطى وهو التناول فى خسيس ونفيس ولو من أحد الجانبين". (الدرالمختار). "إن حقيقة التعاطى وضع الثمن، وأخذ المثمن عن تراض منهما من غير لفظ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فى حكم البيع مع الهزل: ۴/۵۱۳، سعيد)

"ويسمى هذا بيع التعاطى، مثال ذلك: أن يعطى المشترى للخباز مقداراً من الدراهم، فيعطيه الخباز بها مقداراً من الخبز بدون تلفظ بإيجاب وقبول". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۹، (رقم المادة: ۱۷۵)

شخص کارڈ فروخت کرتا ہے اس طرح کہ مشتری پیسے رکھ دیتا ہے، کارڈ اٹھالیتا ہے، زبانی ایجاب وقبول کچھ نہیں ہوتا:

"شراء الشئ اليسير بثمن غال، لحاجة القرض يجوز، ويكره، الخ". درمختار۔ وقال الشامی بعد نقل صُوَر الاختلاف: "وكان شمس الأئمة الحلوانی يفتی بقول الخصاف وابن سَلَمة، ويقول: هذا ليس بقرضٍ جرّ منفعةً، بل هذا بيعٌ جرّ منفعةً، وهی القرض، الخ". ردالمحتار: ٤/١٧٥ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کمپنی کے فارم فروخت کرنا

سوال [۷۹۳۹]: ایک ایجنسی کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنا چھپا ہوا فارم تقریباً -/۱۰ کو فروخت کرتی ہے، کمپنی مذکور کو اس ڈیرھ آنہ میں فارم کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا، جس کی یہ صورت ہے کہ زید نے ایک فارم خرید کیا اس فارم پر کمپنی کی جانب سے پانچ خانہ ہے اور ہر خانہ میں ایک شخص کا نام معہ پتہ کے درج ہے، غرض ایک فارم پر پانچ اشخاص کے نام معہ پتہ کے اندارج ہیں۔

کمپنی مذکور کا یہ اصول ہے کہ جو شخص (زید) فارم خریدے وہ مبلغ ا/ بذریعہ منی آرڈر اس شخص کے پاس روانہ کردے جس کا نام خانہ نمبر ا پر تحریر ہے، اس کے بعد کمپنی مذکور زید (جس شخص نے فارم خرید کیا اور ا/ روانہ کیا) کو چار فارم اَور روانہ کردے گی کہ وہ ان فارموں کو اپنے دوستوں کو تقسیم کردے، ان چار فارموں پر زید کا نام نمبر: ۵/ پر ہوگا اور باقی ....غرض جس شخص کے پاس روپیہ گیا ہے، اس کا نام ان فارموں میں نہیں ہوگا۔

زید ان چار فارموں کو: ا—ب—ج—د، میں تقسیم کردے گا اور ا—ب، ۱۶، اشخاص اسی ترکیب سے عمل کریں گے، تو ۶۴×۴، ۶۴، اشخاص کے پاس زید کا نام نمبر: ۳، پر ہوگا اور یہ ۶۴، اشخاص اسی طرح کریں گے تو (۲۵۶×۴) اشخاص زید کا نام نمبر: ۲، پر پائیں گے، اور یہ ۲۵۶، اسی طرح کریں گے، تو (۲۵۶×۴) ۱۰۲۴۔ اشخاص سے زید کو ۱۰۲۴/ روپیہ ملے گا۔

---

(١) (ردالمحتار: ٥/١٦٧، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض، سعيد)

زیدکا یہ فعل کیسا ہے، حکمِ شرع کیا ہے، اس روپیہ کا استعمال جائز ہے یا ناجائز، فقط۔

بندہ احقر الیاس قریشی، سہارنپور۔

نوٹ: اس میں ہر شخص کو جو کہ کمپنی مذکور کے اصول پر عمل کرے گا، اس کو مبلغ ۱۰۲۴/ روپیہ ملے گا، یہ لاٹری والا حساب نہیں ہے کہ اگر سو آدمی شریک ہوں تو صرف ایک کو ملے، باقی محروم رہیں، اس میں ہر شخص کو ملے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کمپنی نے زید کے ہاتھ ۱۰/ میں فارم فروخت کیا، یہ ۱۰/ تو فارم کی قیمت ہوگی، اب زید اس شخص کے نام جس کا نام خانہ نمبر: ۱، پر ہے مبلغ ۱/ کیوں روانہ کرتا ہے، اور یہ ایک روپیہ کس شئ کا عوض ہے اور اخیر میں ۱۰۲۴/ جو زید کو ملے ہیں، یہ کیوں ملے ہیں، کس چیز کے عوض میں ملے ہیں، اگر اس ایک ۱/ روپیہ کا معاوضہ ہے تو تمام عوض اسے نہیں ملا کہ جس نے وہی ایک روپیہ روانہ کیا تھا۔ نیز ایک روپیہ کا معاوضہ ۱۰۲۴/ شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ یہ سود ہے: ﴿أحل الله البيع وحر م الربوا﴾(۱)۔ یہی حال ہر شخص کی آمدنی کا ہے۔

پس صورت مسئولہ کسی عقد شرعی میں داخل نہیں اور سود وقمار پر مشتمل ہے کہ ہر شخص کی آمدنی کا سلسلہ موقوف ہے دوسرے شخص کے ان فارموں کو تقسیم کرنے اور ۱/ روپیہ روانہ کرنے پر اور یہ معلوم نہیں کہ وہ

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين اٰمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقو الله النارالتي أعدت للكافرين﴾ (سورة اٰل عمران: ۱۳۱)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ [۲- ۱۸۸] قال البغوى: "بالباطل بالحرام: يعني بالربا، والقمار، والغصب، والسرقة". (معالم التنزيل: ۲/۵۰)

"عن أبي سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه، قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح، بالملح، مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد، أو استزاد، فقد أربى، الأخذ والمعطى فيه سواء". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۵، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمى)

ایسا کرے گا یا نہیں (۱) کیونکہ شرعاً ا/ میں فارم خرید نے پر اس کا معاملہ ختم ہو چکا۔ ا/ روانہ کرنے اور فارم تقسیم کرنے کا وہ مکلّف نہیں، پس یہ معاملہ اور یہ آمدنی شرعاً نا جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۹/ جمادیٰ الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

مقروض ہندو سے دودھ لینا

سوال [۷۹۴۰]: ہندوؤں سے دودھ خرید نا جائز ہے یا نہیں، جب ہندو مقروض ہو اور زیادہ بھی دیتا ہے اور روپیہ بھی وصول ہو جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں دو چیزیں ہیں: ایک بائع کا ہندو ہونا، دوسرے بائع کا مقروض ہونا اور اس وجہ سے اس کا زیادہ دینا۔ پہلی چیز کے متعلق یہ ہے کہ جب تک اس کی ناپاکی کا علم نہ ہو تو اس کا خرید نا جائز ہے اور ناپاکی

---

(۱) "وحقيقته (أي حقيقة القمار) تمليك المال على المخاطرة". (أحكام القران للجصاص، سورة المائدة، باب تحريم الخمر: ۴۶۵/۲، دارالكتاب العربي بيروت)

"لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً، وينقص أخرى. وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۴۰۳/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في التعريفات الفقهية الملحقة بقواعد الفقه، القاف، القمار، ص: ۴۳۴، الصدف پبلشرز، کراچی)

(۲) "والحرام المحض: هو مافيه صفة محرمة لايشك فيها: كالشدة المطربة في الخمر، والنجاسة في البول، أوحصل بسبب منهيّ عنه قطعاً: كالمحصل بالظلم، والربا، ونظائره". (إحياء علوم الدين للغزالي: ۹۸/۲، كتاب الحلال والحرام، الباب الثاني في مراتب) "الشبهات ومثاراتها وتميزها عن الحلال والحرام، (دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"أما المال المكتسب بطريقٍ لم يأذن به الشارع، وأذن به مالك هذا المال، فإن كسبه محرم، لا يختلف عن الكسب الحاصل بطريق السرقة أو الربا". (أحكام المال الحرام، ص: ۶۳،)

معلوم ہونے کے بعد ناجائز (۱)۔ دوسری چیز کے متعلق یہ ہے کہ یہ زیادتی سود کے حکم میں ہے کہ جن حضرات کے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے، ان کے نزدیک کفار سے سود لینا درست ہے اور جن کے نزدیک ہندوستان دارالحرب نہیں ان کے نزدیک یہاں سود لینا درست نہیں، دونوں طرف گنجائش ہے (۲)،

---

(۱) "لابأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملةٌ إذا كان مالابد منه، كذافي السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۵، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر، رشيديه)

"لابأس بطعام المجوسي كله إلا الذبيحة، فإن ذبيحتهم حرام". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۷/۵، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، رشيديه)

"وهو نظير سور الدجاجة إذا علم أنه كان على منقارها نجاسة، فإنه لايجوز التوضي به. والصلوة في سراويلهم نظير الأكل والشرب من أوانيهم، إن علم أن سراويلهم نجسة، لاتجوز الصلوة فيها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۷/۵، كتاب الكراهيه، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، رشيديه)

(۲) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''سب ہندوستان بندہ کے نزدیک دارالحرب ہے اور یہاں کی کافرات حربیہ ہیں، اور ستر کرنا مسلمان کو ان سے ضروری ہے''۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب جواز وحرمت کے مسائل، ہندوستان کے کافرات کا حکم، ص:۲۹۲، سعید)

سوال: ''ہندوستان جہاں تک علمداری انگریزوں کی ہے، دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو صرف صاحبین کے مذہب کے مطابق، یا ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق بھی؟

جواب: ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، بلکہ دارالاسلام ہے، چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے، خزانۃ المفتین میں ہے:

"دارالإسلام لاتصير دار الحرب إلا بإجراء أحكام الشرك فيها، وأن يكون متصلاً بدار الحرب لايكون بينها وبين دارالحرب مصر آخر للمسلمين، وأن لايبقى فيه مسلم وذمي امناً بالأمان الأول، فما لم توجد هذه الشرائط لاتصير دارالحرب ....اهـ.

اور ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ مفقود ہے، اس لئے کہ شعائر اسلام میں ہنوز حکام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہے، اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلاف اسلام احکام جاری کرتے =

اختلاف کی وجہ سے نہ لینا احوط ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ،۱۵/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح:عبد اللطیف،۶/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

قسط وقت پرادانہ کرنے کا جرمانہ بھی سود ہے

سوال[۷۹۴۱]: ایک فرم شرکت میں جاری تھی،لیکن کسی وجہ سے شرکاء نے فرم سے علیحدگی اختیار کرلی،ایک شریک جس کے ذمہ اس کالینا دینا آیا اور قسطوار دیگر شرکاء کی ادائیگی آئی،اگر روپیہ قسط وار ادا نہیں ہوا تو ایک روپیہ فی صد ماہوار خرچ حلال کرنے کا اختیار ہوگا۔لہٰذا جواب عنایت فرمایا جائے کہ ایک روپیہ فی صد ماہوار سود کے ضمن میں تو نہیں آیا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ ایک روپیہ فی صد ماہوار سود ہے،اس کالینا دینا جائز نہیں(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۶/۶/۸۹ھ۔

= ہیں،مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں،پس ہندوستان امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دارالحرب نہیں ہے"۔(مجموعۃ الفتاویٰ،کتاب العلم والعلماء،ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں؟:۱/۱۲۳-۱۲۶،سعید)

(۱) "قد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً؛ لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهور هم يورث شبهةً في الجواز، وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّن والحرام بيّن، وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه". لاسيما وكون الهند دارالحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذنْ قوية غير ضعيفة، والتوقي عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، باب الربا في دارالحرب بين المسلم والحربي: ۱۴/۳۶۶، ۳۶۷، إدارة القرآن،كراچى)

"ولو سلمنا جواز الربا بين المسلم والحربي في الهند، فلاريب أن جانب الاحتياط والتوقي أولى وأحرى". (إعلاء السنن: ۱۴/۳۶۸، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، باب الربا في دارالحرب بين المسلم والحربي، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵) .... =

مستاجر سے قرض لینا

سوال[۷۹۴۲]: میرے مکان میں کرایہ دار ہیں ان سے قرض لینا چاہتا ہوں، وہ یہ کہتے ہیں کہ میں آپ کو اس شرط پر قرض دوں گا کہ جب تک قرض واپس نہیں کریں گے، میں کرایۂ مکان نہیں دوں گا۔ شرط درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح معاملہ نہیں کرنا چاہیئے (۱)، آپ یا تو ان کے پاس قرض کی ضمانت کے طور پر کوئی چیز زیور

= وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيهاالذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله لعلكم تفلحون، واتقو الله النارالتي أعدت للكافرين﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱، ۱۳۲)

"محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة رضى الله تعالى عنه قال: حدثنا عطية العوفي عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "الذهب بالذهب مثل بمثل والفضل ربوا، والفضة بالفضة مثل بمثل والفضل ربوا، والحنطة بالحنطة مثل بمثل والفضل ربوا، والشعير بالشعير مثل بمثل والفضل ربوا، والتمر بالتمر مثل بمثل والفضل ربوا، والملح بالملح مثل بمثل والفضل ربوا". وبه نأخذ، وهوقول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (كتاب الأثار، باب شراء الدراهم الثقال بالخفاف والربا، ص: ۱۶۹، سعيد)

(والصحيح لمسلم: ۲/۲۴، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، قديمي)

(وكذا في مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الأول، قديمي)

(۱) چونکہ مستاجر نے قرض دینے کی وجہ سے اس کی ذمہ واجب الاداء رقم سے نفع اٹھانے کی شرط لگا دی ہے، یہ قرض کے بدلے ایک قسم کا نفع ہے جو کہ ناجائز ہے:

"كل قرض جر نفعاً، فهو ربا". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۷، الفن الثاني، كتاب المداينات، قديمي)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو، على أن يكتب به إلى بلد كذا ليوفي دينه. وفي الأشباه: كل قرض جر نفعاً، فهو ربا". (الدرالمختار: ۵/۱۶۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

وغیرہ رہن رکھ دیں کہ جب آپ ان کا قرض واپس کردیں گے، اپنا رہن اس سے واپس لے لیں گے (۱) یا ان سے کرایہ پیشگی لے لیں اور اس سے اپنی ضرورت پوری کرلیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسلمان سے سود لینا اور سود درسود حرام درحرام

سوال[۷۶۴۳]: زید کا باپ سود درسود کھانے کا عادی ہے، مادری ترکہ میں زید بھی ایک دستاویز میں حصہ دار ہے اور سود خوار باپ کے حکم پر دستاویز کی نالش (۳) کرکے سود درسود کی ڈگری حاصل کرتا ہے اور وصولیابی کے لئے زید اپنے باپ کے ذریعہ وکیل کرکے کاروائی وصولیابی کررہا ہے، باوجود یکہ زید بالغ ہوگیا ہے اور ذریعہ تحصیل علم دینی احکام خداوندی سے واقف بھی ہے۔ ایسی صورت میں زید کو خدا کے روبرو جواب دہی کرنی ہوگی یا نہیں؟ فقط والسلام۔

راقم: راہ حق کا ایک طالب علم، ایک مسلمان۔ معروضہ، ۵/نومبر/۱۹۳۶ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلم سے سود لینا حرام ہے اور سود درسود حرام درحرام ہے، قال اللہ تبارك وتعالی: ﴿یاأیها الذین آمنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله لعلکم تفلحون، واتقوا النار التی أعدت للکافرین﴾(٤)۔

---

(۱) "روی أنه علیه الصلوة والسلام اشتری من یهودی طعاماً، ورهنه بها درعه". (مجمع الأنهر: ۴/۲۶۹، کتاب الرهن، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "منها أن بدل الإجارة یستحق بالتعجیل أوبشرط فی الإجارة، ووجهه أن امتناع ثبوت الملك للمؤجر فی البدل لمجرد العقد إنما هو لتحقق المساواة، لکون أحد العوضین منفعةً لایمکن استیفاءها حالاً .... أنه إذا عجله المستاجر أو شرط تعجیله، فیکون قد أبطل المساواة التی استحقها بمقتضی العقد". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۲۶۲ (رقم المادة: ۴۶۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۵، فیروز سنز، لاهور)

(۴) (سورة آل عمران: ۱۳۱)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "اجتنبوا السبع =

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تمام قرآن شریف میں سب سے زیادہ خوفناک ہے، اس میں اہلِ ایمان کو اس آگ سے ڈرایا گیا ہے جو کہ کفار کے لئے تیار کی گئی۔۔۔:

"كان أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ يقول: هي أخوف اية في القران حيث أوعَدَ الله المؤمنين بالنار المُعَدّة للكافرين إن لم يتقوه في اجتناب محارمه". تفسير مدارك: ١/١٤١(١)-

جس طرح مسلم سے سود لینا حرام ہے، اسی طرح اس کی گواہی دینا، نیز اس کی کتابت کرنا وغیرہ بھی حرام ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والوں، سود کھلانے والے، سود کی گواہی دینے والے، سود کا کاغذ لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه". رواه مسلم(٢)-

= الموبقات". قالوا: يارسول الله! وماهن؟ قال: "الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التي حرم الله إلابالحق، وأكل الربا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالىٰ: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمٰى ظلماً إنما يأكلون في بطونهم ناراً وسيصلون سعيراً﴾: ١/٣٨٨، قديمي)

"عن عطاء الخراساني أن عبد الله بن سلام رضي الله تعالىٰ عنه قال: الربا اثنان وسبعون حوباً أصغرها حوباً كمن أتى أمّه في الإسلام، ودرهمٌ من الربا أشدُّ من بضع وثلاثين زنيةً. قال: ويأذن للبَرّ والفاجر إلا لأكل الربا، فإنه لايقوم إلاكما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس". (مصنف عبدالرزاق ١/١٢٦١، دارالكتب العلمية بيروت)

(وشعب الإيمان للبيقهي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، (رقم الحديث: ٥٥١٢): ٣٩٣/٤، دارالكتب العلمية بيروت)

(١) (تفسير مدارك التنزيل: ١/٢٩٢، (سورة النساء، آيت: ١٢١)، قديمي)

(٢) (الصحيح لمسلم: ٢/٢٧، كتاب المساقات والمزراعة عنها، باب الربا، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أعان ظالماً بباطل ليدحض بباطله حقاً، فقد برئ من ذمة الله عزوجل وذمة رسوله صلى الله عليه وسلم. ومن أكل درهماً من ربا، فهو مثل ثلاث وثلاثين زنيةً. ومن نبت لحمه من سحت، فالنار أولىٰ به". (المعجم الصغير للطبراني: ١/١٤٧، دارالكتب العلمية بيروت)............ =

لہٰذا زید اگر مسلم سے سود لے گا، یا کسی طرح مسلم سے سود وصول کرنے میں اپنے باپ کی امداد کرے گا تو وہ بھی باپ کی طرح گناہ کا مرتکب ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مَورِد بنے گا، اور آخرت میں سزا کا مستحق ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان المبارک/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ رمضان/ ۵۵ھ۔

ایک روپیہ لگا کر نام نکلنے کی صورت میں ۵۰/ روپیہ لینا

سوال [۷۶۴۴]: ۱...... ایک آدمی نے دس نمبر رکھے ہیں، ایک روپیہ لگاتے ہیں، جس کا نام نکلتا ہے اس کو ۵۰/ روپیہ دیتے ہیں، جس کا نہیں نکلتا اس کو ساقط کر دیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲...... اس مسئلہ میں یوں حیلہ کرتے ہیں کہ میں نے ہبہ کر دیا۔ تو کیا اس طرح ہبہ کر کے دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ معاملہ قمار بھی ہے اور ربا بھی، قمار اس لئے ہے کہ اگر نمبر نہ نکلا تو جو روپیہ دیا تھا، وہ ضبط ہو جائے گا۔ اور ربا اس لئے ہے کہ ایک روپیہ کے عوض نمبر نکلنے پر ۵۰/ روپیہ ملتے ہیں، اور قمار بھی حرام ہے اور ربا بھی حرام ہے۔

لقوله تعالى: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطان، فاجتنبوه﴾ الآيه(۱)۔ ولقوله تعالى: ﴿أحل الله البيع، وحرم الربوا﴾(۲).

= "قوله: "وكاتبه وشاهديه". قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ۶/ ۵۱، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول، رشيديه)

(۱) (سورة المائدة: ۹۰)

قال الله تعالىٰ: ﴿يسئلونك عن الخمر والميسر، قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس، وإثمهما أكبر من نفعهما﴾ (سورة البقرة: ۲۱۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العدواة والبغضاء في الخمر والميسر، ويصدكم عن ذكر الله، وعن الصلوة، فهل أنتم منتهون﴾ (سورة المائدة: ۹۱)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله حرم على أمتي الخمر، والميسر، والمزر، =

۲......نام بدلنے سے اصل حقیقت نہیں بدلتی، اس کا نام ہبہ رکھ دینے سے یہ حلال نہیں ہوگا، بلکہ حرام ہی رہے گا:

"عن أبی بردة بن أبی موسی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قدمت المدینة، فلقیت عبد اللّٰہ بن سلام، فقال: إنك بأرضٍ فیها الربوا فاش، فإذا کان لك علی رجل حقٌ، فأهدیٰ إلیك حمل تبن أوحمل شعیر أو حبل قت، فلا تأخذه، فإنه ربوا". رواه البخاری". مشکوٰة المصابیح، ص:٢٤٦ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۶ھ۔

قرض پر منافع سود ہے

سوال[۷۹۴۵]: زید نے بکر سے ایک ہزار روپیہ لیا اور کہا کہ میں چالیس روپیہ ماہوار منافع سمجھ کر دیتا رہوں گا جب تک اصل رقم نہ ادا کردوں، زید حسبِ وعدہ چالیس روپیہ ماہوار منافع کا دیتا رہا۔ ایک سال گذرنے کے بعد سوئے اتفاق سے زید کا کاروبار میں ہزار روپیہ کا گھاٹا ہوگیا، ذاتی رقم اور بکر کا ایک ہزار روپیہ سب خسارے میں چلا گیا، اسی پر بس نہیں بلکہ ہزاروں کا مقروض بھی ہوگیا، پھر بھی زید کسی نہ کسی طرح وعدہ کے مطابق بکر کو چالیس روپیہ ماہوار دیتا رہا۔ اور کبھی کبھی یکمشت سو دوسو روپیہ بھی دیئے۔

= والقنین، والکوبة، وزاد لی صلوة الوتر". (مسند أحمد بن حنبل، مسند عبداللہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنهما: ۳۵۵/۲، (رقم الحدیث: ۶۵۲۸)، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الأشربة، باب ماجاء فی السکر: ۱۶۲/۲، إمدادیه)

"لأن القمارمن القمر الذی یزداد تارةً وینقص اخری. وسمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مال صاحبه، وهو حرام بالنص".

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۰۳/۶، سعید)

(۲) (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین آمنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقو اللہ، لعلکم تفلحون﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

(۱) (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۶، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

۱......اس قسم کا معاہدہ کرنا ازروئے شرع جائز یا نہیں؟

۲......منافع سمجھ کر زید جو دے رہا ہے اس کا دینا اور بکر کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

۳......زید نے معاہدہ کرتے وقت صراحتاً کہا تھا کہ تم کو میں بطورِ منافع کے چالیس روپیہ ماہوار دوں گا اور منافع ہی سمجھ کر دیتا رہا۔ کیا اس کے باوجود بھی سود ہوگا؟

۴......زید نے بطورِ منافع کے جو رقم بکر کو دی ہے، کیا قسط وار اصل رقم ایک ہزار کی ادائیگی قرار دی جاسکتی ہے؟

۵......اس نقصان کے باوجود کیا منافع کا چالیس روپیہ ماہوار دینا اب بھی لازم ہے، اور کیا اصل رقم بھی دینا ضروری ہے، اگر ہے تو موجودہ حالت میں مزید کس طرح وہ رقم ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳......قرض پر اس طرح رقم دینے کا معاہدہ کرنا اور رقم دینا جائز نہیں، یہ یقیناً سود ہے، اس کا نام منافع رکھنے سے بھی سود ہی ہے، کتب فقہ میں ہے: "کل قرض جرّ نفعاً حرام". درمختار (۱) یعنی جس قرض سے نفع ملے وہ حرام ہے

۴......اس کو اصل قرض کی ادائیگی میں محسوب کرلیا جائے تو سود سے چھٹکارہ ہوجائے گا (۲)۔

۵...... اصل قرض کی واپسی لازم ہے، جتنی رقم منافع کے نام پر دی جاچکی ہے، اس رقم کو ادا تصور

---

(۱) (الدرالمختار، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض: ۵/۱۶۶، سعید)

"لایجوز أن یرد المقترض إلی المقرض إلا مااقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهیة القائلة: "کل قرض جرّنفعاً، فهوربا". (فقه السنة، القرض: ۳/۱۴۷، ۱۴۸، دارالکتاب العربی بیروت)

(۲) "إن سبیل التوبة مما بید من الأموال الحرام، إن کانت من ربا، فلیردها علی من أربی علیه، ویطلبه إن لم یکن حاضراً". (الجامع لأحکام القران للقرطبی، (سورة البقرة، تحت الآیة: ﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله، وإن تبتم فلکم رؤوس أموالکم﴾ (رقم الآیة: ۲۷۹): ۳/۲۴۸، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"ان من شرط التوبة أن ترد الظلامة إلی أصحابها، فإن کانت ذلک فی المال، وجب أداء ه عیناً أو دیناً، مادام مقدوراً علیه". (القواعد للزرکشی: ۲/۲۴۵)

کیا جائے، بقیہ رقم یکمشت یا قسطوار ادا کی جائے، یا معاف کرالی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۶/۱۲/۸۰ھ۔

منافع قرض

سوال [۷۹۴۶]: زید نے بکر کو مبلغ چار ہزار روپے تجارت کیلئے دیا اور کہا کہ اس روپے میں خواہ تم کو نفع ہو، یا خسارہ ہو، بہر حال تم مجھے چالیس روپے ماہوار بطورِ نفع کے دیتے رہو، باقی جتنا بھی نفع ہو وہ سب تمہارا، اور میری رقم باقی رہے گی، نقصان جو ہو وہ سب تم کو برداشت کرنا پڑے گا۔ ایسی صورت میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے، کیا اس شرط کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں، یہ سود ہے (۲) اور سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے: ﴿أحل الله

---

(۱) "الديون تُقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود: ۲/۳۸۹، سعيد)

(۲) "لقوله عليه السلام: "كل قرض جر مفنعةً، فهو ربا": أى فى حكم الربا، فيكونْ عقد القرض باطلاً، فإذا شرط فى عقده ما يجلب نفعاً إلى المقرض من نحو زيادة قدر أوصفة، بطل". (فيض القدير (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۹/۴۴۸۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن فضالة بن عبيد رضى الله تعالىٰ عنه صاحب النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: "كل قرض جر منفعةً، فهو وجه من وجوه من الربا". (إعلاء السنن، ۱۴/۵۰۱، كتاب الحوالة، إدارة القران كراچى)

"كل قرض جر نفعاً حرام: أى إذا كان مشروطاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۵/۱۶۶، سعيد)

"لا يجوز أن يردّ المقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة: "كل قرض جر نفعاً، فهو ربا". (فقه السنة، القرض: ۳/۱۴۷، ۱۴۸، دار الكتاب العربى بيروت)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، الفن الثانى، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمى)

البیع وحرم الربوا﴾ الآیة(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قرض پر نفع لینا سود ہے

سوال[۷۹۴۷]: زید نے عمر سے ایک ہزار روپیہ نقد اس شرط پر حاصل کیا کہ وہ اس روپیہ کو تجارت میں لگا کر عمر کو دس روپیہ ماہوار بطورِ منافع دیتا رہے گا، چنانچہ زید نے چالیس ماہ تک متواتر دس روپیہ ماہوار عمر کو ادا کئے اور زید بقضائے الٰہی فوت ہوگیا، باقاعدہ حساب تجارت کا جس سے نفع ونقصان ظاہر ہویا جن لوگوں کا لینا یا دینا بذمۂ زید پایا جاتا ہو نہیں چھوڑا، بلکہ ایک کافی رقم قرضہ کی کئی ہزار روپیہ کی زید کے ذمہ بعد اس کے فوت ہونے کے ثابت ہوئی۔

ورثائے زید نے اپنے متوفی عزیز کو بارِ قرض سے سبکدوش کرنے کے لئے قرض خواہاں سے ان کی اصل رقوم معلوم کرکے ان کی واجب رقومات ادا بھی کردی ہے اور عمر کا روپیہ بھی ادا کردینا چاہتے ہیں، چنانچہ بعد انتقالِ زید کے قریب چارسو روپیہ بالاقساط عمر کو دے بھی چکے ہیں، لیکن ورثائے زید کہتے ہیں کہ زید نے چالیس ماہ تک رقم ادا کی ہے، وہ شرعی نقطۂ نظر سے منافع نہیں ہے، بلکہ سود ہے، کیوں کہ کوئی معاہدہ وشرائط تجارت کے نقصان میں بھی عمر کے شریک رہنے کی نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اگر وہ رقم سے پوری کردی جائے تو باقی رقم ورثائے زید ادا کرنے کو تیار ہیں۔

اور عمر کا بیان ہے کہ جو دس روپیہ ماہوار زید نے ادا کئے وہ بطورِ منافع کے دیئے ہیں، لہٰذا پوری رقم ورثاء کو ادا کرنا چاہیئے، البتہ وہ رقم جو بعد فوت ہونے کے زید کے ورثاء سے عمر کو حاصل ہو چکی ہے اس کو اصل رقم سے وہ ضرور منہا کرنے پر وہ رضامند ہے، جو کچھ شرعی حکم ہو، بالتشریح عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر زید نے جو عمر سے ایک ہزار روپے شرطِ مذکور پر حاصل کیا ہے، یہ قرض ہے، اس صورت میں دس روپے کا منافع بالیقین سود ہے جس کا وصول کرنا عمر کو حرام ہے(۲)، لہٰذا اس رقوم کو بھی اصل رقم

(۱) (سورة البقرہ: ۲۷۵)

(۲) "قال علیه الصلوة والسلام: "کل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فیض القدیر (رقم الحدیث: ۶۳۳۶): =

میں شمار کرنا واجب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غلہ قرض دیکر زیادہ وصول کرنا

سوال[۷۹۴۸]: اکثر کاشت کے وقت بیج دیتے ہیں اور ایک من کے بجائے سوامن کھیت کاٹنے کے بعد لیتے ہیں۔ یہ سود ہے یا کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سود ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۹/۴۴۸۷، مکتبه مصطفیٰ الباز رياض)

"عن علیّ أمير المؤمنين رضی اللہ تعالی عنه، مرفوعاً: "كل قرض جرّمنفعةً، فهو ربا". وكل قرض شر ط فيه الزيادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن: ۴۹۹/۱۴، كتاب الحواله، باب كل قرض جر منفعتة فهو ربا، إدارة القرآن، كراچی)

"كل قرض جرّ منفعةً، فهو وجه من وجو ه الربا". (تكملة فتح الملهم: ۵۷۵/۱، كتاب المساقات والمزارعة، دارالعلوم كراچی)

"كل قرض جرنفعاً، فهو حرام". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض: ۱۶۶/۵، سعيد)

(وكذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمی)

(وكذا فی فقه السنة، القرض: ۱۴۸/۳، دارالكتاب العربی بيروت)

(۱) یعنی جب اصل میں شمار ہوگا تو واپسی بھی اسی اصل کے تابع ہو جائے گی، چونکہ حرام مال کو مالک کی طرف واپس کرنا واجب بھی ہے:

"والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال، وجب ردّه عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فی الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(۲) "عن أبی سعيد الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: =

مکئی کی گیہوں سے ادھار بیع

سوال[۷۹۴۹]: کسی نے مکایا شکر قندی اس نیت سے کسی کو دیدی کہ فصل پر گیہوں لے لوں گا۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مکایا شکر قندی فروخت کرنا اس شرط پر کہ اس کے عوض فصل پر گیہوں لے گا، یعنی گیہوں کو قیمت قرار دینا اوراس کو فصل پر وصول کرنا درست نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۵، قديمى)

(وجامع الترمذى، أبواب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، وكراهية التفاضل فيه: ۱/۲۳۵، سعيد)

(وكذا فى نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۷۲، مكتبه حقانيه)

(وكذا فى الدراية فى منتخب تخريج أحاديث الهداية، كتاب البيوع، باب الربا: ۳/۷۷، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، قديمى)

(وجامع الترمذى: ۱/۲۳۵، كتاب البيوع، باب ماجاء فى أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل الخ، سعيد)

"وعلته القدر مع الجنس، فإن وجدا، حرم الفضل والنسأ. وإن عدما، حلا. وإن وجد أحدهما، حل الفضل، وحرم النسأ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۵/۱۷۲، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"وعلته القدر والجنس، فحرم بيع الكيلى والوزنى بجنسه متفاضلاً أو نسيئةً ولو غير مطعوم كالجص والحديد، وحل متماثلاً بعد التقابض، أو متفاضلاً غير معير كخفنة بخفنتين، وبيضة =

قرض دینے کی وجہ سے ایک کلو گوشت دینا

سوال[۷۹۵۰]: ایک قصاب نے زید سے چند روپے گوشت کی تجارت کے لئے، اور یہ شرط کی کہ جب میں دوسرے یا تیسرے روز اپنی گائے ذبح کروں گا تو تمہیں ایک سیر گوشت دیدوں گا، پھر ڈیڑھ دو ماہ بعد سب روپے ادا کردوں گا تو کیا اس گوشت کا جو روپے سے زائد قصاب کی طرف سے مل رہا ہے، اس کا کھانا جائز ہے؟ اور کیا یہ صورت مضاربت میں داخل ہوسکتی ہے اور اگر زید نے اس کو کھالیا ہے اور وہ ناجائز ہے تو اس سے اس کے سبکدوش ہونے کی کیا صورت نکل سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود ہے لہٰذا ناجائز ہے: "کل قرض جرّ نفعاً حرام". درمختار۔ قال الشامی: "أی إذا کان مشروطاً، اهـ". شامی: ۲/۲۴۲(۱)۔

= ببیضتین، وثمرة بثمرتین، فإن وجد الوصفان، حرم الفضل والنسأ. وإن عدما، حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لاالنسأ". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۲۰/۳، کتاب البیوع، باب الربا، مکتبه غفایه کوئٹه)

(۱) (ردالمحتار: ۱۶۶/۵، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل فی القرض، سعید)

"قال علیه الصلوة والسلام: "کل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فیض القدیر (رقم الحدیث: ۶۳۳۶): ۴۴۸۷/۹، مکتبه مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن علیّ أمیر المؤمنین رضی الله تعالی عنه، مرفوعاً: "کل قرض جرّمنفعةً". فهو ربا، وکل قرض شرط فیه الزیادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن: ۴۹۹/۱۴، کتاب الحواله، باب کل قرض جر منفعتة فهو رباء، إدارة القران ، کراچی)

"کل قرض جرّ منفعةً، فهو وجه من وجوه الربا". (تکملة فتح الملهم: ۵۷۵/۱، کتاب المساقات والمزارعة، دارالعلوم کراچی)

"کل قرض جرنفعاً، فهو حرام". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل فی القرض: ۱۶۶/۵، سعید)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، کتاب المداینات، ص: ۲۵۷، قدیمی) .... =

اس سے سبکدوش ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس گوشت کی قیمت ادا کردے، یا اس روپے میں سے منہا کردے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۱۱/ربیع الاول/۵۵ھ۔

سودی کام میں شرکت

سوال[۷۹۵۱]: کفار کے اشتراک میں کوئی کام تجارت کھانا وغیرہ جائز ہے جبکہ وہ سودخور ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سودی کام میں اشتراک درست نہیں (۲)،سودی کھانا بھی درست نہیں (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في فقه السنة، القرض: ۱۴۸/۳، دار الكتاب العربي بيروت)

(۱) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب ردها عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له، يتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿أحل الله البيع، وحرم الربوا﴾ . (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقو الله النارالتي أعدت للكافرين﴾. (سورة آل عمران، ۱۳۱)

"عن جابر رضي الله تعالى عنه، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه اكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". (الصحيح لمسلم: ۲۷/۲، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، قديمي)

"عن عبد الله بن حنظلة رضي الله تعالیٰ عنه غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلثين زنية". (مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب ماجاء في الربا: ۱۱۷/۴، دار الفكر بيروت)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام. فإن =

سودی معاملہ کی اعانت

سوال[۷۹۵۲]: میں نے ایک شخص کو ادھار بیاج پر تین ہزار روپیہ تین ماہ کے لئے دلوادیا تھا(۱)، مگر روپیہ دینے والے نے بیاج کا معاملہ پہلے ہی کاٹ لیا اور میں نے اس کو تین ہزار روپے اپنے پاس سے ملا کر پورا کردیا، کیونکہ اس کو اتنے روپے کی ضرورت تھی اب وہ روپیہ مع بیاج کے واپس دے گا۔ ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ اپنا روپے لے سکتے ہیں، مگر اس سودی معاملہ کی اعانت کے گناہ میں آپ کی بھی شرکت ہوگئی(۲)،توبہ استغفار ضروری ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية، ولايأكل الطعام". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۲، كتاب الكرهية، الباب الثاني عشر، رشيديه)

(۱) "بیاج:سود،ربا،نفع،بڑھوتری،زیادتی"۔(فيروز اللغات، ص: ۲۵۰، فيروز سنز لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"عن عبد الرحمن بن عبدالله ابن مسعود عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: إن النبى صلى الله عليه وسلم لعن آكل الربا وموكله وشاهده وكاتبه". (سنن أبى داود، كتاب البيوع، باب فى آكل الربا وموكله: ۲/۱۱۷، مكتبه امداديه ملتان)

"قال الخطابى: سوّى رسول الله صلى الله عليه وسلم بين آكل الربا وموكله، إذكل لا يتوصل الى أكله إلا بمعاونته ومشاركته إياه، فهما شريكان فى الإثم كماكانا شريكين فى الفعل .... "وكاتبه وشاهديه" قال النووى: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين، والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ۶/۵۱، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

"قوله: لعن رسول صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". هذاتصريح بتحريم كتابة المبايعة......... وفيه تحريم الإعانة على الباطل". (شرح النووى مع صحيح مسلم، ۲/۲۸، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، قديمى)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿أفلا يتوبون إلى الله ويستغفرونه، والله غفور رحيم﴾ (سورة المائدة: ۷۴) =

سود پر قرض لے کر اس سے کاروبار کرنا

سوال[۷۹۵۳]: گورنمنٹ کی طرف سے کاشتکاروں کو بونے کے لئے سود پر غلہ اونکھ فصل پر دی جاتی ہے، فصل کٹنے پر جتنا دیا جاتا ہے اس سے زیادہ مقررہ تعداد میں لے لیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سود ہے، آج شاید ہی میری طرف کوئی ایسا کاشتکار ہو جو اس سے بچا ہو۔ ایسی صورت میں کیا اپنے کسی عزیز کے یہاں کھانا نہ کھانا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کاشتکار کو جو ملا ہے، قرض ہے (۱)، سود نہیں۔ پھر اس سے جو مقدار زائد واپس لی گئی ہے، وہ

= وقال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (سوره التحريم: ۸)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرة". (شرح النووی علی صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمی)

"والكلام في التوبة كثير، وحيث كانت أهم الأوامر الإسلامية وأول المقامات الإيمانية ومبدأ طريق السالكين ومفتاح باب الواصلين، لابأس في ذكر شئ مما يتعلق بها، فنقول: هی .... الندم على المعصية، لكونها معصيةً .... وقال الإمام النووی: التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية. وأن يندم على فعلها وأن يعزم عزماً جازماً على أن لايعود إلى مثلها أبداً. فإن كانت تتعلق بآدمی، لزم رد الظلامة إلى صاحبها أو وارثه أو تحصيل البراء ة منه. وركنها الأعظم الندم.

وفی شرح المقاصد: قالوا: إن كانت المعصية فی خالص حق الله تعالیٰ، فقد يكفی الندم كما فی ارتكاب الفرار من الزحف وترك الأمر بالمعروف .... ولم يختلف أهل السنة وغيرهم فی وجوب التوبة على أرباب الكبائر". (روح المعانی، سورة التحريم، مبحث فی ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۸، ۱۵۹، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(۱) "هو (أی القرض) عقد مخصوص، يَرد على دفع مثلیّ لآخر، ليردّ مثله". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

"الديون تُقتضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب ماقاله السبكی من الاعتماد على قول الحساب مردود: ۲/۳۸۹، سعيد)

سود ہے (۱)، کاشتکار کے گھر کا کھانا سود نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود۔

دارالحرب کی تعریف اور سود لینا

سوال [۷۹۵۴]: کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟ دارالحرب کی کیا شرائط ہیں؟ پھر دارالحرب کے اندر سود لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "فمن الربا ما هو بيع، ومنه: ماليس ببيع، وهو ربا أهل جاهلية، وهو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۴۶۹، بيروت)

"وكل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلا خلاف، قال ابن المنذر: أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادةً أو هديةً، فأسلف على ذلك أن أخذ الزيادة على ذلك ربا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل قرض جرّمنفعةً، فهو ربا". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جرمنفعة فهو ربا: ۱۴/۴۹۹، إدارة القرآن كراچی)

(وفيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۹/۴۷۸۴، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) "لأن القرض إعارةٌ ابتداءً حتى يصح بلفظها، معاوضةٌ انتهاءً؛ لأنه لايمكن الانتفاع به إلا باستهلاك عينه، فيستلزم إيجاب المثلي في الذمة .... ولايجوز في غير المثلي؛ لأنه لايجب ديناً في الذمة ويملكه المستقرض بالقبض كالصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

"والدليل على كون القرض صدقةً ابتداءً، مارواه الطبراني والبيهقي، بإسناد حسن عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كل قرض صدقة". ....

"وعن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما من مسلم يقرض مسلماً قرضاً مرةً إلا كان كصدقتها مرتين". رواه ابن ماجة". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جرمنفعة فهو ربا، دليل كون القرض صدقةً ابتداءً: ۱۴/۵۰۸، ۵۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۱۶۱، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دارالحرب وہ مقام ہے جس کا اقتدارِ اعلیٰ مسلم کے قبضہ میں نہ ہو(۱)، اس اعتبار سے ہندوستان دارالحرب ہے۔ سود لینا حرام ہے، نصِ قطعی میں اس کی حرمت موجود ہے: ﴿وحرم الربوا﴾(۲)، اس میں کسی مقام کی تخصیص نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

دارالحرب کی تفصیلی بحث اور سود کا حکم

سوال[۷۹۵۵]: ایک شخص سود کو حلال سمجھتا ہے اور لوگوں کو ترغیب دیتا ہے۔ کیا سود لینا جائز ہے؟ جواز میں شخصی ومکانی خصوصیت کا اعتبار کیا گیا ہے یا نہیں، کاروبار کیسا ہے؟ کیا یہ مطلقاً ہر لحاظ سے دارالحرب ہے اگر ہے تو کیوں اور اگر نہیں تو مستحلِ سود کا کیا حکم ہے؟ پھر یہ اعتقاد حلت کے بعد ترغیب کرنے والا اور عام طور سے ترویج دینے والا کیسا ہے؟ بالفرض ہندوستان میں سود حلال بھی ہو تو کیا عوام قوم کے عقائد وخیالات کی خرابی وتباہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی وہی حکم رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾(۳)۔ جو شخص سود سے احتراز نہ کرے اس کے متعلق ارشاد ہے: ﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾(٤)۔

ابوالبرکات نسفی نے آیت: ﴿لاتأكلوا الربوا﴾(٥) کی تفسیر میں لکھا ہے:

---

(۱) "ان المراد بدار الإسلام بلادٌ يجرى فيها حكم إمام المسلمين، ويكون تحت قهره، وبدار الحرب بلادٌ يجرى فيها أمر عظيمها، وتكون تحت قهره". (فتاوى عزيزى، ص: ۴۲۱، باب الفقه، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۳) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۴) (سورة البقرة: ۲۷۹)

(۵) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين أمنو لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقوا النار التى أعدت للكافرين﴾ (سورة ال عمران: ۱۳۱)

"کان أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ یقول: هی أخوف اية فی القران حیث أوعدالله المؤمنین بالنار المعدّة للکافرین إن لم یتقوه فی اجتناب محارمه". مدارك التنزیل، ص: ۱/۱٤۱(۱)۔

حدیث میں سود کھانے والے پر لعنت وارد ہوئی ہے:

"عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم اٰکل الربوا وموکله، الخ". مسلم شریف، ص: ۲٤٤(۲)۔

سود کھانے والوں کا حشر اس طرح ہوگا:

"ثم ذکر عقوبة اٰکل الربوا، فقال: ﴿الذین یأکلون الربوا﴾ استحلالاً ﴿لایقومون﴾ من قبورهم یوم القیامة ﴿إلا کما یقوم﴾ فی الدنیا ﴿الذی یتخبطه الشیطان من المس﴾ من الجنون. ﴿ذلك﴾ التخبط علامة اٰکل الربوا فی الاٰخرة ﴿بأنهم قالوا إنما البیع مثل الربوا﴾". تفسیر ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه، ص: ۳۸(۳)۔

اس لئے علی الاطلاق تو کوئی اہل علم بھی جوازِ سود کا قائل نہیں ہوسکتا، البتہ دارالحرب میں مسلم مستأمن

= وقال الله تعالیٰ: ﴿ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۱) (مدارک التنزیل: ۱/۲۰۲، (سورة آل عمران: ۱۳۱)، قدیمی)

قال الله تعالیٰ: ﴿الذین یأکلون الربوا لا یقومون إلا کمایقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال العلامه البغوی رحمه الله تعالیٰ: ﴿بالباطل﴾ بالحرام یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقة". (معالم التنزیل: ۲/۵۰، قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم: ۲/۲۸، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قدیمی)

"عن عبد اللهبن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللهعلیه وسلم قال: "الربا ثلاثة وسبعون باباً أیسرها مثل أن ینکح أمه، وإن أربیٰ الربا عرض الرجل المسلم". (المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، (رقم الحدیث: ۲۲۵۵): ۲/۲۷، دارالفکر بیروت)

(۳) (تفسیر ابن عباسؓ، (سورة البقرة: ۲۷۵)، ص: ۳۲، صدیقیه کتب خانه اکوڑہ خٹک)

کوکافر حربی سے طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق سود لینے والے کے لئے گنجائش ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں بھی ناجائز ہے:

"ولا (ربوا) بين المسلم والحربي في دارالحرب، خلافاً لأبي يوسف رحمه الله تعالىٰ والأئمة الثلثة". الدر المنتقى: ۲/ ۹۹۰ (۱)۔

سودی کاروبار کا مفہوم عام ہے جو سود لینے اور دینے ہر دو کو شامل ہے، اس لئے اس کے جواز کا فتویٰ دینا مطلقاً کسی کے قول پر بھی درست نہیں، کیونکہ سود دینا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں:

"فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة، وقد ألزم أصحاب الدرس أن مرادهم من حل الربوا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم نظراً إلى العلة، وإن كان إطلاق الجواب خلافه، والله تعالىٰ أعلم، اه". منحة الخالق: ٦/١٣٦ (٢)۔

ہندوستان کے متعلق علماء کی آراء مختلف ہیں، دونوں طرف اہلِ تحقیق میں ہر جانب دلائل موجود ہیں، بندہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا ہے، گنجائش ہر جانب میں ہے، اختلاف کی وجہ سے اجتناب بالیقین احوط ہے (۳)۔

---

(۱) (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۱۴۷، باب الربا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ولا ربا بين المسلم والحربي في درالحرب عند الطرفين خلافاً لأبي يوسف والشافعي رحمهما الله تعالىٰ". (مجمع الأنهر، باب الربا: ۳/۱۴۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (منحة الخالق على هامش البحر الرائق: ۲۲۶/۲، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

"فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة، وقد ألزم الأصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم، نظراً إلى العلة وإن كان إطلاق الجواب خلافه". (رد المحتار: ۱۸۶/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۳۸/۷، كتاب البيوع، باب الربا، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً؛ لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهورهم يورث شبهةً في الجواز، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّن، والحرام بيّن. وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه". لاسيما وكون الهند دار الحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذنْ قويةٌ غير ضعيفة، والتوقي عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن: ۳۶۷/۱۴، كتاب البيوع، باب الربا، إدارة القرآن، كراچی)

جن حضرات کے نزدیک ہے، وہ دارالحرب کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

"دارالحرب ماخافوا فیه من الکافرین". جامع الرموز"(۱)۔

"إذا أجروا فیها أحکام الشرك، فإنها تصیر دارالحرب، سواء کانت متصلةً بدار الحرب أولم تکن، یبقی فیها مسلم أو ذمی امناً بالأمان الأول أو لم یبق، اھ". خزانة المفتیین(۲)۔

"المراد بدارالحرب بلادٌ یجری فیها أمرُ عظیمها، وتکون تحت قهره، اھ، کافی. وأن لایبقی فیه مسلم ولاذمی امناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أولا، وسواء أعلن شعائر الکفر أو لا، اھ. إذا أجری أهل الحرب فی بلدة من بلاد أهل الإسلام أحکامَ أهل الحرب، تصیر دارالحرب کیف ماکان، اھ". فتاوی قاضی خان برهامش هندیه: ۳/۵۸٤(۳)۔

جن حضرات کے نزدیک نہیں، وہ دارالحرب کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

"ودار الإسلام لاتصیر دارالحرب إلابإجراء أحکام الشرك فیها، وأن تکون متصلةً بدارالحرب لایکون بینهما وبین دارالحرب مصرٌ اٰخر للمسلمین، ولا یبقی فیها مسلم أو ذمی امناً بالأمان الأول، فما لم توجد هذه الشرائط، لا تصیردار الحرب. ومعنی قولنا: أن لایبقی مسلم أو ذمی امناً بالأمان الأول أن لا یبقی مسلم أو ذمی امناً علی نفسه إلا بأمان المشرکین، اھ". خزانة المفتیین(٤)۔

"وفی سیر الأصل لأبی الیسر: أن دارالإسلام، لاتصیر دارالحرب مالم یبطل جمیع

---

(۱) (جامع الرموز: ۵۵۶/۴، باب الجهاد، المطبعة الکریمیة ببلدة قزان)

(۲) (مجموعة الفتاویٰ، کتاب العلم والعلماء، عنوان مسئله: *ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں؟*: ۱۲۳/۱،سعید)

(۳) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، باب الردة وأحکام أهلها، فصل فیما یبطله الارتداد: ۵۸۴/۳، رشیدیه)

(۴) (خزانة المفتیین، بحواله مجموة الفتاویٰ بعبدالحیٔ اللکنوی، کتاب العلم والعلماء، *ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں؟*: ۱۲۳/۱، سعید)

ماصارت بہ دارالإسلام؛ لأن الحکم إذا ثبت لعلة فما بقی من العلة شئ یبقی ببقائه. وفی المنشور دارالإسلام بإجراء أحکام الإسلام، فمابقی علقةٌ من علائق الإسلام، یترجح جانب الإسلام، اھ"(۱)۔

"وذکر الحلوانی: إنما تصیر دارالحرب بإجراء أحکام الکفر، وأن لایحکم فیها بحکم من أحکام الإسلام، وأن یتصل بدارالحرب، وأن لا یبقی فیها مسلم ولا ذمی آمناً بالأمان الأول......... فإذا وُجدت الشرائط کلها، صارت دار الحرب، وعند تعارض الدلائل والشرائط یبقی ماکان علی ماکان أو یترجح جانب الإسلام احتیاطاً"(۲)۔

فریقین کے دلائل سامنے ہیں، دونوں طرف اہلِ تحقیق ہیں۔مولانا عبدالباری رحمہ اللہ تعالیٰ فرنگی محلی لکھنوی، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ہندوستان کو دارالحرب نہیں لکھا ہے، بلکہ دارالاسلام مانا ہے چنانچہ مجموعۃ الفتاوی: ۱/ ۲۳۶، میں ہے:

"لیکن بلاد ہند جو قبضۂ نصاری میں ہیں، دارالحرب نہیں ہے، اوران میں کافر سے سود لینا جائز نہیں ہے اور ۲/ ۱۷۰، میں ہے ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں، بلکہ دارالاسلام ہے۔ چنانچہ ان عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوتا ہے اِلیٰ قولہ پس یہ بلاد دارالحرب نہ ہوں گے نہ بمذہب امام اور نہ بمذہب صاحبین"(۳)۔

اور: ۲/ ۲۴۵، میں ہے:

"والصحیح أنہ (أی ملك الإنجریز) دارالإسلام، ولم یصر

---

(۱) (خزانة المفتیین، بحواله مجموة الفتاویٰ بعبدالحی اللکنوی، کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں؟: ۱/ ۱۲۳، سعید)

(۲) (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/ ۳۱۲، کتاب السیر، الفصل الثالث فی الحظر والإباحة، رشیدیه)

(۳) (مجموعة الفتاویٰ، کتاب الصلوة، عنوان: ہندوستان میں نماز جمعہ اوراس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی کاحکم: ۱/ ۲۳۸، سعید)

دارالحرب إلى الآن"(۱)۔

مولانا عبدالباری صاحبؒ اپنی تائید میں نواب صدیق حسن صاحب کی عبارت نقل کرتے ہیں:

"هندوستان عموماً وریاساتِ اسلامیه خصوصاً نزدِ امامِ اعظم رحمه الله تعالیٰ دارالحرب نیست .... فی الحال درمُختار وفتوئ مشاهیرِ فقهائے حنفیۂ هند مثل علمائے دهلی ورام پور وبهوپال، وجۂ آن همین است که مملکتِ هند خصوصاً ریاساتِ اسلامیه آن دارالاسلام است نه دارالحرب. بعض معاصرین نوشته اند: "الاحتياط أن نجعل هذه البلاد دارالإسلام وإن كانت السلاطين في الظاهر هؤلاء الشياطين، والله تعالى أعلم". مجموعه رساله هجرة و قربانیٔ گاؤ"۔

اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ۱۲۳۳ھ میں ہندوستان کے اکثر حصہ کو دارالحرب قرار دیا ہے، چنانچہ صراط مستقیم میں، ص: ۱۰۵، پر فرماتے ہیں:

"بلکه حال هندوستا ن رادریں جزو زماں که سن یک هزار ودوصد وسی وسوم است که اکثرش دریں ایام دار الحرب گردیده، الخ" ۱۲ "(۲).

نیز ان کے استاد اور چچا اور مرشد کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"در کافی می نویسند: إن المراد بدار الإسلام بلادٌ يجرى فيها حكم إمام المسلمين وتكون تحت قهره، وبدارالحرب بلادٌ يجرى فيها أمر عظيمها، وتكون تحت قهره، انتهى۔ **دریں شهر حکمِ امام المسلمین قطعاً جاری نیست، وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغه جاری است. ومراد از**

---

(۱) (مجموعة الفتاویٰ، کتاب العلم والعلماء، عنوان مسئله: هندوستان دارالحرب هے یا نهیں: ۱/۱۲۳-۱۲۶، سعید)

(۲) (صراطِ مستقیم، (فارسی)، فصل چہارم، دربیان طریق ادائے طاعات، ص: ۹۵، مطبع: مجتبائی واقع دہلی)

اجرائے احکامِ کفر این است که در مقدمۂ ملک داری وبندوبستِ رعایا، واخذِ خراج وباج، وعشورِ اموالِ تجارت، وسیاستِ قطاعِ طریق وسراق، وفصلِ خصومات، وسزائے جنایاتِ کفار بطورِ خودحاکم باشندآرے.

اگر بعضِ احکامِ اسلام را مثلِ جمعه وعیدین واذان وذبحِ بقر تعرض نکنند نکرده باشند، لیکن اصل الاصول این چیزها نزدِ ایشان هبا وهدر است، زیراکه مساجد رابے تکلف هدم می نمایند، وهیچ مسلمان یا باذمی بغیر استیمان ایشان درین شهر ودرنواحِ ان نمی تواند، آن برائے منفعت خود از واردین ومسافرین وتجار مخالفت نمی نمانید.

اعیانِ دیگر مثلِ شجاع الملک وولایتی بیگم بغیر حکمِ ایشان درین بلاد داخل نمی توانند شد، وازین شهر تا کلکته عملِ نصاری ممتد است. آرے درچپ وراست مثل حیدر آباد ولکهنؤ ورام پور أحکامِ خود جاری نه کرده اند بسببِ مصالحت واطاعتِ مالکانِ آن ملک.

وازروئے احادیث وتتبعِ سیرتِ صحابۂ کرام وخلفائے عظام همیں مفهوم می شود، زیراکه درعهدِ حضرت صدیق اکبر رضی الله تعالیٰ عنه ملکِ بنی یربوع راحکمِ دارالحرب دادند، باوجودیکه مسلمانان هم دراں بلاد موجود بودند. وعلی هذاالقیاس در عهدِ خلفائے کرام همیں طریق مسلوک بود، بلکه در عهدِ حضرت پیغمبر صلی الله علیه وسلم فدک وخیبر راحکمِ دارالحرب فرمود ند، حالانکه تجارِ اهل اسلام بلکه بعضے سکنه آنجا نیز دراں مکانات در وادی القری

مشرف باسلام بودند وفدک وخیبر راکمالِ اتصال بود بامدینه منوره.

انتهی". فتاوی، عزیزی(۱).

حضرت شاہ صاحب موصوف نے ایک دوسرے مقام پر دارالحرب کی تعریف میں تین قول نقل فرما کر تیسرے قول کوترجیح دی ہے اوراسی بناء پر ہندوستان وغیرہ انگریز کی عملداری کودارالحرب قراردیا ہے:

"وفرقۂ سوم ازیں هم ترقی کرده اند که حدِّ دارالحرب آنست:

"أن لایبقی فیه مسلم ولاذمی امناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أولا، وسواء أعلن شعائر الکفر أولا". **وهمیں قولِ ثالث رامحققین ترجیح داده اند، وبریں تقریر معمولۂ انگریزان واشباهِ ایشان بلاشبه دارالحرب است، اهـ". فتاوی عزیزی: ۱/۱۰۶۱۱ (۲).**

دارالحرب میں حربی کفار سے سود لینے کو جوشخص حلال اعتقاد کرے، امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس کا اعتقاد صحیح ہے۔ جس سود کی حرمت پر اجماع ہے اوراس کی حرمت نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، اس کے متعلق ملاعلی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں، ص:۲۱۲ پرلکھا ہے:

"وفی جواهر الفقه: مَن جحد فرضاً مجمعاً علیه کالصلوة والصوم والزکوٰة والغسل من الجنابه، کفر. قلت: وفی معناه من أنکر حرمة محرم مجمع علیه کشرب الخمر والزنا وقتل النفس وأکل مال الیتیم والربوا"(۳)۔

ص:۲۲۱ پرلکھا ہے کہ:

"من أنکر حرمة الحرام المجمع علی حرمته، أو شك فیها: أی یسوی الأمر فیها کالخمر والزنا واللواطة والربوا، أو زعم أن الصغائر والکبائر حلال، کفر"(٤)۔

---

(۱) (فتاوی عزیزی، ص: ۴۲۱، باب الفقه، سعید)

(۲) (فتاوی عزیزی، ص: ۵۵۲، مسائل سود، سعید)

(۳) (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۷۲، فصل من ذلک فیمایتعلق بالقرآن والصلاة، قدیمی)

(۴) (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۸۸، فصل فی الکفر صریحاً وکنایةً، قدیمی)

لیکن دوسرے مقام پر استحلالِ حرام کے ساتھ مقید کرکے بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وعلى هذه الأصول يبتنى الفروع التى ذكر فى الفتاوى من أنه إذا اعتقد الحرام حلالاً، فإن كانت حرمته لعينه، وقد ثبت بدليل قطعى، يكفر، وإلا فلا، بأن يكون حرمته لغيره، أو ثبت بدليل ظنى. وبعضهم لم يفرق بين الحرام والحلال لعينه ولغيره، فقال: من استحل حراماً وقدعُلم فى دين النبى صلى عليه وسلم تحريمُه كنكاح ذوى المحارم، أو شرب الخمر، أو أكل ميتة، أو دم مسفوح، أو لحم خنزير من غير ضرورة، فكافر". شرح فقه أكبر، ص ۱۸٦(۱)-

اسی طرح مجمع الأنهر: ۷۰۵/۱(۲)، اورفتاوی عالمگیری:۲۷۲/۲(۳) میں اس مسئلہ کومقید کرکے بیان کیا ہے۔علامہ ابن نجیم نے ایک اَور بھی تفصیل کی ہے:

"(يكفر) بقوله: الحرام أحب إلىّ جواباً لقول القائل له: كُلُ من الحلال، لابقوله: إنى أحتاج إلى كثرة المال، والحلال والحرام عندى سواء، ولا بقوله لحرام: هذاحلال، من غير أن يعتقده، فلا يكفر السوقىّ بقوله: هذا حلال للحرام ترويجاً لشرائه. والأصل أن مَن اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمال الغير، لايكفر. وإن كان لعينه، فإن كان دليله قطعياً، كفر، وإلا فلا، وقيل: التفصيل فى العالم، وأما الجاهل فلايفرق بين الحلال والحرام لعينه ولغيره، وإنما الفرق فى حقه أن ماكان قطعياً كفربه، وإلافلا". بحر: ۱۲۲/۵(٤)-

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۲، مطلبٌ: استحلال المعصية ولوصغيرةً كفر، قديمی)

(۲) "وباعتقاد الحلال حراماً أو بالعكس، هذا إذا كان حراماً بعينه، وحرمته ثابتة بدليل قطعى، أمالو بالأخبار لا يكفر". (مجمع الأنهر: ۶۹۷/۱، كتاب السير، باب المرتد، الخامس فى المتفرقات، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۳) "من اعتقد الحرام حلالاً، أوعلى القلب، يكفر .... هذا إذا كان حراماً لعينه، وهو يعتقده حلالاً، حتى يكون كفراً. أما إذا كان حراماً لغيره، فلا. وفيما إذاكان حراماً لعينه إنما يكفر إذا كانت الحرمة ثابتةً بدليل مقطوع به، أما إذا كانت بأخبار الأحاد، فلايكفر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۷۲/۲، كتاب السير، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، ومنها مايتعلق بالحلال والحرام، رشيديه)

(۴) (البحرالرائق: ۲۰۲/۵، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

نیز مسئلۂ تکفیر میں سخت ترین احتیاط کی ضرورت ہے، اس لئے کف اللسان من التکفیر لازم ہے۔ ہمیں اس اعتقاد کے باطل اور خلاف نصوص ہونے میں کوئی تامل نہیں:

"وفی الفتاوی الصغری: الکفر شئ عظیم، فلا أجعل المؤمن کافراً متی وجدتُ روایةً أنه لایکفر". بحر: ۵/ ۱۲۴"(۱)۔

تاہم اگر مستحل منکرِ نصوص ہے تو بلاشبہ کافر ہے:

"إذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر، ووجه واحد یمنع التکفیر، فعلی المفتی أن یمیل إلی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم. زاد فی البزازیة: إلا إذا صرّح بإرادة موجب الکفر، فلا ینفعه التأویل حینئذٍ. وفی التاتارخانیة: لایکفر بالمحتمل؛ لأن الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایةً فی الجنایة، ومع الاحتمال لانهایة". بحر: ۱۲۵/۵"(۲)۔

حرام شئ کو رواج دینا حرام ہے: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾(۳)۔

حلال پر اعتقادِ حلت اور حرام پر اعتقادِ حرمت حکمِ شرعی اور مامور بہ ہے (۴)، اس میں اعتقادات اور خیالاتِ عوام، قوم کی خرابی وتباہی کیا ہے، ہاں! عکس میں ضرور تباہی ہے، اسی طرح مباح کو درجۂ وجوب دینے میں بھی تباہی ہے (۵) اگر بصورتِ حلتِ أخذ ربا من الکافر الحربی، یہ مفضی ہو أخذِ ربا من المسلم

(۱) (البحر الرائق: ۲۱۰/۵، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین، رشیدیه)

(۲) (البحر الرائق، المصدر السابق)

(۳) (سورة المائدة: ۲)

(۴) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "القرآن علی خمسة أوجه: حلال، وحرام، ومحکم، ومتشابه، وأمثال. فأحلّو الحلال، وحرموا الحرام، واعملوا بالمحکم، وآمنوا بالمتشابه، واعتبروا بالأمثال". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۳۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، قدیمی)

(۵) "وأما ما یفعل عقب الصلوة من السجدة، فمکروه إجماعاً؛ لأن العوام یعتقدون أنها واجبة أو سنة، أی وکل جائز أدّی اعتقاده ذلک، کره". (ردالمحتار: ۳۷۱/۱، کتاب الصلوة، مطلب: یشترط العلم بدخول الوقت، سعید)

تک تو بھی سداً للذرائع ممانعت کا حکم ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/ صفر المظفر / ۱۳۵۹ھ۔

---

(۱) "سد الذرائع أصل من أصول الشريعة الإسلامية، وحقيقته منع المباحات التي يتوصل بها إلى مفاسد أو محظورات".

"سد الذرائع لايقتصر على مواضع الاشتباه والاحتياط، وإنما يشمل كل ما من شانه التوصل به إلى الحرام". (الفقه الإسلامي وأدلته، قرار رقم: ۹۲/۸/۹۵، بشأن سدا الذرائع: ۵۲۵۸/۷، رشيديه)

کوئی بھی مباح کام اگر کسی حرام اور ناجائز کام کے ارتکاب کا سبب بن رہا ہو، تو اس مباح کو سداً للذرائع ترک کرنا لازم ہے:

قال الله تعالى: ﴿ولاتسبوا الذين يدعو ن من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم﴾ فنهى الله سبحانه عن سب الألهة الباطلة حذراً أن يكون سبباً بسب الإله الحق جل وعلا شانه، وقال الله تعالى: ﴿ولا تخضعن بالقول، فيطمع الذى فى قلبه مرض﴾ ولها أمثال فى الكتاب والسنة". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام فى مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۴۹/۲، مكتبه دارالعلوم كراچى)

وقال الله تعالى: ﴿ولايضربن بأرجلهن ليعلم مايخفين من زينتهن﴾. محقق أن إبداء الزينة بعينه مقصود بالنهى؛ لأنه قدنهى عما هو ذريعة إليه خاصةً؛ إذ الضرب بالأرجل لم يعلل النهى عنه أحد، لعلم أن المرأة ذات زينة وإن لم تظهر (أى الزينة) فضلاً عن مواضعها". (إمدادى الفتاوىٰ، عورتوں کے پردے اور نظر ولمس وغیرہ کے احکام: ۱۹۳/۴، مكتبه دارالعلوم كراچى)

عربی فارسی عبارات کا ترجمہ نمبر وار درج ھے

۱- اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے"۔ (بیان القرآن پ:۳)

۲- پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا)۔ (بیان القرآن ۳)

۳- حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں یہ آیت سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس آگ کی دھمکی دی ہے جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے =

....

اگر حرام چیزوں سے بچنے میں اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے۔

۴- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

۵- پھر سود کھانے والے کی سزا ذکر فرمائی کہ جو لوگ سود کو حلال سمجھ کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اپنی قبروں سے اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے دنیا میں وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان لپیٹ کر خبطی بنادے (یعنی حیران ومدہوش) یہ حیران ومدہوش ہونا آخرت میں سود خوار کی علامت ہے اس لئے کہ انہوں نے (سود کے حلال ہونے پر استدلال کرتے ہوئے) کہا تھا کہ بیع بھی مثل سود کے ہے۔

۶- مسلم اور حربی کے درمیان دارالحرب میں ربا نہیں، امام ابو یوسف اور ائمۂ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان حضرات کے نزدیک مسلم اور حربی کے درمیان دارالحرب میں بھی ربا حرام ہے۔

۷- پس ظاہر یہ ہے کہ اباحت مسلم کو زیادتی حاصل ہونے کی قید کے ساتھ ہے اور اصحاب درس نے اس کو لازم کیا ہے کہ ان کی مراد سود اور جوئے کے حلال ہونے سے وہ صورت ہے جبکہ مسلم کو زیادتی حاصل ہو، علت کی جانب نظر کرتے ہوئے اگر چہ جواب کے اطلاق کا تقاضہ اس کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

۸- دارالحرب وہ ہے جس میں کفار سے خوف ہو (جامع رموز) جب کہ اس میں احکام شرک نافذ کردئے جائیں، تو وہ دارالحرب بن جائے گا، چاہے دارالحرب سے متصل ہو یا نہ ہو، مسلم اور ذمی پہلے امان سے مامون رہے یا نہ رہے، الخ۔ "المفتیین"۔

دارالحرب سے مراد وہ ملک ہے جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے قبضہ میں ہو، (کافی)۔ یہ کہ نہ رہے اس میں کوئی مسلم اور نہ کوئی ذمی پہلے امان سے مامون، چاہے بعض شعائرِ اسلام ترک کردیئے گئے ہوں یا نہ، اور شعائر کفر کا اعلان ہو یا نہ الخ۔ اگر اہلِ حرب اہلِ اسلام کے شہروں میں سے کسی شہر میں اپنے احکام جاری کردیں تو وہ شہر دارالحرب بن جائے گا جس طرح بھی ہو۔

۹- دارالاسلام دارالحرب نہیں بنتا مگر جب کہ احکامِ شرک اس میں نافذ کردیئے جائیں اور یہ کہ وہ دارالحرب سے متصل ہو جائے کہ اور دارالحرب اور اس کے درمیان مسلمانوں کا کوئی شہر نہ ہو

....

= اور نہ ہو کوئی مسلم یا کوئی ذمی امانِ سابق کے ساتھ مامون نہ رہے، پس جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں وہ دارالحرب نہیں بنے گا۔ اور ہمارے اس قول کا مطلب: ''کوئی مسلم یا ذمی پہلے امان کے ساتھ مامون نہ رہے'' یہ ہے کہ مسلم یا ذمی بغیر مشرکین کے امان دئے مامون نہ ہوا ہو، الخ''۔

''ابوالیسر'' کی سیر ''الاصل'' میں ہے دارالاسلام دارالحرب اس وقت تک نہیں بنتا جب تک کہ وہ تمام باتیں ختم نہ ہو جائیں جن سے دارالاسلام بنا ہے، اس لئے کہ حکم جب کسی علت کی وجہ سے ثابت ہو گیا تو علت کا جب تک کچھ بھی حصہ باقی رہے گا وہ حکم بھی باقی رہے گا اور منشور میں ہے: دارالاسلام احکامِ اسلام کے نفاذ کی وجہ سے ہے، لہٰذا جب تک علائقِ اسلام میں سے کچھ بھی باقی ہے جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی۔ حلوانی نے ذکر کیا کہ دارالحرب احکامِ کفر جاری کرنے سے بنتا ہے اور یہ کہ احکامِ اسلام میں سے اس میں کوئی حکم نہ چلتا ہو اور دارالحرب متصل ہو جائے اور کوئی مسلم اور ذمی امانِ اول سے مامون نہ رہے۔ پس یہ سب شرطیں جب پائی جائیں گی اس وقت دارالحرب بنے گا اور دلائل وشرائط کے تعارض کے وقت جیسا ہے ویسا ہی رہے گا، یا احتیاطی طور پر جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی''۔

۱۰- ''صحیح یہ ہے کہ (ہندوستان) (ملک انگریز) دارالاسلام ہے، ابھی تک دارالحرب نہیں بنا''۔

۱۱- ''ہندوستان عموماً اور اسلامی ریاستیں خصوصاً امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دارالحرب نہیں، ہند کے مشہور فقہائے حنفیہ مثلاً علمائے دہلی ورامپور وبھوپال کا فتویٰ اور مختار یہی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ مملکتِ ہند، خصوصاً اس کی اسلامی ریاستیں دارالاسلام ہیں، نہ کہ دارالحرب۔ بعض محاضرین نے لکھا ہے احتیاط یہی ہے کہ ہم ان شہروں کو دارالاسلام قرار دیں اگرچہ بظاہر سلاطین یہ شیاطین ہیں''۔

۱۲- بلکہ ہندوستان کا حال اس وقت ۱۲۳۳ھ میں یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ دارالحرب ہو گیا ہے۔

۱۳- ''کافی میں لکھتے ہیں کہ دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور وہ ملک اس کے قبضہ میں ہو۔ اور دارالحرب سے مراد وہ ہے کہ جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہو۔ اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں، بلکہ رؤسائے =

....

=
نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے۔

اور احکامِ کفر کے اجراء سے مراد یہ ہے کہ مقدمۂ ملک داری اور رعایا کے بند و بست اور مالِ تجارت سے ٹیکس وعشر کے یعنی، اور چور ڈکیتوں کے انتظام اور لڑائی جھگڑے کے فیصلے اور جرائم کی سزا کے معاملہ میں کفار اپنے طور پر حاکم ہوں، ہاں! اگر بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ وعیدین واذان اور ذبح گائے پر روک ٹوک نہ کریں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک ہدر ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بلا تکلف منہدم کر دیتے ہیں اور کوئی مسلمان یا ذمی ان کے امان دیئے بغیر اس ملک اور اس کے ارد گرد میں نہیں رہ سکتا۔

اپنے نفع کی خاطر آنے والے مسافروں اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے۔ دوسرے بڑے لوگ مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اور اس شہر کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً حیدر آباد لکھنؤ و رام پور میں اپنے احکام جاری نہیں کئے ہیں، ان شہروں کے مالکوں نوابوں کی فرمانبرداری اور مصالحت کی وجہ سے۔

اور از روئے احادیث اور صحابہ کرام وخلفائے عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرت میں تتبع وتلاش سے یہی سمجھ میں آتا ہے، اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ملکِ بنی یرموع کو مسلمانوں کے اس میں ہونے کے باوجود دار الحرب کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں بھی یہی طریقہ رائج تھا، بلکہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فدک وخیبر کو دار الحرب کا حکم دیا، حالانکہ مسلمان تاجر بلکہ بعض وہاں کے رہنے والے اور وادی القریٰ میں رہنے والے مشرف باسلام تھے اور فدک وخیبر مدینہ منورہ سے مکمل طور پر ملے ہوئے تھے"۔

۱۴- تیسرے فرقہ نے اس سے بھی آگے بڑھ کر دار الحرب کی یہ تعریف کی ہے کہ اس میں کوئی مسلم یا ذمی امانِ سابق کیساتھ مامون نہ رہے، بعض شعائرِ اسلام ترک ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں اور شعائرِ کفر کا اعلان ہوا ہو یا نہ ہوا اور اسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے، اس تقریر کی نبیاد پر انگریز اور ان جیسے لوگوں کی عملداری والا ملک بلاشبہ دار الحرب ہے"۔

۱۵- "اس فرض کا انکار کرنا جس پر امت کا اتفاق ہے کفر ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جنابت کے غسل کرنا، اسی طرح جس نے ایسے حرام کام کی حرمت کا انکار کیا جس پر اتفاق ہے جیسے شراب =

کا پینا، زنا، قتل نفس، یتیم کا مال اور سود کھانا''۔

۱۶-''جس نے ایسے حرام کی حرمت کا انکار کیا جس کی حرمت پر اتفاق ہے، یا حرمت میں شک کیا، یا شک وانکار دونوں برابر ہے، جیسے: شراب، زنا، لواطت، سود، یا گمان کیا کہ صغائر وکبائر جائز ہیں، یہ کفر ہے''۔

۱۷-''ان اصول پر چند فروع مبنی ہیں جو فتاوی میں مذکور ہیں یعنی اگر حرام کو حلال جانا، پس اگر اس کی حرمت لعینہ ہے (کسی دوسری چیز کی وجہ سے نہیں) اور دلیلِ قطعی سے ثابت ہے، اس کی تکفیر کی جائے گی، ورنہ نہیں، بایں طور کہ اس کی حرمت کسی دوسری چیز کی وجہ سے ہو یا دلیلِ ظنی سے اس کی حرمت کا ثبوت ہو۔

بعض نے حرام وحلال میں لعینہ ولغیرہ کا فرق نہیں کیا، چنانچہ کہا کہ جس نے حرام کو حلال جانا جبکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں حرام ہے جیسے: ذوی المحارم سے نکاح، شراب پینا، مردار کھانا، بہنے والا خون، خنزیر کا گوشت بغیر کسی (ایسی) ضرورت کے جس کی بناء پر حرام چیز حلال ہو جاتی ہے) حلال سمجھتا ہے، تو وہ کافر ہے''۔

۱۸-''اس بات کے کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ کہ حرام مجھ کو زیادہ پسند ہے، اس کے جواب میں جو اس سے کہے کہ کھا تو حلال سے۔ اور اس طرح کہنے سے کافر نہیں ہوگا کہ مجھے زیادہ مال کی ضرورت ہے، حلال وحرام میرے نزدیک برابر ہے۔ اور نہ حرام کو حلال کہنے سے اس کے حلال ہونے کا اعتقاد کئے بغیر، پس بازاری آدمی (تاجر) کی اپنی خرید وفروخت کی ترویج کے لئے حرام کو حلال کہنے سے تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اور اصل بات یہ ہے کہ جو حرام کو حلال اعتقاد کرے، پس اگر وہ حرام لغیرہ ہے (یعنی حرمت خود اس کی ذات میں نہیں) جیسے دوسرے کا مال تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ حرام لعینہ ہے، پس اگر اس کی حرمت دلیلِ قطعی سے ثابت ہے تو کافر ہو جائے گا، ورنہ نہیں ہوگا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ تفصیل عالم کے بارے میں ہے، لیکن جاہل حلال وحرام لعینہ اور لغیرہ میں فرق نہیں کر سکتا، اس کے حق میں تو صرف یہ فرق ہے کہ اگر وہ قطعی ہے تو تکفیر کی جائے گی، ورنہ نہیں (یعنی جس حرام کو حلال یا حلال کو حرام اعتقاد کیا ہے، اگر اس کی حرمت، حلت کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے تو تکفیر کی جائے گی، ورنہ نہیں'')۔

ہندوستان میں سود کا حکم

سوال[۷۹۵۶]: ہمارے علاقہ میں ایک عالم صاحب ہیں جو دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے، لہٰذا یہاں مسلمان ہندوؤں سے سودی لین دین کرسکتا ہے، یعنی سود لے سکتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مجھے تو یہ معلوم ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مجلس میں موجود تھے، یہ مسئلہ وہاں زیر گفتگو آیا، دیگر اہل علم حضرات اس پر گفتگو فرما رہے تھے، حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا گیا کہ آپ فرمائیں تو یہ جواب دیا تھا:

''جس کو جہنم میں جانا ہو، راستہ سیدھا ہے، مگر ہماری گردنوں کو پل بنا کر مت جاؤ''۔

قرآن کریم میں صاف صاف مذکور ہے ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾(١)۔ حرمتِ ربا سے قبل جو لوگ اہلِ حرب سے معاملات کرتے تھے ان کو ہی گذشتہ بقیہ سود لینے سے منع فرمادیا گیا: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا مابقى من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ الآية (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

=

۱۹-''فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ کفر بڑی خطرناک چیز ہے میں کسی مؤمن کو کافر نہیں کہوں گا جب تک اس کو کافر نہ کہنے کی کوئی روایت موجود ہے''۔

۲۰-''اگر مسئلہ میں چند وجوہ تکفیر کی ہوں اور صرف ایک وجہ عدمِ تکفیر کی ہو تو مفتی کو چاہیے کہ مؤمن کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہوئے اس وجہ کو ترجیح دے جو عدمِ تکفیر کی ہے۔ بزازیہ میں یہ زیادتی ہے کہ: مگر جب کہ ارادۂ کفر کی وضاحت ہوجائے تو اس وقت تاویل فائدہ نہیں دے گی''۔

اور تاتارخانیہ میں ہے کہ احتمال کے ساتھ تکفیر نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ کفر سزا میں انتہاء ہے، تو جرم بھی انتہا ہونا چاہیئے، اور احتمال کے ساتھ انتہا نہیں ہوسکتی''۔

۲۱-''اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو، اور گناہ وزیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو''۔ (بیان القرآن، پ:٦)۔

(١) (سورة البقرة: ٢٧٥)

(٢) (سورة البقرة: ٢٧٩) .... =

دارالاسلام اوردارالحرب کی تحقیق اورمسئلۂ سود

سوال[۷۹۵۷]: ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں اور برتقدیرِ دارالحرب بینک سے سود جائز ہے کہ نہیں؟ علمائے دیوبند اس امر میں مختلف ہیں، جناب کیا فرماتے ہیں، حضرت گنگوہی سے بعض جواز بیان کرتے ہیں۔ مولانا سہول صاحب مفتی مدرسہ دیوبند بڑے زور سے نہ صرف بینک بلکہ عام کفار سے جائز فرماتے ہیں۔ اَور بھی بعض علماء، مگر حضرت تھانویؒ مدظلہ العالی قائلِ حرمت ہیں۔ مفصل جواب معادلہ مرحمت ہو۔

الجواب حامداًومصلياً:

ہندوستان کے متعلق اختلاف ہے، اکثر علماء اس کو دارالحرب فرماتے ہیں اور بعض اس کے منکر ہیں۔ فتاوی رشیدیہ میں مختلف فتاوی موجود ہیں، بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب ہونے کو ترجیح فرماتے ہیں(۱)، بعض میں اس کی عدمِ تحقیق کا اظہار فرماتے ہیں(۲)۔ مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ اپنے فتاوی:۲/۲۲٦،

= وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقوا النار التي أعدت للكافرين﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام القرطبي: "من أخذ مال غيره لاعلى وجهٍ أذن الشرع، فقد أكله بالباطل". (الجامع لأحكام القرآن: ۲/۳۳۸، دارالكتب العلمية بيروت)

قال العلامة البغوي: "﴿بالباطل﴾ يعني بالربا والقمار والغصب". (معالم التنزيل: ۲/۵۰، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: يارسول! وماهن؟ قال: "الشرك، والسحر، و قتل النفس التي حرم الله إلابالحق، وأكل الربوا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الله: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمٰى ظلماً﴾ الخ: ۱/۳۸۸، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الكبائر وأكبرها: ۱/٦۴، قديمي)

(۱) "سب ہندوستان بندہ کے نزدیک دارالحرب ہے اور یہاں کی کافرات حربیہ ہیں اور ستر کرنا مسلمان کو ان سے ضروری ہے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب: جواز وحرمت کے مسائل، ہندوستان کی کافرات کا حکم، ص:۲۹۲، سعید)

(۲) **الجواب:** "ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے، بظاہر تحقیقِ حال بندہ کو نہیں ہوئی، حسب اپنی تحقیق کے=

میں تحریر فرماتے ہیں:

''بلادِ ہند جو قبضۂ نصاریٰ میں ہے دارالحرب نہیں ہے، ان میں کافر سے سود لینا جائز نہیں ہے''(۱)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنے ایک طویل فتویٰ میں فرماتے ہیں:

''**ودر کافی می نویسد:** "إن المراد بدار الإسلام بلادٌ يجري فيها حكم إمام المسلمين، ويكون تحت قهره، وبدار الحرب بلادٌ يجري فيها أمر عظيمها، وتكون تحت قهره، انتهى۔ **دریں شهر حکمِ امام المسلمین اصلاً جاری نیست، وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغه جاری است.**

= سب نے فرمایا، اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (فتاویٰ رشیدیه، باب: سود کے مسائل کا بیان، عنوان: ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں، ص: ۱۸۲، سعید)

(۱) (مجموعة الفتاویٰ، کتاب الربا، عنوان: ہندوؤں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟: ۲/ ۲۱۵۱، سعید)

(مجموعة الفتاویٰ، کتاب الصلوة، عنوان مسئله: ہندوستان میں نماز جمعہ اور اس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی کا حکم: ۱/ ۲۳۷، سعید)

سوال: ''ہندوستان جہاں تک عملداری انگریزوں کی ہے، دارالحرب ہے یا نہیں اور اگر ہے تو صرف صاحبین کے مذہب کے مطابق یا ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق بھی؟

جواب: ''ہندوستان دارالحرب نہیں ہے بلکہ دارالاسلام ہے چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے، خزانة المفتین میں ہے:

''دار الإسلام لاتصير دار الحرب إلا بإجراء أحكام الشرك فيها، وأن يكون متصلاً بدار الحرب لايكون بينها وبين دار الحرب مصرٌ آخر للمسلمين، وأن لايبقى فيه مسلم وذمي آمناً بالأمان الأول. فما لم توجد هذه الشرائط، لاتصير دار الحرب .... اهـ''.

اور ظاہر ہے کہ بلادِ ہندوستان میں یہ مفقود ہے، اس لئے کہ شعائر اسلام میں ہنود حکّام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہے اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلافِ اسلام احکام جاری کرتے ہیں، مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں۔ پس ہندوستان امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دارالحرب نہیں ہے''۔

(مجموعة الفتاویٰ: ۱/ ۱۲۳-۱۲۶، کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ سعید)

ومراد از اِجرائے احکامِ کفر این ست که در مقدمۀ ملک داری، وبند وبستِ رعایا، واخذِ خراج وباج، وعشورِ اموالِ تجارت، وسیاستِ قطاعِ الطریق وسراق، وفصلِ خصومات، وسزائے جنایاتِ کفار خود حاکم باشند آرے اگر بعضے احکامِ اسلام رامثلِ جمعه وعیدین واذان وذبحِ بقر تعرض نکرده باشند، لیکن اصل الاصول این چیزها نزدِ ایشان هدر است، زیراکه مساجد رابے تکلف هدم می نمایند، وهیچ مسلمانے وذمی بغیرِ استیمانِ ایشان دریں شهر ودر نواحِ آں نمی تواند آمد برائے منفعتِ خود از واردین ومسافرین وتجّار مخالفت نمی نمایند. اعیانِ دیگر مثلِ شجاع الملک وولایتی بیگم بغیر حکمِ ایشان دریں بلده داخل نمی تواند شد، وازیں شهر تاکلکته عملِ نصاریٰ ممتد است. آرے درچپ وراست مثل حیدرآباد ولکهنوٴ ورام پور احکامِ خود جاری نکرده اند بسببِ مصلحت واطاعتِ مالکان آن ملک". فتاوی عزیزی، ص: ۱۷(۱).

وص: ۱۱۵، پرتحریرفرماتے ہیں:

"واَصحّ آنست که دارالاسلام دارالحرب می شود، دریں اختلاف است که کی می شود، طائفه می گویند که: اگر یک چیز ازشعائرِ اسلام ممنوع باشد، مثلِ اذان وختان دارالحرب می گردد. وطائفه گفته: مدارِ صیرورتِ دارالاسلام دارالحرب بر محوِ شعائر اسلام نیست، بلکه هرگاه شعائرِ کفر بے دغدغه باعلان شود، دارالحرب می گردد، گو شعائرِ اسلام هم بر قرار باشند. وفرقه سوم ازیں هم ترقی کرده اند، وگفته اند که: حدِّ دارالحرب آنست که: لا يبقى فيه مسلم

(۱) (فتاوی عزیزی، ص: ۴۲۱، باب الفقه، سعید)

وذمی امناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أو لا، وسواء أعلن شعائر كفر أولا، **وهمیں قولِ ثالث لا محققین تر جیح داده اند، وبریں تقدیر معمور انگریز واشباهِ ایشان بلاشبه دارالحرب است"(١).**

اسی طرح اَور بھی متعدد تحریرات میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر فرمایا ہے: "إذاثبت الشئ ثبت بلوازمه" یعنی جب ہندوستان کا دارالحرب ہونا ثابت ہوگیا تو یہاں حسبِ شرائط سود لینا بھی درست ہے۔ جس شدت سے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اَخذِ ربا کی اجازت دیتے ہیں، اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ شدت سے مولانا عبدالحئ رحمہ اللہ تعالیٰ دارالحرب ہونے کا انکار کرکے سود منع فرماتے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، بلکہ دارالاسلام ہے، چنانچہ ان عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوتا ہے (ان عبارات کا اقتباس یہ ہے):

"فی سیر الأصل لأبی الیسر: أن دارالإسلام لا یصیر دارالحرب مالم یبطل جمیع ماصارت به دارالإسلام؛ لأن الحکم إذا ثبت لعلته فمابقی شئ من العلة، یبقی بتمامه، وفی المنشور دارالإسلام بإجراء أحکام الإسلام، فمابقی علقةٌ من علائق الإسلام یترجح بجانب الإسلام"(٢)۔

اور بزازیہ میں ہے:

"والبلاد التی فی أیدی الکَفَرة الیوم لاشك أنها بلاد الإسلام، لعدم اتصالها ببلاد الحرب ولم یظهروا فیها أحکام الکفر، بل القضاة مسلمون.......... وأما البلاد التی علیها والٍ من جهتهم یجوز إقامة الجمعة والأعیاد وأخذ الخراج، وتقلید القضاة، وتزویج الأیامیٰ.......... وأماالبلاد التی علیها ولاة کفار، فیجوز فیها أیضاً إقامة الجمعة والأعیاد، والقاضی قاض

---

(١) فتاوی عزیزی، ص: ٥٥٦، مسائل سود، سعید)

(٢) (مجموعة الفتاویٰ، کتاب الصلوة، عنوان: ہندوستان میں نماز جمعہ اوراس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی کا حکم: ١/ ٢٣٨، سعید)

بتراضی المسلمین.......... وقد تقرر أن ببقاء شئ من العلة يبقى الحكم، وقد حكمنا بلاخلاف بأن هذه الديار قبل استيلاء التتار كانت من ديار الإسلام، وبعد استيلائهم إعلان الأذان أو الجمعة والجماعات والحكم بمقتضى الشرع والفتوى والتدريس ذائعٌ بلانكير من ملوكهم، فالحكم بأنها من بلاد الحرب لاجهة له نظراً إلى الدراسة و الدراية، وإعلان بيع الخمور وأخذ الضرائب والمكوس، والحكم من البعض برسم التتار كإعلان بنی قريظة بانتهود وطلب الحكم من الطاغوت فی مقابلة محمد عليه الصلوة والسلام فی عهده بالمدينة، ومع ذلك كانت بلدة الإسلام بلاريب.

وذكر الحلوانی: أنه إنما تصير دارالحرب بإجراء أحكام الكفر أن لايحكم فيها بحكم من أحكام الإسلام، وأن يتصل بدار الحرب، وأن لا يبقى فيها مسلم ولاذمی آمناً بالأمان الأول.......... فإذا وجدت الشرائط كلها، صارت دارالحرب. وعند تعارض الدلائل والشرائط يبقى ماكان على ماكان، أو يترجح جانب الإسلام احتياطاً. وظاهره أنه إذاجرت أحكام المسلمين وأحكام أهل الشرك، لاتكون دارالحرب، الخ"(۱)۔

ان عبارات کے بعد حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارالحرب کی شرائط کا ہندوستان میں انکار کیا ہے اور آخر میں نتیجہ کے طور پر لکھا ہے کہ:

''پس یہ بلاد دارالحرب نہ ہوں گے نہ بمذہبِ امام رحمہ اللہ تعالیٰ ونہ بمذہب صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ''۔۲/۱۷۰(۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۳۱۱، كتاب السير، فصل فی الحظر والإباحة، رشيديه)

(۲) العبارة بتمامها: ''ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، بلکہ دارالاسلام ہے، چنانچہ ان عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوتا ہے، خزانۃ المفتین میں ہے:

"دارالإسلام لاتصير دارالحرب إلا بإجراء أحكام الشرك فيها، وأن يكون متصلاً بدار الحرب لايكون بينها وبين دارالحرب مصرٌ آخر للمسلمين، وأن لايبقى فيه مسلم وذمی آمناً بالأمان الأول. فما لم توجد هذه الشرائط، لاتصير دارالحرب .... اهـ". ....=

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے بعض ائمہ کے نزدیک ہندوستان سے دارالحرب ہونے کی نفی معلوم ہوتی تھی اور بعض سے اثبات معلوم ہوتا تھا۔ اور مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے نزدیک بھی دارالحرب نہیں۔ اگر ہندوستان دارالحرب نہیں تب بھی تو کسی کے نزدیک بھی کسی کو کسی سے سود لینا درست نہیں، اگر دارالحرب ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلم مستامن (جوکہ دارالاسلام کا رہنے والا ہو اور امن لے کر کسی ضرورت سے کچھ مدت کے لئے دارالحرب میں گیا ہو) کو حربی سے ہندوستان میں سود لینا درست ہے۔ ائمہ ثلاثہ: امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پھر بھی جائز نہیں (۱)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطبوعہ فتاوی میں عدمِ جواز ہی مذکور ہے، حضرت تھانوی مدظلہم نے بڑی شدت کے ساتھ انکار فرمایا ہے، چنانچہ "رافع الضنك من منافع البنك" میں اس کے عدمِ جواز کو بڑی

= اور ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ مفقود ہے، اس لئے کہ شعائرِ اسلام میں ہنود حکام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہے اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلافِ اسلام احکام جاری کرتے ہیں، مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں، پس ہندوستان امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دارالحرب نہیں ہے"۔ (مجموعة الفتاویٰ: ۱۲۳/۱، ۱۲۶، کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ سعید)

(۱) "وبين الحربي والمسلم ثمة: أی لاربا بينهما فی دارالحرب، وكذلك إذا تبايعا بيعاً فاسداً فی دارالحرب، فهو جائز، وهذا عند أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ. وقال أبو يوسف والشافعی رحمهما الله تعالیٰ: لايجوز". (تبيين الحقائق: ۴۷۲/۴، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"(ولا بين حربي ومسلم) مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة)؛ لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه مطلقاً بلاغدر، خلافاً للثانی والثلاثه". (الدرالمختار: ۱۸۶/۵، باب الربا، سعيد)

"(ولا بين الحربي والمسلم ثمة): أی لاربا بينهما فی دارالحرب عندهما خلافاً لأبی يوسف". (البحرالرائق: ۲۲۶/۶، باب الربا، رشيديه)

"قال إبراهيم النخعی وأبوحنيفة والثوری ومحمد رحمهم الله تعالیٰ: إنه لاربوا بين أهل الحرب وأهل الإسلام فی دارالحرب. وقال أبو يوسف والشافعی وأحمد ومالك رحمهم الله تعالیٰ بخلافه". (إعلاء السنن: ۳۳۳/۱۴، باب الربا فی دارالحرب، إدارة القرآن، كراچی)

تفصیل سے تحریر فرمایا ہے (۱)۔ دونوں طرف اہل تحقیق ہیں، لہٰذا سود لینے میں بھی گنجائش ہے، اختلاف کی وجہ سے نہ لینا احوط ہے (۲)۔ بہتر ہے کہ بنک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے (۳)، اگر داخل کیا جائے تو وہاں کا سودی روپیہ ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے، بلکہ وہاں سے وصول ضرور کر لینا چاہے اور اس کے بعد مقتضائے تقوی یہ ہے کہ اس کے مصارفِ خیر غرباء و مساکین پر صرف کر دیا جائے (۴)۔

"لا (ربوٰ) بین حربی ومسلم مستأمن ثمة ولو بعقد فاسد كقمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح مستحل برضاه مطلقاً بلاغدر، خلافاً للثاني والثلاثة". در مختار، والبسط فی ردالمحتار (۵)۔

---

(۱) (إمداد الفتاوی: ۱۵۷/۳، رساله: رافع الضنک عن منافع البنک، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(۲) "وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً؛ لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهورهم يورث شبهةً في الجواز، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّنٌ، والحرام بيّنٌ، وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبها ت فقد استبرأ لدينه". لاسيما وكون الهند دار الحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذَنْ قويةٌ غير ضعيفة، والتوقي عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن: ۳۶۷/۱۴، كتاب البيوع، باب الربا، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا علىٰ البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان، واتقو الله، إن الله شديد العقاب﴾ (سورة المائده: ۲)

(راجع للتفصيل جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۴۹/۲، ۴۵۵، دارالعلوم کراچی)

(۴) "والسبيل في المعاصي ردها، وذلک ههنا بردّ المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لايصل إليه عين ماله". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، سعيد)

(۵) (ردالمحتار: ۱۸۶/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

اور سود کے جواز کے شرائط "رافع الضنك" میں مذکور ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۴/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قائلین بالجواز کے نزدیک بھی اس میں اتنی قیود ہیں: ۱-وہ محل دارالحرب ہو، ۲-معاملہ ربوا کا حربی سے ہو، ۳-مسلم اصلی سے نہ ہو، اور نہ ذمی سے ہو اور مسلم اصلی وہ ہے جو دارالحرب میں آنے کے قبل اسلام لیا ہو خود یا تبعاً للآباء، ۴-معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لے کر آیا ہو، یا وہ مسلم ہو جو دارالحرب ہی میں اسلام لایا ہو وہ مسلم اصلی نہ ہو جو خود دارالحرب میں رہتا ہو، اس قید میں رابع کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گذری مگر اس قاعدہ کی تصریح ہے کہ راویات ففقہیہ کے مفاہمت حجت ہیں، اس بناء پر اوپر کی روایات سے یہ قید لازم ہے"۔ (إمداد الفتاوی، کتاب الربا، رسالہ رافع الضنک عن منافع البنک: ۱۵۷/۳، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

ترجمہ:

"دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے کہ جس میں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہو اور دارالحرب سے وہ ملک مراد ہے، جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری اور وہ اس کے تسلط میں ہو۔ اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم بالکل جاری نہیں اور رؤسائے نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے۔ احکامِ کفر کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری اور رعایا کے بندوبست کے مقدمہ، ٹیکس اور مالِ تجارت سے عشر وصول کرنے چور اور ڈاکوؤں کے انتظام، لڑائی جھگڑوں کے فیصلہ کرنے اور جرائم کی سزاء دینے میں کفار خود حاکم ہوں اگرچہ بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ عیدین، اذان اور گائے کے ذبح کے ساتھ تعرض نہ کرتے ہوں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک ہدر کے درجہ میں ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بے تکلف منہدم کراتے ہیں۔

اور کوئی مسلمان ذمی بغیر ان سے امن لئے اس شہر میں اور اس کے گرد ونواح میں نہیں آسکتا، اپنے فائدہ کی خاطر آنے والوں سے مسافروں سے اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے، دوسرے بڑے حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتے، اور اس شہر سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد لکھنؤ واور رام پور میں اپنی مصلحت اور اس طرف کے مالکوں کے فرمانبرداری ہونے کی وجہ سے اپنے احکام انہوں نے جاری نہیں کئے ہیں۔ .... =

....

= فتاوی عزیزیہ،ص:۱۷،وص: ۱۱۵، پرتحریر فرماتے ہیں: اورا صح بات یہ ہے کہ دارالاسلام دارالحرب ہوجاتا ہےاس میں اختلاف ہے کہ کیسے ہوسکتا ہے؟ایک جماعت کہتی ہے کہ شعائرِ اسلام سے اگر ایک چیز بھی روک دی جائے مثلاً اذان اورختنہ تو وہ دارالحرب ہوجاتا ہے۔ اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ دارالاسلام دارالحرب بن جانے کامدار شعائرِ اسلام مٹ جانے پرنہیں بلکہ جس جگہ شعائرِ کفر بے کھٹکے اعلان کے ساتھ موجود ہوں، وہ دارالحرب ہوجاتا ہے، اگر چہ شعائرِ اسلام برقرار رہیں۔

تیسری جماعت اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتی ہے کہ دارالحرب کی تعریف یہ ہے: ’’کوئی مسلمان اورذمی پہلے امان کے ساتھ مامون نہ رہے، چاہے بعض شعائرِ اسلام متروک ہوئے ہوں یانہیں، اور چاہے شعائرِ کفر علی الاعلان ہوں، یانہ ہوں‘‘ اوراسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے۔ اوراس تقدیر پرانگریزاوران جیسوں کی آبادی بلاشبہ دارالحرب ہے،الخ‘‘۔

’’سیر الاصل لابی الیسر میں ہے کہ دارالاسلام اس وقت تک دارالحرب نہیں بنتا جب تک وہ تمام چیزیں جن سے دارالاسلام بنتا ہے باطل نہ ہوجائیں، اس لئے کہ حکم جب کسی علت کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے تو جب تک اس علت میں سے کچھ بھی باقی رہے وہ حکم بتمامہ باقی رہتا ہے۔اور منشور میں ہے کہ دارالاسلام کامدار احکامِ اسلام کے جاری ہونے پر ہے، پس جب تک کوئی علاقہ علائقِ اسلام میں سے باقی رہے گا اس وقت تک جانبِ اسلام کوترجیح دی جائے گی‘‘۔

’’اوروہ شہر جوآج کفار کے قبضہ میں ہیں، بلاشبہ وہ بلاد اسلام ہیں کیونکہ یہ شہر دارالحرب کے شہروں کے ساتھ متصل نہیں ہیں، اس کے بعد کہ انہوں نے اس میں احکامِ کفر ظاہر نہیں کئے، بلکہ قضاۃ (فیصلہ کرنے والے) مسلمان ہیں، لیکن وہ شہر جن پر کوئی حاکم ان کی طرف سے مقرر ہے تو اس کی وجہ سے بھی جمعہ واعیاد کا مقرر کرنا، خراج لینا، قاضیوں کی تقلید، بیواؤں کی شادی کرنا جائز ہے، لیکن وہ شہر جن پر تمام حکام ہی کافر مقرر ہیں ان میں بھی جمعہ واعیاد کا قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے جس کو قاضی مقرر کرلیا جائے وہ قاضی ہوگا اور یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ کچھ بھی علت باقی رہنے سے حکم باقی رہے گا۔

اور تاتاریوں کے استیلاء سے قبل ہم نے ان دیار کے دیار اسلام میں سے ہونے کا حکم کیا تھا اوران کے استیلاء کے بعد جمعہ وجماعات کا اعلان اور مقتضی شریعت کے مطابق حکم کرنا، فتوی دینا، درس دینا، ان کے بادشاہوں کی طرف سے نکیر کے بغیر شائع ہے، پس اس کے دارالحرب میں سے ہونے کے =

غیر مسلم سے سود لینا

سوال[۷۹۵۸]: زمین دار کاشتکار پر دعوی دائر کرتا ہے لگان داخل نہ کرنے کا اور حکومت فیصلہ کے بعد زمیندار کو کاشت کار سے جمع مع سود کے دلواتی ہے۔ اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو حکومت کی مالگذاری میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں دے سکتے تو کس مصرف میں صرف کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کاشت کار مسلمان ہے تو اس سے سود لینا درست نہیں (۱)، اگر حکومت نے دلوادیا تو اسے واپس کردے (۲)، اگر کاشتکار غیر مسلم ہے تو ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی تقدیر پر طرفین کے قول کی بناء پر سود

= حکم کرنے کی دراست ''وداریت'' کی طرف نظر کرتے ہوئے کوئی وجہ نہیں۔ اور شرابوں کے بیچنے کا اعلان اور نوائب وٹیکس کا لینا اور نقضِ عہد کا حکم رسم تار کے مطابق بنو قریظہ کے طاغوت کو طلب کرنے کے اعلان کے مثل ہے، اور وہ (بنو قریظہ) اس کے باوجود بلاشبہ اسلامی شہر تھا۔

اور حلوانی نے ذکر کیا ہے کہ دارالحرب صرف احکامِ کفر جاری ہونے سے ہوتا ہے کہ اس میں احکامِ اسلام میں سے کسی حکم کے مطابق حکم نہ کیا جاتا ہو اور اس چیز سے کہ وہ دارالحرب سے مل جائے اور اس چیز سے کہ اس میں کوئی مسلمان وذمی امانِ سابق سے امن والا نہ رہے۔ پس جب یہ تمام شرطیں پائی جائیں تو وہ دارالحرب ہو جائے گا اور دلائل وشرائط کے تعارض کے وقت جو تھا وہی باقی رہے گا''۔ یا احتیاطاً جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی، اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے احکام اور اہلِ شرک کے احکام دونوں جاری نہ ہوں تو وہ دارالحرب نہیں ہوگا''۔

(۱) قال الله تعالی: ﴿وأحل الله البیع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام البغوی رحمه الله تعالیٰ: "﴿بالباطل﴾ بالحرام: یعنی بالربا والقمار". (معالم التنزیل: ۵۰/۲، قدیمی)

"ولا بین حربی ومسلم". (الدرالمختار). "احترز بالحربی عن المسلم الأصلی والذمی، وکذا عن المسلم .... فإنه لیس للمسلم أن یرابی معه اتفاقاً". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الربا، مطلب فی استقراض الدراهم عددا: ۱۸۶/۵، سعید)

(۲) "ان سبیل التوبة مما بید من الأموال الحرام إن کانت من الربا، فلیردّها علی من أربی علیه، ویطلبه =

لینا درست ہے، پھر اس کو اپنے کام میں لانا اور مالگذاری میں دینا بھی درست ہے:

"لاربوا بين مسلم وحربي ثمة ؛ لأن ماله ثمة مباح". درمختار۔ "(قوله: ثمة): أي في دار الحرب". ردالمحتار: ۲۰۹/٤(۱)۔

مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول احوط ہے کہ ان کے نزدیک سود کی بالکل اجازت نہیں (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

سودی قرض کی گنجائش کس صورت میں ہے؟

سوال[۷۹۵۹]: وہ کون سی ضرورت ہے جس میں سودی قرض لینا جائز ہے؟

= إن لم يكن حاضراً". (الجامع لأحكام القران للقرطبي، (سورة البقرة: ۲۷۹) :۲۴۸/۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ويردّونها على أربا بها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۹/۵، سعيد)

(۱) (ردالمحتار: ۱۸٦/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۲۳/۴، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل: في شرائط جريان الربا: ۸۱/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولو سلمنا جواز الربا بين المسلم والحربي في الهند، فلاريب أن جانب الاحتياط والتوقي عنه أولىٰ وأحرىٰ". (إعلاء السنن: ۳٦۸/۱۴، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، تحقيق كون الهند دارالحرب، أو دارالإسلام، الخ، إدارة القرآن، كراچی)

"عن النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعته يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول -وأهوى النعمان بإصبعيه إلى أذنيه-: "إن الحلال بيّن وإن الحرام بيّن، وبينهما مشتبهات لايعلمهن كثيرٌ من الناس، فمن اتقى الشبهات، استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام". (الصحيح لمسلم: ۲۸/۲، كتاب المساقاة والمزارعة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نا قابلِ برداشت مجبوری کےوقت سود لینے سے گناہ نہ ہونے کی توقع ہے،ھکذا حکم سائر المحرمات(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

توبہ کے بعد سودی مال کا حکم

سوال[۷۹۶۰]: کسی کے یہاں سود کا کام ہوتا رہا ہے،اب اس کا کہنا ہے کہ میں نے سود ترک

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله، فمن اضطر غير باغ ولاعاد، فلا إثم عليه، إن الله غفور رحيم﴾ (سورة البقرة: ۱۷۳)

"وفی القنية من الكراهية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (البحرالرائق: ۲/۱۱۱۶، كتاب البيوع، رشيديه)

"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسة، قديمى)

"وإذا كان لإنسان حاجة أو ضرورة ملحّة اقتضت معطى الفائدة أن يلجأ إلى هذا الأمر، فإن الإثم فی هذا الحال يكون على آخذ الربا. (الفائدة) وحده، وهذابشرط أن تكون هناک حاجة أو ضرورة حقة لامجرد توسع فی الكماليات أو أمور يُستغنیٰ عنها". (الحلال والحرام فی الإسلام ليوسف، القرضاوی، ص: ۲۱۹، بيروت)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة ،ص: ۲۹، مادن نمبر: ۲۱)

(وكذا فی الأشباه والنظائر، ص: ۸۷، الفن الأول ، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن، كراچی)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۲۱)، ص: ۲۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أوخاصةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الأشبا والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، القاعده الخامسه. إدارة القرآن كراچی)

کردیا ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا جمع ہوا مال پاک ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اس کے یہاں دعوت کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جتنی مقدار سود کی لی ہے اس کو واپس کردے، بقیہ سے کھانا اور کھلانا سب درست ہے، کذا فی ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔



---

(۱) "ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل فی البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"ان سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام، إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً. فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلک عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی، (سورة البقرة: ۲۷۹): ۳۴۸/۳، دارإحياء التراث العربی بيروت)

"إن من شرط التوبة: أن تردّ الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلک فی المال، وجب أداء ه عيناً أو ديناً مادام مقدوراً عليه". (القواعد للزركشی: ۲۴۵/۲، بيروت)

فصل فی مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

بینک کے سود کا مصرف

سوال[۷۹۶۱]: بینک یا ڈاکخانہ میں پبلک اپنی آمدنی کی پس انداز رقم جمع رکھتے ہیں، اس جمع رقم پر جو فاضل رقم (جس کو سود کہتے ہیں) دی جاتی ہے، از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اسے چھوڑ دیا جائے یا لے کر صدقہ کر دیا جائے؟ جواب بالدلائل مرحمت فرمائیں۔

سید محمود، بی، اے، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جن حضرات علماء کے نزدیک دارالحرب میں حربی سے سود لینا درست ہے، ان کے نزدیک اس فاضل رقم کو خود استعمال کرنا بھی درست ہے۔ اور جن کے نزدیک درست نہیں، ان کے نزدیک خود استعمال کرنا بھی درست نہیں۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ بینک یا ڈاکخانہ میں کوئی رقم جمع ہی نہ کی جائے (۱)، اگر جمع کر دی ہے تو فاضل رقم وہاں سے وصول کر کے غرباء کو دیدی جائے اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے محفوظ

---

(۱) "عن الشعبي قال: سمعت النعمان بن بشير –ولا أسمع أحداً بعده– يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الحلال بيّنٌ، وإن الحرام بيّنٌ، وبينهما أمور متشابهات". وأحياناً يقول: "مشتبهة، وسأضرب في ذلك مثلاً: إن لله حمىً حِمىً وإن حمى الله محارمه، وإنه من يرعى حول الحمى يوشك أن يخالطه، وإنه من يخالط الريبة يوشك أن يجسر". (سنن أبي داود: ۱۱۶/۲، كتاب البيوع، باب في اجتناب الشبهات، إمداديه)

وقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك". (فيض القدير: ۳۲۲۵/۶، (رقم الحديث: ۴۲۱۱)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

رکھے، یہی احوط ہے(۱)۔ اگر سرکاری محکمہ سے سود کی رقم حاصل ہوئی تو اس کو غیر واجبی ٹیکس میں ادا کرنا بھی درست ہے، بلکہ صدقہ سے مقدم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۷۹۶۲]: بینک کا سُود اگر کوئی شخص لینے کو تیار نہ ہو تو بھی حکومت زبردستی دیتی ہے، تو اس کو لینا حکومت کے قوانین کے مطابق ضروری ہے یا نہیں؟ دریں صورت کیا کرنا چاہیے، اس کا مصرف کیا ہے؟

---

(۱) "لایقصد به: أی بالتصدق من المال الخبیث تحصیل الثواب، بل تفریغ الذمة". (مجموعة الفتاوی، ۲/۲۲۷، سعید)

"قال شیخنا: ویستفاد من کتب فقهائنا کالهدایة وغیرها: أن من ملک بملک خبیث، ولم یمکنه الرد إلی المالک، فسبیله التصدقُ علی الفقراء .... قال: إن المتصدق بمثله ینبغی أن ینوی به فراغ ذمته، ولایرجو به المثوبة". (معارف السنن، ۱/۳۴، أبواب الطهارة، باب ماجاء: لاتقبل صلاة بغیر طهور، سعید)

"ویردّونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصد ق إذا تعذر الرد علی صاحبه". (ردالمحتار: ۶/۳۸۵، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(۲) وہ ٹیکس جس کا حکومت کو دینا واجب ہو، اس میں ادا کرنا جائز نہیں جب کہ یہ ٹیکس جائز طور پر لگایا گیا ہو، اور اگر ناجائز طور پر ظالمانہ ٹیکس ہو تو اس میں ادا کرنا جائز ہے:

"شمل الردّ حکماً لما فی جامع الفصولین: وضع المغصوب بین یدی مالکه، برئ وإن لم یوجد حقیقة القبض". (ردالمحتار: ۶/۱۸۲، کتاب الغصب، سعید)

"غصب دراهم إنسان من کیسه، ثم ردها فیه بلاعلمه، برئ، وکذالوسلمه إلیه بجهة أخری کهبة، وإیداع، وشراء، وکذا لوأطعمه فأکله". (الدرالمختار: ۶/۱۸۲، کتاب الغصب، سعید)

"کما أن الضرائب التی تفرض علی المسلمین إذاکانت جائزةً، فإنه لاینبغی أن یعالج جورها بأسلوب محرم لایقرّه الشرع؛ لأن الحرام لایواجه بالحرام، فالمسلم الزانی لایعاقب بالاعتداء علی عرضه، بل یجلده أو رجمه، والمسلم السارق لا یواجه بسرقة ماله بل یقطع یده والضرائب الجائزة لاتواجه بالفائدة الربویة". (أحکام المال الحرام، ص ۳۳۱، ۳۳۳، بیروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

سرکاری بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم غیر واجبی ٹیکس میں سرکار ہی کو دیدی جائے، یا پھر محتاج غرباء کو دیدے ثواب کی نیت نہ کرے، کذا فی رد المحتار، کتاب الزکوۃ (۱) وکتاب البیوع (۲) وکتاب الغصب (۳) وکتاب الحظر والإباحة (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بینک کا سود اور زکوۃ سادات کو دینا

سوال[۷۹۶۳]: پچھلے دنوں شری وردھن سے ایک استفتاء بھیجا گیا تھا، اس سلسلہ میں چند باتیں دریافت طلب ہیں، سوال یہ تھا کہ: ''بینک جو سود دیتا ہے وہ لیا جائے یا نہیں؟ لینے کی صورت میں کیا کیا جائے، ضائع کیا جائے یا غرباء کو دیا جائے، غرباء میں سادات کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اسکول کی تعمیر یا اسکول کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء یا عام لوگوں کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب کا ماحصل یہ ہے کہ: ''بینک سے ملنے والا سود لیا جائے، غرباء کو دیا جائے، غرباء میں سادات اور دینی مدارس کے طلباء کو دینا بالکل درست ہے، لیکن اسکول کی تعمیر، اسکول کے لئے پیشاب خانے، بیت الخلاء بنانا بالکل درست نہیں''۔

اب سوال یہ ہے کہ کہ بینک جو سود دیتی ہے کیا وہ اس سود کی تعریف میں نہیں آتا جو قرآن میں مذکور ہے، یعنی بینک کا سود، سود ہے یا نہیں، جبکہ اس کی حرمت کے فتوے دیئے جاتے تھے؟ اگر بینک کا سود حرام ہے یا اشد فی الحرمة ہے تو سادات اور علومِ دینیہ کے طلباء کے لئے بالکل درست اور اسکول اور اس کی ضرورت کے لئے ناجائز کیوں ہے؟

---

(۱) ''ولو نوى في المال الخبيث الذي وجبت صدقته أن يقع عن الزكوة وقع عنها، اهـ: أي نوى في الذي وجب التصدق به، لجهل أربابه''. (ردالمحتار: ۲/۲۹۲، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام، سعيد)

(۲) (ردالمحتار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً، سعيد)

(۳) (ردالمحتار: ۶/۱۸۹، كتاب الغصب، سعيد)

(۴) (ردالمحتار: ۶/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کی حرمت منصوص بنصِ قطعی ہے (۱)، بینک کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا، اس لئے وہ حرام ہے۔ بینک سے اگر سود وصول نہ کیا جائے تو وہ خلافِ اسلام مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے، جس کا ضرر ظاہر ہے، اس کو ضرر سے تحفظ کے لئے وہاں سے وصول کرلیا جائے (۲)، پھر خود استعمال نہ کیا جائے کیونکہ حرام ہے، حرام مال واجب التصدق ہوتا ہے، جو شخص ایسے واجب التصدق مال کا مستحق ہو اس کو دیدیا جائے (۳)، جو غرباء طلباء وغیرہ ایسے ہوں کہ اس کے گذارے کی کوئی صورت نہ ہو، وہ اس کے مستحق ہیں۔

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے، اس لئے ان کو زکوۃ وصدقاتِ واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے، کیونکہ ایسا مال اوساخ الناس کہلاتا ہے (۴)، لیکن جو سادات اس قدر حاجت مند ہوں کہ گذارے کے لئے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أحل الله البیع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وما اٰتیتم من ربوا لیربو فی أموال الناس، فلایربوا عند الله﴾ (سورة آل عمران: ۳۹)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "والسبیل فی المعاصی ردها، وذلک ههنا برد المأخوذ إن تمکن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم یعرفه، لیصل إلیه نفع ماله إن کان لایصل إلیه عین ماله". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۴۹، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر، رشیدیه)

"سئلت فیمن یملک نصاباً من حرام هل علیه فیه الزکوٰة؟ الجواب: لاتجب علیه فیه الزکوٰة، بل یلزمه التصدق بجمیعه علی الفقراء لابنیة الثواب إن لم یکن صاحبُ المال موجوداً". (الفتاوی الکاملیة، ص: ۱۵، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، باب زکوة الغنم، مطلب فی التصدق من المال الحرام: ۲/۲۹۲، سعید)

(۴) "عن المطلب بن ربیعة بن الحارث أنه والفضل بن عباس انطلقا إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال: ثم تکلم أحدنا: یارسول الله! جئناک لتأمرنا علی هذه الصدقات فنصیب مایصیب الناس من المنفعة، ونؤدی إلیک مایؤدی الناس، فقال: "إن الصدقة لاتنبغی لمحمد، ولاٰلِ محمد، إنما هی أوساخ الناس". .... =

بھیک مانگنے پر مجبور ہوجائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شافعیہ میں سے امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو درست قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ لینے میں جس قدر ان کے احترام پر زد پڑتی ہے اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے(۱)، یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے، اس بڑی ذلت سے بچانے کے لئے اگر اس کو زکوٰۃ دیدی جائے، تو یہ اہون ہے۔

اگر چہ یہ قول ظاہر الروایت ہے، اور عامۃً اس کو فتوی کے لئے اختیار نہیں کیا جاتا، لیکن سخت مجبوری اور محتاجگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے کلام کا خلاصہ فیض الباری (۲) اور العرف الشذی میں منقول ہے (۳)۔ تاہم جہاں تک ہوسکے ساداتِ کرام کو اس سے بچانا اعلیٰ وافضل اور ان کے احترام کا تقاضا ہے۔

= "عن علی رضی اللہ تعالی عنہ قال: قلت للعباس: سَلْ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أن مستعملک علی الصدقات نسئلہ فقال: "ماکنت لأستعملک علی غسالۃ ذنوب المسلمین". (إعلاء السنن: ۹/۸۳، کتاب الزکوٰۃ، إدارۃ القرآن، کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۱۸۹، کتاب الزکوۃ، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۳۳۹، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، سعید)

(۱) "واختار الطحاوی دفعھا إلی بنی ھاشم". (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکوۃ، باب المصرف، ص: ۷۲۰، قدیمی)

(۲) "ونقل الطحاوی عن أمالی أبی یوسف أنہ جاز دفع الزکوۃ إلی آل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند فقدان الخمس، فإن فی الخمس حقھم، فإذا لم یوجد صح صرفھا إلیھم .... قلت: وأخذ الزکوۃ عندی أسھل من السؤال، فأفتی بہ أیضاً". (فیض الباری، کتاب الزکوۃ، باب مایذکر فی الصدقۃ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۳/۵۲، حضر راہ بک ڈپو، دیوبند)

(۳) "وفی عقد الجید: أفتی الطحاوی من الحنفیۃ وفخر الدین الرازی من الشافعیۃ بجواز الزکوۃ للھاشمی فی ھذہ الصورۃ". (العرف الشذی علی ھامش جامع الترمذی: ۱/۱۴۳، أبواب الزکوۃ، باب کراھیۃ الصدقۃ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وأھل بیتہ وموالیہ، سعید)

اسکول کی تعمیر اور پیشاب خانے وغیرہ مستحق نہیں ہوتے جو کہ تصدق کا حاصل ہے، اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مستحق کو مالک بنا کر دے دیا جائے، پھر وہ جو دل چاہے، جہاں چاہے خرچ کرے۔ سابقہ فتویٰ نمبر: ۵۰۵۴، ۲۵/۱۱/۹۲ھ، میں اختصار کی وجہ سے تفصیل نہیں آسکی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



فصلٌ فی مایتعلق بالتأمین علی الحیاة

(بیمۂ زندگی کا بیان)

بیمہ کرانا

سوال[۷۶۹۴]: موجودہ زمانہ میں بیمہ کرانا اپنا، یا دوکان اور موٹر وغیرہ کا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیمہ میں سود بھی ہے، اور جوا بھی، یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں، بیمہ بھی ممنوع ہے(۱)، لیکن اگر کوئی شخص

---

(۱) "ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة قمار، وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة، وقد كان مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۴۶۵/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مالَ صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۳/۶، سعيد)

"الربا: هو فضلٌ خالٍ عن عوض بمعيار شرعي، شرط لأحد المتعاقدين في المعاوضة". (ردالمحتار: ۱۶۸/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"وأما الذي يرجع إلى نفس القرض، فهو أن لا يكون فيه جر منفعة، فإن كان، لم يجز، نحو: ما إذا أقرضه دراهماً غلةً على أن يردّ عليه صحاحاً، أو أقرضه وشرط شرطاً له فيه منفعةٌ، لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن قرض جرّ نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا؛ لأنها فضلٌ لا يقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب". (بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل: في الشروط: ۵۹۷/۱۰، ۵۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"والثاني: أنه معلوم أن ربا الجاهلية إنما كان قرضاً مؤجلاً بزيادة مشروطة، فكانت الزيادة =

ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت ہی نہ ہوسکتی ہو، یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= بدلاً من الأجل، فأبطله الله وحرّمه". (أحكام القرآن للجصاص، سورة المائدة، تحت آية: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾: ۱/۴۶۷، دارالكتاب العربى بيروت)

"الربا: هو القرض على أن يؤدى إليه أكثر وأفضل مما أخذ". (حجة الله البالغه: ۲/۲۸۲، الربا سحت باطل، قديمى)

"وروى مالک عن زيد بن أسلم فى تفسير الربا قال: كان الربا فى الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل حق إلى أجل، فإذا حل، قال: أتقضينى، أم تربى؟ فإن قضاه أخذ، وإلا زاد حقه، وزاد الآخر فى الأجل". (فتح القدير، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۳۱۳، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

"الفضل المشروط فى القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبداً؛ لإجماع المجتهدين على حرمته". (إعلاء السنن، رسالة: كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۱۸، إدارة القرآن كراچى)

"وكل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلا خلاف". (إعلاء السنن، رسالة: كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۱۸، إدارة القرآن، كراچى)

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلةلسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، ص:۸۷، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچى)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

البتہ بیمہ کی وجہ سے حاصل ہونے والے منافع کو صدقہ کرنا ضروری ہے: "والسبيل فى المعاصى ردها، وذلک ههنا برد المأخوذ بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فى الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

جان کا بیمہ

سوال[۷۹۶۵]: زندگی کا بیمہ جائز ہے یا نہیں؟ آج کل ہندوستان میں بیمہ زندگی کی بہت کمپنیاں قائم ہوگئیں، جس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیمہ کرائے تو اسے خاص وقت تک کرانا پڑتا ہے اور ششماہی ایک مقرر رقم کمپنی کو دینی پڑتی ہے، مثلاً میں نے، ۲۵/ سال کی عمر میں، ۲۵/ برس کے واسطے اکیس روپیہ، ۷/ رقم ششماہی پر بیمہ زندگی کرایا، اب مجھے ہر ششماہی میں ۲۳/ کمپنی کو دینے پڑتے ہیں، اگر وقت کے ایک مہینہ بعد تک نہ دے تو کمپنی مجبور کرتی ہے، اگر ادا نہ کروں تو رقم سے ناامیدی ہوتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص بیمہ کرانے کے بعد چاہے ابھی ایک ہی قسط ادا کی ہو- مرجاوے تو کمپنی اس کے وارثوں کو جن کا وہ خود نام زندگی میں کمپنی کو دے چکا ہے، مبلغ ایک ہزار روپیہ فوراً ادا کردیتی ہے۔ اور اگر، ۲۵/ برس زندہ رہے اور چندہ وقت پر دیتے رہے تو، ۲۵/ برس کے بعد کمپنی ایک ہزار روپیہ مع منافع تقریباً تین چار سو روپیہ کے اس شخص کو ادا کرتی ہے۔ منافع پانچ سال کے بعد لگایا جاتا ہے اس سال فی ہزار اٹھارہ روپیہ لگایا گیا ہے۔ جواب شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں عقد فاسد اور ناجائز ہے، کیونکہ بیمہ کرانے والے نے جس قدر روپیہ کمپنی کو دیا ہے کمپنی اس سے زائد ادا کردیتی ہے تو زیادتی بیمہ کرانے کی جان کے مقابلے میں ہے، یا مال کے مقابلے میں، اول صورت میں وہ زیادتی ناجائز ہے کیونکہ شرعاً جان متقوم نہیں۔ دوسری صورت میں بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ سود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، ۲۵/ ۵/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زندگی کا بیمہ

سوال[۷۹۶۶]: حکومت انگلینڈ کا قانون ہے کہ کوئی بھی شخص کسی فیکٹری یا دوکان میں کام کرے، یا

---

(۱) (راجع، ص: ۳۷۸، رقم الحاشیۃ: ۱)

خود کاروبار کرے تو بغیر انشورنش کارڈ کے کام نہیں کرسکتا۔ پھر انشورنش سے بنے ہوئے قانون کے مطابق اس کی انگلی وغیرہ کٹ جانے سے اس کو معاوضہ ملتا ہے اور اس کو یا انشورنش والے ''لائف انشورنس'' بولتے ہیں (زندگی کا بیمہ)۔ یہ پیسہ لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ بغیر کاروبار یا فیکٹری یا دوکان کے گزارہ دشوار ہے، اور اس پر یہ قانونی پابندی ہے تو مجبوراً اس بیمہ زندگی میں آدمی کو معذور قرار دیا جائے گا (۱)، تاہم جو رقم پاؤنڈ وغیرہ اس کے داخل کردہ یا تنخواہ سے وضع کردہ رقم سے زائد ہے، اس کو غرباء پر صدقہ کردے، اپنے کام میں نہ لائے (۲)۔ اگر اس قسم کی معذوری اور مجبوری نہ ہوتو ایسے بیمہ کی شرعاً اجازت نہیں (۳)۔ اگر مقصود یہ ہے کہ مالک کو اعتماد حاصل ہو اور کام کرنے والے کے نقصان کے وقت ضرورت سے تلافی کی جائے تو یہ بیمہ کے حکم میں نہیں، بلکہ یہ ان کی طرف سے تبرع واحسان ہے اگرچہ اس کا نام بھی بیمہ ہے۔ انگلی وغیرہ کٹ جانے سے جو رقم ملے اس کا لینا درست ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۹ھ۔

---

(۱) ''الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر''.

(الأشباه والنظائر مع شرحه للحموی، القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، إدارة القرآن کراچی)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

''والحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً''. (شرح المجله لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وكذا فی الأشباه والنظائر، قبيل القاعدة السادسة، ص: ۹۳، قديمی)

(۲) ''والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه''. (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكبرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فی الكسب، رشيديه)

(۳) (راجع، ص: ۳۸۷، رقم الحاشية: ۱)

(۴) یہ ان کی طرف سے تبرع واحسان ہے:

''لاشک فی جواز التأمين التعاونی فی الإسلام؛ لأنه يدخل فی عقود والتبرعات، ومن قبيل =

مسلمان ڈاکٹر کا بیمہ کارپوریشن کے لئے طبی معائنہ

سوال[۷۹۶۷]: کیا کسی مسلمان ڈاکٹر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ بیمۂ زندگی کارپوریشن کی جانب سے مقرر ہوکر ان لوگوں کی صحت کی معائنہ کرے جن کا بیمہ ہوتا ہے؟ ڈاکٹر کو ہر معائنہ کے عوض فیس کارپوریشن کی جانب سے دی جاتی ہے، معائنہ کرنے سے پہلے یا بعد ڈاکٹر کو کوئی مطلب نہیں رہتا، وہ تو صرف ان باتوں کی تصدیق یا تشخیص کرتا ہے جس کا اعلان بیمہ کرانے والا اپنی درخواست میں اپنی صحت کے بارے میں کرتا ہے۔

ہندوستان میں بیمہ کارپوریشن حکومت کی جانب سے چلائے جانے والا ایک ادارہ ہے اور ہندوستان میں جمہوری حکومت ہے۔ متذکرہ بالا طور پر ہوئی آمدنی کو ڈاکٹر اپنے کام میں لاسکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کس مصرف میں صرف کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زندگی کا بیمہ ناجائز ہے(۱)، ڈاکٹر معائنہ کرنے کی فیس لیتا ہے وہ جائز ہے، اس کو ہر کام میں خرچ

= التعاون على البر؛ لأن كل مشترك يدفع اشتراكه بطيب نفس لتخفيف آثار المخاطر وترميم الأضرار التي تصيب أحد المشتركين أياً كان نوع الضرر، سواء في التأمين على الحياة، أو الحوادث الجسمانية". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الرابع: البيع الباطل والبيع الفاسد، حكم التأمين التعاوني: ۳۴۱۶/۵، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا اتقوا الله، وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ الآية. (سورة البقرة: ۲۷۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب الأزلام رجسٌ من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائده: ۹۰)

"عن عبدالله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه". (سنن أبي داؤد: ۴۷۳/۲، باب في آكل الربا، مكتبه دارالحديث ملتان)

"بیمۂ زندگی کے عدم جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں، اس لئے کہ اس میں سود اور غرر (دھوکہ) ہے، سود تو ظاہر ہے اور دھوکہ اس لئے ہے کہ اگر قسطیں ادا کرنی روک دے تو اداشدہ قسطیں بھی ڈوب جاتی ہیں، لہٰذا یہ فاسد در فاسد ہے، مفتی کفایت اللہ فرماتے ہیں: =

کرسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۳/۴ھ۔



=''اشیاء کا بیمہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے کہ یا تو بیمہ دار نے جو رقم بھری ہے وہ بھی گئی یا پھر وہ رقم اپنے ساتھ اور رقم بھی لے آئے گی......الحاصل یہ کہ بیمہ کا کاروبار سود اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے:

قال الله تعالیٰ: ﴿یأیها الذین اٰمنوا اتقوا الله وذروا مابقی من الربوا﴾ الخ. وقال الله تعالیٰ: ﴿إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان﴾ الخ''. وفی الحدیث: ''لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اٰکل الربا ومؤکله وشاهده وکاتبه''. (رواه البخاری)(کفایت المفتی: ۸۲/۸، مکتبہ دارالارشاعت کراچی)

(۱) ''سئل فی رجل به داءٌ فی ظهره، اتفق مع طبیبه علی مداواته، وجعل له أجرةً، ولم یضرب له مدةً ودواءً، یرید الطبیب أجرة مثله، وما أنفقه فی ثمن الأدویة، فهل له ذلک؟ الجواب: نعم، والمسئلة فی الخیریة من الإجارة''. (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱۵۱/۲، کتاب الإجارة، للطبیب أجرة مثله، رشیدیه)

''سئل فی رجل به داءٌ فی أنفه، اتفق مع طبیب علی مداواته، وجعل له أجرةً، ولم یضرب لذلک مدةً، وداواه، فما الحکم؟ أجاب: للطبیب أجرة مثله وما أنفق فی ثمن الأدویة، لفساد الإجارة علی الوجه المذکور''. (الفتاوی الخیریه علی هامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیه: ۱۸۲/۲، کتاب الإجارة، رشیدیه)

فصل فی مایتعلق بصندوق الادّخار

(پراویڈنٹ فنڈ کا بیان)

پراویڈنٹ فنڈ پر زائد رقم

سوال[۷۹۶۸]: پراویڈنٹ فنڈ جو ملازمت سے کٹتا ہے، اس پر سود بھی ملتا ہے اور سود اصل مال میں جڑتا رہتا ہے۔ کیا یہ سود لینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود میں داخل نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) اس لئے کہ مذکورہ رقم درحقیقت تنخواہ ہی کا حصہ ہے: "قوله: بالتعجيل أو بشرطه أو بالاستيفاء أو بالتمكن: يعني لا يملك الأجرة إلا بواحد من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها الموجر إلا بذلك". (البحر الرائق: ۷/۵۱۱، كتاب الإجارة، رشيديه)

"وتستحق بإحدى معاني ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه". (الهداية: ۳/۲۹۲، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها، وكما يجب الأجر باستيفاء المنافع، يجب بالثمن من استيفاء المنافع، إذا كانت الإجارة صحيحةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۳، كتاب الإجارة، الباب الثاني، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم القاعدة: ۴۶۸)، ص: ۲۶۱، ۲۶۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۵۴۹، ۵۵۰، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في إمداد الفتاوى، كتاب الربوا، حکم رقمے کہ بنام سود ملازمان را از سرکار بدست می آید: ۳/۱۴۸، مكتبه دارالعلوم كراچی)

ایضاً

سوال[۷۹۶۹]: جنوری ۱۹۶۳ء کے نظام باب الاستفسار میں ایک استفتاء پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق نظر سے گزرا جس میں تحریر ہے کہ یہ فاضل رقم جو فنڈ کے طور پر ملازمت سے علیحدگی کے بعد ملتی ہے وہ سود میں داخل نہیں۔ اس مسئلہ کی ذرا وضاحت فرما دیجئے۔ فرض کیجئے فنڈ میں تنخواہ سے مبلغ پانچ سو روپے کٹا اور سات یا آٹھ سو روپیہ بعد میں ملا تو پانچ سو سے جو فاضل رقم ہے تو اگر سود نہیں تو اَور کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جزو تنخواہ ملازم نے خود جمع نہیں کیا، بلکہ یہ سلسلہ حکومت نے اپنے قانون کے پیشِ نظر جاری کیا ہے جس سے ملازم کی خیر خواہی مقصود ہے، جب تک اس پر ملازم کا قبضہ نہ ہو یہ ملازم کی ملکیت نہیں، لہٰذا اس پر جو کچھ اضافہ ملتا ہے یہ بھی سود نہ ہوگا (۱)، بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض محکموں میں ملازمت ختم ہونے پر حسن کارکردگی کے صلہ میں پنشن ملتی ہے، اس کو بھی سود نہیں کہاں جاتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔



(۱) (راجع للتخریج المسئلة السابقة)

فصلٌ فی المتفرقات

سودی کاروبار کرنے والی سوسائٹی کا دیا ہوا روپیہ مسجد میں امام وغیرہ کے لئے

سوال[۷۹۷۰]: ا...... چند مسلم حضرات نے مل کر ایک سوسائٹی بنائی ہے اور اس کو گورنمنٹ سے منظور کرا کر رجسٹرڈ بھی کرالیا۔ اس سوسائٹی کا کام پبلک کو روپیہ تقسیم کرنا اور قسط کی صورت میں مع سود وصول کرنا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان صاحبان کی کمائی محض سود کی ہے۔ کیا یہ سوسائٹی یا کوئی منفرد بطور چندہ کے مسجد، عربی مدرسہ، اور رمضان شریف کی شب قدر وغیرہ میں کچھ رقم دینا چاہیں تو اس کو قبول کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر دے بھی دی ہے تو کیا متولی اس رقم کو مندرجہ بالا تینوں قسم کی مد میں استعمال کرسکتا ہے؟ اور شب قدر کے موقع پر حافظ جی یا امام مسجد اس کو لے لے تو اس پر کیا اثر پڑے گا؟

۲...... کیا سوسائٹی اپنے دیگر دوست واحباب مسلمانوں کو جو اس سوسائٹی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں ان کو کسی کھانے پینے کی دعوت پر مدعو کرسکتے ہیں، اور ان کے یہاں کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

۳...... اگر اس سوسائٹی کی شاخ کسی دوسرے شہر یا قریہ میں کام کر رہی ہو اور اس شاخ کے کام چلانے والے بجائے سوسائٹی کے ممبر کے ملازم کی حیثیت سے کام کرتے ہوں اور یہ ملازمین پڑوسی اور دیگر احباب کی دعوت کریں، یا ان کے گھروں پر کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھیجیں تو کیا اس کو قبول کرنا چاہیئے؟

۴...... اگر یہی ملازمین نمبر ایک کی طرح مسجد، عربی مدرسہ اور شب قدر وغیرہ کا چندہ دینا چاہیں تو کیا اس کو قبول کرنا چاہیئے یا نہیں؟

یہاں پر کچھ صاحبان کا یہ خیال ہے کہ چونکہ سوسائٹی کے ممبران اپنا پیسہ بقدرِ حصہ لگا کر ایک فنڈ قائم کرتے ہیں اور پھر اس پیسے سے سودی کاروبار کرتے ہیں، لھذا ان کی حیثیت اور ملازمین کی حیثیت میں فرق ہے، کیونکہ ملازمین کا پیسہ فنڈ میں شامل نہیں ہے، البتہ ان کی تنخواہ سود کے پیسہ سے ہی دی جاتی ہے۔ ان تمام حضرات کی بظاہر کوئی دوسری آمدنی کی صورت نہیں ہے۔

۵...... ہمارے اس شہر میں ایسی ہی ایک شاخ ہے جس میں ملازمین بھی کام کرتے ہیں اور غالباً کبھی سوسائٹی کے ایک دوممبران بھی آکر یہی کام کرنے لگتے ہیں۔ گذشتہ رمضان المبارک کے مہینہ میں، ستائیسویں یعنی شب قدر کے ختم قرآن کے موقع پران ملازمین نے کچھ چندہ دیا جس کومتولی نے قبول کیا اور حافظ جی کوایک رقم دی، حافظ جی نے اس رقم میں سے وہ رقم واپس کردی جوکہ ملازمین نے چندہ کی صورت میں دی تھی۔ کیا حافظ جی کوایسا کرنا چاہیئے تھا؟ متولیان یہ پیسہ کہیں سے لائے ہوں ان کی ذمہ داری ہے، حافظ جی کا خود براہ راست اس پیسہ سے کوئی واسطہ نہیں تھا، کیونکہ ان کو بذریعۂ متولی ملا تھا۔ وضاحت فرمایئے گا۔

۶......اس شاخ نے چند مسلم احباب کی دعوت بھی کی اور کچھ نے کھایا اور کچھ نے نہیں کھایا اور کہا ان کے یہاں کھانا جائز تھا، نہ کھانے والے کہتے ہیں کہ یہ سودخورلوگ ہیں۔ اور کھانے والے حضرات کہتے ہیں کہ دعوت وغیرہ ملازمین نے اپنی تنخواہ سے کی ہے، حالانکہ ان کی تنخواہ سود ہی کی رقم سے دی جاتی ہے۔ وضاحت فرمایئے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......سود کا روپیہ مسجد، شب قدر وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)، اگر اصل مالک کوواپس نہ کیا جاسکے

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن الله طيب لايقبل إلا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمی)

قال العلامة الملا على القاری رحمه الله تعالیٰ: "(إلا طيباً): أی منزهاً عن العيوب الشرعية والأغراض الفاسدة فی النية. قال القاضی رحمه الله تعالیٰ: الطيب ضد الخبيث، فإذا وصف به تعالیٰ أريد به أنه منزه عن النقائص، مقدس عن الأفات، وإذا وصف به العبد مطلقاً أريد به أنه المتعری عن رزائل الأخلاق، وقبائح الأعمال، والمتحلی بأضداد ذلک، وإذا وصف به الأموال أريد به كونه حلالاً من خيار الأموال ومعنی الحديث أنه تعالیٰ منزه عن العيوب، فلا يقبل، ولا ينبغی أن يتقرب إليه إلا بما يناسبه فی هذا المعنی، وهو خيار أموالكم الحلال كما قال تعالیٰ: ﴿لن تنالوا البرّ حتی تنفقوا مما تحبون﴾ (وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين) "ما" موصولة، والمراد بها أكل الحلال، وتحسين الأموال". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، (رقم الحديث: =

تو غرباء پر صدقہ کردیا جائے، غریب طلباء پر بھی صَرف کیا جاسکتا ہے، ان کے کھانے کپڑے کے لئے دیدیا جائے (۱)، عربی مدرسہ وغیرہ کی تعمیر یا تنخواہ میں دینا درست نہیں (۲)۔

۲......جس دعوت میں سود کا کھانا کھلایا جائے اس کو ہرگز قبول نہ کرے (۳)، ایسا کھانا غریبوں کو بطورِ

= ۲۷۶۰): ۶/۴۰۷، رشیدیه)

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، مطلب في أحكام المساجد، سعيد)

(۱) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة البقرة: ۲۷۹) : ۳/۲۴۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"ان من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أدائه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲/۲۴۵، بيروت)

"ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"سئلت في من يملك نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لاتجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحبُ المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(۲) مال حرام ہاتھ میں آنے سے ملک نہیں آتا، اور چونکہ تنخواہ اجرت ہے اور اجرت اپنی ملکیت سے دی جاتی ہے، لہٰذا یہاں بھی اس سے تنخواہ دینا درست نہیں:

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً، أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، =

صدقہ دیدیا جائے (۱)۔

۳...... جو شخص سود لینے دینے کی ملازمت کرے اور اس کو تنخواہ سود میں سے ملے، اسی میں سے کھلائے تو اس کا کھانا درست نہیں، وہ غریبوں کا حق ہے (۲)۔

۴...... ملازم ہو یا غیر ملازم جس کے پاس بھی سود کا پیسہ ہو، سب کا ایک ہی حکم ہے (۳)۔

= فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۵/۳۴۲، الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات، رشيديه)

"سئل الفقيه أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمراء السلطان ومن الغرامات المحرمات وغير ذلك، هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إليّ فی دينه أن لايأكل، ويسعه حكماً إن لم يكن ذلك الطعام غصباً أو رشوةً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(۱) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی، (سورة البقرة: ۲۷۹) : ۳/۲۴۸، دارإحياء التراث العربی بيروت)

"ان من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أدائه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا نصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشی: ۲/۲۴۵، بيروت)

"ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"سئلت فی من يملک نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لاتجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحبُ المال موجوداً". (الفتاوی الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فی الكسب، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۳۹۷، رقم الحاشية: ۳)

(۳) عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن الله طيب =

۵......جب حافظ صاحب کو معلوم ہو کہ متولی صاحب نے ان کو امامت کے تحت ناجائز روپیہ دیا ہے تو ان کو واپس ہی کر دینا چاہیئے، یہ توجیہ کافی نہیں کہ متولی کے ہاتھ سے ملا ہے اس نے جہاں سے بھی لاکر دیا ہو، اس توجیہ سے وہ روپیہ حلال نہیں ہوگا۔

۶......سودی روپیہ خواہ تنخواہ میں ملا ہو یا خود سود میں ہو، سب کا حکم ایک ہی ہے، نہ کہ خود کھانا، نہ دوست واحباب کو دعوت میں کھلانا کسی طرح درست نہیں، وہ واپس کیا جائے، یا غریبوں کو دیا جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۰ھ۔

= لایقبل إلا طیباً، وإن الله أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قدیمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "(إلا طیباً): أی منزهاً عن العیوب الشرعیة والأغراض الفاسدة فی النیة. قال القاضی رحمه الله تعالیٰ: الطیب ضد الخبیث، فإذا وصف به تعالیٰ أرید به أنه منزه عن النقائص، مقدس عن الأفات، وإذا وصف به العبد مطلقاً أرید به أنه المتعری عن رزائل الأخلاق، وقبائح الأعمال، والمتحلی بأضداد ذلک، وإذا وصف به الأموال أرید به کونه حلالاً من خیار الأموال ومعنی الحدیث أنه تعالیٰ منزه عن العیوب، فلا یقبل، ولا ینبغی أن یتقرب إلیه إلا بما یناسبه فی هذا المعنی، وهو خیار أموالکم الحلال کما قال تعالیٰ: ﴿لن تنالوا البرّ حتی تنفقوا مما تحبون﴾ (وإن الله أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین) "ما" موصولة، والمراد بها أکل الحلال، وتحسین الأموال". (مرقاة المفاتیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۲۷۶۰): ۶/۸۰۷، رشیدیه)

"قال تاج الشریعة: أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبیثاً، ومالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره؛ لأن الله لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، مطلب فی أحکام المساجد، سعید)

(۱) "إن سبیل التوبة مما بیده من الأموال الحرام إن کانت من ربا، فلیردها علی من أربی علیه، ویطلبه إن لم یکن حاضراً، فإن أیس من وجوده، فلیتصدق بذلک عنه". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، =

اپنے پاس سے پیسہ دے کر سود کا پیسہ رکھنا

سوال[۷۹۱۷]: میرا معمول یہ ہے کہ جب بھی پاس بک میں سودی پیسے کا اندراج ہوتا ہے تو میں سودی رقم کو الگ کر دیتا ہوں، پاس بک میں اصل رقم باقی رہ جاتی ہے، مگر مجھے اس مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہے، شبہ ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ بیع وشراء میں جنس تو متعین ہوتی ہے، ثمن یعنی رقم متعین نہیں ہوتی۔ غالباً اسی طرح پڑھا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کو زکوۃ کے روپے بذریعہ آڈر روانہ کئے جاتے ہیں، وہ روپیہ تو مقامی ڈاکخانہ میں ہی رہ گیا، صرف منی آڈر فارم چلا گیا جس سے وہاں کے ڈاکخانہ نے اپنے یہاں سے رقم کی ادائیگی کرادی، وہ زکوۃ کی رقم تو نہیں پہونچی۔

دوسری نظیر: ایک شخص اپنی سودی رقم نکالنے کے لئے ڈاکخانہ گیا، وہاں کچھ رقم نہیں تھی، تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے صاحب منی آڈر کرنے اور چلے گئے، اب ڈاکخانہ والوں نے اس رقم میں سے سود کی ادائیگی کردی۔ ظاہر ہے کہ یہ رقم سود، سود والے کی نہیں ہے۔ اگر یہ معاملات صحیح قرار دیئے جاتے ہیں تو پھر یہ طریقہ کیوں صحیح نہیں کہ مثلاً ایک ہزار روپے کے سو شامل ہو کر گیارہ سو ہو گئے، اب یہ شخص اپنے پاس سے سو روپے سود کی نیت سے نکالتا ہے اور بینک میں جو سود کا اضافہ ہوا ہے، اصل میں شامل کر کے گیارہ سو روپے کی اصل رقم قرار دیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

= (سورة البقرة: ۲۷۹) : ۲۴۸/۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ان من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أدائه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲۴۵/۲، بيروت)

"ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"سئلت في من يملك نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لاتجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحب المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو نظائر آپ نے پیش کئے ہیں ان کا حاصل بھی وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں، لیکن جس مال کو سود کہہ کر دیا جائے خواہ وہ مال دینے والے کی ملک ہو یا نہ ہو، بظاہر تو سود کا اطلاق اس پر آئے گا جس پر لعنت کی وعیدیں ہے، اب حاصل یہ ہوگا کہ مال حلال کا صدقہ کیا اپنے پاس سے اور جو مال سود کے نام پر ڈاکخانہ بینک سے ملا جو شریعت کی نظر میں حرام ہے اور موجبِ لعنت ہے، اس کو خود کھائے اس سے قلبِ سلیم اجتناب کرتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) بہتر تو یہی ہے کہ معینہ سود کی رقم کو صدقہ کیا جائے، لیکن اگر سودی رقم پر کسی طرح سے مِلک ثابت ہونے کے بعد ذمہ فارغ کرنے کے لئے کسی دوسری رقم کو صدقہ کیا جائے تو ذمہ فارغ ہو جائے گا، کیونکہ نقود میں تعیین نہیں ہوتی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بینکوں والے سودی رقم الگ نہیں دیتے، بلکہ اصل رقم کے ساتھ ملا کر دیتے ہیں:

"لو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملكه؛ لأن الخلط استهلاک إذا لم يمكن تميزه عند أبی حنيفة رحمه الله تعالى، وقوله: أرفق للناس؛ إذ قلّما يخلو مال عن غصب". (الدرالمختار).

"(قوله: لأن الخلط استهلاک): أی بمنزلة أن حق الغير يتعلق بالذمة -فتنبه- لابالأعيان؛ لأنانقول: إنه لماخلطها ملكها، وصار مثلها ديناً فی ذمته، لاعينها". (ردالمحتار: ۲/۲۹۰، كتاب الزكوة، مطلب فيما لوصادر السطان جائزاً، الخ، سعيد)

"مات وكسبه حرام، فالميراث حلال. ثم رمز، وقال: لانأخذ بهذه الرواية، وهو حرام مطلقاً على الورثة -فتنبه- ومفاده الحرمة، وإن لم يعلم أربابه، وينبغی تقييده بما إذاكان عين الحرام، ليوافق مانقلناه، إذ لو اختلط بحيث لا يتميزيملكه ملكاً خبيثاً، لكن لايحل له التصر ف فيه مالم يؤدّ بدله، كما حققناه قبيل باب الزكاة". (ردالمحتار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيما ورث مالاً حراماً، سعيد)

"ثم الخلط أنواع ثلاثة: خلطٌ يتعذر التمييز بعده كخلط الشئ بجنسه، فهذا موجب للضمان؛ لأنه يتعذر به على المالک الوصول إلى عين ملكه". (المبسوط للسرخسی: ۱۱/۹۳، كتاب الوديعة، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

باہم چندہ جمع کر کے رقم پر بولی بولنا

سوال[۷۹۷۲]: ا...... ہمارے محلّہ میں چند ممبران روپیہ رکھا کرتے ہیں مثلاً: ہر ممبر سو روپیہ، ۲۰/ ممبران کے دو ہزار ہوگئے۔ اب اس رقم پر بولی بولی جاتی ہے، جو زیادہ دیتا ہے اس کو دے دیتے ہیں۔ تو اس پر بولی بولنا کیسا ہے، یہ سود تو نہیں ہے؟ یہ جائز ہے یا نہیں، جبکہ وہ روپیہ جمع کر چکا ہے یعنی سو روپیہ، تو پھر بولی بولنا کیا ضروری ہے، اس میں اختلاف ہے؟

۲...... ایک شکل یہ بھی ہے کہ چند ممبران چندہ جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں مثلاً: تین سال تک فی ممبر سو روپیہ ماہانہ دے گا، اگر وہ رقم لینا چاہے تو قلیل سود مثلاً ۳/ پیسہ فی روپیہ کے حساب سے اس میں لے کر کاروبار چلا سکتا ہے اور بعد میں وہ مع سود کے ادا کرے یا مع منافع کے ادا کرے، خواہ نام سود دیا جائے یا منافع۔ تو اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں، اور اس طرح پیشگی جمع کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... یہ صورت ناجائز ہے۔

۲...... یہ صورت بھی ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) دوسرا معاملہ تو صراحۃً سود کا ہے اور پہلا معاملہ چونکہ نقد رقم ادھار سے خریدی جارہی ہے، اسی میں کمی بیشی بھی ہے، لہٰذا یہ بھی سود ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

"وفي حديث ابن رمح: قال نافع: فذهب عبد الله وأنا معه والليثي، حتى دخل على أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، فقال: إن هذا أخبرني أنك تخبر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، وعن بيع الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل. فأشار أبو سعيد بأصبعيه إلى عينيه، وأذنيه، فقال: أبصرت عيناي، وسمعت أذناي رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: "لاتبيعوا الذهب بالذهب، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولاتشفوا بعضه على بعض، ولا تبيعوا شيئاً =

برما میں کفار کے ساتھ ناجائز سودی عقود

سوال[۷۶۷۳]: برما میں بعض عالم کافروں کے ساتھ سودی معاملات کرنا جائز اور سود کھانا حلال اور مردار کا گوشت وغیرہ فروخت کرنا حلال اور سور کے گوشت کی سپلائی کرنا حلال کہتے ہیں۔ ایسے علماء کی شریعت کی نظر میں کیا سزا ہونی چاہیئے، اور اس کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیئے؟ ان کی باتوں کو سن کر جو لوگ مذکورہ کاموں کو کرتے ہیں، ان کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ان عالموں سے جواز کی دلیل دریافت کر کے لکھئے تاکہ اس میں غور کیا جائے۔ ان چیزوں کا ناجائز اور حرام ہونا تو قرآن کریم (۱) وحدیث شریف (۲) اور فقہ سے واضح ہے (۳)، پھر وہ کس بنیاد پر جائز کہتے ہیں۔

= غائباً منه بناجز إلا يداً بيد". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۴، كتاب المساقاة والمزراعة، باب الربا، قديمى)

(والصحيح للبخارى: ۱/۲۹۰، ۲۹۱، كتاب البيوع، باب بيع الفضة بالفضة، قديمى)

(وسنن أبى داؤد: ۲/۱۱۹، كتاب البيوع، باب فى الصرف، إمداديه)

"قال عليه الصلوة والسلام: "كل قرض جرّ منفعةً، فهوربا". (فيض القدير: ۹/۴۴۷۸، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"كل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۹، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جر منفعةً، فهو ربا، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى تكملة فتح الملهم: ۱/۵۷۵، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع، وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) "عن عبد الله بن حنظلة رضى الله تعالىٰ عنه غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلثين زنيةً". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الثالث، قديمى)

(۳) "وأما الذى يرجع إلى نفس القرض، فهو أن لايكون فيه جرمنفعة، فإن كان لم يجز، نحو ما إذا أقرضه دراهم غلةً على أن يرد عليه صحاحاً، أو أقرضه وشرط شرطاً له فيه منفعةٌ، لما روى عن رسول =

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۴ھ۔



= الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه نهى عن قرض جر نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا؛ لأنها فضل لا يقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب". (بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشروط: ۱۰/۵۹۷، ۵۹۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"بطل بيع ماليس بمال، كالدم والميتة والحر والبيع". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۰-۵۲، سعيد)

"وبطل بيع مال غير متقوم كخمر، وخنزير، وميتة لم تمت حتف أنفسها". (تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۵، سعيد)

باب القرض

(قرض کا بیان)

قرض لینے کے بعد چاندی کا بھاؤ بڑھ جانا

سوال [۷۶۷۴]: یوسف کا قرض بشیر پر ہے، غالباً اب سے چودہ پندرہ سال ہوئے اب تک قرض ادا نہ کرسکا، اب دیتا ہے۔ یوسف کہتا ہے کہ جس سال میں نے قرض دیا تھا اس وقت چاندی کا بھاؤ دو یا ڈھائی روپیہ تولہ تھا اب تو میں اتنی چاندی کے نوٹ لوں گا، کم نہیں لے سکتا۔ یہ خیال محمد یوسف کا درست ہے یا نہیں؟

۲...... زید کا قرض بکر پر اس زمانے کا آتا ہے جس زمانے میں چاندی کا روپیہ چلتا تھا، یا اس کا نوٹ تھا، اب بکر ادا کرنا چاہتا ہے، لیکن زید کہتا ہے کہ میں نے تو چاندی کے روپے دیئے تھے، یا تو روپے لاؤ چاندی کے یا اتنی چاندی کے نوٹ لاؤ، ورنہ میں نہیں لیتا۔ زید کا یہ خیال کیسا ہے؟

۳...... ایک شخص اپنا قرض لینا نہیں چاہتا، قرضدار چاہتا ہے کہ دنیا ہی میں دیدے تاکہ قیامت کے دن دینا نہ پڑے، رسوائی نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے، کیسے ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اب سے ۱۴، ۱۵/ برس پہلے قرض جتنے نوٹ لئے تھے اتنے ہی نوٹ واپس کرنے کا حکم ہے (۱)،

---

(۱) "القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تُقضى بأمثالها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم کراچی)

"الديون تُقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك، مطلب: الديون تقضى بأمثالها: ۳/۸۴۸ سعيد)

"الديون تقضى بأمثالها". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۶، الفن الثاني، كتاب المداينات، قديمي)

"هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مثلي ليردّ مثله". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب =

چاندی کا بھاؤ تیز ہوجانے کی وجہ سے قرض کے نوٹ زیادہ لینا درست نہیں (۱)۔

۲......اگر چاندی کے روپے قرض دیئے تھے تو اتنی چاندی (۲) یا اس کی قیمت واپس کی جائے (۳)۔

۳......جس سے جو قرض لیا تھا، اب وہ واپس لینا نہیں چاہتا تو وہ معاف کردے۔ اگر نہ واپس لیتا

= المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

"والذي يتحقق من النظر في دلائل القرآن والسنة و مشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة في القرض هي المثلية في المقدار والكمية، دون المثلية في القيمة والمالية". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دار العلوم كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۶۶، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرض والدين، رشيديه)

(۱) "رجل استقرض من آخر مبلغاً من الدراهم و تصرف بها، ثم غلا سعرها، فهل عليه ردها مثلها؟ الجواب: نعم، ولا ينظر إلى غلاء الدراهم و رخصها". (تنقيح الفتاوى الحامدية، باب القرض: ۱/۲۹۴، رشيديه)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، تنبيه الرقود على مسائل النقود: ۲/۶۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، قال: كنت أبيع الإبل بالبقيع فأبيع بالدنانير و آخذ الدراهم، وأبيع بالدراهم وآخذ الدنانير، آخذ هذه من هذه، وأعطي هذه من هذه، فأتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و هو في بيت حفصة، فقلت: يا رسول الله! رويدك أسئلك أني أبيع الإبل بالبقيع فأبيع بالدنانير وآخذ الدراهم، وأبيع بالدراهم وآخذ الدنانير، وآخذ هذه من هذه، وأعطي هذه من هذه، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لابأس أن تأخذ بسعر يومها مالم تتفرقا و بينكما شئ". (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في اقتضاء الذهب من الورق: ۲/۱۲۰، إمداديه ملتان)

"فذهب أكثر أهل العلم إلى جوازه ومنع من ذلك أبو سلمة بن عبدالرحمن وأبو شبرمة، وكان ابن أبي ليلى يكره ذلك إلا بسعر يومه، ولا يعتبر غيره السعر ولم يبالوا كان ذلك بأغلى أو أرخص من سعر اليوم، انتهى". (بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في اقتضاء الذهب من الورق: ۵/۲۴۶، إمداديه ملتان)

ہے اور نہ معاف کرتا ہے تو مقدارِ قرض اس کے سامنے رکھ دی جائے، پھر اس کا جو دل چاہے کرے، یہ بَری ہوجائے گا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۵/ ۹۲ھ۔

نوٹ قرض لیا پھر سونا گراں ہوگیا

سوال[۷۵۷۵]: نوٹ بنانے والے (گورنمنٹ) دھوکہ کرتی ہے، وہ اس طرح کہ اتنا سونا پاس نہیں ہوتا جتنا کہ وہ نوٹ چھاپ کر ملک میں پھیلاتے ہیں، اشیاء کی گرانی بھی بہت ہے، تو اگر ۳۸ھ میں کسی نے سو روپیہ قرض لیا جب کہ سونا سو روپیہ تولہ تھا تو اب قرض میں سو روپیہ اگر مقروض ادا کرے گا تو سونا ڈھائی سو روپیہ کا ایک تولہ آئے گا۔تو مقروض کس طرح ذمہ سے سبکدوش ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ بنانے والوں نے جو بھی دھوکہ بازی کی ہو اس کے ذمہ دار وہ ہیں۔جن سے نوٹ قرض لیا ہے اس سے نوٹ ہی واپس لینے کا حق ہے، اگر سو کا نوٹ لیا تھا تو سو کا نوٹ واپس کردے، بری الذمہ ہوجائے گا، اس کی گرانی سے اس پر اثر نہیں ہوگا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۲/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة". (ردالمحتار: ۴/ ۵۶۲، كتاب البيوع، مطلب في شروط التخلية، سعيد)

(۲) "ولو استقرض فلوساً نافقةً و قبضها ولم تكسد لكنها رخصت أو غلت، فعليه ردّ مثله ماقبض بلاخلاف". (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في حكم البيع: ۷/ ۲۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"سئلت عن رجل أقرض آخر مقداراً من الريال المحيدى وقت رواجه بثلاثين قرشاً، ثم رد المستقرض له مثل المقدار الذى استقرضه منه بعد أن نزل إلى عشرين قرشاً، فامتنع المقرض من قبوله، وطلب منه صرفها على سعر ثلاثين قرشاً، فهل ليس له ذلك؟ فالجواب أنه ليس له الامتناع من قبول مثل ما دفع .... و في "نتيجة الفتاوى" مانصّه: والمقبوض على وجه القرض مضمون بمثله. وفيها نقلاً عن جامع الفصولين: والواجب في القرض ردّالمثل". (الفتاوى الكاملية، ص: ۹۲، باب القرض، مطلب الواجب في القرض ردالمثل، مكتبه حقانيه پشاور)

ابرائے قرض کے بعد پھر مطالبہ

سوال[۷۶۹۷]: میں نے زید سے راب(۱) کی تجارت کی، اس میں کل رقم ساڑھے تین ہزار کی تھی جو میرے حصہ کی تھی، مگر وہ بے ایمان ہوگئے اور انہوں نے میری رقم دبالی۔ جب وہ حج کو جانے لگے تب میں نے کہا کہ تم صاحبِ ثروت ہو، میری رقم دیدو، مگر انہوں نے حیلہ حوالہ کیا۔ بعدہ میں نے یہ سوچ کر معاف کردی کہ یہ اگر حج سے واپس آ گئے تو دیکھا جائے گا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب دوران گفتگو کہنے لگے کہ مجھے تم معاف کردو گے، میں نے ایک دم ان سے کہہ دیا کہ میں نے معاف کیا اور نیت یہ تھی کہ واپس آ کر خود شرمندہ ہو کر ادا کریں گے۔ اب واپسی پر میں نے مطالبہ کیا تو اب بھی انہوں نے سنی اَن سنی کردی۔

اب سوال یہ ہے کہ زید کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا زید مجھ سے روپیہ معاف کرا کر اللہ کے سامنے جواب دہ نہ ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب رقم معاف کردی ہے تو وہ معاف ہوگئی، اب مطالبہ کا حق نہیں رہا اگر چہ بلا وجہ شرعی کسی کی رقم دبالینا اور باوجود وسعت کے مطالبہ پر بھی واپس نہ کرنا حرام اور ظلم ہے، لیکن آپ کو معاف کردینے کے بعد اب مطالبہ نہیں کرنا چاہئے: "الساقط لا یعود". أشباہ(۲)۔ "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه".

---

(۱) "راب: شیرہ، پتلا گڑ جو اکثر تمبا کو میں پڑتا ہے، گنے کا رس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۹۴، فیروز سنز، لاھور)

(۲) (الأشباہ والنظائر، ص: ۳۱۱، الفن الثالث، بیان أن الساقط لا یعود، قدیمی)

"الساقط لا یعود کما أن المعدوم لا یعود ...... و یتفرع علیها مسائل .... ومنها: لو أبرأ الدائن مدیونه من الدین الذی علیه، سقط الدین، ولا تسمع الدعوی به". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۰، (رقم المادة: ۵۱)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"إذا أبرأ واحد آخر من حق، سقط ذلک الحق، ولا یبقی له أن یدعی به .... هذا إذا کان الحق مما یسقط کالدین". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۸۴۸، (رقم المادة: ۱۵۶۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الإقرار، فصل فی مسائل شتی: ۶۲۴/۵، سعید)

(وکذا فی قواعد الفقه، ص: ۸۳، (رقم القاعدة: ۱۴۴)، الصدف پبلشرز کراچی)

الحدیث(۱). طحاوی شریف(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

چاندی کا روپیہ قرض لیا اور اس کو اب ادا کرنا چاہیں تو کونسا روپیہ ادا کریں

سوال[۷۷۹۷]: عمر کا زید سے لین دین تھا، مثلاً زید کے ذمہ عمر کے ۹۳۶/ روپے اصل تھے اور باقی سود تھا، اس صورت میں عمر نے زید کے اوپر نالش کردی (۳) اور اس پر بڑا بھاری مقدمہ لڑا، دونوں فریق کا کافی روپیہ خرچ ہوا۔ عمر مقدمہ ہار گیا، زید نے عمر کا روپیہ طلب کرنے پر نہیں دیا، لیکن اقرار کرتا رہا۔ زید نے جو روپیہ لیا تھا وہ چاندی کا تھا اور اس وقت وہی سکہ رائج تھا، نوٹ نہیں تھا۔ اب زید کے وارث عمر کے وارثوں کو وہ اصل روپیہ ۹۳۶/ روپے نوٹ کی شکل میں ادا کرنا چاہتے ہیں، مگر عمر کے وارث یہ کہتے ہیں کہ ہمارے چاندی کے روپیہ تھے، ہم تو چاندی ہی کے لیں گے اور جو مقدمہ میں خرچ ہوا ہے اور جو مقدمہ کے ہارنے پر ہم سے ڈگری وصول ہوئی ہے وہ سب لیں گے، کیونکہ روپیہ ہمارے طلب کرنے پر نہیں دیا تھا۔

اب اگر عمر کے وارث اصل رقم نہ لیں جیسا کہ وہ مطالبہ کر رہے ہیں سود وغیرہ کا، اور زید کے وارث سود دینے سے انکار کر رہے ہیں تو اس شکل میں کیا ہوگا؟ زید کو قرض سے نجات کیسے ملے؟ آیا اس روپیہ ۹۳۶/ کو خیرات کردیں یا کیا کریں؟

نوٹ: عمر کے وارث مطالبہ خود نہیں کر رہے بلکہ زید کے وارث دینا چاہتے ہیں۔ اس پر عمر کے وارث سود کا مطالبہ وغیرہ کرتے ہیں۔ اس پر شرعی حکم جو وارد ہوتا ہو اس کو بتلایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے، سود لینے اور دینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) لفظ الطحاوی ھکذا: "عن عمرو ویثربی قال: خطبنا رسول اللہ ﷺ فقال: "لایحل لامرئ من مال أخیه شئ إلا بطیب نفسٍ منه". (الطحاوی، کتاب الکراھیة، باب الرجل یمر بالحائط،اھ: ۳۷۵/۲، سعید)

(۳) "نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۵، فیروز سنز، لاھور)

ہے، اس لئے سود کا مطالبہ ہرگز نہ کیا جاوے، نہ سود اَدا کیا جائے، لہذا سود تو بالکل ختم ہے(۱)۔

جب زید کو اقرار تھا تو مقدمہ عمر کیوں ہار گیا، سمجھ میں نہیں آیا، نیز اقرار کے باوجود مقدمہ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اگر زید کے پاس ادا کرنے کی گنجائش نہیں تھی تو اس کو مہلت دی جاتی، ایسی صورت میں مہلت دینے کا حکم ہے: ﴿وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة﴾ الاية(۲)۔

غالب گمان یہ ہے کہ عدالت میں اقرار نہیں کیا ہوگا اور تحریری ثبوت موجود نہیں ہوگا۔ تاہم جو ہوا ہوا، اب اگر مرحوم مقروض کے ورثاء دینا چاہتے ہیں تو ۹۳۶/ روپے چاندی کا دیں (۳)، اگر یہ دشوار ہو تو اس نوسو چھتیس ۹۳۶/ روپے کی جو اس وقت قیمت ہو وہ دیں (۴) اور جو روپیہ مقدمہ ہارنے پر ڈگری کے تحت وصول کیا

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اٰكل الربوا و موكله و كاتبه و شاهديه وقال: "هم سواء".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءاً، أيسرها أن ينكح الرجل أمّه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، ۲۴۶، باب الربوا ، قديمى)

(۲) (سورة البقرة: ۲۸۰)

"وعن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كان له على رجل حقٌّ، فمن أخّره، كان له بكل يوم صدقة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار ، الفصل الثالث، قديمى)

(۳) "الديون تُقضى بأمثالها". (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، كتاب الأيمان ، سعيد)

"القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تُقضى بأمثالها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص. ۱۷۴، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۴) "وإن كان من المثليات، يلزمه إعطاء مثله .... وإن انقطع المثل بأن لا يوجد في السوق. وإن كان يوجد في البيوت، فقيمته يوم الخصومة: أي وقت القضاء عند الإمام الأعظم". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۹۰، (رقم المادة: ۸۹۱) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولو استقرض الفلوس أو العدالي فكسدت، قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: مثلها كاسدة، ولا يغرم قيمتها. و قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: قيمتها يوم القبض. وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: قيمتها في آخر يوم كانت رائجةً، وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۴/۳، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض والاستصناع ، رشيديه)

گیا ہے وہ دیں (۱) اور یہ سب مقروض کے ترکے سے ادا کریں، اپنے پاس سے ادا کرنا واجب نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۱ھ۔

غیر جنس سے اپنا دَین وصول کرنا

سوال[۷۹۷۸]: ایک صاحب کے ذمہ میرے ٹرک کا کرایہ ۹۵/ روپے باقی تھے، میرے ٹرک ڈرائیور نے ان کی سائیکل چھین لی، اب وہ سائیکل ۱۰/ ماہ سے میرے پاس رکھی ہے، باوجود تلاش کے نہ وہ ملے اور نہ خود آئے۔ سائیکل میں نے استعمال بالکل نہیں کی، کیونکہ وہ بہت خراب حالت میں ہے اور مشکل سے اس کی قیمت پچاس روپے ہوگی۔ کیا میں یہ سائیکل نیو کرنے کے بعد اپنے استعمال میں لاسکتا ہوں، یا فروخت کر کے قیمت اپنے کام میں لاسکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سائیکل جتنی قیمت کی بازار میں ہے، اتنی مقدار گویا کہ آپ نے اپنا روپیہ وصول کرلیا۔ آپ کو اختیار ہے کہ اس کو ٹھیک کراکے استعمال میں لائیں یا فروخت کر کے قیمت استعمال میں لائیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۶/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "المسبّب لا يضمن إلا بالتعمد". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱/۲۵۶، (رقم المادة: ۹۳)، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "وجد دنانير مديونه و له عليه درهم، له أن يأخذه لاتحادهما جنساً في الثمنية .... قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي، عن جده الأشقر، عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم مطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق". (ردالمحتار: ۶/۱۵۱، كتاب الحجر، سعيد)

"قال الحموي: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لاسيما في ديارنا". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۴/۸۶، كتاب الحجر، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۷/۵۴۵۱، كتاب السرقة، رشيديه)

قرض اس کی جنس سے ہی ادا کیا جائے

سوال[۷۹۷۹]: زید نے عمر سے تنگ دستی کی وجہ سے ایک مَن جو قرض لئے تھے، اس وقت بھاؤ بھی ۲۰/ روپیہ تھا، اب اس کو دو سال کا عرصہ ہوگیا۔ عمر اپنے غلہ کا تقاضا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تو چالیس روپے کے بھاؤ لگا لیا ہے۔ تو عمر کو یہ لینا اس طرح سے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک من جَو قرض لئے ہیں، ایک من جَو ہی کی واپسی لازم ہے، اس کی قیمت کا واپس کرنا لازم نہیں، خواہ کچھ ہی نرخ ہو۔ پس چالیس روپے قیمت لگا کر وصول کرنے کا حق نہیں: "الأقراض تُقضیٰ بأمثالها" (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا

سوال[۷۹۸۰]: مالابد منہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی سے قرض لیا کرتے تھے تو کچھ زیادہ دیا کرتے تھے (۲)۔ تو یہ زیادہ دینا بخوشی کیسا ہے؟ لینے والے کے لئے تو سود نہیں ہوگا؟

---

(۱) (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، کتاب الأیمان، سعید)

"والذی یتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة و مشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة فی القرض هی المثلية فی المقدار والكمية، دون المثلية فی القيمة والمالية". (بحوث فی قضایا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم کراچی)

"(هو عقد مخصوص يَرِد علی دفع مثلیّ) خرج القيمی الآخر (ليردّ مثله)". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، کتاب البيوع، فصل فی القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

"الديون تقضی بأمثالها". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۶، الفن الثانی، کتاب المداينات، قديمی)

(۲) "پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں دَین ادا کردے، زیادہ از قدرِ واجب داداے، بجائے نیم وسق یک وسق، وبجائے یک وسق دو وسق دادے، ومی فرمود کہ ایں قدر حق تست، وایں قدر افزونی از من است، ایں زیادہ دادن بے شرط ربوا نیست، جائز است، بلکہ مستحب است"۔ (مالا بد منه فارسی، کتاب التقوی، ص: ۱۰۶، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس سے قرض لیا جاوے واپس کرتے وقت کچھ زیادہ دینا یہ کہہ کر کہ اتنا آپ کا اصل مطالبہ ہے اتنا میری طرف سے زائد ہے، یہ حدیث پاک سے ثابت ہے (۱)، لیکن قرض دینے والے کو پہلے سے اس کا لالچ اور خیال نہ ہونا چاہئے کہ زیادہ ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

غنی شخص کا ادائے قرض میں ٹال مٹول کرنا

سوال [۷۹۸۱]: بعض مالدار لوگ جن کے پاس عالی شان بلڈنگ ہے، باغات ہیں، اراضی ہیں،

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان لرجل علی النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم سن من الإبل، فجاء ه يتقاضاه، فقال: "أعطوه" فطلبوا سنه، فلم يجدو له إلا سناً فوقها، فقال: "أعطوه" فقال: أوفيتنی أوفی الله لک. قال النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن خيار كم أحسنكم قضاءً".

"عن عبد الله بن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: أتيت النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم وهو فی المسجد، قال مِسعر: أراه قال: ضحی، فقال: "صل ركعتين". وكان لی عليه دين، فقضانی و زادنی". (صحيح البخاری: ۱/۳۲۲، باب حسن القضاء، قديمی)

"عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان لی علی النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم دينٌ، فقضا لی وزادنی". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث، قديمی)

"من استقرض شيئاً، فرد أحسن أو أكثر منه من غير شرطه كان محسناً، ويحل ذلک للمقروض. و قال النووی رحمه الله تعالیٰ: يجوز للمقروض أخذ الزيادة، سواء زاد فی الصفة أو فی العدد. ومذهب مالک أن الزيادة فی العدد منهیٌّ عنها، وحجة أصحابنا عموم قوله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "فإن خير الناس أحسنهم قضاءً". و فی الحديث دليل علی أن ردّ الأجود فی القرض أو الدين من السنّة و مكارم الأخلاق، و ليس هو من قرضٍ جر منفعةً". (مرقاة المفاتيح: ۶/۱۱۷، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۲۹۲۵)، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۲۰۲، الباب التاسع عشر فی القرض والاستقراض، رشيديه)

(وكذا فی إعلاء السنن: ۱۴/۵۰۰، كتاب الحوالة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی ردالمحتار: ۵/۱۶۶، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض، سعيد)

اس کے باوجود وہ قرض خواہوں کا قرضہ ادانہیں کرتے ہیں، بلکہ چھڑوانے کے درپے رہتے ہیں۔ کیا وہ "مطل الغنی ظلم"(۱) کے تحت ظالم نہیں؟

۲......اس طرح کے اقدامات سے معاملات کے اندر نادہندگی کا ایک بہت غلط راستہ کھل رہا ہے جو پوری مارکیٹ کے لئے مہلک ہے۔ تو کیا ایسے اغنیاء "من سن سنةً سيئةً فله وزرها و وزرمن عمل بها"(۲). کے مصداق نہیں ہیں؟

۳......ایسے اغنیاء کا جملہ مطالبہ میں کچھ دینا اس شرط پر کہ جملہ مطالبات کی رسیدات بھرپائی لکھ دو(۳)۔ تو ان کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟ اور قرض خواہوں کا محض اغنیاء کے اعزاز میں رسیدات کی بھرپائی، غلط گوئی کے ساتھ صراحۃً جھوٹ ہے یا نہیں؟ اور قرض خواہوں کا جھوٹ لکھنا معصیت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... "مطل الغنی ظلم". الحديث(٤) اور دوسری روایت میں ہے: "لیُّ الواجد يحل عرضه وعقوبته"(٥)۔ اس لئے قرض خواہ کا قرض جلد سے جلد ادا کرنا لازم ہے، اپنے گزارہ میں تنگی وترشی برداشت

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۱، قديمی)

(۲) (سنن ابن ماجه، باب من سن سنة حسنة أو سيئة، ص: ۱۸، قديمی)

(۳) "بھرپائی: پورے داموں کی رسید"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۳۳، فيروز سنز، لاهور)

(۴) "ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مطل الغنی ظلم فإذا، أتبع أحدكم على ملئ فليتبع". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۱، قديمی)

(وصحيح البخاری: ۱/۳۲۳، كتاب فی الاستقراض وأداء الديون، بابٌ: مطل الغنی ظلم، قديمی)

(وجامع الترمذی: ۱/۲۴۰، أبواب البيوع، باب ماجاء فی مطل الغنی ظلم، سعيد)

(۵) "عن الشريد قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لیُّ الواجد يحل عرضه وعقوبته". قال ابن المبارك: "يحل عرضه" يغلظ له عقوبته يحبس له". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثانی، قديمی)

"عن عمر بن الشريد، عن أبيه رضی الله تعالىٰ عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لیُّ الواجد يحل عرضه وعقوبته". (سنن النسائی: ۱/۲۳۳، مطل الغنی، قديمی) =

کرکے ادا کرنا چاہئے۔ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ قرض ہوگیا تھا،حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا تمام مال فروخت کردیا تاکہ قرض ادا کردیا جائے،حتی کہ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خالی رہ گئے،ان کے پاس کچھ بھی نہ رہا(۱)۔

۲......اگر کوئی شخص صاحبِ وسعت ہوکر بھی قرض ادا نہ کرے اور معاف کرانے کی تدابیر اختیار کرے تو وہ یقیناً نادہندہ ہے۔اور اس کو دیکھ کر جو لوگ اس کی روش اختیار کریں گے،اس کا حصہ بھی ان کی کمائی میں ہوگا، موت کا حال معلوم نہیں کہ کب آجائے۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"صاحب الدين مأسورٌ بدينه يشكو إلى ربه الوحدة يوم القيامة". الحديث (۲)۔

جب ایک شخص اپنی زندگی میں وسعت کے باوجود قرض ادا نہیں کرتا تو ورثہ سے بھی یقین نہیں کہ وہ ادا کردیں گے۔

۳......بعض اغنیاء کا یہ طریقہ یقیناً ظلم ہے،قرض خواہ اگر اس مجبوری سے یہ رسید لکھ دے کہ ایسی رسید نہ لکھنے کی صورت میں کچھ بھی وصول نہ ہوگا،سب ہی مارا جائے گا تو وہ ایک حد تک معذور ہے(۳)،بلا مجبوری کے لکھنے سے وہ معصیت کذب میں معاقب ہوگا:﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾(٤)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۸/۱۱/۸۹ھ۔

= (وسنن ابن ماجة، ص: ۱۷۵، باب الحبس في الدين والملازمة، قديمي)

(۱) "وروى أن معاذاً يُدان فأتى غرماءه إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فباع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ماله كلّه في دينه، حتى قام معاذ بغير شئ". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) "واعلم أن الكذب قد يباح، وقد يجب. والضابط فيه .... أن كل مقصود محمود يمكن التوسل إليه بالصدق والكذب جميعاً، فالكذب فيه حرام، وإن أمكن التوصل اليه بالكذب وحدَه فمباحٌ إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب إن وجب تحصيله". (ردالمحتار: ۶/۴۲۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۴) (سورة المائدة: ۲)

حقِ واجب ادا نہ کرنا

سوال[۷۹۸۲]: ایک آدمی نے کہا کہ تم کچھ پیسے دے دو، میں دغا نہیں کروں گا، اس پر حلف اٹھایا، قسم کھائی۔ پھر اس نے کہا کہ اچھا اتار دے، اس نے کہا کہ اتار دی۔ تو اس نے کہا کہ اب کچھ نہیں دیتا۔ ایسے آدمی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص کسی کا حقِ واجب ادا کرنے پر قادر ہو کر بھی ادا نہ کرے وہ ظالم اور غاصب ہے، سخت گنہگار ہے(۱)، قسم نہ کھاتا تب بھی ادا کرنا لازم تھا(۲) قسم اتارنے سے بھی وہ بَری نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۹ھ۔

قرض لے کر واپس نہ کرنا

سوال[۷۹۸۳]: زید اور بکر کا دوستانہ اور برادرانہ تعلق تھا۔ جب بکر پریشان ہوا تو زید نے ازراہ ہمدردی قرض کے طور پر آٹھ سو پچاس روپے دیا مگر اب بکر نے اس روپیہ کی واپسی سے صاف جواب دے دیا ہے۔ زید اس روپیہ کی جب کہ وہ بکر کے پاس تھا زکوۃ بھی ادا کرتا رہا۔

۱......کیا بکر اور اس کے باپ کی نماز یا عبادت قبول ہوگی یا نہیں؟

۲......اگر روپیہ ادا کیے بغیر بکر کا انتقال ہوگیا تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

۳......جو آدمی اس مشورہ میں شریک ہے اس کیا حکم ہے؟

۴......شرعاً بکر کا بائیکاٹ ہونا چاہئے یا نہیں؟

۵......زید کو کیا اجر ملے گا، جیسا کہ زید کا ارادہ اس روپیہ سے حج کرنے کا تھا اور یہ روپیہ ضبط کرلیا، تو زید کا حج قبول ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (راجع، ص: ۴۱۴، رقم الحاشیة: ۴)

(۲) "یجب علی المقترض أن یرد مثل المال الذی اقترضه إن کان المال مثلیاً بالاتفاق". (الفقه الإسلامی وأدلته، المبحث السادس فی أنواع البیوع، الفصل الثانی، القرض: ۵/۳۷۹۳، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر ضرورت اور مصیبت سے مجبور ہو کر قرض لیا اور ادا کرنے کی نیت بھی تھی تو شرعاً یہ کوئی عیب اور معصیت نہیں ہے(۱)، لیکن پھر قرض کی واپسی سے انکار کردینا درست نہیں، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ اگر اب واپس کرنے کے لئے موجود نہیں تو مہلت لے لی جائے۔ لیکن دوسرے کے روپے بالکل مار لینا سخت گناہ ہے(۲)، اگر باوجود قدرت کے نہیں دے گا تو اس کی عبادت مردود نہیں ہوگی بلکہ مقبول ہو کر قرض خواہ کو۔ ملے گی(۳)۔ ناجائز کام کی اعانت بھی ناجائز ہے(۴)۔

۲......اس کی تجہیز و تکفین مسنون طریقہ پر کی جائے اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے، بلا نماز جنازہ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس يُريد أداء ها، أدّى الله عنه، ومن أخذ يريد إتلافها أتلفه الله عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمي)

"ما من عبد كانت له نية في وفاء دينه، إلا كان له من الله عون". (فتح الباري: ۵/۷۰، كتاب الاستقراض والديون، باب من أخذ أموال الناس يريد، قديمي)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانيْ، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء": أي أمر آخر كأخذ ماله أو المنع من الانتفاع به أو هو تعميم بعد تخصيص "فليتحلّله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته". (مرقاة المفاتيح: ۸/۸۴۹، كتاب الآداب، باب الظلم، رشيديه)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. (سورة المائدة: ۲)

قال الحافظ ابن الحجرؒ: "إن الدين لا يخل بالدين .... وأشار إلى بقيته، وهو أنه كان لا يصلي على من عليه الدين، فلما فتحت الفتوح صار يصلي عليه". (فتح الباري، باب الصلوة على من ترك ديناً: ۵/۷۸، قديمي)

دفن نہ کیا جائے (۱)۔

۳......بُرا مشورہ دینا بُرا ہے (۲)۔

۴......اگر اس کے پاس روپیہ موجود ہے اور وہ قرض واپس نہیں کرتا بلکہ ہضم کرنا چاہتا ہے اور بائیکاٹ سے توقع ہے کہ وہ قرض واپس کردے گا تو بائیکاٹ مناسب ہے (۳)۔ اگر اس کے پاس روپیہ موجود نہیں وہ تنگدست اور مفلوک الحال ہے تو اس کو مجبور نہ کیا جائے نہ بائیکاٹ کیا جائے۔ اگر قوم اس کی اعانت کر کے قرض ادا کرے گی تو بہت بڑا اجر ملے گا۔ اگر زید معاف کردے گا تو وہ بھی مستحق اجر ہوگا (۴)۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "مامن مؤمن إلا وأنا أولیٰ به فی الدنيا والأخرة، اقرؤوا إن شئتم: ﴿النبی أولیٰ بالمؤمنين من أنفسهم﴾ فأيما مؤمن مات وترک مالاً فليرثه عصبته من كانوا، ومن ترک ديناً أو ضياعاً فليأتني، فأنا مولاه". (صحيح البخاری، باب الصلوة علی من ترک ديناً: ۱/۳۲۳، قديمی)

(۲) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، قال النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن المستشار مؤتمن". (جامع الترمذی: ۲/۶۲، أبواب الزهد، باب ماجاء فی معيشة أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، سعيد)

(۳) "عن أبی أيوب الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال .... اهـ". قال الملا علی القاری: "قال الخطابی: رخص للمسلم أن يغضب علی أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فيجوز فوق ذلک". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهی عنه من التهاجر، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، (رقم الحديث: ۵۰۲۷)، رشيديه)

"والهجر فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم، وإلا لا .... أی بأن كان الهجر بموجب لايحرم، هذا هو المراد". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموی: ۱/۹۸، الفن الأول، القاعدة الثانية، الأمور بمقاصدها، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "عن أبی اليسر رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت النبی صلی الله تعالیٰ عيه وسلم يقول: "من أنظر معسراً أو وضع عنه، أظله الله فی ظلّه" رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۱، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمی)

۵......اگر حج فرض ہو تو وہ ادا کرنے سے ہی ادا ہوتا ہے(۱)، کسی مصیبت زدہ کی امداد سے نہیں ہوتا اگرچہ کسی مصیبت زدہ کی امداد سے بہت بڑا اجر ملتا ہے(۲)، لہٰذا زید یقیناً ثواب کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱/۱۲/ ۸۵ھ۔

اپنا قرضہ بڑوں اور دوستوں سے مانگنا

سوال[۷۹۸۴]: زید کا قرض کسی ایسے شخص کے ذمہ ہے جس سے وہ اپنا قرض مانگ نہیں سکتا، اس کی عظمت مانع ہے، یا زیادتیٔ تعلق مانع ہے۔ عظمت مانع ہونے کی یہ صورت ہے کہ زید کا قرض کسی اپنے استاد یا پیر یا کسی بڑے کے ذمہ ہے۔ زیادتیٔ تعلق کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص زید کا دوست ہے، اس سے قرض مانگتے ہوئے شرم آتی ہے، لہٰذا زید ان سے مطالبہ تو نہیں کرسکتا۔ اب اگر زید اپنے قرض کے بقدر بلا اجازت چپکے سے اپنے مقروض کے مال میں سے لے لے تو یہ جائز ہے یا نہیں، یا یہ کہ مطالبہ کرے اور پھر وہ مقروض اگر انکار کرے تو زید اپنے قرض کے بقدر لے سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا﴾ (سورة ال عمران: ۹۷)

"واختلف في سقوطه .... إن كان الغالب فيه السلامة من موضع ضدت العادة بركوبه : جب وإلا فلا، وهو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع: ۳/۴۶۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۵۱، رشيديه)

(۲) "عن سليمان بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إلصدقة على المسكين صدقة، وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة". (مشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، باب أفضل الصدقة، الفصل الثاني، ص: ۱۷۱، قديمي)

"عنه أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أفضل الصدقة أن تشبع كبدًا جائعاً". (مشكوة المصابيح، الفصل الثالث، ص: ۱۷۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے مطالبہ کرے، اگر مقروض دینے سے انکار کردے تو پھر دوسرے طریقہ سے وصول کرے(۱)۔ معاملات میں عظمت اور دوستی مانع نہیں ہونی چاہئے، ورنہ تو پھر قرض معاف کرکے ان کو بری الذمہ کردے، اس میں عظمت کی بھی رعایت ہے اور دوستی کی بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۸ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۸ھ۔

ناجائز مال سے قرض وصول کرنا

سوال[۷۹۸۵]: کسی مسلمان قرض خواہ کو کسی قرضدار سے اپنا قرضہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں، خواہ وہ قرضدار مسلمان ہو یا غریب؟ جب کہ اس کو معلوم ہو کہ یہ مال ناجائز طریقہ سے کمایا ہے، یا نامعلوم ہو، ان دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟ فقط۔

عبدالرزاق جالندھری، مقیم حجرہ نالہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامعلوم ہونے کی صورت میں اپنا قرض وصول کرنا درست ہے، اگر اس کا حرام ہونا معلوم ہو تو اس کا لینا غیر مسلم سے درست ہے اور مسلم سے مکروہ ہے:

---

(۱) "رجل له على رجل دراهم فظفر بدراهم مديونه، كان له أن يأخذ دراهم المديون إذا لم تكن دراهم المديون أجود أو لم تكن مؤجلةً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۰۳/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض، رشيديه)

"وجد دنانير مديونه و له عليه درهم، له أن يأخذه، لاتحادهما جنساً في الثمنية. قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق. والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق". (ردالمحتار: ۱۵۱/۶، كتاب الحجر، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۸۶/۴، كتاب الحجر، دار المعرفة، بيروت)

"ولو كان لمسلم على نصراني دينٌ، فباع النصراني خمراً و أخذ بثمنها و قضاه المسلم من دينه، جاز له أخذه؛ لأن بيعه له مباح. ولو كان الدين لمسلم على مسلم فباع المسلم خمراً وأخذ ثمنها وقضاه صاحب الدين، كره له أن يقبض ذلك من دينه، كذا في السراج الوهاج".

فتاوىٰ عالم گيرى: ٤/٢٤٨ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

مال حرام سے قرض ادا کرنا

سوال [۷۹۸۶]: زید شراب کی تجارت اور اس کا کاروبار کرتا ہے، جو کچھ روپیہ پیسہ ساز وسامان اس کے پاس ہے سب کچھ اسی تجارت کی آمدنی سے ہے۔ اب بتوفیقِ الٰہی اپنے اس فعل سے تائب ہوکر اس سے الگ ہونا چاہتا ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ گزران کی صورت کیا ہوگی۔ لہٰذا معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اگر کسی سے بلاسودی قرض لے کر کوئی دوسرا کاروبار کرے جس سے اس کے بال بچوں کا گزران ہو اور قرض کو اس شراب کی

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣٦٧/٥، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرضْ والدين، رشيديه)

"وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه، بخلاف دين على المسلم لبطلانه".
(الدرالمختار مع ردالمحتار: ٣٨٥/٦، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"إذا كان لشخص مسلم دينٌ على مسلم، فباع الذى عليه الدين خمراً وأخذ ثمنها و قضى الدين، لا يحل للمدين أن يأخذ ذلك بدينه. وإن كان البائع كافراً، جاز له أن يأخذ". (البحرالرائق: ٣٦٩/٨، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

"ولو باع مسلم خمراً و أوفىٰ دينه من ثمنها، كره لرب الدين أخذه. وإن كان المديون ذمياً، لا يكره". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ٢١٤/٤، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئٹه)
(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ٢١٤/٤، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)
(وكذا في تبيين الحقائق: ٦٠/٧، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت)
(وكذا في الهداية: ٤٦٨/٤، كتاب الكراهية، إمداديه ملتان)

تجارت کے روپے سے ادا کرے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ جیسا کہ فتاویٰ عبدالحئ میں اس مسئلہ میں استقراض کی شکل کو جائز لکھا ہے(۱) لیکن اس صورت میں یہ اشکال ہے کہ قرض اس مال سے ادا بھی ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ وہ مال تو مالِ غصب کے حکم میں ہے جیسا کہ امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ:

''اصحابِ مال معلوم ہوں تو ان کو لوٹا دیا جائے ورنہ خیرات کر دیا جائے، لیکن نیت ثواب کی نہ رکھی جائے اور اصحاب مال کی طرف سے خیرات کی نیت کی جائے، کیونکہ اس مال کا مالک یہ نہیں ہے''(۲)۔

ایسی صورت میں استقراض کی صورت کیونکر ممکن ہوگی، مال غیر سے قرض کیونکر ادا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) **سوال:** ''اگر کسی نے سودی روپیہ قرض لیا تھا اور سود اصل کے بقدر دے چکا ہے تو اب بری الذمہ ہوا یا نہیں؟

جواب: ''دارالاسلام میں سود لینا حرام ہے، جو رقم سود میں دی ہے وہ اصل میں محسوب ہوگی''۔(مجموعة الفتاویٰ، کتاب الربوا، باب القرض والرشوة، عنوان: سود میں دی ہوئی رقم اصل میں محسوب ہوگی:۲/۱۵۳، سعید)

(۲) ''ہر چند کہ غصب وظلم کا مال اپنے مال میں یا دوسرے مغصوب مال میں ملا دینے سے ملک غاصب میں داخل ہو جاتا ہے، مگر وہ ملک خبیث ہوگی، نہ اس کو خود اس کا صرف کرنا جائز ہے، نہ دوسروں کو اس کا قبول کرنا جائز ہے، جب تک کہ غاصب اس کا ضمان ادا نہ کرے، پس صورتِ مسئولہ میں زید کی آمدنی جائز نہ ہوگی، نہ ایسی ریاست کی نوکری جائز ہوگی:

''والروایات هذه: ''أما التملک بالخلط بمال نفسه أو غيره، فلما في الدرالمختار: ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه، فتجب الزكوة فيه، ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاک إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وقوله أرفق؛ إذ قلما يخلو مال عن غصب. وفيه: أما إذا أخذ من إنسان مأة ومن آخر مأة وخلطهما، ثم تصدق، لايكفر؛ لأنه ليس بحرام لعينه بالقطع، لاستهلاک بالخلط. قلت: وأفاد أيضاً! كون هذا المخلوط حراماً خبيثاً، ولو حراماً لالعينه. وأما حرمة الانتفاع به، فلما فيه أيضاً: فإن غصب وغير المغصوب، فزال اسمه وأعظم منافعه، أو اختلط المغصوب بملک الغاصب بحيث يمنع امتيازه، أو يمكن بحرج، ضمنه، وملكه بلاحل الانتفاع قبل أداء ضمانه: أي رضاء مالكه بأداء أو إبراء، أو تضمين قاض، والقياس حله، وهو راويته، فلو غصب طعاماً، فمضغه حق، صار مستهلكاً يبتلعه حلالاً، في رواية حراماً على المعتمد جمعاً لمادة الفساد، وأما

=

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مالِ حرام کو متعین کر کے اس کے بدلہ میں حلال مال خریدا ہے اور پھر وہی حرام مال متعینہ قیمت میں ادا کر دیا ہے تب تو اس کی آمدنی ناجائز ہے، اس کو غرباء ومساکین پر صرف کر دیا جائے، کسی اور کارِ خیر میں لگانا یا اپنے کام میں خرچ کرنا شرعاً درست نہیں۔ اگر بغیر تعین مالِ حرام (سے) کوئی مالِ حلال خریدا اور پھر وہ مالِ حلال قیمت میں ادا کر دیا، یا متعین تو کیا مال حرام کو مگر ادا کیا مالِ حلال، یا متعین تو کیا مال حلال مگر ادا کیا مالِ حرام تو ان تینوں صورتوں میں کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آمدنی اس کی حلال ہوگی (صرف اصلی مال حرام کی ضمان لازم ہوگی)۔

ذخیرہ، قہستانی، غرر، مختصر وقایہ، اصلاح وغیرہ میں اس پر فتویٰ بھی نقل کیا گیا ہے۔ ہدایہ (۱) مبسوط (۲)

= حرمة قبول الغير له فلما فيه أيضاً، وجاز رزق القاضي من بيت المال لو بيت المال حلالاً، وإلا لم يحل، قلت: والفرع بعد تمهيد الأموال ظاهر حكمه". والله أعلم". (إمداد الفتاویٰ، كتاب الغصب، عنوان: "حکم تنخواہ از ریاست کہ بمال مغصوب دادہ شود: ۳/۴۴۴، ۴۴۵، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۱) "فقوله في الكتاب: "اشترى بها" إشارة إلى أن التصدق إنما يجب إذا اشترى بها و نقد منها الثمن، أما إذا أشار إليها و نقد من غيرها، أو نقد منها وأشار إلى غيرها، أو أطلق إطلاقاً و نقد منها يطيب له، و هكذا قال الكرخي؛ لأن الإشارة إذا كانت لا تفيد التعيين، لا بد أن يتأكد بالنقد ليتحقق الخبث. وقال مشايخنا: لا يطيب له قبل أن يضمن، وكذا بعد الضمان بكل حال، وهو المختار؛ لإطلاق الجواب في الجامعين". (الهداية: ۳/۳۷۶، كتاب الغصب، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وهذا إذا كانت الوديعة شيئاً يباع، فإن كانت دراهم فالدراهم يشترى بها، ثم ينظر إن اشترى بها بعينها و نقدها لا يطيب له الفضل أيضاً. وإن اشترى بها و نقد غيرها، أو اشترى بدراهم مطلقة، ثم نقدها، يطيب له الربح هنا .... و في النوادر: لو اشترى ديناراً بعشرة دراهم و نقد الدراهم المغصوبة، لم يحل له أن ينتفع بالدينار مالم يؤد الضمان؛ لأن صاحب الدراهم إذا استحق دراهمه، فسد العقد، ووجب عليه ردّ الدينار". (المبسوط للسرخسي: ۱۱/۱۲۰، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

"قال الكرخي: إنه على أربعة أوجه: أما إن أشار و نقد منه، أو أشار إليه و نقد من غيره، أو أشار إلى غيره و نقد منه، أو أطلق إطلاقاً و نقد منه، وفي كل ذلك يطيب له، إلا في الوجه الأول: وهو ما إذا أشار إليه و نقد منه؛ لأن الإشارة إليه لا تفيد التعيين، فيستوى وجودها و عدمها، إلا إذا تأكدت بالنقد =

وغیرہ میں بہرصورت اس آمدنی کو ناجائز قرار دیا ہے۔

مقروض کا نفلی چندہ دینا

سوال[۷۹۸۷]: ایک شخص پانچ سوروپیہ سے تجارت کررہا ہے اور چھ سوروپیہ کا مقروض ہے۔کیا اس قرضہ کی صورت میں کسی مدرسہ یا مسجد وغیرہ کی کچھ امداد کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یانہیں، یا مقدم قرض کی ادائیگی ہے؟ اورامداد کی صورت میں ثواب کا مستحق ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ چندہ نفل کے درجہ میں ہے اور قرض ادا کرنا فرض ہے، اگر فرض ذمہ میں باقی رہتے ہوئے کوئی شخص نفل پڑھتا ہے تو اس کو ثواب بھی ملتا ہے اور قرض کی تاخیر پر باز پرس بھی ہے، لہذا یہ کہنا کہ ثواب نہیں ملے گا صحیح نہیں۔البتہ قرض کی ادائیگی کا اہتمام چاہئے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= منهما. و قال مشايخنا: لا يطيب له بكل حال، و هو المختار، وإطلاق الجواب في الجامعين يدل على ذلك .... واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا، لكثرة الحرام، الخ". (البحرالرائق: ۸/۲۰۷، كتاب الغصب ، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۳۲۲، كتاب الغصب ، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴/۸۳، كتاب الغصب ، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۲۳۵، باب المتفرقات ، سعيد)

(۱) "و يجوز تأخير الفوائت وإن وجبت على الفور، لعذر السعي على العيال، وفي الحوائج على الأصح". (الدرالمختار). "(قوله: وفي الحوائج) أعم ما قبله: أي ما يحتاجه لنفسه من جلب نفع و دفع ضرر . وأما النفل، فقال في المضمرات: الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهمّ من النوافل إلا سنن المفروضة، وصلوة الضحى، وصلوة التسبيح والصلوة التي رويت فيها الأخبار: أي كتحية المسجد، والأربع قبل العصر والست بعد المغرب". (ردالمحتار: ۲/۷۴، باب قضاء الفوائت ، سعيد)

مقروض کے تین حالات

سوال[۷۹۸۸]: زید نے تین شخصوں کا بیان کیا، جو قرض دار مرجاتے ہیں، ان کا قرض اللہ کے ذمہ ہے:

۱- کسی شخص کے کفن کے لئے کسی شخص سے دینے کی نیت سے قرض لیا اور وہ بوجۂ غربت یا اتفاق سے مرجانے کی وجہ سے ادا نہ کرسکا۔

۲- کسی شخص کو شادی کی خواہش ہے، اگر شادی نہیں کرتا تو زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، چونکہ وہ مفلوک الحال ہے اس لئے قرض لیا اور دے نہ سکا۔

۳- کوئی شخص جہاد میں کمزور و بیمار ہوکر واپس آیا اور اس نے کسی سے قرض لیا اس خیال سے کہ خوب تندرست وطاقت ور ہوکر جہاد میں جاکر دشمنوں سے لڑوں گا یعنی کفار ومشرکین سے اور اتفاق سے وطن ہی میں یا جہاد میں جاکر شہید ہوجائے یا انتقال کرجائے۔

کیا ان تینوں اشخاص کا قرضہ جو اس طرح مرجاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، یا حق العباد میں سے ہے اور ان قرضوں کی بابت باز پرس ہوگی، یا بالکل نہیں، کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے اس مسئلہ میں بڑی تنگی کردی، فتاویٰ عالمگیری میں تو یہ قید نہیں بلکہ اس میں تو مطلقاً لکھا ہے کہ:

> ''جو شخص کسی ضرورت وپریشانی سے مجبور ہوکر قرض لے اور نیت یہ ہو کہ اس کو ادا کردوں گا، پھر باوجود کوشش کے ادا کرنے کی قدرت ووسعت نہ ہوئی اور اسی حال میں انتقال ہوگیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے آخرت میں مواخذہ نہ فرمائیں گے''(۱)۔

ایسا ہی مضمون اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو کہ مشکوۃ، ص: ۳۵۲، باب الإفلاس

---

(۱) "رجل مات وعليه قرض، ذكر الناطفي: نرجو أن لا يكون مواخذاً في دار الآخرة إذا كان في نيته قضاء الدين". (الفتاوى العالمكيرية: ۳٦٦/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرض والدين، رشيديه)

والإنظار، فصل أول میں بحوالہ بخاری منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس يريد أدائها، أدّى الله عنه، ومن أخذ يريد إتلافها، أتلفه الله عليه". رواه البخاری"(۱)۔

اور اس مسئلہ کو تصریح کے ساتھ فتح الباری: ۴۲/۵، میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قدیمی)

(وصحیح البخاری: ۱/۳۳۱، باب فی الاستقراض أداء الدین، قدیمی).

(۲) "ولابن ماجة وابن حبان من حديث ميمونة: "ما من مسلم يُدان ديناً يعلم الله أنه يريد أداءه، إلا أدّاه الله عنه في الدنيا ....اهـ". (فتح الباری، کتاب الاستقراض، وأداء الدیون، باب من أخذ أموال الناس يريد أداء ها أو إتلافها: ۲۹/۵، قدیمی)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس يريد أداء ها": أی من استقرض احتياجاً، وهو يقصد أداءه ويجتهد فيه "أدى الله عنه": أی أعانه علی أدائه فی الدنيا أو أرضیٰ خصمه فی العقبیٰ". (مرقاة المفاتيح، کتاب البیوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۱۲۲/۶، رشیدیه)

(وكذا فی فيض القدير: ۵۲۰۵/۱۱، (رقم الحديث: ۸۳۵۱)، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز رياض)

البتہ زید کے ذکر کردہ تین شخصوں کا ذکر بھی حدیث میں آیا ہے:

"عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الدين يقتص من صاحبه يوم القيامة إذا مات إلا من تدين فی ثلاث خلال: الرجل تضعف قوته فی سبيل الله، فيستدين يتقوی به لعدو الله وعدوه. ورجل يموت عنده مسلمٌ لايجد مايكفنه ويواريه إلا بدين. ورجل خاف الله علی نفسه العزبة، فينكح خشية علی دينه، فإن الله يقضی عن هولاء يوم القيامة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۷۵، بابٌ: ثلاث مَن ادّان فيهن، قضی الله عنه، قديمی)

دینِ قرض کا مطالبہ

سوال[۷۹۸۹]: ایک عورت نے اپنے بھتیجا کو کچھ رقم بابت ادھار دی، لیکن اس عورت کے لڑکے اور اس عورت کے بھتیجے مشترک کاروبار میں شامل تھے، اس کاروبار میں جو منافع یا مزدوری ہوئی، اس عورت کے لڑکے نے حساب پورا نہیں دیا۔ جب حساب چیک ہوا تو اس عورت نے جو رقم اپنے بھتیجا کو دی تھی اس سے زیادہ حساب اس آمدنی میں سے ان کی طرف نکلا، انہوں نے ادا نہیں کیا، اس عورت کے لڑکے نے ادا نہیں کیا اور وہ عورت اپنی رقم اپنے بھتیجے سے طلب کرتی ہے جب کہ اس کے نوٹس میں یہ بات ہے کہ میرے بیٹے کی طرف میرے بھتیجا کی رقم واجب ہے، پھر بھی اس عورت کا بھتیجے پر تقاضہ بدستور باقی ہے۔ لہذا اس مسئلہ کی پوری وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت نے اگر اپنی مملوکہ رقم اپنے بھتیجے کو ادھار دی تھی تو وہ اس کی واپسی کا مطالبہ کرسکتی ہے اور بھتیجا کے ذمہ اس کا واپس کرنا لازم ہے(۱)۔ جو کاروبار مشترک ہے یا جو حساب اس عورت کے لڑکے سے متعلق ہے، اس میں وہ ادھار کی رقم محسوب کرنے کا حق نہیں ہے جب تک وہ عورت اور اس کا لڑکا رضامند نہ ہوں اور شرکاء اجازت نہ دیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۲۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً تقاضى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأغلظ له، فهمّ أصحابه فقال: "دعوه، فإن لصاحب الحق مقالاً، واشتروا له بعيراً، فأعطوه إياه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۱، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمي)

"عن ابن عمر و عائشة رضي الله تعالىٰ عنهم: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من طلب حقاً فليطلبه في عفاف واف أو غير واف". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۷۴، باب حسن المطالبة، قديمي)

(۲) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف في المال الغير بدون إذن منه: ۲۰۰/۶، سعيد)

قرض خوشدلی سے معاف کرنے کی علامت

سوال[۷۹۹۰]: اگر کوئی شخص سرکاری نوکری کرتا ہے، اس کے یہاں ٹھیکہ وغیرہ کا کام چلتا ہے، اس کا ٹھیکہ دار ہوتا ہے، اس سے وہ ملازم کوئی پیسہ قرض کی شکل میں لے لے اور بعد میں ادا نہ کر سکے اور وہ ٹھیکہ دار معاف کردے کہ کوئی بات نہیں تو اس پر مواخذہ تو نہیں ہوگا؟ ٹھیکہ دار کے معاف کرنے کے بارے میں اس کی قلبی کیفیت کا پتہ کیسے چلے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کا روپیہ ہو وہ معاف کرسکتا ہے(۱)، اگر یہ اطمینان نہ ہو تو اس کا امتحان اس طرح کرلیا جائے کہ مقدار قرض روپیہ کسی سے لے کر قرض خواہ کو دیدیا جائے، وہ پھر لے کر دیدے کہ میں نے یہ آپ کو ہی دیا تو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے خوش دلی سے معاف کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو شخص اپنا قرض قبول نہ کرے اس کی ترکیب

سوال[۷۹۹۱]: ہمارے والد صاحب نے پنڈت کو جب کہ چک بندی ہو رہی تھی سو روپیہ دیا، اس غرض سے کہ وہ اے سی او کو یہ روپیہ دے کر میرا چک اچھی جگہ کرا دے۔ میں نے جب اے سی او سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں آپ کا چک بلا رشوت لئے ہی اچھی جگہ پر دے دوں گا تو میں جا کر پنڈت سے روپیہ لے آیا۔ اس کے بعد پھر پنڈت آیا اور کہا اے سی او صاحب روپیہ مانگ رہے ہیں تو ہم نے اسے ۵۵/ روپے دے دیئے اور اس کا ذکر اے سی او صاحب سے کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے روپے نہیں ملے اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں، آپ روپے اس سے لے لیجئے۔

نیز ہمارے ذمہ اس کا سو روپے پہلے ہی سے تھا اور اسی درمیان میں ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد ہم نے ۵۵/ روپے کاٹ کر اس کا بقیہ ۴۵/ روپے دینے گئے تو اس نے کہا کہ مجھے پورے سو

---

(۱) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء، لکن إذا تعلق به حق الغیر یمنع المالک من تصرفه بوجه الاستقلال". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

روپے ملنے چاہئیں، میں نے آپ کا روپیہ اے سی او کو دیدیا تھا۔ اور اے سی او اس سے انکار کرتا ہے اور پنڈت کہہ رہا ہے کہ مجھے سوروپیہ دو، اور اگر پورے سو نہیں دیتے ہو تو بقیہ روپے بھی لے جاؤ، میں نہیں لوں گا۔ اب ہم لوگ کیا کریں، پورے روپے دیں یا اپنا روپیہ کاٹ کر؟ اور بقیہ روپے لینے پر وہ راضی نہیں، تو بقیہ روپے دینے کے لئے کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۵۵/ روپے کاٹ کر بقیہ ۴۵/ روپے لفافہ میں رکھ کر اس کے سامنے رکھ دیں کہ اس کو دیکھ لو اور پڑھ لو، اور ایک پرچہ بھی اس میں رکھ دیں کہ تمہارے سوروپیہ ہماری طرف تھے، ۵۵/ روپے پہلے دے دیئے تھے اور بقیہ ۴۵/ روپے یہ ہیں فقط، جب وہ لفافہ اٹھائے گا تو اس کا قبضہ ہو جائے گا اور آپ بری ہو جائیں گے (۱)۔ اگر فتنہ اور فساد کا خطرہ ہو تو مصیبت ٹلانے کے لئے پورے سو ہی دے دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۷ھ۔

---

(۱) "تسليم المبيع يحصل بالتخلية، وهي أن يأذن البائع المشترى بقبض المبيع، ولا مانع يمنعه من تسليمه: أى يشترط في التخلية أن تكون على وجهٍ يتمكن المشترى فيه من القبض بلا مانع ولا حائل بأن يكون المبيع مفرزاً غير مشغول". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۷، (رقم المادة: ۲۶۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وحاصله أن التخلية قبضٌ حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة، لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع .... فكونه بحيث لو مدّ يده تصل إليه قبضٌ".
(رد المحتار: ۵۶۲/۴، مطلب في شروط التخلية، سعيد)

"والتمكن من القبض كالقبض، فلو وهب لرجل ثياباً في صندوق مقفل و دفع إليه الصندوق، لم يكن قبضاً، وإن مفتوحاً كان قبضاً لتمكنه منه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶۹۰/۵، كتاب الهبة، سعيد)

"ويبرأ بردها (أى رد عين المغصوب) ولو بغير الملك. وفي البزازية: غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلا علمه، و كذا لو سلمه إليه بجهة أخرى كهبة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب في ردالمغصوب وفيما لو أبى المالك قبوله: ۱۸۲/۶، سعيد)

کارخانہ کے مقروض ملازمین پر دباؤ ڈال کر روپیہ لینا

سوال[۷۹۹۲]: کارخانہ میں کچھ کاریگر ملازم ہیں جن کے ذمہ ہزار روپیہ قرضہ بھی ہے، اس کے باوجود ہر ہفتہ پیشگی کے طالب رہتے ہیں، اس صورت میں کارخانہ کا مالک دباؤ ڈالنے کے لئے ۵،۵/ روپیہ مٹھائی کے لئے خرچ کرالیتا ہے، پھر پیشگی دیتا ہے۔ یہ دینا کیسا ہے؟ اور مالک کا خرچ کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ دباؤ ڈال کر خرچ کروانا درست نہیں (۱)۔ ہاں! اپنے قرض میں محسوب کرلے تو درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی غیر مسلم کا قرض ہو، جو لاپتہ ہو

سوال[۷۹۹۳]: کسی غیر مسلم کا میرے ذمہ روپیہ واجب الاداء ہے اب اس کا پتہ نشان نہیں نہ اس کے خاندان کا پتہ ہے میں روپیہ ادا کر کے بار قرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی غریب کو بنیتِ گلوخلاصی صدقہ کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال العلامة البغویؒ: ﴿بالباطل﴾ بالحرام يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها". (معالم التنزيل: ۲/۵۰، قديمی)

قال الإمام القرطبیؒ: "من أخذ مال غيره لاعلى وجه أذِنَ الشرع، فقد أكله بالباطل". (الجامع لأحكام القرآن: ۲/۲۲۳، دارإحياء التراث العربی بيروت)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص:۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانی، قديمی)

مالِ کافر کی ادائیگی

سوال[۷۹۹۴]: اگر کسی مسلمان کے ذمہ کسی کافر کا قرض ہو اور اس کی ادائیگی ناممکن ہوگئی ہو تو اس سے بری الذمہ ہونے کے لئے کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مع کتب وصفحہ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معاف کرالے اگر ادا کرنے کو نہ ہو، ورنہ مواخذہ ہوگا:

"وفی فتاویٰ قاضی خان: رجل له حق علی خصم فمات ولاوارث له، تصدق عن صاحب الحق بقدر ماله علیه، لیکون ودیعةً عند اللّٰه تعالی یوصله إلی خصمائه یوم القیامة. وإذاغصب مسلم من ذمی مالاً أوسرق منه، فإنه یعاقب به یوم القیامة؛ لأن الذمی لایرجی عنه العفو، فکانت خصومة الذمی أشد". شرح فقه أکبر، ص: ۱۹٤(۱)۔

"ولا وجه لإعطائه ثواب طاعة المسلم؛ لأنه لیس من أهل الثواب، ولا لوضع وبال الکفر علی المسلم، فتبقی خصومته، أفاده أبوالسعود. وقد یقال: لامانع من وضع وبال غیر الکفر من السیئات علی المسلم، فیعذب بها عنه. روی: "من ظلم ذمیاً کنت حجیجه یوم القیامة". وحمله بعض العارفین علی معنی أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یحاجج عن المسلم؛ لأن الذمی یقول: لا أرضی بخصومتی إلا أن یکون خصمه معه فی حمل استقراره". طحطاوی علی الدر المختار، باب الاستیلاد(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا، صحیح، عبد اللطیف۔

---

(۱) (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاری الحنفی رحمه الله تعالیٰ، التوبة وشرائطها، ص: ۱۵۸، قدیمی)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب العتق، باب الاستیلاد: ۳۱۹/۲، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا فی رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب العتق، باب الاستیلاد: ۴۵۴/۳، سعید)

ہمشیرہ پر جائیداد میں حصہ دیتے وقت قرض کا کچھ حصہ ڈالنا

سوال[۷۹۹۵]: والدین کے انتقال کے بعد ہم دونوں بھائیوں نے ساری جائیداد کونصف نصف تقسیم کرلیا ہے، ہم دونوں بھائیوں کی صرف ایک بہن ہے۔ تقسیمِ جائیداد کے وقت ہمشیرہ کو جائیداد سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ بڑے بھائی ہمشیرہ کو حصہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اب احقر نے موجودہ نصف حصہ میں سے ہمشیرہ صاحبہ کو پانچواں حصہ دینے کا پختہ عزم کرلیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جائیداد کی تقسیم کے وقت تقریباً پندرہ سو روپے احقر کے ذمہ بڑے بھائی صاحب نے قرض ڈالے ہیں۔

احقر نے بڑے بھائی سے دریافت کیا کہ یہ قرض کیسے ہوا، مجھ کو اس سے کیا تعلق ہے؟ تو بھائی صاحب نے جواب دیا کہ تقریباً تین سال پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے میں نے قرض لے کر کے کھایا اور زمین کی دیکھ بھال کی، اس لئے آپ کے ذمہ قرض ڈال رہا ہوں، جس کو احقر نے مجبوراً قبول کرلیا۔ اس طرح کا قرض احقر اپنی ہمشیرہ صاحبہ کے ذمہ بھی کچھ ڈال سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ احقر ہمشیرہ کو پانچواں حصہ دے رہا ہے۔ اگر قرض ڈالنا ہے تو کس طرح ڈالا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو اس صورت میں ہمشیرہ پر یہ قرض ڈالنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۳ھ۔

دھان کا قرض

سوال[۷۹۹۶]: دھان کے بدلے دھان لینا یا دینا بطورِ قرض کیسا ہے؟

سید عبدالستار۔

---

(۱) "لا رجوع فیما تبرع عن الغیر". (قواعد الفقه، ص: ۱۰۶، (رقم القاعدة: ۲۵۱)، الصدف، پبلشرز)

"عمّر دارَ زوجتِه بماله بإذنها، فالعمارة لها، والنفقة دينٌ عليها. ولو عمّر لنفسه بلا إذنها، فالعمارة له، ولها بلا إذنها، فالعمارة لها، هو متطوع في البناء، فلا رجوع له". (الدرالمختار مع تنوير الأبصار وشرحه مع ردالمحتار: ۷۴۷/۶، كتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر دھان بطورِ قرض لئے پھر اسی قدر دھان واپس کردیئے، کمی زیادتی نہیں کی تو یہ شرعاً درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود۔

آٹے کا ادھار

سوال[۷۴۹۷]: عموماً چکی پر جب بھی کرنٹ نہیں ہوتا، بالکل بند ہوتی ہے، لوگ ادھار سیر دوسیر آٹا لے جاتے ہیں اور اپنا غلہ رکھ جاتے ہیں، جب ان کا غلہ پس جاتا ہے تو وہ دوسرا آٹا منہا کرلیا جاتا ہے اور کردہ وپسائی لے لی جاتی ہے۔ آیا یہ صورت درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح قرض میں آٹا منہا کرنا درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "الديون تُقضى بأمثالها". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموی: ۲/۳۴۹، الفن الثانی، كتاب المداينات، إدارة القرآن كراچی)

"الديون تقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/۳۸۹، سعيد)

"والذی يتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة و مشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة فی القرض هی المثلة في المقدار، والكمية دون المثلية فی القيمة والمالية". (بحوث فی قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، مكتبه دار العلوم كراچی)

"هو [أی القرض] عقد يَرِد على دفع مثلی ليردّ مثله". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

وكذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۵/۳۷۹۳، رشيديه كوئٹه)

(۲) "القرض عقد مخصوصَ يَرِدِ على دفع مال مثلی لآخر ليردّ مثله، وصح القرض فی مثلیّ لافی غيره". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

"عن أبی يوسف رحمه الله أنه قال: لاضرورة ولاخير فی قرض الحنطة والدقيق بالوزن. وذكر فی الأصل: إذا استقرض الدقيق وزناً لايرده، ولكن يصطلحان على القيمة. وعن أبی يوسف فی رواية:=

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۹/ ۸۵ھ۔



= یجوز استقراضه وزناً إذا تعارف الناس ذلک، وعلیه الفتویٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر فی القرض والاستقراض: ۳/ ۲۰۱، رشیدیه)

"فیصح استقراض الدراهم الدنانیر، وکذا کل مایکال أو یوزن أو یعد متقارباً، فصح استقراض جَوز وبیض". (الدرالمختار، باب المرابحة والتولیة، فصل فی القرض: ۴/ ۱۶۲، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب القرض، فصل فی الشروط: ۱۰/ ۵۹۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ الکاملیة، ص: ۹۲، حقانیه پشاور)

(وکذا فی المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی: ۸/ ۲۴۳، کتاب البیع، الفصل الثالث والعشرون فی القروض، غفاریه کوئٹه)

باب القمار

(جوئے کا بیان)

مقررہ رقم جمع کرنے پر قرعہ اندازی

سوال[۷۹۹۸]: ایک طریقۂ تجارت باقاعدہ اسکیم کے تحت تقریباً پوری دنیا میں چل رہا ہے، ہمارا ہندوستان بھی اس میں ملوث ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ: کوئی تاجر یا کوئی کمپنی یا کوئی پارٹی ممبر سازی کرتی ہے، مثلاً: کوئی سائیکل اسکیم چلاتی ہے، اس سائیکل کی اصل قیمت ۵۰۰/ روپے ہے، اس صورت میں ۵۰/ روپے ماہانہ کے بیس ممبر بنائے جاتے ہیں اور ایک ماہ میں ایک مرتبہ قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔ اس قرعہ میں جس ممبر کا نام نکل جاتا ہے اس کو صرف ۵۰/ روپے میں سائیکل مل جاتی ہے، اس طرح ہر ماہ قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو سائیکل ملتی رہے گی۔ یہ صورت ہر مہینہ چلے گی اور دسویں مہینہ میں جتنے باقی رہیں گے سب کو سائیکل دیدی جائے گی۔

اس میں اسکیم چلانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو پہلے ماہ میں ایک ہزار روپے ملیں گے جس میں وہ پانچ سو روپے کی چیز دے گا اور مابقی رقم اپنی تجارت میں لگائے گا، اسی طرح نو ماہ تک کچھ نہ کچھ رقم بچتی رہے گی اور پانچ سو روپے کی چیز جاتی رہے گی۔ دسویں ماہ مابقی ممبروں کو وہ چیز پوری پوری دیدی جائے گی، البتہ پہلے اور دوسرے تیسرے اور دیگر قرعہ اندازی کے اندر نکلنے والے ناموں کو یہ چیز کم قیمت میں ملتی ہے، یہ معاملہ فریقین کی رضامندی سے طے ہوتا ہے۔ آیا یہ اسکیم سود وقمار میں داخل ہے یا نہیں؟ سود اور قمار اگر ہے تو کیسے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً درست نہیں، وقتِ عقد ثمن، مبیع متعین ہونا چاہئے، وہ یہاں متعین نہیں بلکہ مجہول ہے، کمی زیادتی ظاہر ہے، جتنی رقم دی ہے اس پر زیادتی کون سے عقد کی بنا پر ہے۔ اس کو قمار بھی کہا جا سکتا ہے

اور ربا بھی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

لاٹری کا حکم

سوال[۷۹۹۹]: آج کل ہندوستان میں مختلف صوبائی حکومتوں نے مختلف انعامات کے ساتھ لاٹری شروع کر رکھی ہے اوران کو انتہائی دیانتداری کے ساتھ نکال کران کی تقسیم بھی کرتی ہے۔ اگر کسی مسلمان کا یہ انعام نکل جائے تو تعمیر پر صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۲...... نیز یہ پیسہ کسی اسلامی مدرسہ یا مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۳...... نیز اس پیسے کو اپنی ذاتِ خاص پر صرف کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) یہ صورت بیع فاسد کی ہے اس لئے کہ ثمن اور مبیع دونوں مجہول ہیں: "يشترط أن يكون المبيع معلوماً عند المشتري؛ لأن بيع المجهول فاسد". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص:۹۷، (رقم المادة: ۲۰۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يلزم أن يكون الثمن معلوماً، فلو جهل الثمن فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص:۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۸۰/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۲۹/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۵۶/۵، كتاب البيوع، رشيديه)

البتہ اس معاملہ کو قمار یا سود قرار دینا مشکل ہے، اس لئے کہ قمار میں یہ ہوتا ہے کہ دو آدمی کسی غیر یقینی واقع کی بنیاد پر کوئی رقم اس طرح داؤ پر لگادیں کہ یا تو وہ اس رقم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا، یا اسے اتنی ہی یا اس سے زیادہ رقم بغیر کسی معاوضے کے مل جائے، جب کہ مذکورہ صورت میں تمام ممبروں کو سائیکل ملنا یقینی ہے، کسی کو کم کسی کو زیادہ رقم کے بدلے۔ اور سود قرار دینا بھی مشکل ہے، کیونکہ مذکورہ صورت میں جنس مختلف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

"وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۳/۶، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

انعامی لاٹری کا یہ سلسلہ خلاف شرع ہے، ہرگز اس میں حصہ نہ لیا جائے (۱)، اگر غلطی سے حصہ لے لیا ہے اور روپے مل گئے ہیں تو اس کو بلانیتِ ثواب غریبوں محتاجوں کو صدقہ کر دیا جائے جن میں نادار طلبہ بھی داخل

---

(۱) اس لئے کہ یہ قمار ہے کیونکہ عام طور پر لاٹری میں یہی ہوتا ہے کہ لوگ ایک یا زیادہ روپے جمع کراتے ہیں پھر قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم کئے جاتے ہیں: ﴿یا أیها الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله حرّم علی أمتی الخمر والمیسر". (مسند لإمام أحمد بن حنبل (رقم الحدیث: ۶۵۱۱): ۲/۱۵۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"إن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن الخمر والمیسر والکوبة". (سنن أبی داؤد: ۲/۳۲۷، باب ما جاء فی السکر، امدادیه ملتان)

"ولو شرط فیها من الجانبین؛ لأنه یصیر قماراً". (الدرالمختار). "(قوله: لأنه یصیر قماراً): لأن القمار من القمر الذی یزداد تارةً وینقص أخری. وسمی القما قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۴۰۳، سعید)

"وحرم لوشرط المال من الجانبین". (تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع: ۷/۱۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

"ولایجوز الرهان فی حالة ما إذا کان عن کل واحد علی أنه إن سبق، فله الرهان، وإن سُبق فیغرم لصاحبه مثله؛ لأن هذا من باب القمار المحرم". (فقه السنة، المسابقة، الصور التی یحرم فیها الرهان: ۳/۵۰۷، دارالکتاب العربی بیروت)

"لوکان الخطر من الجانبین جمیعاً ولم یدخلا فیه محللاً، لایجوز؛ لأنه فی معنی القمار، نحو أن یقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتنی فلک علیّ کذا، وإن سبقتک فلی علیک کذا، فقبل الآخر". (بدائع الصنائع، کتاب السباق، فصل فی شروط جواز السابق: ۸/۳۵۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

ہیں، مسجد یا مدرسہ یا اپنے ذاتی کام میں صرف نہ کیا جائے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۹ھ۔

لاٹری کا ٹکٹ

سوال[۸۰۰۰]: حکومتِ ملایا کی جانب سے ایک لاٹری نکلتی ہے جس کا مقصد یتیموں کی امداد کرنا ہے اس میں ہار جیت بھی ہوتی ہے۔اس لاٹری کا ٹکٹ خریدنا کیسا ہے؟

کلیم الدین، کوالالمپور، ملایا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ۔

لاٹری کے ذریعے اشیاء کی خرید وفروخت

سوال[۸۰۰۱]: بعض ادارے رقم جمع کرنے کے لئے کپڑا سینے کی مشین، سائکل، سینکڑوں کی تعداد میں روپیہ اور دیگر قیمتی اشیاء رکھ کر ایک روپیہ کا ٹکٹ عوام میں تقسیم کرتے ہیں، اور ایک معین تاریخ تک، پھر ایک جلسہ کرکے مذکورہ اشیاء جن کے نام پر نکلتی ہے، اس کو دیدیتے ہیں۔کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

---

(۱) "و یردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۵/۶، سعید)

"و یردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا یتصدقوا به؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق: ۳۶۹/۸، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۶۰/۷، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۴۹/۵، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر فی الکسب، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی الکاملیة، ص: ۱۵۰، حقانیه پشاور)

(۲) (راجع، ص: ۴۳۷، رقم الحاشیة: ۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت سود بھی ہے جوا بھی ہے، اس لئے جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۱ھ۔

جوے کی ایک صورت

سوال [۸۰۰۲]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ میری بات صحیح ہے، بکر کہتا ہے کہ میری بات صحیح ہے۔ دونوں میں سو روپے کی شرط ہوگئی اور ثالث کے پاس دوسو روپے رکھ دیئے کہ جس کی بات صحیح ہوگی، وہ دو سو روپے لے لے گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جوا ہے (۲) جو کہ ناجائز ہے (۳)، روپے مالک کو واپس پہونچانا ضروری ہے (۴)۔ فقط

---

(۱) "القمار كله من الميسر .... وهو السهام التي يجيلونها، فمن خرج سهمُه استحق منه ماتوجبه علامة السهم.......... وحقيقته تمليك المال على المخاطرة، وهو أصل فى بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار". (أحكام القرآن للجصاص (سورة المائد: ۹۰): ۲/۴۶۵، دارالكتاب العربى بيروت)

"وسمى القمار قماراً؛ لأن كل واحدٍ من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهوحرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۶/۴۰۳، سعيد)

"إن أهل الجاهلية كانوا يخطرون على المال والزوج، وقد كان ذلك مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القران للجصاص: ۱/۳۲۹، دارالكتاب الالعربى بيروت)

"لأن الربوا: هوالفضل المستحق لأحد المتعاقدين فى المعاوضة الخالى عن عوضٍ شرط فيه". (الهداية: ۳/۸۰، باب الربوا، مكتبه شركت علميه ملتان)

قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲، ۲۷۵)

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

(۲) "وسمى القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن =

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/ ۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/ ۸۵ھ۔

بچوں کا ایک کھیل جس میں جوا بھی ہے اور سود بھی

سوال [۸۰۰۳]: ایک کھیل بچوں میں چل رہا ہے کہ ایک تختہ بازار سے لاتے ہیں، بچہ ۵،۱۰/ پیسہ لے کر پرچی پھاڑتا ہے، جو نمبر نکلتا ہے اسی کے مطابق پیسہ بچوں کو مل جاتا ہے اور اگر نہ نکلے تو بچے کو کچھ نہیں ملتا۔

= يستفيد مال صاحبه، و هو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۶/ ۴۰۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۵۳، باب تحريم الخمر، (سورة المائد: ۹۰)، قديمی)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾. (سورة المائدة: ۹۰)

"عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما: "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن الخمر والميسر والكوبة". (سنن أبي داؤد. ۲/۱۶۳، باب ماجاء في السكر، امداديه ملتان)

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار". (أحكام القرآن للجصاص (سورة البقرة: ۲۱۹): ۱/۳۲۹، دارالكتاب العربي بيروت)

(۴) "و يردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"و يردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحرالرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۶۰، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵۱، حقانيه پشاور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کھیل میں جوا بھی ہے(۱) اور سود بھی (۲)، بچوں کو ہرگز اس کی اجازت نہ دی جائے، اس مقصد کے لئے ان کو پیسے نہ دیئے جائیں۔ ان کی اخلاقی تربیت بڑوں کے ذمہ ہے، اس سے غفلت برتنا حق تلفی اور بچوں پر ظلم ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۹۰ھ۔

معمہ حل کرنے کی اجرت

سوال [۸۰۰۴]: ہمارے ایک دوست کی اور میری ایک مسئلہ میں بحث ہوگئی ہے، ہم دونوں کی رضامندی سے فیصلہ آپ پر چھوڑ رہے ہیں، مسئلہ حسب ذیل ہے:

اکثر رسالہ میں آنجناب نے علمی معمہ دیکھا ہوگا، اس کی صحیح خانہ پری کرنے پر انعام دیا جاتا ہے۔

---

(۱) "وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، و يجوز أن يستفيد مال صاحبه، و هو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۶/ ۴۰۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۲/۶۵۳، باب تحريم الخمر، قديمي)

(۲) "لأن الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه". (الهداية: ۳/۸۰، باب الربا، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل السادس في تفسير الربا وأحكامه: ۳/۱۱۷، رشيديه)

(وكذا في كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ۲/۲۲۷، مباحث الربا، دارالفكر بيروت)

(۳) "عن جابر بن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأن يؤدب الرجل ولده خيرٌ له من أن يتصدق بصاع".

"عن أيوب بن موسى عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما نحل والد ولده من نحل أفضل من أدب حسن". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۳، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، قديمي)

میرے دوست کہتے ہیں کہ یہ ایک قسم کا قمار ہے، کیونکہ ایک روپیہ کے بدلے میں زیادہ روپے ملتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ قمار نہیں ہے، بلکہ ایک روپیہ فیس داخلہ ہے اور انعام اس ایک روپیہ پر نہیں ملتا، ورنہ ہر داخلہ لینے والا انعام کا مستحق ہوتا، بلکہ عمل (صحیح خانہ پری) ہی باعثِ انعام ہے، یہی وجہ ہے کہ جس کا جتنے درجہ عمل صحیح ہوگا وہ ویسے ہی انعام کا مستحق گردانا جائے گا۔ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

آپ کے دوست نے اس کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ (قمار) تجویز کی ہے، آپ نے اس کے جائز ہونے کی ایک وجہ نکالی جو کہ درحقیقت اس کے ناجائز ہونے کے لئے مؤکد ومؤید ہے یعنی ربوا، پس اس کے ناجائز ہونے کی دو وجہ آپ کے دونوں کے مجموعی کلام سے حاصل ہوگئیں:

ایک: قمار، کیونکہ انعام نہ ملنے کی صورت میں یہ روپیہ ضائع ہوگیا۔

دوسری وجہ: ربوا، کیونکہ ایک روپیہ دے کر زیادہ روپیہ حاصل ہوئے۔ ربوا اور قمار دونوں نصاً ممنوع ہیں۔

یہ توجیہ کہ ''ایک روپیہ تو فیس داخلہ ہے اور انعام معاوضہ واجرت ہے خانہ پُری کی'' فقہی نظر میں وجیہ نہیں، بلکہ توجیہِ محض ہے، اس کی اتنی حیثیت نہیں جتنی فیس داخلہ ایک روپیہ کی، اس پر انعام نہیں ملے گا۔ یہ عمل صحیح نہیں۔

سب جانتے ہیں کہ محض داخلہ مقصود نہیں کہ اس کے لئے فیس برداشت کی جائے، بلکہ تحصیلِ رقم مقصود ہے جس کا نام ''انعام'' رکھا ہے اور وہ درحقیقت اجرت ہے خانہ پری کی، مگر خانہ پری بھی مطلقاً نہیں بلکہ حسبِ منشاء مستاجر جس کا کسی کو علم نہیں۔ ایسا اجارہ ہی جائز نہیں، جو اجیر کے علم میں نہ ہو اور اس کے قابو سے باہر ہو۔

اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ انعام دینے والے کا مقصود بھی محض خانہ پری نہیں، نہ اس سے کوئی خاص غرض وابستہ ہے بلکہ انعامِ کثیر کا لالچ دے کر روپیہ جمع کرنا مقصود ہے کہ ایک ایک روپیہ کر کے بے شمار روپیہ جمع ہوجائے، پھر اس میں سے تجویز کردہ ضابطہ کے تحت کچھ روپے فیس والوں کو بھی دیدیا جائے۔ دوسرے لوگ دیکھیں گے کہ فلاں شخص کو ایک روپیہ داخل کر کے اتنا انعام ملا ہے، اس سے ان کی طبیعت میں بھی لالچ پیدا ہوگی، وھلم جراً۔ یہ تو درحقیقت روپیہ غلط طریقہ پر کمانے کی تنظیم ہے۔

"الإجارة هي تمليك نفع مقصود من العين بعوض، حتى لو استأجر ثياباً أو أواني ليتجمل بها، أو دابةً ليجنبها بين يديه، أو داراً لا يسكنها، أو عبداً، أو دراهم أو غير ذلك لا يستعمله، بل ليظن الناس أنه له، فالإجارة فاسدة في الكل، و لا أجر له؛ لأنه منفعة غير مقصودة في العين، اهـ". درمختار، أول كتاب الإجارة۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ "(وقوله: مقصودة من العين): أي في الشرع و نظر العقلاء، و بخلاف ما سيذكره، فإنه وإن كان مقصوداً للمستأجر لكنه لا تقع فيه، وليس من المقاصد الشرعية، اهـ". شامي: ۳/۵(۱)۔

"رجل ضل له شيء، فقال: من دلّني على كذا، فله كذا، فهو على وجهين: إن قال ذلك على سبيل العموم بأن قال: من دلّني، فالإجارة باطلة؛ لأن الدلالة و الإشارة ليست بعمل يستحق به الأجرة، اهـ". شامي: ۷۹/۵(۲)۔ **فقط واللہ سبحانہ اعلم۔**

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۶/۵/۹۰ھ۔

اخباری معمہ حل کرنا

سوال[۸۰۰۵]: کسی اخبار کا انعامی معمہ بھر کر انعام حاصل کر کے کسی مسجد یا مدرسۂ دینیات یا کسی اَور جگہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی پوری کیفیت تحریر کیجئے، اگر یہ صورت ہو کہ اخبار میں شائع ہوا کہ جو شخص فلاں چیز کا مطلب بیان

---

(۱) (ردالمحتار: ۴/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) (ردالمحتار: ۹۵/۶، باب فسخ الإجارة، مطلب: ضل له شئ فقال: من دلني عليه فله كذا، سعيد)

"والمراد من المنفعة أن تكون مقصودةً من العين، فلو استأجر ثياباً يبسطها و لا يجلس عليها ولا ينام، أو دابةً ليربطها في داره و يظن الناس أنها له، أو ليجعلها أجنبية بين يديه، أو آنيةً يضعها في بيته يتجمل بها و لا يستعملها، فالإجارة في جميع ذلك فاسدة، ولا أجرة له؛ لأن هذه المنفعة غير مقصودة". (البحر الرائق: ۴/۸، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/۱۱۵، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

کردے، یا فلاں مسئلہ کو حل کردے تو اس کو اتنا انعام دیا جائے گا، پھر کسی نے اس کو حل کردیا اور انعام ملا تو یہ انعام اس کی ملک ہے، اس کو اختیار ہے کہ اپنے کام میں لائے یا مسجد وغیرہ میں صرف کردے(۱)، اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یک طرفہ چیز ہے۔ اگر حل کرنے والے سے بھی کچھ وصول کیا جاتا ہے تو اس کی تفصیل معلوم ہونے پر حکم معلوم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۶/۵/۲۸ھ۔

شمع معمہ حل کرنے پر انعام

سوال[۸۰۰۲]: ا...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

آج کل شمع معمہ دہلی سے نکلتا ہے، اس میں شرائط یہ ہیں کہ اس میں ایک خانہ ایک روپیہ کے حساب سے جتنا چاہو دیدو، اور اس میں شمع معمہ کا ٹوکن ہونا لازمی ہے، اب تمہاری قسمت اگر پہلا انعام یا کوئی انعام ملا۔ آیا یہ روپیہ لینا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "حل الجعل إن شرط المال من جانب واحد". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "بأن يقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتنی أعطيتُک كذا، وإن سبقتُک لا آخذ منک شيئاً". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل فی البيع: ۴۰۲/۶، ۴۰۳، سعيد)

"لو وقع الاختلاف بين اثنين، و شرط أحدهما لصاحبه أنه إن كان الجواب كما قلتَ أعطيتُک كذا، وإن كان كما قلتُ، لاآخذ منک شيئاً، فهذا جائز". (مجمع الأنهر: ۲۱۷/۴، كتاب الكراهية، فصل فی المتفرقات، غفاريه كوئٹه)

"ولو قال أحدهما لصاحبه: إن سبقتنی فلک علیّ كذا، وإن سبقتک فلا شیء عليک، فهو جائز؛ لأن الخطر إذا كان من أحد الجانبين لا يحتمل القمار". (بدائع الصنائع، كتاب السباق، فصل فی شروط جواز السباق: ۳۵۰/۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۱/۷، كتاب الكراهية، فصل فی البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی فقه السنة، المسابقة: ۵۰۲/۳، دارالكتاب العربی بيروت)

"كل يتصرف فی مكله كيف شاء". (شرح المجله لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(الف) اگر جائز ہے تو اس میں کوئی کلام ہی نہیں، اگر ناجائز ہے تو مندرجہ ذیل صورتوں پر عمل کرنا جائز ہے؟

(ب) مثلاً جب روپیہ نام میں اٹھا جتنا بھی ہو، اس کو لے کر کسی غیر مسلم کو دیدیں وہ اس کی ملک ہوگئی، اس کے بعد وہ ہم کو جتنا روپیہ واپس کردے اس کو اختیار ہے۔ یہ حیلہ کہاں تک صحیح ہے؟

(ج) یا روپیہ ہمارے نام میں اٹھا، ہم اس کو لیکر کسی غیر مسلم کو دیدیں، وہ اسکول جہاں مسلم وغیر مسلم دونوں طلبا پڑھتے ہوں، اور قوم کا فائدہ ہوجائے، یا اپنے نام سے اسکول کھلوالیں۔ کیا اس میں بھی گناہ ہوگا؟

(د) ایک شخص مقروض ہے حالانکہ اس کی آمدنی ایک سو روپیہ ہے، لیکن خرچ زیادہ ہے کیونکہ اہل و عیال زیادہ ہیں اور موجودہ وقت میں ہر چیز گراں ہے، اسی وجہ سے مقروض ہوگیا اب ادائیگی کی کوئی صورت نکلتی ہی نہیں، اگر سود لیتا ہے تو اَور مصیبتِ جان پھر بلائے جان۔ کوئی صورت ہی۔ اب ایسی حالت میں وہ شمع معمہ لگا کر روپیہ لیکر صرف قرض ادا کرے اور کوئی مقصد نہیں ہے، نہ تجارت ہے، نہ اپنے مصرف میں لانا۔

کیا اس صورت میں گنجائش نہیں ہے؟ جب کہ شریعت میں مجبوری کے وقت حرام کھانا جائز ہوگیا ہے، ایک شخص بھوکا ہے اب مرنے پر پہونچ رہا ہے، حرام چیز سامنے ہے، اگر نہیں کھائے گا اور مرگیا تو گنہگار مرے گا۔ بہرحال مجبوری کی حالت میں نماز وغیرہ معاف ہوجاتی ہے۔ آیا وہ شمع معمہ کا روپیہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... موجودہ حالت سے تمام دنیا واقف ہے، اس وقت ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الامن؟ دارالاسلام تو کسی صورت میں ہو نہیں سکتا۔ کیا اس صورت میں یہاں پر سود لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہاں پر ریس، دوڑ، جوا وغیرہ سے پیسہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

اکرام الحق۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... یہ قمار (جوا) ہے(۱) اس کا لینا جائز نہیں (۲)، اس سے ملک ثابت نہیں ہوگی، اس میں کوئی

---

(۱) "وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۴۰۳/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد) .... =

تصرف جائز نہیں (۱)۔ کسی کو دینے کا بھی حق نہیں، جس کو دیا جائے اس کی ملک بھی ثابت نہیں ہوگی، پھر اس کے تصرفات بھی درست نہیں ہوں گے (۲)۔ جو شخص اس قدر مجبور ہو کہ جان بچانے کے لئے اس کو مردار کھانے کی اجازت ہو اس کا حکم دوسرا ہے، وہ بقدرِ ضرورت استعمال کرنے کے لئے مستثنیٰ ہے (۳)۔

۲......سود اور جُوا ہر وقت اور ہر جگہ ہر مسلم کے لئے حرام ہے، اس کی حرمت نصِ قطعی سے

= "القمار كله من الميسر، وهوالسهام التي يجيلونها ،فمن خرج سهمه استحق منه ما توجبه علامة السهم، فربما اخفق بعضهم، حتى لا يحظى بشئ. وينجح البعض فيحظى بالسهم الوافر. وحقيقته تمليك المال على المخاطرة، وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۵۳، باب تحريم الخمر، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"و لا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار". (أحكام القرآن للجصاص (سورة البقرة: ۲۱۹) : ۱/۳۲۹، دارالكتاب العربى بيروت)

"عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله حرّم على أمتى الخمر والميسر والمزر". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۶۵۱۱): ۲/۳۵۱، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۱) "الأمر بالتصرف في ملك الغير باطلٌ؛ لأنه كما لايجوز التصرف في ملك الغير بدون وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۵): ۱/۲۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(۳) "الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة و إساغة اللقمة بالخمر". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى: ۱/۲۵۱، الفن الأول، القاعدة الخامسه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز ،ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱): ۱/۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

ثابت ہے(۱)، لہذا سود کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ہے۔بعض ائمہ کا مسلک اس کے متعلق جو کتب میں مذکور ہے اس کا محل اور مقصد کچھ اور ہے(۲)۔اس سے گنجائش نکال کر حرام چیز کو حلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اخبار کے لائف ممبر بنانا

سوال[۸۰۰۷]: آج کل اخباروں میں زندگی کے اراکین بنانے کا دستور ہے،آج ہی ایک سو روپیہ دینے والا مر جائے اور وہ اخبار ۲۵/ سال تک جاری رہے، یا پیسے دینے والا حیات رہے اور اخبار ختم ہوجائے۔ایسی صورت میں لائف میں ممبر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البيع و حرّم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

(۲) شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''**سوال**: ہندوستان میں کافروں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں اور بنک ہائے مروجہ میں روپیہ داخل کر کے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہندوستان میں کافروں سے سود لینا جائز نہیں ہے،جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک مکتوب میں مکتوبات قاسم العلوم سے اسی کی تحقیق فرمائی ہے۔اور امام صاحب سے جو اس بارے میں روایت ہے،اس کی شرائط کا تحقق اس وقت میں نہیں ہے جیسا کہ یہ بھی اسی مکتوب میں مولاناؒ نے ثابت فرمایا ہے اور ائمہ حنیفہ میں امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہؒ قطعاً ہر جگہ سود لینا ناجائز فرماتے ہیں۔ایسی حالت میں جانب احتیاط سود کا نہ لینا ہے،جس کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔اور بنک ہائے مروجہ میں روپیہ داخل کرنا اور سود لینا مناسب نہیں ہے۔اسی طرح ڈاک خانہ میں روپیہ داخل کر کے سود لینا درست نہیں ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم''۔(عزيز الفتاوی، كتاب الربوا والقمار، کفار اور غیر مسلموں سے سود لینے کا حکم: ۱/ ۱۲۲، دار الإشاعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قمار کی شکل ہے جو کہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔



(۱) "وحقیقته تملیک المال علی المخاطرة". (أحکام القرآن للجصاص، سورة المائدة، تحت آیة: ﴿إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان﴾: ۴۲۵/۲، دارالکتاب العربی بیروت)

قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشیطن، فاجتنبوه، لعلکم تفلحون﴾ (سورة المائده: ۹۰)

"عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما، أن النبی صلی الله علیه وسلم، نهی عن الخمر والمیسر والکوبة". (سنن أبی داود: ۱۶۳/۲، کتاب الأشربة، باب ماجاء فی السکر، امدادیه ملتان)

"وعن ابن سیرین کل شئ فیه خطر، فهو من المیسر". (روح المعانی، (سورة البقرة: ۲۲۹): ۱۱۴/۲، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"لأ ن القمار من القمر الذی یزداد تارةً، وینقص أخری. وسمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مالَ صاحبه، وهو حرام با لنص". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۰۳/۶، سعید)

کتاب الوکالۃ

(وکالت کا بیان)

ایک شخص کیا متعدد معاملات میں وکیل بن سکتا ہے؟

سوال[۸۰۰۸]: اگر کوئی شخص کسی کا ایک مرتبہ کسی مقدمہ میں وکیل بن جائے تو پھر تمام عمر وہ کسی کا بھی مقدمہ میں وکیل نہیں بن سکتا، الّا وکیل نکاح کے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مقدمہ میں جب ایک آدمی کسی کی طرف سے وکیل بن چکا ہے تو اس مقدمہ میں دوسرے فریق کی طرف سے وکیل نہیں بن سکتا، جب تک فریقِ اول کی وکالت سے علیحدہ نہ ہوجائے (۱)۔ اس کے علاوہ یہ بات

---

(۱) چونکہ وکیل اجیر خاص ہے اور اجیر خاص کے لئے مفوضہ کام کے وقت کوئی اَور کام کرنا جائز نہیں:

"إذا استأجر رجلاً يوماً ليعمل كذا، فعليه أن يعمل ذلك العمل إلى تمام المدة، ولا يشتغل بشيء آخر سوى المكتوبة .... قال بعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: إن له أن يؤدي السُّنّة أيضاً، واتفقوا أنه لا يؤدي نفلاً، وعليه الفتوى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱۶/۴، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، رشيديه)

"وإذا استأجر رجلاً يوماً يعمل كذا، فعليه أن يعمل ذلك العمل إلى تمام المدة، ولا يشتغل بشيء آخر سوى المكتوبة .... و قد قال بعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: له أن يؤدي السُّنة أيضاً، واتفقوا أنه لا يؤدي نفلاً، وعليه الفتوى". (ردالمحتار: ۷۰/۶، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب: ليس للأجير الخاص أن يصلي النافلة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز ص: ۲۳۶، (رقم المادة: ۴۲۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وإن كان وكيلاً بالأجرة، فإنه يجبر على بيع المال و أداء دين الآمر؛ لأنه حينئذٍ أجير، والإجارة =

کہ ''وہ کسی کا بھی وکیل نہیں بن سکتا، تمام عمر بیکار ہی رہے گا، اس سے وکالت کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے گی، الّا وکیل نکاح کے'' تو یہ بات غلط ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۳ھ۔

پیشۂ وکالت

سوال[۸۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل میں:

وکالت کرنا کیسا ہے اور جو اس سے روپیہ کمایا جاوے وہ کیسا ہے اور ان کے گھر کا کھانا کھانا کیسا ہے، درست ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر سچے مقدمہ میں باقاعدہ کام اور اجرت معین کر کے وکالت کی جائے اور کوئی کام خلافِ شرع اس میں نہ کیا جاوے تو نفسِ وکالت اور اس کی اجرت کا روپیہ اور اس کا کھانا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۰/۲۵ھ۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= لازم، فيجبر على العمل". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۱۸، (رقم المادة: ۱۵۱۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"أما الوكيل بالبيع بأجرة كالدلال والسمسار، فيجبر على تحصيل الثمن واستيفاءه". (شرح المجلة لسليم رستم، ص: ۸۱۲، (رقم المادة: ۱۵۰۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) وکالت کی صلاحیت کسی میں جیسے ابتداء ہوتی ہے اس طرح انتہاءً بھی ہوتی جب کہ وہ صحیح اور تندرست ہو، مجنون اور مغلوب العقل نہ ہو، لہٰذا ایک بار وکالت کرنے سے اس کی وکالت کی صلاحیت ختم نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے لئے کوئی شرعی مانع بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) قال الأستاذ الدكتور وهبة الزحيلي: "تصح الوكالة بأجر و بغير أجر؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبعث عمّاله لقبض الصدقات، و يجعل لهم عمولةً، ولهذا قال له أبناء عمه: لو بعثتنا على هذه =

....

= الصدقات، فنؤدّی ما یؤدی الناس ونُصیب ما یصیبه الناس: أی العمولة، ولأن الوکالة عقد جائز لا یجب علی الوکیل القیام، فیجوز أخذ الأجرة فیها بخلاف الشهادة". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۴۰۵۸/۵، البحث الأول تعریف الوکالة، مکتبه رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ الکاملیة، ص: ۱۳۶، کتاب الوکالة، مکتبه حقانیه پشاور)

(وکذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۴۹۸/۴، (رقم المادة: ۱۵۰۴)

سوال: ''حضور نے دربارۂ وکالت احقر کے استفتاء پر تحریر فرمایا تھا کہ:

''اگر مؤکل سچا ہے تو مظلوم ہے، مظلوم کی نصرت واجب ہے، واجب پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ اور اگر جھوٹا ہے تو ظالم ہے، ظالم کی نصرت حرام ہے اور حرام پر اجرت لینا بھی حرام ہے''۔

لیکن اگر وکالت کی فیس کو واجب یا حرام کی اجرت نہ کہا جاوے بلکہ مثلِ نفقۂ قاضی یا حاکم کے اس کو بھی نفقہ کہا جاوے تو جواز کی گنجائش ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ تاویل نہ چل سکے تو پھر یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ وکیل نصرت کی اجرت نہیں لیتا ہے، بلکہ ایک خاص وقت اور ایک خاص دن میں محبوس رہنے کی اجرت لیتا ہے، کیونکہ غایت مافی الباب وکیل پر مؤکل کو قانونی مشورہ دے دینا واجب ہوگا، اب مؤکل کو چاہیے کہ اس کے مشورہ کے موافق عمل کرے۔

اگر خود عمل کرنے پر قادر نہیں تو وکیل اس کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا باوجود اس کے کہ وکیل کو عدالت میں لے جانا اور اپنے کام کے لئے محبوس رکھنا یہ غالباً متقوم عند الشرع ہوسکتا ہے، اس میں کس قدر اس کی تائید ہوسکتی ہے کہ بسا اوقات ایک مقدمہ میں کئی کئی وکیل کرتے ہیں جن میں سے بعض گفتگو کرتے ہیں اور بعض خاموش بیٹھے رہتے ہیں، جب عدالت کا وقت ختم ہوجاتا ہے چلے جاتے ہیں۔ اب ان وکیلوں نے جنہوں نے خاموشی کی حالت میں عدالت کے وقت کو پورا کردیا باوجودیکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کی مگر فیس لے لی، اس سے معلوم ہوا کہ محض حبس کی فیس لی ہے، ورنہ ان کو کچھ نہیں ملنا چاہیے، کیونکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کی، آیا اس تاویل سے وکالت جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ فقط بینوا و توجروا۔

الجواب: ''سائل نے جو توجیہات اس کی جواز کی لکھی ہیں وہ کافی ہیں، اور ان سب سے سہل تر توجیہ یہ ہے کہ: فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمتِ استیجار مخصوص ہے طاعۃ مختصہ بالمسلم کے ساتھ اور نصرتِ مظلوم منجملہ طاعات عامہ کے ہے، پس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جاوے گا، حاصل یہ کہ پیشۂ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا، مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو''۔

(إمداد الفتاوی: ۳۱۹/۳، کتاب الوکالة، (رقم السوال: ۲۶۷)، مکتبه دار العلوم کراچی)

(وکذا فی إمداد الأحکام: ۵۸۰/۳، کتاب الإجارة، مکتبه دار العلوم کراچی)

وکالت کا پیشہ

سوال[۸۰۱۰]: وکالت کا پیشہ اختیار کرنا کسی مسلمان کو کیسا ہے، جب کہ شریعتِ حقہ کے خلاف اکثر قوانین ہوتے رہتے ہیں، اس سے جو رقم ملے وہ کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سچے مقدمات لیتا ہو اور کسی خلافِ شرع امر کا ارتکاب اس میں نہ کرنا پڑتا ہو تو پیشۂ وکالت جائز ہے(۱)۔ اور جو آمدنی خلافِ شرع طریقہ پر حاصل کی جائے گی، وہ حرام ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

وکیل کی آمدنی اور اس کا ہدیہ

سوال[۸۰۱۱]: ۱...... وکلائے عدالت کی وکالت کی آمدنی حلال ہے یا حرام، جب کہ وکالت کرنے میں حق وناحق ہر طرح کے مقدمے کی وکالت کرتے ہیں؟

۲...... ایسے وکیل کی آمدنی سے ہدیہ کا قبول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳...... مسلم وغیر مسلم کی وکالت کی آمدنی سے ہدیہ کے قبول کرنے میں کچھ فرق تو نہیں؟

---

(۱) (راجع عنوان: ''پیشہ وکالت'')

(۲) ''لایجوز أخذ الأجرة علی المعاصی کالغناء والنوح والملاهی؛ لأن المعصیة لا یتصور استحقاقها بالعقد، فلا یجب علیه الأجر، وإن أعطاه الأجر أو بعضه، لا یحل له، ویجب علیه ردّه''. (مجمع الأنهر: ۵۳۳/۲، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مکتبه غفاریه کوئٹه)

''لا تجوز الإجارة علی الغناء والنوح، ولو عمل، لا أجر له''. (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۱/۵، کتاب الإجارة، نوع فی المتفرقات، وفیه الإجارة علی المعاصی، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵۵/۶، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الاستیجار علی المعاصی، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۵۶۲/۴، کتاب الإجارة، فصل فی شرائط الرکن، دارالکتب العلمیة بیروت)

۴......اگر وکیل کی آمدنی کا ذریعہ علاوہ وکالت کے اَور بھی کوئی ہو، مثلاً تجارت تو ایسی حالت میں ہدیہ کے قبول اوراس کے استعمال میں کیا حکم ہے؟ جب کہ یہ امر مخفی ہے کہ یہ ہدیہ وکالت کی آمدنی کا ہے یا اَور کسی آمدنی کا؟ ناجائز ہونے کی صورت میں یہ امر قابلِ دریافت ہے کہ کسی حیلۂ شرعی سے اس ہدیہ کو جائز بھی کیا جاسکتا ہے یانہیں؟

امورِ بالا کا جواب برائے صدکرم مدلل تحریر فرما کر ممنون وشاکر فرمائیں۔

نیازمند: سعیدالدین مقیم دہرہ دون، ۶/شوال/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... وکالت ایک عقدِ اجارہ ہے، اگر اجارہ میں عمل یا وقت اور اجر کی تعیین ہوجائے، نیز وہ عمل معصیت نہ ہواوران طاعات میں سے بھی نہ ہو کہ جن پر اجر لینا ناجائز ہے تو اجارہ درست ہے، اس طرح اگر وکالت میں امورِ مذکورہ کا لحاظ رکھا جائے تو وکالت کی آمدنی حلال ہوگی۔ اور جس وکالت میں معصیت پر اجر لیا جائے یعنی جھوٹے اور ناحق مقدمہ کی پیروی کی جاوے اور ظالم کی اعانت کی جاوے ایسی وکالت اوراس کی آمدنی ناجائز ہے:

"لا يجوز أخذ الأجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر أو بعضه، لايحل له، ويجب عليه رده، اهـ". مجمع الأنهر، ص: ٣٨٤(١)۔

۲......اختلاط کی صورت میں غلبہ کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر غالب آمدنی حلال ہے تو ہدیہ کا لینا بھی درست ہے اوراگر غالب آمدنی حرام ہے تو ہدیہ کا لینا بھی حرام وناجائز ہے۔ ہاں! اگراس ہدیہ کے متعلق حلت یا حرمت کا علم ہوجائے تو پھراس کا اعتبار ہوگا:

"إذا أهدى الرجل إلى إنسان أو أضافه، إن كان غالب مال المهدىٖ من الحرام، ينبغي له أن لا يقبل الهدية و لا يأكل من طعامه مالم يُخبر أنه حلال، أو أنه استقرض من غيره. وإن كان غالب مال المهدى من الحلال، لابأس بأن يقبل الهدية و يأكل مالم يتبين عنده أنه حرام؛

(١) (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ٥٣٣/٣، مكتبة غفاريه كوئٹه)

لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام، فيعتبر الغالب". فتاویٰ قاضی خان: ٤/٧٧٨(١)۔

مقتدا کو اجتناب احوط ہے۔

۳......جو معاملات مسلمانوں کے لئے ممنوع ہیں وہ کفار کے لئے بھی ممنوع ہیں۔قبولِ ہدیہ کے لئے وکالتِ مسلم پر وکالتِ کافر کو قیاس کرلیا جاوے:

"أما المعاملات فهی دائرة بيننا وبينهم، أما الكفار، فينبغی أن نتعامل معهم حسب ما تعاملنا بيننا فی البيع والشراء والإجارة وغيرها سوى الخمر والخنزير، فإنهما مباحان لهم لا لنا، اهـ". نور الأنوار، ص: ٢٩(٢) وغاية التحقيق(٣)۔ وكشف المبهم، ص: ٢٣٩۔

۴......اس میں بھی غلبہ کا اعتبار ہوگا، بر تقدیر جواز حیلۂ شرعی یہ ہے:

"وفی شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة: أن الشيخ أبا القاسم كان يأخذ جائزة

---

(١) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ٣/٤٠٠، كتاب الحظر والإباحة، ومايكره أكله ومالايكره ومايتعلق بالضيافة، رشيديه)

"إذا كان غالب مال المهدی حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام. وإن كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها و لا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ ورثه أو استقرضه". (الأشباه والنظائر: ١/٣٤٣، القاعدة الثانية: إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات: ٥/٣٤٢، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ٤/١٨٦، كتاب الكراهية، فصل فی الكسب، غفاريه كوئٹه)

(٢) (نور الأنوار، ص: ٥٩، ٦٠، فی بحث الأمر، سعيد)

(٣) "ولأن الوجوب لايثبت عند انتفاء حكمه، لم يجب على الكافر شئ من الشرائع التی هی الطاعات، لاخلاف أن الكافر أهل الأحكام لايرادبها وجه الله تعالىٰ مثل المعاملات والعقوبات من الحدود والقصاص؛ لأنه أهل لأدائهما؛ إذ المطلوب من المعاملات مصالح الدنيا، وهم أليق بأمور الدنيا من المسلمين؛ لأنهم آثروا الدنيا على الآخرة، وكذا المقصود من العقوبات المشروعة فی الدنيا الانزجار على الإقدام على أسبابها، وهذا المعنى مطلوب من الكافر كما هو مطلوب من المؤمن، بل الكافر أليق بما هو عقوبة زجرا من المؤمن". (غاية التحقيق شرح الحسامی، باب القياس، فصل فی بيان الأهلية، ص: ٢٨٧، مير محمد كتب خانه)

السلطان، وکان یستقرض لجمیع حوائجه، وما یأخذ من الجائزة یقضی به دیونه. والحیلة فی هذه المسائل أن یشتری نسیئةً، ثم ینقد ثمنه من أیّ مال شاء. وقال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: سألت أبا حنیفة رحمه الله تعالیٰ عن الحیلة فی مثل هذا، فأجابنی بما ذکرنا، کذا فی الخلاصة، اهـ". فتاوی عالمگیری: ٤/٢٢٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۵۵/۱۰/۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وکیل بالشراء کو قیمت میں تصرف کرنا

سوال[۸۰۱۲]: اگر کسی شخص نے ایک آدمی کو کوئی شی خریدنے کو کہا اور پیسے اپنے پاس سے دیئے تو وکیل کو یہ جائز ہے کہ یہ پیسہ بوجۂ ضرورت اپنے تصرف میں لائے اور مؤکل کو اپنے پیسے سے چیز کو خرید کر دیدے، اور خریدنے کے بعد وکیل مؤکل کے لئے وہ شئے لا رہا تھا کہ راستہ میں وکیل سے ایک شخص نے کہا کہ یہ شئے مجھ کو دیدو اور تم اَور بازار سے خرید کر مؤکل کو دے دو۔ تو وکیل کو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وکیل امین ہوتا ہے(۲)، امانت میں اس قسم کا تصرف ناجائز ہے، اگر تصرف کرلیا ہے تو وہ ضامن ہوگا امین نہیں رہا(۳)۔ مؤکل کے داموں سے جو چیز خریدی ہے اس کو کسی اَور کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں، یہ

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، باب الهدایا والضیافات: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(۲) "المال الذی قبضه الوکیل بالبیع والشراء وإیفاء الدین واستیفائه، والمال الذی قبضه الوکیل بقبض العین بحسب وکالته، هو فی حکم الودیعة بید الوکیل". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۷۸۴، (رقم المادة: ۱۴۶۳)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "إذا هلکت الودیعة أو نقصت قیمتها بتعدی المستودع أو بتقصیره، لزمه الضمان، مثلاً: إذا أنفق المستودع نقود الودیعة فی أمور نفسه أو استهلکها، ضمنها". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۳۶، (رقم المادة: ۷۸۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

فضولی کی بیع ہوئی جو اصل مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔



(۱) "من باع ملک غیره، فللمالک أن یفسخه، و یجیزه إن بقی العاقدان والمعقود علیه، وبه لو عرضاً .... والأصل فیه أن کل تصرف صدر من الفضولی و له مجیزٌ حال وقوعه، انعقد موقوفاً علی الإجازة عندنا". (تبیین الحقائق: ۴/۴۸۳، کتاب البیوع، باب بیع الفضولی، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۳/۱۳۴، فصل فی بیع الفضولی، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۱۰۶، ۱۰۷، فصل فی بیع الفضولی، سعید)

لیکن اگر موکل کے پیسے اپنے تصرف میں لائے، اس کے بعد چیز کو خریدا، یا قیمت اپنے پیسوں سے ادا کی تو یہ چیز وکیل کی ہوگی، اب اگر کسی اَور کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ بیع نافذ ہے: "الوکیل بشراء عبدٍ حبشیٍّ إذا أنفق الدراهم علی نفسه واشتری بما أمر به من عنده، یکون المشتریٰ للوکیل دون الآمر، وهو المختار". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۵۷۷، الباب الثانی فی التوکیل بالشراء، رشیدیه)

کتاب الدعوی و التحکیم

باب الدعوی

(دعویٰ کا بیان)

زمین کا سرکاری کاغذات میں کسی کے نام ہونا اثباتِ ملک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

سوال[۸۰۱۳]: زید کے نام ایک زمین ہے، خالد اور عمر اس پر قابض ہیں۔ خالد کی وفات کے بعد خالد کی بیوی کا وہ لڑکا جو خالد سے نہیں ہے یعنی خالد کا ربیب خالد کی طرف سے زمین پر قابض ہوا۔ اب اس زمین کے سلسلہ میں زید اور عمر اور خالد کے ربیب ہر ایک دعویدار ہیں کہ وہ میری زمین ہے۔ زید کہتا ہے کہ باپ دادا کے وقت سے ہم لوگ سرکاری کاغذات پر مندرج ہیں، اس لئے میری ہے۔ اس لئے تینوں کے درمیان شدت سے لڑائی جھگڑا ہے۔

خالد کے ربیب نے رشوت دے کر زمین اپنے نام کرالیا، عمر کو جب یہ معلوم ہوا تو زید سے مل کر عدالت میں زید کے حق میں بیان دیدیا جس سے زید کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ زید شرعاً زمین کا مالک ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ وہ زمین زید کے نام سے اور سرکاری کاغذات میں خانۂ ملکیت میں اس کا نام درج ہے تو اس کے لئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں (۱)، خالد اور عمر کا اس پر قبضہ بغیر اثباتِ ملک کے بے محل ہے (۲)۔

---

(۱) "إن الإعلام والسندات الصادرَين من حاكم محكمة يجوز الحكم والعمل بمضمونهما بلا بينة إذا كانا عاريين وسالمين من شبهة التزوير والتصنيع وموافقين لأصولهما". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۱۸۰، (رقم المادة: ۱۸۲۱)، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن السائب بن يزيد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يأخذ=

خالد کے انتقال کے بعد اس کے ربیب کی ملک اس پر ثابت نہیں ہوئی (۱)۔ خالد کے ربیب کا رشوت دے کر اپنے نام کرالینا بھی غلط ہوا۔ زید کے نام پہلے سے ہی تھا اور اب عمر نے بھی جب کہ اس کے حق میں بیان دیدیا، تو گویا کہ اپنی ملک کا دعوی واپس لے لیا، اور یہ بھی اقرار کرلیا کہ عمر کا پہلا قبضہ زمین پر صحیح نہیں تھا۔ پس زید کے حق میں فیصلہ درست ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۴ھ۔

خرچۂ مقدمہ مدعیٰ علیہ سے وصول کرنا

سوال [۸۰۱۴]: ایک قطعۂ زمین کو زید، بکر، خالد وغیرہ نے مشترکہ خرید کی، خرید کردہ زمین کا کچھ حصہ باقی بچ رہا تھا۔ زید نے عمر (جو کہ ان شرکاء مذکورہ میں سے ہے) سے کہا کہ اس بقیہ جز کو تم لے لوتا کہ پورا قطعہ ہم لوگوں کی خریداری میں آجائے۔ عمر نے کہا کہ کچھ ضرورت نہیں ہے اور نہ میرے پاس روپیہ ہے۔ زید نے کہا کہ روپیہ میں دے دوں گا، تم اپنے نام لکھوالو۔

عمر نے کہا کہ اگر اس وقت میں لکھوالوں تو گھر پہونچ کر پھر تمہیں روپیہ کہاں سے دوں گا، اس لئے کہ گھر پر بھی میرے روپیہ نہیں موجود ہے اور نہ کوئی صورت فراہم کرنے کی ہے۔ زید نے کہا لکھوالو جب ہوگا اور جس طرح ہوگا دیتے رہوگے۔ عمر نے کہا: بہت اچھا! جب یہ بات ہے تو روپیہ دے دو، اگر روپیہ میں دے سکا تو میری ورنہ تمہاری۔ چنانچہ بیع کی رجسٹری ہوگئی، خارج داخل ہوگیا ہے، مکان پر آکر عمر نے کچھ روپیہ فراہم کرکے زید کو دے دیا۔

چونکہ اراضئ مذکورہ مشترکہ چند شرکاء کی تھی، اس لئے شرکاء نے پٹواری کو بلوا کر پیمائش کراکے باہمی تقسیم کراکے قرعہ ڈالا، بموجب قرعہ سب نے منظور کیا۔ زید نے عمر سے کہا کہ تم قرعہ کے موافق زمین آباد کرو، عمر نے کہا کہ میں اس وقت روپیہ نہیں دے سکتا ہوں، تمہارا روپیہ ہے تم ہی زمین آباد کرو۔ پس کچھ دنوں تک زید نے

= أحدكم عصا أخيه لاعباً جاداً، فمن أخذ عصا أخيه فليردّها إليه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) "اعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل: كبيع وهبة، وخلافة: كإرث وإصالة: و هو الاستيلاء". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۴۶۳/۶، كتاب الصيد، سعيد)

اس زمین کو آباد کیا، بعدہ زید وعمر کے باہمی کچھ گفت وشنید ہوئی۔

اب عمر کہتا ہے کہ اراضیٔ مذکورہ کا میں مستحق ہوں اور تم روپیہ کے مستحق ہو تم اپنا روپیہ قسط وار مجھ سے لے لیا کرو اور قبضہ اراضی پر اب میں کروں گا، چنانچہ عمر نے قبضہ کرلیا اور اب تک قبضہ باقی ہے۔ زید کہتا ہے کہ تم میرے نام بیع کرلو، عمر کہتا ہے کہ بیع کرنے کی کیا ضرورت ہے، تم برائے مہربانی اپنا روپیہ ہم سے قسط وار لیتے رہو، قسط وار تو لازمی طور پر ادا کرتا رہوں گا، نیز ہوسکا تو قسط سے بھی زائد دیتا رہوں گا۔ مگر وہ نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ جب تک تم میرا روپیہ کل ادا نہیں کروگے تو زمین پر میں قابض رہوں گا اور زید، فساد، فوجداری، مقدمہ بازی پر تُلا ہوا ہے۔ عمر نے کہا تمہاری تعدی سے اگر مجبوراً عدالت میں جانے کی ضرورت ہوئی تو اس کے اخراجات وضع کرکے بقیہ رقم تم کو دوں گا۔

آپ ارشاد فرمائیے کہ مقدمہ میں صَرف شدہ رقم قرض میں محسوب ہوگی یا نہیں؟ نیز اگر زید زمین پر قبضہ کرلے تو اس سے نفع حاصل کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ عمر نے زید کا کچھ روپیہ ادا کیا ہے زیادہ حصہ باقی ہے، اس صورت میں زمین مذکورہ عمر کی ملکیت ہے یا زید کی باقی ہے؟

المستفتی: مولوی محمد تقی، موضع ادری، ڈاکخانہ اندارہ، ضلع اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے عمر کو جو روپیہ دیا ہے وہ روپیہ قرض ہے اور زمین عمر نے خریدی ہے (اگرچہ روپیہ زید سے قرض لے کر دیا ہے)، لہذا عمر زمین کا مالک ہے۔ اور جس قدر روپیہ عمر نے قرض لیا ہے وہ واجب الاداء ہے اور اگر عمر کے پاس فی الحال ادائیگی کے لئے روپیہ موجود نہیں تو زید کو چاہیے کہ عمر کو مہلت دے، لقوله تعالیٰ ﴿وإن كان ذوعسرة فنظرة إلى ميسرة﴾ (۱)۔ تاہم زید کو مطالبہ کا حق ہر وقت حاصل ہے، اگر عمر کے پاس روپیہ موجود نہیں ہے تو عمر کو چاہیے کہ وہ زمین وغیرہ کو فروخت کرکے روپیہ ادا کرے، اگر باوجود قدرت کے ادا نہیں کرتا تو وہ گنہ گار ہوگا (۲)۔ اور عدالت کا خرچہ تین قسم کا ہے:

(۱) (سورة البقرة: ۲۸۰)

(۲) "ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مطل الغنى ظلم، فإذا أتبع أحدكم على ملئ فليتبع". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۱/۲۵۱، قديمی)

(وصحيح البخاری: ۱/۳۲۳، كتاب فی الاستقراض وأداء الديون، بابٌ: مطل الغنى ظلم، قديمی)

اول: وہ جو کہ ہر صورت میں مدعی کے ذمہ رہتا ہے، جیسے مدعی کے وکیل کا محنتانہ، وہ تو مدعی کو مدعی علیہ سے وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

دوم: وہ جو کہ سرکار نے ظلماً مقرر کیا ہے، جیسے کہ درخواستوں کے ٹکٹ اور کورٹ فیس وغیرہ بھی مدعی کو مدعی علیہ سے وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

سوم: وہ جو کہ مدعیٰ علیہ کو طلب کرانے میں خرچ ہو، پس اگر مدعی علیہ حاضر نہیں ہوتا تھا اور کچھ خرچ کرکے جبراً حاضر کرایا ہے، نیز بلا طلب کرائے باوجود قدرت کے ادا نہیں کرتا تھا تو اس قسم کا خرچہ وصول کرنے کا حق ہے، کیونکہ مدعی علیہ اپنے خرچ کا خود سبب بنتا ہے۔ اگر قرض ادا کردے تو اس خرچ کی نوبت ہی نہ آتی۔

"وفي البزازية: ويستعين بأعوان الموالي على الإحضار وأجرة الأشخاص في بيت المال، وقيل: على المستمرد في المصر من نصف درهم إلى درهم، وفي خارجه لكل فرسخ ثلاثة دراهم أو أربعة .... والحاصل أن الصحيح أن أجرة الشخص بمعنى الملازم على المدعي، وبمعنى الرسول المحضر على المدعى عليه لوتمرد بمعنى امتنع عن الحضور، وإلا فعلى المدعي". شامي: ٤/ ٤٣(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۷/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ رجب/ ۵۵ھ۔

فریقِ مخالف پر خرچۂ عدالت کا دعویٰ کرنا

سوال[۸۰۱۵]: زید نے عمر پر فوجداری کا دعویٰ کرکے بلاقصور پھنسادیا اور ہائیکورٹ تک عمر بری رہا، مگر پیروی میں اس کے اخراجات کثیر ہوئے اور بدنامی اور زیرباری وبے آبروئی اور اپنے کاروبار کا نقصان عظیم ہوا۔ ابتدائی عدالت سے ہائی کورٹ تک مقدمہ چلا اور زید آگے بڑھتا رہا، عمر ہر عدالت سے بری ہوتا گیا۔ چونکہ عمر نہایت درجہ زیرباراور بے آبرو ہوا اور مالی نقصان اٹھایا اور روحانی وجسمانی اذیت پائی تو اگر عمر اپنی ہتک عزت وروحانی وجسمانی اذیت اور نقصانات کا دعویٰ کسی رقم کا جو مناسب حال ہو دائر کرے تو شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اگر دعویٰ کرسکتا ہے تو کس قدر رقم تک دعویٰ کرسکتا ہے جو عنداللہ گنہگار نہ ہو۔ فقط۔

---

(١) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب في أجرة الحضر: ٥/ ٣٧٢، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

غلط دعوی کی جوابدہی میں جس قدر خرچ ہو، وہ سب وصول کرنا درست ہے(۱)۔ جسمانی وروحانی اذیت اور بے آبروئی کا کوئی مالی ضمان نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ایک شخص کا رقم نہ دینے کا دعویٰ اور دوسرے کا انکار

سوال[۸۰۱۶]: اگر دفتری آدمی جو اس دفتر کے متعلقین سے رقم مختلفہ لیتا دیتا رہتا ہے، کسی کی رقومِ مطلوبہ واجبہ اس کے پاس رکھ دے کہ: لو، اسے گن لو، اور کچھ باقی اپنے جیب سے نکالنے لگے اور ادھر سے توجہ ہٹ جائے اور دوبارہ جب ان کی طرف متوجہ ہوا اور کہے کہ رقم گن لی جائے، یہ باقی پیسہ ہے تو وہ صاحب کہیں کہ وہ رقم تو آپ نے جیب میں دھر لی، مجھے کہاں دی۔ جب دفتری صاحب نے جیب دیکھی تو وہ رقم نظر نہیں آئی، پھر جب ساری رقم شمار کی تو اتنی ہی رقم کم نکلی، لیکن وہ صاحب یہی کہتے ہیں کہ رقم ہم کو نہیں ملی۔ کسی اَور کے

---

(۱) جب کسی کو اپنے حق کی حفاظت کے لئے بجبوری نالش کرنا پڑے، اور فریقِ مخالف کی طرف سے بالکل مخاصمانہ کارروائیوں کی وجہ سے بہت سے مصارف برداشت کرنا پڑیں تو اس صورت میں خرچہ کا روپیہ بہت سے علماء کے نزدیک (ومنهم مولانا رشید احمد گنگوهی صاحب رحمه الله تعالیٰ) جائز ہے"۔(إمداد الفتاوی: ۱۲۳/۳، حوادث الفتاوی، عنوان: خرچہ عدالت وصول کرنا، دار العلوم کراچی)

"ثم حاصل ما ذكره من ضمان الساعي أنه لو سعى بحق لا يضمن، ولو بلا حقٍ فإن كان السلطان يغرم بمثل هذه السعاية ألبتة، يضمن. وإن كان قد يغرم و قد لا يغرم، لا يضمن، والفتوىٰ على قول محمد رحمه الله تعالىٰ من ضمان الساعي بغير حقٍ مطلقاً ويعزر". (رد المحتار، كتاب السرقة، مطلب في ضمان الساعي: ۸۹/۴، سعيد)

(۲) "ومعنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شئ من ماله عنده مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه؛ لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحر الرائق" (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

چرانے وغیرہ کا احتمال نہیں ہے۔ ایسی صورت میں دفتری صاحب کو تاوان دینا پڑے گا، یا کوئی اَور صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں دونوں پر قسم آئے گی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۸۷ھ۔

کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ

سوال [۸۰۱۷]: مکتوب قاضی الی القاضی کا کیا قاعدہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حکم یا شہادت کو گواہوں کے سامنے تحریر کرے اور ان کو سنا کر مہر لگا دے، پھر اس مہر شدہ تحریر کو دوسرے قاضی کے پاس ان گواہوں کے ساتھ بھیج دے مکتوب الیہ کے پاس۔ جب یہ گواہ اس تحریر کو لے کر جائیں تو وہ ان گواہوں سے دریافت کرے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور وہ گواہ پورے طور پر شہادت دیں کہ فلاں قاضی نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے اور اس میں یہ مضمون ہے، پھر وہ مکتوب الیہ اس تحریر کو کھول کر پڑھے۔ یہ شرائط آج کل کی ڈاک، تار، ٹیلفون، ریڈیو خط وغیرہ کسی میں بھی موجود نہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو کتاب القاضی إلی القاضی:

---

(۱) "وإذا اختلف المتبايعان في البيع فادّعى أحدهما ثمناً وادعى البائع أكثر منه، أو اعترف البائع بقدر من المبيع وادّعى المشترى أكثر منه، وأقام أحدهما البينة، قُضي له بها .... وإن لم يكن لكل واحد منهما بينة، قيل للمشترى: إما أن ترضى بالثمن الذى ادّعاه البائع، وإلا فسخنا البيع. وقيل للبائع: إما أن تسلّم ما ادّعاه المشترى من المبيع، وإلا فسخنا البيع، فإن لم يتراضيا، استحلف الحاكم كل واحد منهما على دعوى الآخر". (الهداية: ۲۰۷/۳، كتاب الدعوى، باب التحالف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع في التحالف: ۳۲/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۷۱/۷، باب التحالف، رشيديه)

٤٨٦/٤ رد المحتار (١) اورلسان الحكام(٢) وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۴/شعبان/٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،٦/شعبان/٦٦ھ۔

قاضی کی شرعی حیثیت

سوال[۸۰۱۸]: تمام مسلمانان اور سرکار کی طرف سے عہدۂ قضا پر جو منتخب ہوتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا احترام لازم ہے اور اس کا حکم جو شریعت کی حدود میں ہو وہ معتبر اور واجب التعمیل ہے (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) "القاضي يكتب إلى القاضي في كل حق غير حدٍّ و قود، فإن شهد على خصم حاضر حكم بالشهادة، وكتب بحكمه .... وكتب الشهادة إلى قاض، ليحكم القاضي المكتوب إليه .... وقرأ الكتاب عليهم أو أعلمه بمافيه: أي بإخباره؛ لأنه لا شهادة بلا علم المشهود به، و ختم عندهم: أي عند شهود الطريق، وسلم الكتاب إليهم بعد كتابة عنوانه في باطنه .... و إذا وصل إلى المكتوب إليه نظر إلى ختمه أوّلاً، ولا يقبله: أي لا يقرؤه إلا بحضور الخصم وشهوده، إلا إذا أقر الخصم، فلا حاجة إليهم".

(رد المحتار على الدر المختار: ۵/۴۳۲، ۴۳۴، كتاب القاضي إلى القاضي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳۸۱، ۳۸۲، الباب الثالث والعشرون في كتاب القاضي إلى القاضي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۹/۱۱۴، فصل في شرائط القضاء، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (لسان الحكام، الفصل الأول في آداب القضاء ومايتعلق به، ص: ۲۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول، وأولي الأمر منكم﴾ الاية. (سورة النساء: ۵۹)

"فإن حكم، لزمهما؛ لأن حكمه صدر عن ولايةٍ شرعيةٍ عليهما، كالقاضي إذا حكم، لزم".

(تبيين الحقائق، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۵/۱۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۴، كتاب الحوالة، باب التحكيم، رشيديه)

فاسق کو قاضی بنانا

سوال[۸۰۱۹]: زید علم دینیات سے ناواقف اور سارق سزایافتہ ہے، سرقہ، داڑھی منڈاتا اور تارک الصلوۃ ہے اور اس کے اَور بھی اعمال خلاف شرع ہیں۔ تو ایسی صورت میں زید شرعی عہدۂ قضاء کے لائق و موزوں ہوسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں افعالِ مذکورہ کی وجہ سے زید فاسق ہے، لہٰذا عہدۂ قضاء کے لئے شرعاً موزوں نہیں عادل اور امین اور صالح کو قضاء کا عہدہ سپرد کرنا مناسب اور موزوں ہے، البتہ اگر قاضی بنادیا گیا تو قاضی بن جائے گا اور اس کی قضاء نافذ ہوگی جب کہ اس میں حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ ہو:

فی الکنز: "والفاسق أهلٌ للقضاء کما هو أهل للشهادة، إلا أنه لاینبغی أن یقلد". وفی البحر: "لاینبغی تقلیده؛ لأن القضاء من باب الأمانة، والفاسق لایؤتمن فی أمر الدین، لقلة مبالاته به". بحر: ۶/۲۶۰(۱)۔

وفی الهندیة: ۳/۳۱۰: "فیجوز تقلید الفاسق وتنفذ قضایاه إذا لم یجاوز فیها حدّ الشرع، ولکن لاینبغی أن یقلد الفاسق، کذا فی البدائع"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۰/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/شوال/۵۲ھ۔



(۱) (البحر الرائق، کتاب القضاء: ۶/۴۳۸، رشیدیه)

(۲) (بدائع الصنائع، کتاب آداب القاضی، فصل فی من یصلح للقضاء: ۹/۹۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

باب التحکیم

(حکم مقرر کرنے کا بیان)

کسی کو حکم تسلیم کرنے کے بعد اس سے رجوع

سوال[۸۰۲۰]: زید اور عمر کا ایک زمین کے متعلق اختلاف ہوا کہ اس زمین کو کس نے پہلے خریدا، اس معاملہ کا فیصلہ کرانے کے لئے دونوں نے ایک متقی عالم کو متفقہ طور پر پسند کر کے حکم اور فیصل مقرر کر دیا۔

زید نے عالم صاحب سے کئی بار ملاقات کر کے یہ کہا کہ "تم فیصلہ اس طرح کرو کہ عمر اس زمین کا حق چھوڑے اور میں اس کے عوض عمر کو دس ہزار روپے، یا جتنی بھی رقم آپ فرمائیں وہ رقم عمر کو دیدوں"۔ اور زید نے عالم صاحب سے یہ بھی کہا کہ اگر آپ اس کے خلاف فیصلہ کریں گے تو میں عدالت میں جاؤں گا اور آپ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کروں گا۔

عالم صاحب نے تحقیق شروع کی اور ان کو یہ ظاہر ہوا کہ زید جھوٹا ہے اور اس نے عمر کے زمین خریدنے کے بعد زمین خریدی ہے، لہذا انہوں نے زبانی فیصلہ ان کو سنا دیا کہ عمر حق پر ہے اور تم جھوٹے ہو۔ اور چونکہ زید نے پہلے کہا تھا کہ اگر میرے خلاف فیصلہ کرو گے تو میں عدالت میں جاؤں گا، اس لئے عالم صاحب نے اس معاملہ کو تحریری شکل دینے کے لئے زید وعمر دونوں کو اطلاع دی کہ تم فلاں تاریخ کو اپنے کاغذات وثبوت لے کر فلاں مقررہ جگہ حاضر ہو جاؤ۔ اس اطلاع کے ملتے ہی زید نے عدالت میں دعویٰ داخل کر دیا کہ عالم صاحب جھوٹے ہیں ان پر ہم کو اعتماد نہیں، اس لئے حکومت ان کو حکم اور فیصل کے لئے نااہل ٹھہراوے۔

اب سوال یہ ہے کہ تحریر کے بغیر زبانی فیصلہ سنانے کے بعد زید کو عدالت میں جانے اور فیصلہ رد کرانے کا حق رہتا ہے؟ اور جو شخص عالم کے اوپر غلط الزام لگا کر ان کے زبانی فیصلہ کو نہ ماننے اور عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

حَکَم اور فیصل قرار دیکر کسی فریق کا یہ کہنا کہ ''اگر میرے خلاف فیصلہ کیا تو عدالت میں جاؤں گا'' ظاہر کرتا ہے کہ اس کی نیت شرعی فیصلہ کرانے کی نہیں ہے، بلکہ اپنے موافق ہی فیصلہ کرانے کی ہے (چاہے ثبوت اور شرع کے موافق ہو یا خلاف ہو) ایسی صورت میں اس کو لازم تھا کہ وہ حَکَم ہی تجویز نہ کرتا، لیکن جب حَکَم تسلیم کرلیا تب بھی حَکَم کے فیصلہ سے رجوع کرنے کا حق حاصل رہتا ہے(۱)، کہہ دے کہ میں آپ سے فیصلہ نہیں چاہتا، آپ فیصلہ نہ کریں۔ کسی الزام اور بہتان کی اجازت نہیں (۲)، بلاوجہ بھی رجوع کرنے کا حق ہے۔

تحریرِ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم صاحب نے صرف زبانی جو کچھ فرمایا ہے، وہ اظہارِ خیال ہے، اس کی حیثیت فیصلہ اور حکم کی نہیں، اس کو ظاہر کیا ہے اور اب تک فیصلہ نہیں دیا۔ اسی لئے دونوں فریق کو اپنے کاغذات وثبوت لے کر فلاں جگہ فلاں تاریخ کو حاضر ہونے کے لئے کہا ہے تاکہ تحریری حکم دیدیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کے کاغذات وثبوت بھی عالم صاحب کے پاس نہیں، بلکہ فریقین ہی کے پاس ہیں جن کو عالم کے سامنے رکھ کر فیصلہ کو تحریری شکل دیں گے۔

اس لئے صورتِ مسئولہ میں عالم صاحب کو چاہئے کہ فیصلہ نہ کریں، اپنا حکم نہ لکھیں، بلکہ خود ہی ان کا

---

(۱) "لكل من الخصمين عزل المحكَّم قبل الحكم؛ لأنه مقلد من جهتهما، فكان لكل منهم عزله، وهو من الأمور الجائزة، فينفرد أحدهما بنقضه، كما ينفرد أحد العاقدين في مضاربة وشركة ووكالة".
(شرح المجلة لسليم رستم باز البناني، ص: ۱۱۹۷، (رقم المادة: ۱۸۴۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وينفرد أحدهما بنقضه: أي التحكيم بعد وقوعه، كما ينفرد أحد العاقدين في مضاربة وشركة". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۲۹/۵، باب التحكيم، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب القضاء: ۲۹/۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع والعشرون في التحكيم: ۳۹۷/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحوالة، باب التحكيم: ۴۴/۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التحكيم: ۱۱۸/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولايجوز أن يرمى مسلم بفسق وكفر من غير تحقيق". (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ۷۲، قديمى)

مقدمہ واپس کردیں۔ غلطی یہ ہوئی کہ حکم وفیصلہ سے پہلے ہی رائے ظاہر کردی جس کے نتیجہ میں یہاں تک نوبت پہنچی۔ عدالت بھی زبانی فیصلہ کوتسلیم نہیں کرے گی، اور یہاں تو وہ اظہار رائے کے درجہ میں ہے، فیصلہ کے درجہ میں ہے بھی نہیں۔ اگر عالم صاحب فیصلہ باضابطہ تحریر فرمادیتے تو عدالت میں جانا بے سود اور غلط ہوتا (۱) غلط الزام لگانا بہرحال ناجائز اور حرام ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۱ھ۔

کیا حَکَم کے فیصلہ کو رَد کرنے کا حق ہے؟

سوال [۸۰۲۱]: دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو حَکَم بنانے کے بعد حَکَم کے فیصلہ دینے سے قبل کسی فریق کے اس حکم کو منسوخ اور رد کردینے کی وجہ سے وہ شرعاً رد اور منسوخ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ جب کہ حکم پر کچھ بے اعتمادی ہوجائے یعنی معقول وجہ سے حکم کے حکم ہونے کو منسوخ کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتماد رہے یا نہ رہے، دونوں صورتوں میں جو فریق بھی چاہے اس تحکیم کو فسخ کرسکتا ہے، اور یہ فسخ کرنے کا حق فیصلہ سنانے سے پہلے حاصل ہے۔

"ولكل واحد من المحكمين أن يرجع قبل حكمه، اه". كنز۔ "لأنه تقلد من جهتهما، فكان لكل منهما عزله، وهو من الأمور الجائزة، فينفرد أحدهما بنقضه كالمضاربة

---

(۱) "ولكن ليس لأحدهما أن يرجع عن الحكم بعد صدوره؛ لأنه صدر عن ولاية عليهما". (شرح المجلة لسليم رستم، ص:۱۱۹۸، (رقم المادة: ۱۸۴۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فإن حكم، لزمهما، ولا يبطل حكمه بعزلهما لصدوره عن ولاية شرعية". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۲۹/۵، كتاب القضاء، باب التحكيم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۵/۷، باب التحكيم، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۱۸/۵، باب التحكيم، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع، ص: ۴۶۶، رقم الحاشية: ۲)

والشركة والوكالة، فإن حكم، لزمهما لصدوره عن ولاية شرعية، فلا يبطل حكمه بعزلهما".

بحر: ۲٦/۷ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۲ھ۔



(۱) (البحر الرائق، كتاب الحوالة، باب التحكيم: ۴۴/۷، رشيديه)

کتاب الھبۃ

(ہبہ کا بیان)

ہبہ اور تملیک میں فرق

سوال[۸۰۲۲]: ہبہ اور تملیک میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تملیک عام، ہبہ خاص ہے، اس لئے عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہے

سوال[۸۰۲۳]: ایک شخص نے اپنا مکان دوسرے کو ہبہ کر دیا، لیکن ہبہ کرنے والا اسی مکان میں رہتا ہے اور اس مکان میں سے اپنا سامان نکالا نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ ہبہ کرنا صحیح ہوا یا نہیں؟ مع حوالہ کے جواب تحریر فرمائیں۔

علیم اللہ ناگپور، ۱۸/اگست/۱۹۷۳ء۔

---

(۱) "التملیک: هو جعل الرجل مالكاً، وهو على أربعة أنحاء: الأول تمليك العين بالعوض، وهو البيع. الثانی: تمليک العين بلاعوض، وهی الهبة. والثالث: تمليک المنفعة بالعوض، وهی الإجارة. والرابع: تمليک المسفعة بلاعوض، وهی العارية". (التعريفات الفقهية الملحق بقواعد الفقه، ص: ۲۳۷، صدف پبلیشرز)

"الهبة تمليک مال لآخر بلاعوض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۳)، مکتبه حنفيه کوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہبہ نامہ مکمل ہونے کے لئے موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے، صورت مسئولہ میں قبضہ بدستور واہب کے رہا، اس لئے ہبہ تام نہیں ہوا، یہ مسئلہ کتب فقہ: درمختار (۱)، شامی (۲)، عالمگیری (۳)، خانیہ (۴)، ہدایہ وغیرہ سب میں مذکور ہے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۹۳ھ۔

ہبہ بلا قبضہ اور وقف علی الأولاد

سوال [۸۰۲۴]: زید نے اپنی نے اپنی جائیداد میں سے ایک اپنا رہائشی مکان جس میں خود اور اس

---

(۱) "وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لامشغولاً به، والأصل أن الموهوب إن مشغولاً بملك الواهب منع تمامها، وإن شاغلاً لا، فلو وهب جراباً فيه طعام الواهب أو داراً فيها متاعه أو دابةً عليها سرجه وسلمها كذلك، لاتصح، وبعكسه تصح". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) "ولو وهب داراً دون ما فيها من متاعه، لم يجز. وإن وهب مافيها وسلمه دونها، جاز". (ردالمحتار: ۵/۶۹۱، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) "ولايتم حكم الهبة إلامقبوضة، ويستوى فيه الأجنبى والولد إذا كان بالغاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۷، الباب الثانى فيمايجوز من الهبة، رشيديه)

(۴) "رجل وهب داراً فيها متاع الواهب أو جوالق، أو جراباً فيها طعام الواهب وسلم، لايجوز؛ لأن الموهوب مشغول بماليس بهبة". (فتاویٰ قاضى خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۲۶۸، كتاب الهبة، فصل فى هبة المشاع، رشيديه)

(۵) "لايجوز الهبة إلامقبوضاً، والمراد نفى الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية: ۳/۲۸۱، كتاب الهبة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الهبة: ۶/۴۹، دارالكتب العلمية بيروت)

کے متعلقین رہتے ہیں یا رہتے تھے، اپنے مرنے سے چار سال پیشتر اپنی بہو یعنی چھوٹے بیٹے کی بیوی کے نام ہبہ کیا اور ہبہ نامہ لکھ دیا جس میں یہ بیان ہے کہ "میں نے ہبہ کر کے موہوب لہا بہو کے قبضہ میں دیدیا"، حالانکہ وہ مع اپنے مذکورہ متعلقین کے اس میں رہتا ہے، اور اس میں رہنے کے لئے کرایہ نامہ کی تحریر بعوض کرایہ لکھا دیا ہے، لیکن کوئی ثبوت ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ واہب واقف ہے، کبھی بھی چار سال میں موہوب لہا سے زر رسید حاصل کی ہو، ٹیکس وائر ٹیکس، بجلی وغیرہ وغیرہ ہر جگہ واہب کا نام آج تک لکھا ہوا ہے، یہ سب مصنوعی کاروائی بڑے لڑکے کو کم حصہ دینے کے لئے ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ ہبہ درست ہوگیا، یعنی بہو کا سابق سے اس میں اپنا قبضہ ہبہ سمجھا جائے گا؟ اگر یہ ہبہ نہ ہو تو کیا غیر وارث کے حق میں وصیت ہوگی؟ نیز زید نے اپنی باقی جائیداد میں سے اپنے چھوٹے لڑکے اور اپنی دختر پر زائد جائیداد وقف کی ہے اور بڑے لڑکے پر کم اور خود اپنے نفس پر بھی کی ہے یعنی باقی جائیداد وقف علی النفس علی الأولاد کی ہے، ان تینوں وقف نامہ جات میں لکھا ہے: "تاحینِ حیات میں اس جائیداد کا متولی ہوں اور اس کی آمدنی کا مستحق میرے بعد فلاں فلاں"۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ وقف علی الأولاد وعلی النفس وقف ہے یا وصیت علی الورثہ کے قبیل سے ہے جو ناجائز ہے؟

شیخ غلام نبی، دہلی بازار فتح پوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واہب نے ہبہ کے بعد اس مکان سے اپنا قبضہ نہیں اٹھایا تھا اور اپنا سامان وہاں سے منتقل نہیں کیا، بلکہ بعد از ہبہ نامہ بغیر مکان خالی کئے فوراً کرایہ نامہ تحریر کر دیا تو شرعاً یہ ہبہ نامہ نافذ نہیں ہوا اور موہوب لہا (یعنی بہو) کی ملک اس پر شرعاً حاصل نہیں ہوئی، محض کاغذی کاروائی ممکن ہے کہ قانوناً کافی ہو لیکن شرعاً کافی نہیں، اور چونکہ بحالتِ صحت اپنی زندگی میں انتقال سے چار سال پہلے یہ ہبہ کیا ہے، مرض الموت میں یا انتقال کے بعد نافذ کرنے کے لئے نہیں کیا، اس لئے یہ وصیت بھی نہیں، لہذا جملہ ورثہ کو دیگر ترکہ کی طرح حسبِ وراثت شرعیہ اس میں سے بھی حصہ ملے گا اور بہو کو کچھ نہیں ملے گا، نہ ہبۃً نہ وصیۃً:

"فلو وهب جراباً فيه طعام واهب، أو داراً فيها متاعه، أو دابةً عليها سرجه، وسلمها

كذلك، لا يصح". در مختار، ٤/٢/٧٠٢(١)۔

جو وقف بحالتِ صحت کیا جائے وہ شرعاً وقف ہی ہوتا ہے، وصیت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

اگر واہب نے اس مکان سے اپنا ذاتی مال واسباب نہیں نکالا تھا تو یہ قبضہ صحیح نہیں ہوا، ہاں اگر اس کا اس میں کوئی مال نہیں تھا، اور بہو اس میں رہتی تھی تو یہ قبضہ ہوگیا، کرایہ نامہ لکھنے سے پہلے اگر اس نے تھوڑی دیر کو بھی اپنا مال واسباب علیحدہ کردیا تھا، تو ہبہ صحیح ہوگیا (۳)، کرایہ کا وصول کرنا ضروری نہیں ہے، بلا کرایہ بھی اگر واہب بعد میں رہے تب بھی کچھ حرج نہیں (۴) اور قبضہ موہوب لھا کا اس صورت میں بھی کافی ہوگا جبکہ پہلے سے وہ رہتی ہے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

زبانی ہبہ بغیر قبضہ کے معتبر نہیں

سوال [۸۰۲۵]: شوہر نے کچھ روپے بطورِ امانت کسی کے پاس رکھے تاکہ ہندہ خود خرچ نہ کردے،

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/ ۶۹۱، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(۲) "وعبارة المواهب في الوقف على نفسه وولده ونسبه وعقبه، جعل ريعه لنفسه أيام حياته ثم وثم، جاز عند الثاني، وبه يفتى كجعله لولده". (الدرالمختار، ۴/ ۴۶۸، كتاب الوقف، فصل فيما يتعلق في وقف الأولاد، سعید)

(۳) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لا لصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعید)

(۴) "(قوله: وكذا الدار المعارة): أي لو وهب طفله داراً يسكن فيها قوم بغير أجر، جاز". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "(وكذا الدار المعارة) .... ومن وهبت للزوج داراً لها بها متاع وهم فيها، تصح". (ردالمحتار: ۵/ ۶۹۱، ۶۹۲، كتاب الهبة، سعید)

یاماں باپ کو نہ دے دے، ہندہ کہتی ہے کہ میں لوں گی، شوہر نے کہا کہ لے لو، لیکن اس کو دیا نہیں۔ وہ روپیہ بھی ترکہ شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

شوہر کے اس کہنے سے کہ "تم لے لو" وہ روپیہ ہندہ کی ملک نہیں ہوا، اگر شوہر اس سے روپیہ لے کر ہندہ کو دیدیتا اور ہندہ اس پر قبضہ کرلیتی تو ہندہ کا ہوجاتا (۱)، لہٰذا وہ روپیہ شوہر کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

ہبۂ جائیداد زبانی

سوال[۸۰۲۶]: میری والدہ مشرف جہاں بیگم نے اپنی کل جائیداد تقریباً دس سال ہوتے ہیں مجھ کو ہبہ زبانی کردی مزید احتیاط کے طور پر انہوں نے بذریعۂ خط اطلاع دی:

"تمہارا خط ملا، اس مرتبہ تم نے بھیجنے میں بہت دیر کی، معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جو جائیداد تم کو ہبہ زبانی کرکے بتاریخ ۵/ فروری/ ۱۹۵۶ء میں دی تھی، اس میں لوگ تعرض کرتے ہیں، لہٰذا یہ مزید احتیاط تائید ہبہ زبانی تم کو لکھتی ہوں کہ تقریباً سات سال کا عرصہ ہوا کہ جملہ جائیداد واقع شاہ جہاں پور جملہ متروکہ پدری ناظر سلامت اللہ خان مرحوم ومادر خود تم کو ہبہ زبانی کرچکی ہوں اور اس پر تم کو قابض بھی کراچکی ہوں، جو شخص ماننے سے تعرض کرے اس کو میرا خط دکھلا دینا۔ دعاء گو: تمہاری والدہ"۔

(دستخط) مشرف جہاں بیگم۔

---

(۱) "لاتجوز الهبة إلامقبوضة". (مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلابالقبض". (شرح المجلة: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، الباب الأول، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/ ۴۸۳، كتا ب الهبة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۴۹، كتا ب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

اس سلسلہ میں فتوی سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنی جائیداد ہبہ کر کے اس پر آپ کا جدگانہ قبضہ کرادیا اور اپنا قبضہ ہٹالیا تو وہ جائیداد آپ کی ہوگئی (۱)۔ اگر متروکہ جائیداد میں دوسرے ورثاء بھی حصہ دار تھے تو ان کا حصہ ان کو دینا لازم ہے، اس کے ہبہ کرنے کا آپ کی والدہ کو حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

ہبہ کی ایک صورت

سوال[۸۰۲۷]: حافظ علی کے پاس مالگذاری کی ۸۲/۸۱، ایکڑ زمین تھی، ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، انہوں نے ایک لڑکا پالا تھا اور اپنی زندگی میں جائیداد کا حصہ ۱/۲ بخش کر دیا تھا، اس کی تاریخ ۹/ نومبر/ ۱۹۱۶ء ہے، ان کی بیوی حیات تھی۔ اس لڑکے کے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اور حافظ علی کی بیوی نے اس لڑکی کی شادی اپنے بھائی حیدر علی سے کر دی ہے اور جائیداد کا ۱/۸ حصہ ۲۱/ مارچ/ ۱۹۳۳ء کو بخشش کر دیا، لیکن اس لڑکی کا ۱۹۳۶ء میں

---

(۱) (راجع، ص: ۴۷۰، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "يلزم أن يكون الموهوب مال الواهب، فلو وهب واحد مال غيره بلا إذنه، لاتصح الهبة: أي لاتنعقد؛ لاستحالة تمليك ماليس بمملوك للواهب". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۱، (رقم المادة: ۸۵۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك". (ردالمحتار: ۶۸۷/۵، كتاب الهبة، سعيد)

"وأما مايرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، .... وكونه من أهلها: أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب، حتى لو كان عبداً، .... أو لايكون مالكاً للموهوب، لايصح". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۷۴/۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴۹۰/۳، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

انتقال ہوگیا۔اب صرف ۲/۱حصہ حافظ صاحب کی بیوی کے پاس بچاہے۔اس مرحومہ لڑکی کی دولڑکیاں نابالغ تھیں،منور بیگم نے بچی ہوئی جائیداد کا ۲/۱حصہ ان لڑکیوں کے نام کردیا،ان لڑکیوں کا باپ سرپرست تھا۔

۱۹۴۲ء میں منور بیگم وفات پاگئیں،۱۹۵۴ء میں نابالغ لڑکیوں کا نام درج ہوا،اب لڑکیاں بالغ ہوگئی ہیں اور ۱۹۶۵ء میں آدھی زمین سرپرست نے واپس کردی اور کہتا ہے کہ باقی جائیداد میری ہے،سرکار نے غلام نبی کا ۲/۱حصہ خاتون بیگم ۸/۱حصہ،اورواجدہ بیگم کا ۴/۱حصہ ابولیشن کردیا،اس کا روپیہ کا بھی عباس نے لیا،اب صرف زمین بچی ہے۔شرعی حکم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بحالتِ صحت منور بیگم نے جوزمین نابالغ لڑکیوں کوشرعی طور پر ہبہ کردی،اوران کے والدعباس کواس پر سرپرست کی حیثیت سے قبضہ کرادیا تو وہ زمین لڑکیوں کی ہوگئی (۱)،اب اس کواپنی زمین بتانا اورلڑکیوں کو نہ دینا جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹۵/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۹۵/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "الموهوب له إن كان من أهل القبض فحق القبض إليه. وإن كان الموهوب له صغيراً أو مجنوناً، فحق القبض إلى وليه، ووليه أبوه أو وصى أبيه، ثم جده ثم وصى وصيه، ثم القاضى، ومن نصبه القاضى، سواء كان الصغير فى عيال واحد منهم أو لم يكن، كذا فى شرح الطحاوى. فلو أن الأب ووصيه والجد أبا الأب، ووصيه غاب غيبةً منقطةً، جاز قبض الذى يتلوه فى الولاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس فى الهبة للصغير: ۳۹۱/۴، رشيديه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۱۲/۱، (رقم المادة: ۸۳۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وشرائط صحتها فى الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول، وركنها هو الإيجاب والقبول، وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۸۸/۵، كتاب الهبه، سعيد)

"يملك الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لخالد الاتاسى: ۳۸۱/۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "لايجوز لأحد أن يتصرف فى ملك غيره بلا إذنه أو وكالةٍ منه أو ولايةٍ عليه. وإن فعل، كان ضامناً". =

ہبۂ مشاع

سوال[۸۰۲۸]: مسماۃ لطیف النساء زوجۂ قاضی محمد رزق اللہ صاحب مرحوم المغفور نے اپنی زندگی میں بحالتِ قائمی حواسِ خمسہ روبرو چند اشخاص معتمد قوم وعزیزانِ خود اپنے سوتیلے بیٹے مسمی محمد ثناء اللہ صاحب سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جو ترکہ مجھے تیرے باپ سے آٹھویں سہام کی رو سے پہونچتا ہے اور جو میرا مہر واجب ہے، وہ میں تجھ کو دیتی ہوں اور جو ترکہ میرے والدین سے مجھے پہونچتا ہے وہ میں اپنی بہن کی اولاد کو دیتی ہوں، اس میں تمہارا کوئی حق نہیں اور جو کہ میں تمہیں دے چکی ہوں اس میں ان کا حق کوئی نہیں۔ فریقین نے اسی فیصلہ کو منظور کرلیا اور فریقین کو اس پر قبضہ دے دیا۔

تقریباً عرصہ بیس سال تک اسی پرعمل درآمد رہا اور مسماۃ مذکورہ اس عرصہ میں بہن کے یہاں رہی، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ کیونکہ فیصلہ کی رو سے اگرچہ قبضہ فریقین کا ہے لیکن کاغذات مال میں غلطی سے بعض جگہ اندراج ہے اور بعض جگہ نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ فیصلہ شرعی از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض جگہ اندراج نہ ہونے کا کا کچھ اثر ہے کہ نہیں؟ فقط۔

سائل: محمد شعیب برمکان قاضی حمید حسین صاحب، محلّہ قاضیان، ضلع کرنال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں عقد ہبہ ہے، مقسوم کا ہبہ قبضہ سے تمام ہوجاتا ہے، پس اگر فریقین کا حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں آچکا ہے تو یہ ہبہ صحیح اور تام ہے، کاغذات میں اگر اندراج غلط ہے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہے، اصل چیز یعنی قبضہ ہر فریق کا اپنے حصہ پر موجود ہے، کاغذات کے اندراج کو صحیح کرالیا جائے۔ اگر فریقین کا حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں نہیں آیا، بلکہ بلاتقسیم ہبہ کرکے قبضہ کرادیا ہے جس میں ان فریقین کا حصہ بھی ہے اور ان کے علاوہ کسی دوسرے کا حصہ بھی ہے، تو یہ ہبہ صحیح نہیں، بلکہ فاسد ہے، فریقین اس حصہ کے مالک نہیں ہوئے، البتہ واہبِ ہبہ اگر تقسیم کراکے اپنے حصے پر قبضہ کرلیتے ہیں تو ہبہ صحیح ہوجاتا، تجدید عقد ہبہ کی ضرورت نہیں تھی:

= (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الحموي شرح الأشباه والنظائر: ۲/۴۴۳، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

"لو وهب مشاعاً يقسم، ثم قسمه وسلمه، صح وملكه؛ لأن التمام بالقبض. وعنده لاشيوع، فأفاد أنه لو قبضه مشاعاً، لايملكه، فلاينفذ تصرفه؛ لأنها هبة فاسدة مالاً، وهى مضمونة بالقبض، ولا يفيد الملك للموهوب له، وهو المختار. ولو باعه الموهوب له، لايصح، كذافى المبتغى". بحر: ۷/ ۲۸۶ (۱)۔

"وبما ذكره ههنا علم أن قوله: (تصح فى محوز مقسوم) معناه أنها تملك بهذه الشروط، لا أن الصحة متوقفة على القسمة؛ لأنه لو وهب شائعاً يقسم، تصح الهبة من غير ملك، ولهذا لو قبضه مقسوماً. ملك. ولو كان شرطاً للصحة، لاحتيج إلى تجديد العقد، كما لا يخفى". بحر (۲)۔

اب چونکہ واہبہ کا انتقال ہو چکا ہے، اس نے فریقین کو جو حصہ دیا تھا، وہ اب ورثہ کی ملک ہے، ورثہ اگر چاہیں ہبہ باقاعدہ کردیں، اگر چاہیں واپس کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ شعبان/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح بندہ سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۸/ شعبان/ ۵۴ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۲۸۷/۷، ۲۸۸، کتاب الهبة، رشیدیه)

(۲) (البحر الرائق، المصدر السابق)

"(فإن قسمه وسلمه، صح): أى لو وهب مشاعاً، ثم قسمه وسلمه، جاز؛ لأن تمام الهبة بالقبض، وعنده: لاشيوع فيه. ولو سلمه شائعاً، لا يملكه حتى لاينفذ تصرفه فيه، ويكون مضموناً عليه، وينفذفيه تصرف الواهب". (تبيين الحقائق: ۵۵/۶، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

"لاتتم بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه أو لأجنبى لعدم تصور القبض الكامل، كما فى عامة الكتب، فكان هو المذهب. وقيل: يجوز لشريكه، وهو المختار. فإن قسمه وسلمه، صح، لزوال المانع. ولوسلمه شائعاً، لايملكه، فلاينفذ تصرفه فيه، فيضمنه، وينفذ تصرف الواهب". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶۹۲/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۴۹۴/۳، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى شرح المجله لخالد الأتاشى: ۳۷۸/۳، الباب الثانى فى بيان شرائط الهبة، مكتبه حقانيه پشاور)

ہبۂ مشاع

سوال[۸۰۲۹]: ایک شخص دو ہفتہ سے حبسِ بول میں مبتلا تھا، جب وہ کسی ترکیب وعلاج سے دفع نہیں ہوا اور تکالیفِ مرض حد سے گذر کر امیدِ صحت وزندگی بالکل باقی نہیں رہی تب اس حالتِ ناامیدی وتعطل عقل میں مریض نے اپنی جائیداد منقولہ کا - جواز قسم زمینداری دوکانات ومکانات سکنی کی تھی - اپنے چاروں لڑکوں کے نام بلاتصریح ان کے حصص باہمی کا ہبہ نامہ لکھ دیا اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ موہوب لہ کو ہم نے قبضہ دے دیا، مگر درحقیقت کسی قسم کا قبضہ واقعی وغیر واقعی اس وقت اب تک نہیں دیا گیا۔ واہب بدستور سابق قابض ودخیل ہے اور اختیارات مالکانہ عمل میں لا رہا ہے۔

۲- سب جائیداد موہوبہ یعنی زمینداری ودوکانات ومکانات دوسرے شرکاء کے ساتھ مشترک ہیں اور بلاتقسیم کے ہبہ کی گئی، نیز یہ کہ حصص جائیداد غیر منقسم بحقِ موہوب لہ ہبہ ہوئے، اس میں بھی موہوب لہ کے حصص کی صراحت نہیں ہے کہ کتنا حصہ کس کو ہبہ کیا گیا؟

۳- مکانات مردانہ وزنانہ غیر منقسم کو بلا اس اسباب واثاث البیت کے کہ جو واہب کا اس میں رکھا ہوا تھا ہبہ کیا گیا ہے۔

۴- وقتِ تحریر ہبہ نامہ کے تین موہوب لہ بروقت تجارت دور دراز مقامات میں تھے، صرف ایک موہوب لہ واہب کے پاس موجود تھا، مگر جلسہ تحریر ہبہ نامہ میں وہ بھی موجود نہ تھا، بلکہ کسی ضرورت سے باہر گیا ہوا تھا، اس لئے باہم واہب وموہوب لہ میں ہبہ کا ایجاب وقبول بھی نہیں ہوا۔

۵- جب چند ہفتہ کے بعد واہب کو احتباسِ بول سے نجات ملی، تب وہ بعض دیگر شکایتوں کے علاج کے لئے دہلی چلا گیا، تب اس موہوب لہ حاضر نے بلا اجازت واطلاع واہب کے تقریباً تین ماہ کے بعد درخواست داخل خارج دے کر اپنے نام اور دوسرے کے نام داخل خارج کرالیا، مگر اس کے بعد بھی کسی قسم کا قبضہ موہوب لہم کا نہیں ہوا۔

۶- اب موہوب لہم میں سے وہ شخص جائیداد موہوب بہ کے منافع کے واہب سے دعویدار وطلب گار ہیں، واہب کو دینے سے اس لئے انکار ہے کہ ہبہ نامہ بوجوہاتِ مذکورہ صدر غیر نافذ اور کالعدم وباطل ہے۔

بقیہ دو موہوب لہم کو بر بناء ہبہ نامہ کے کوئی دعوی جائیداد موہوبہ کے متعلق نہیں ہے، ان دونوں

میں سے ایک وہ ہے کہ جس نے تین ماہ کے بعد درخواست داخل خارج دے کر اپنے نام ونیز دوسروں کے نام داخل خارج کرایا تھا۔

۷- ہبہ نامہ: متذکرہ صدر ماہ اگست ۱۹۳۱ء میں تحریر ہوا تھا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں جو ہبہ نامہ تحریر ہوا، اس کی وجہ سے لڑکوں کو قبضہ اور مطالبہ کا حق نہیں، کیونکہ ہبہ کے لئے ایجاب وقبول ضروری ہے، اگر قبول نہ ہو تو قبضہ ضروری ہے۔ مجلسِ عقد میں قبضہ بلا اذنِ واہب درست ہوتا ہے اور بعد المجلس واہب کے منع کرنے کی صورت میں درست نہیں ہوتا، اور اذن کی صورت میں درست ہوتا ہے، نیز تعطلِ حواس کی حالت میں جبکہ مرض کی وجہ سے عقل مخبوط ہو چکی ہو عقد ہبہ وغیرہ صحیح نہیں ہوتا، اسی طرح ہبۂ مشاع (غیر منقسم) بھی صحیح نہیں ہوتا:

"وتصح بإيجا ب وقبول ولو بالفعل فی حق الموهوب له، ثم شرائط صحتها فی الواهب العقل، والبلوغ، والملك، وفی الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع، مميزاً غير مشغول. وتتم بالقبض الكامل، فإن قبض فی المجلس بلاإذن، صح، وبعده لابد من الإذان. والحاصل أنه إن أذن بالقبض صريحاً، صح قبضه فی المجلس وبعده. ولونهاه، لم يصح قبضه لافی المجلس ولابعده. ولوكان الموهوب غائباً فذهب وقبض، إن بأذنٍ، صح، وإلالا". سكب الأنهر: ۲/۳۵۳، ۳۵٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۸/۵۸ھ۔

---

(۱) (سكب الأنهر الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة، مكتبة غفاريه كوئٹه)

"وشرائط صحتها فی الواهب العقل والبلوغ والملک، فلاتصح هبة صغير ورقيق ولو مكاتباً. وشرائط صحتها فی الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع، مميزاً غير مشغول. وركنها هو الإيجاب والقبول. وتصح بقبض بلاإذن، وتتم الهبة بالقبض الكامل". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق: ۷/۴۸۶، ۴۸۷، كتاب الهبة، رشيديه) .... =

غیر مملوکہ مکان کو ہبہ کرنا

سوال[۸۰۳۰]: سائل کے والد دو بھائی تھے، دونوں کا انتقال ہوگیا، ایک کی اولاد لڑکا ہے، دوسرے کی اولاد بھی لڑکا ہے۔ سائل منصور احمد اوراپنے بھائی فہیم الدین کے پاس رقم بھیجتا رہا بمبئی سے مکان تعمیر کرانے کے لئے، تو فہیم الدین جو منصور احمد کا تایازاد بھائی تھا اس نے مکان تعمیر کرایا، مکان کی جائیداد شرکت کی تھی اور ایک دوکان اس میں منصور احمد نے اپنے روپیہ سے خرید تھی، فہیم الدین کا انتقال ہوگیا ہے اور مکان اپنی لڑکی کے نام کردیا ہے، اب فہیم الدین کی بیوی نے اس مکان اور دوکان پر قبضہ کرلیا ہے۔ شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فہیم الدین کی بیوہ کو شوہر کے ترکہ سے میراث میں آٹھواں حصہ پہونچتا ہے، اس سے زیادہ کی وہ حقدار نہیں ہے(۱)۔ جو دوکان منصور احمد نے اپنے ذاتی روپیہ سے خریدی ہے وہ منصور احمد کی ہے، جو مکان منصور احمد کے بھیجے ہوئے روپیہ سے تعمیر ہوا وہ منصور احمد کا ہے، فہیم الدین کو لڑکی کے نام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، یہ غلط ہوا، لڑکی اس پر قبضہ نہ کرے(۲) بلکہ لڑکی اور وہ دونوں کو لازم ہے کہ وہ مکان اور دوکان منصور احمد کے حوالہ کردیں۔ البتہ فہیم الدین کا حق والد کی چھوڑی ہوئی زمین میں منصور احمد کے برابر ہے(۳)، اس میں بیوی

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۴۹، ۵۲، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۷/۱۷۰، فيما يجوز في الهبة ومالايجوز، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أودين﴾. الآية. (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾. الآية. (سورة البقرة: ۱۸۸)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) واضح رہے کہ ان دونوں کے حصوں کی تعیین دیگر ورثہ کے معلوم ہونے پر کی جاسکتی ہے، تاہم اگر صرف یہی دو بھائی مرحوم باپ کے وارث ہوں تو کل جائیداد ان دونوں کو بوجہ عصبہ ہونے کے آدھا آدھا ملے گی:

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض. وإذا انفرد، =

اورلڑکی اپنا اپنا حصہ لے سکتی ہیں (۱)۔

اب جبکہ اس زمین پر منصوراحمد کی تعمیر موجود ہے جو کہ فہیم الدین کی رضامندی سے ہے، لہذا اپنے حصہ کی زمین کا معاملہ منصوراحمد سے کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۹۰ھ۔

حرام، حلال مخلوط روپے کا ہبہ

سوال [۸۰۳۱]: زید کا باپ تجارت کرتا ہے، وہ تجارت شرع شریف کے بالکل خلاف ہے، مثلاً جھوٹ بولتا ہے، کم دیتا ہے، زیادہ لیتا ہے اور بہت سی دھوکہ بازیاں کرتے ہیں، جیسے کہ آج کل تجارت چل رہی ہے کہ کوئی مسئلہ کا لحاظ نہیں کرتا، جس طرح جی میں آتا ہے کردیتا ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کا باپ وہ روپیہ جتنے مناسب سمجھتے ہیں، زید کو دیدیتے ہیں اور باقی سے اپنا کام چلاتے ہیں، تو یہ روپیہ زید کو لینا کو جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ناجائز ہے اور زید لحاظ میں لے لیتا ہے تو اب اس کو مسکینوں میں خیرات کردے، یا قطعی ان سے نہ لے اور صاف منع کردے؟ اور اگر کوئی صورت لینے کی ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کا باپ خالص حرام وناجائز روپیہ مثلاً: رشوت، سود، غصب، وغیرہ کا روپیہ زید کو دیتا ہے،

= أخذ جميع المال. وإذا اجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة، يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم لكل واحد سهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث، رشيديه)

(وكذا الدرالمختار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، باب العصبات، سعيد)

(۱) بیوی کو زوج کے حصے سے ثمن آٹھواں ملے گا اور بیٹی کو نصف بطور ذی فرض ملے گا اور بقیہ مال بطور رد ملے گا:

"أمّا للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل، والثمنُ مع الولد أو ولد الابن وإن سفل. وأما لبنات الصلب فأحوال ثلث: النصف للواحدة، اهـ". (السراجي في الميراث، فصل في النساء، ص: ۷، سعيد)

"الرد ضد العول: مافضل عن فرض ذوي الفروض ولا مستحق له، يرد على ذوي الفروض بقدر حقوقهم إلا على الزوجين". (السراجي في الميراث، باب الرد، ص: ۴۸، سعيد)

یا ایسا مخلوط روپیہ دیتا ہے جس میں زیادہ حرام ہے اور کم حلال تو زید کو اس کا لینا جائز نہیں، صاف انکار کردے، اگر کسی وجہ سے لے لیا ہے تو واپس کردے۔ اگر واپس نہیں کرسکتا ہے تو خود اپنے صرف میں نہ لائے، بلکہ جن سے باپ نے لیا ہے ان کو واپس کردے، وہ موجود نہ ہو تو ان کے ورثہ کو دیدے، اگر اصل مالک اور اس کے ورثہ کا علم نہ ہو تو خیرات کردے اور مسکینوں پر اصل مالک کی طرف سے صدقہ کردے(۱)۔

اگر وہ خالص حلال روپیہ یا ایسا روپیہ جس میں زیادہ حلال ہے دیتا ہے تو اس کو لینا اور اپنے صرف میں لانا شرعاً درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

نابالغ کے مال میں تصرف، ہبہ وغیرہ

سوال[۸۰۳۲]: ایک نابالغ بچہ جس کی نگرانی کے لئے ایک عاقل بالغ شخص مقرر کیا گیا ہے، کیا اس

---

(۱) "ويردون ها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۶۰، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۶۹، كتا ب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(۲) "إذاكان غالب مال المُهدى حلالاً، فلابأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام. وإن كان غالب ماله الحرام، لايقبلها ولايأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ وَرِثَه أو استقرضه". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۳۰۹، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الثانية، إدارة القرآن، كراچی)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلابأس به، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۵/۳۴۲، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

"غالب مال المهدى إن حلالاً، لابأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام؛ لأن أموال الناس لايخلو عن حرام فيعتبر الغالب. وإن غالب ماله الحرام، لايقبلها ولايأكل، إلا إذا قال: إنه حلال". (مجمع الأنهر: ۴/۱۸۶، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۰۰، كتاب الحظر والإباحة، رشيديه)

بچہ کی موہوب، متصدق، مباح یا کسی اَورطرح کی مملوک چیزوں میں سے وہ نگراں بچہ کی اجازت کے ساتھ کچھ لے سکتا ہے، جبکہ بچہ عاقل وصحیح ہے اورنگراں کے نہ لینے سے اس کورنج ہوتا ہے اوراظہارغم کرتا ہو۔فقط۔

عبیداللہ بلیاوی،۲/ ربیع الأول/ ۶۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نابالغ کی اجازت غیرمعتبر ہےاوراس کی دلداری کی وجہ سے ناجائز کام جائز نہیں ہوتا:

"وأما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب، حتى لوكان عبداً أ ومكاتباً أو مدبراً أو أم ولد أو من فى رقبته شيئ من الرق أو كان صغيراً أو مجنوناً أو لا يكون مالكاً للموهوب، لايصح. هكذافى النهاية، ا هـ". عالمگیری:۲/ ۳۷۲ (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۶/۴/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمد غفرلہ،مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۹/۴/ ۶۱ھ، صحیح:عبداللطیف۔

بچے کی ملک میں مربی کا تصرف

سوال[۸۰۳۳]: ایک شخص کی نگرانی میں ایک خاندان کا بچہ تعلیم کے واسطے سپرد کیا گیا، بچہ کے نام جاگیر ہے، اس کو ہبہ کیا جاتا ہے، اس کے نام روپیہ آتا ہے تو وہ نگران اپنی ضرریات میں بھی خرچ کرتا ہے۔وہ بچہ غصب کرتا ہے، یا کوئی چیز چراتا ہے، یا اس کو صدقہ کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ سید ہے، طالب علم مسافر بھی ہے،

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/ ۳۷۴، کتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

"وشرائط صحتها فى الواهب العقل والبلوغ والملک، فلاتصح هبة صغير ورقيق".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الهبة: ۵/ ۶۸۷، سعيد)

"وشرائط صحتها فى الواهب العقل والبلوغ والملک". (مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱، کتاب الهبة، غفاريه کوئٹه)

(وکذا فى الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۰، کتاب الهبة، غفاريه کوئٹه)

(وکذا فى شرح المجلة لخالد الأتاشى: ۳/ ۳۷۵، (رقم المادة: ۸۵۹)، حقانيه پشاور)

نابالغ تو ہے ہی، نگران بھی دستِ نگر اور تنگدست ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کے کیا احکام ہیں اور ان کے ضبط کے لئے کیا قاعدہ کلیہ ہے؟ مدلل ومشرح بیاں فرمایئے۔ فقط۔

سائل: عبیداللہ بلیاوی، ۲۸/صفر/۶۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس بچہ کو صدقاتِ واجبہ لینا ناجائز ہے(۱)، چوری، غصب بھی ممنوع ہے، نگران کو اس کی ملک میں اپنی ذات کے لئے تصرف درست نہیں (۲) اس کا ہدیہ بھی قبول نہیں کرنا چاہئے، بچہ کا ہدیہ قبول کرنا صحیح ہے:

"قبول الصبي العاقل الهبةَ صحيحٌ، اه". أشباه، ص: ۱۹۵ (۳)۔ "شرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ". سكب الأنهر: ۲/۲۵۳ (٤)۔

---

(۱) "ولاتدفع (أي الزكوة) إلى بني هاشم، لقوله عليه والصلوه والسلام: "يابني هاشم! إن الله تعالى حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم". (الهداية: ۱/۲۰۶، باب المصرف، مكتبه شركة علميه ملتان)

"ولايدفع إلى بني هاشم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، باب المصرف، رشيديه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلابطيب نفس منه". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) (الأشباه والنظائر: ۲/۳۴۲، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الهبة، إدارة القرآن، كراچي)

"ويصح قبضه (أي الصبي) للهبة". (شرح الأشباه والنظائر، ۳/۳۰، الفن الثالث، أحكام الصبيان، إدارة القرآن ، كراچي)

"إذا وهب شيئ للصبي المميز، تتم الهبة بقبضه الموهوبَ إن كان له ولي". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۶۸، (رقم المادة: ۸۵۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۴) (سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"وأماما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأولُ في تفسير الهبة وركنها وشرائطها وأنواعها، الخ، رشيديه)

(وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة غفاريه كوئٹة)

اور جو احکام دریافت طلب ہوں، تفصیل سے تحریر کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۱/۳/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۵/ ربیع الاول/ ۶۱، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ہبہ شدہ چیز کو اپنے گھر نہ لے جانے کی شرط لگانا

سوال [۸۰۳۴]: زید اور عمر آپس میں دوست ہیں، دونوں میں تعلقات کثیرہ ہیں۔ زید نے عمر سے کہا کہ فلاں شئی مجھے ہبہ کردے، عمر نے اس شرط پر کہ تم یہاں سے گھر نہیں لے جاسکتے، ہم دونوں استعمال کریں گے، لیکن ملک تمہاری ہے، اور قبضہ کرادیا۔ اب کئی سال کے بعد زید اس شئ کو گھر یا اَور کہیں لیجانا چاہتا ہے اور عمر اس کے انتفاع سے بالکل محروم رہ جاوے گا۔ نیز زید یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے یہ شرط اس وقت قبول نہیں کی تھی، بلکہ میں نے تو اتنی مقدار پیسے دیدیئے تھے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہبہ نہیں تھا، بلکہ بیع ہوئی تھی۔ اور عمر کہتا ہے کہ اس شئی کے عوض کچھ پیسے نہیں دیا گیا۔ اور نیز عمر کہتا ہے کہ اگر آپ نے مقدار معین دی تھی تو میں ادا کردوں گا۔ اور وہ شئ مجھے دے دے۔ اس میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہبہ صحیح ہے، شرط باطل ہے، واپس لینا مکروہ تحریمی ہے، اگر پیسے دینے کا ثبوت ہو تو واپسی کا مطالبہ بالکل ناجائز ہے اور خلافِ شرع ہے:

"قال أصحابنا جميعاً: إذاوهب وشرط فيها شرطاً فاسداً، فالهبة جائزة والشرط باطل". عالمگیری: ۴/۳۹۶(۱)۔

"ويصح الرجوع فيها: أي في الهبة كلاً وبعضاً، ولكن يكره تحريماً، ويمنع منه حروف دمع خزقة". مجمع الأنهر: ۲/۳۵۶(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۸/۶۲ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۳۹۶، الباب الثامن فی حکم الشرط فی الهبة، رشیدیه)

(۲) (مجمع الأنهر: ۳/۴۹۹، باب الرجوع فیها، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"وحكمها أنها لاتبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبد على أن يعتقه تصح ويبطل الشرط". =

خدمت کی امید پر ہبہ کردیا، پھر خدمت نہیں کی

سوال[۸۰۳۵]: میں نے اپنی زمین جو کہ رہائش کی تھی اس کو اپنے حقیقی بھتیجے کے نام ہبہ کردیا، اس لئے کہ میری عمر کافی ہوگئی ہے، کمزوری کا زمانہ ہے کہ میرے بھتیجے میری خدمت کریں گے، مگر جب ہبہ نامہ ہوگیا، اس کے بعد میں ان لوگوں نے میری کوئی خدمت نہیں کی۔ میری دولڑکیاں بھی ہیں۔ اب آپ فرمائیں کہ یہ ہبہ نامہ غلط ہے کہ نہیں؟ میری اب یہ مرضی ہے کہ اس ہبہ نامہ کو توڑ دوں اور اس وقت میری کچھ حالت بھی صحیح نہیں تھی۔

میری بڑی لڑکی ناراض ہے، چھوٹی لڑکی بھی ناراض ہے، اور ان لوگوں نے اب تک کوئی خدمت نہیں کی، اس لئے میں اور میری دونوں لڑکیاں سخت ناراض ہیں۔ اب آپ حکم فرمائیں جو حکم ہو عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محض تحریر لکھی گئی ہے اور ان کا قبضہ نہیں کرایا گیا تو ابھی ہبہ مکمل نہیں ہوا، اس کے ختم کرنے کا اختیار حاصل ہے(۱)، لڑکیوں کو محروم کردینا بھی برا اور گناہ ہے(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۳ھ۔

= (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۸۸/۵، كتاب الهبة، سعيد)

"وصح الرجوع فيها بعد القبض مع انتفاء مانعه وإن كره الرجوع تحريماً .... ويمنع الرجوع فيها حروف دمع خزقه". (الدرالمختار: ۶۹۸/۵، ۶۹۹، باب الرجوع فی الهبة، سعيد)

"(وما لايبطل بالشرط الفاسد القرضُ والهبةُ) بأن قال: وهبتک هذه الجارية بشرط أن يكون حملها لی". (البحر الرائق: ۳۱۲/۶، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيديه)

"صح الرجوع فيها الرجوع دمع خزقه) يعنی صح الرجوع فی الهبة بعد القبض إذا لم يمنع مانع من الموانع الآتية، وأشاربذكر الصحة دون الجواز إلی أنه يكره الرجوع فيها". (البحر الرائق: ۴۹۴/۷، باب الرجوع فی الهبة، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۵۴۵/۴، كتاب البيوع، باب المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وشرائط صحتها فی الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۸۸/۵، كتاب الهبة، سعيد) .... =

مرض الموت میں ہبہ

سوال[۸۰۳۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ: زید نے اپنے مرض الوفات میں اپنی مملوکہ کچھ حصے ایک لمٹیڈ کمپنی کے اپنے بعض ورثہ کو ہبہ کردیئے، اسی مرض میں چندایام کے بعد زید کی وفات ہوگئی۔اب شرعاً یہ دریافت کرتا ہوں کہ زید کا مرض الوفات میں بعض ورثہ کو ہبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: احمد یوسف، سیدات، رنگون۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرض الموت میں ہبہ بمنزلۂ وصیت کے ہوتا ہے، پس اگر کوئی شخص مرض الموت میں ہبہ کردے اور شئ موہوب لہ کا قبضہ کرادے، اگر مشاع قابلِ تقسیم ہوتو تقسیم کراکے قبضہ کرادے، اس کے بعد انتقال ہوجائے تو ایک ثلث میں اس کی تنفیذ ہوگی۔اگر تقسیم اور قبضہ سے پہلے انتقال ہوجائے تو ہبہ باطل ہوگا(۱)۔اگر موہوب لہ وارث ہوتب بھی ہبہ ناجائز ہوگا، الّا یہ کہ دیگر ورثاء اس پر راضی ہوں:

"الهبة والصدقة من المريض لِوَارثه نظير الوصية؛ لأنه وصية حكماً، حتى تعتبر من الثلث". مجمع الأنهر(۲):

= "وتتم بالقبض الكامل، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاتجوز الهبة إلامقبوضة". (مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وتصح بالإيجاب والقبول والقبض.......... قوله عليه الصلوة والسلام: "لاتجوز الهبة إلامقبوضة". والمراد نفى الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية: ۳/۲۸۱، كتاب الهبة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۸۳، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۶، باب الوصايا، الفصل الثالث، قديمى)

(۱) "وهب فى مرضه ولم يسلم حتى مات، بطلت الهبة؛ لأنه وإن كان وصيةً حتى اعتبر فيه الثلث، فهو هبة حقيقةً، فيحتاج إلى القبض". (ردالمحتار: ۵/۷۰۰، باب الرجوع فى الهبة، سعيد)

(۲) (مجمع الأنهر: ۴/۴۲۴، كتاب الوصايا، غفاريه كوئٹه) ....=

"ولاتصح الوصية لوارث شيئاً إلا بإجازة الورثة". سكب الأنهر(۱)۔ "وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لامشغولاً به فی محوز مقسوم ومشاع لايقسم لاتتم بالقبض فيما يقسم. ولو لشريكه، فإن قسمه وسلمه، صحّ. ولو سلمه شائعاً لايملكه، فلا ينفذ تصرفه فيه، اهـ". درمختار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ جمادی الثانیہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ جمادی الثانیہ/ ۶۹ھ۔

مرض الموت میں وارث کیلئے ہبہ

سوال[۸۰۳۷]: مسمی کالے خاں دو بیٹے عبداللہ خان وحبیب خان چھوڑ کر فوت ہوا، ان میں سے عبداللہ خان کے دو بیٹے، ایک بیٹی تھی، عبداللہ خان مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس کے دونوں لڑکوں نے کل

= "إذا وهب واحد فی مرض موته شيئاً لأحد ورثته وبعد وفاته، لم يُجزْ سائر الورثة، لاتصح تلک الهبة أصلاً؛ لأن الهبة فی مرض الموت وصية، ولاوصية للوارث. ولكن لوأجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۸۳، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثانی، حنفية كوئٹة)

"إن هبة المريض مرض الموت لأحد ورثته، لاتجوز، إلا أن يجيزها الورثه الباقون بعد موت الواهب؛ لأن هبته وإن كان هبةً حقيقةً، لكن لها حكم الوصية". (شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۳/۴۰۳، كتا ب الهبة، الفصل الثانی فی هبة المريض، (رقم المادة: ۸۷)، حقانيه پشاور)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتا ب الهبة، الباب العاشر فی هبة المريض، رشيديه)

(والبزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، نوع فی هبة المريض: ۶/۲۳۹، رشيديه)

(۱) (سكب الأنهر على مجمع الأنهر: ۴/۴۱۸، كتاب الوصايا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار: ۵/۶۹۰، ۶۹۲، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتا ب الهبة، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشيديه)

جائیداد باپ کے اپنے نام رجسٹر کرالی اور باپ کی اس پر تصدیق کرالی، گویا باپ نے خود ہی دونوں بیٹوں کے نام کل جائیداد کردی مرض الموت میں، اورلڑکی کو محروم کردیا، یعنی لڑکی کے نام کچھ نہیں کیا۔

اندریں صورت دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کو از روئے شرع کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ باپ کے ہوش وحواس ہی بوقتِ تصدیق نامہ نہ تھے۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبداللہ خان کے جو دونوں بیٹوں نے رجسٹر کرائی ہے، بظاہر یہ ہبہ نامہ ہے، لہذا ہبہ نامہ کا ہی حکم جواب میں تحریر ہے، مرض الموت میں ہبہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے، اگر ہوش وحواس بجا ہوں اور مرض الموت میں ہبہ کرکے موہوب لہ کا قبضہ کرادے تو ایک ثلث میں جاری ہوگا۔ اگر قبضہ کی نوبت نہیں آئی کہ واہب کا انتقال ہوگیا تو ہبہ بے کار اور کالعدم ہوگیا (۱)۔ اور اگر ہوش وحواس درست نہیں تھے تو اس ہبہ کا شروع ہی سے کوئی اعتبار نہیں خواہ قبضہ ہو یا نہ ہو (۲)۔

صورت مسئولہ میں چونکہ یہ ہبہ بیٹوں کے حق میں کیا گیا ہے جو کہ شرعاً وارث بھی ہیں، اس لئے ہبہ ناجائز ہے، کیونکہ وارث کے حق میں وصیت شرعاً نافذ نہیں ہوتی جب تک دیگر ورثا اجازت نہ دیں (۳)۔ پس

---

(۱) "لاتجوز هبة المريض ولا صدقته إلامقبوضةً، فإذا قبضت، فجازت من الثلث. وإذا مات الواهب قبل التسليم، بطلت". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر فی هبة المريض، رشيديه)

(وكذا فی البزازيه علی هامش الفتاویٰ العلمكيرية: ۶/۳۳۹، كتاب الهبة، نوع فی هبة المريض، رشيديه)

(وشرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة: ۱/۴۸۳، (رقم المادة: ۸۷۹)، مكتبه حنيفه كوئٹه)

(۲) "ثم شرائط صحتها فی الواهب العقل والبلوغ والملك". (الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد)

"يشترط أن يكون الواهب عاقلاً بالغاً، فبناءً عليه لاتصح هبة الصغير والمجنون والمعتوه".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۲، (رقم المادة: ۸۵۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "عن عمر وبن خارجة رضی الله تعالیٰ عنه قال: خطب رسول اللهﷺ صلی الله عليه وسلم فقال: "إن الله =

اگر عبداللہ خان کے صرف دو بیٹے اور ایک بیٹی ہی وارث ہیں تو یہ ہبہ بیٹی کی اجازت پر موقوف رہے گا (۱)، اگر وہ اجازت دیتی ہے تو نافذ رہے گا، ورنہ نافذ نہیں، بلکہ اس میں شرعی طور پر میراث جاری ہوگی، جس کی صورت یہ ہے کہ مسمی کالے خان کی جائیداد اور کل ترکہ بعد ادائے دین وغیرہ دو حصہ کر کے نصف کا مالک حبیب خان ہوگا اور نصف کا عبداللہ خان (۲)، پھر اس نصف کے پانچ حصے ہوں گے، دو دو ہر لڑکے کو اور ایک لڑکی کو ملے گا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سوال کے مطابق جواب صحیح ہے، بہتر یہ ہے کہ اصل کاغذات کی نقل استفتاء کے ہمراہ آتی تا کہ اس میں غور کر لیا جاتا۔ فقط۔ سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہان پور، ۲۶/۳/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہان پور، ۲۶/۳/۶۴ھ۔

مرض الموت میں وارث کو ہبہ کا حکم

سوال [۸۰۳۸]: مفید الوارثین میں ہے:

= أعطى كل ذي حق حقه، ولا وصية لوارث". الحديث. (سنن النسائي: ۲/۱۳۱ كتاب الهبة، باب إبطال الوصية للوارث، قديمي)

(۱) "إذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يُجِزْ سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً .... ولكن لو أجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۸۳، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، مكتبة حنفية كوئٹه)

(۲) صورت مذکورہ میں کالے خاں کے ورثہ میں صرف دو بیٹے ہیں اور بیٹے عصبہ ہیں، اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجوگی میں کل مال کے مستحق ہوتے ہیں: "العصبات وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض. وإذا انفرد، أخذ جميع المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ الاية. (سورة النساء: ۱۱)

''اگر مرض الموت میں کسی ایسے شخص کو جو مریض کا وارث نہیں بطور تحفہ وہدیہ کچھ دے دیا تو بالفعل دلوادیا جائے گا، لیکن اگر مریض اس مرض میں مرگیا اور معلوم ہوا کہ وہ مرض الموت تھا، اس کا حکم مثل وصیت کے ہے، انتہی''(۱)۔

اس میں غیر وارث کو دینے کی شرط کیوں لگائی؟ اگر وارث کو مرض الموت میں دے تو اس کو بھی فی الحال دلوادینا چاہیے، کیونکہ اس مرض کا مرض الموت ہونا یقینی نہیں، پس اگر اسی مرض میں مرجائے تو وہ چیز اس وارث سے واپس لے لی جائے، وارث اور غیر وارث میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ وجہ پیش کی جائے کہ وارث کو اگر فی الحال دے دی جائے تو شاید وہ اس چیز میں تصرف وغیرہ کرلے، اور وہ چیز واپس نہ لی جاسکے تو یہ وجہ غیر وارث میں بھی ہے کہ شاید جو چیز اس کو دی ہے وہ ثلث مال سے زیادہ ہو، پس وہ اس میں تصرف وغیرہ کرے جس وجہ سے مایجری فیه الوصیة یعنی ثلث سے زائد واپس نہ لیجاسکے۔فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

وارث میں واپس لینے سے ایک دوسری شی بھی مانع ہے، اس کا ذی رحم محرم ہونا، یا تعلقِ زوجیت ہونا۔ اغلب واقرب یہ ہے کہ اس تحفہ کو چونکہ مرض الموت میں وصیت کا حکم دیا جاتا ہے، اور وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی: ''لاوصیه لوارث''(۲)۔ اس لئے اس صورت کو غیر وارث کے ساتھ مقید کیا تاکہ آئندہ چل کر اگر اس مرض کا مرض الموت ہونا ثابت ہوجائے تو سب کو بحکمِ وصیت ثلثِ ترکہ سے نافذ کیا جاسکے (۳)، اگر وہ موہوب لہ وارث ہو تو وہاں تنفیذِ وصیت کا محل ہی نہیں (۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ رمضان المبارک/ ۱۳۶۶ھ۔

---

(۱) (قانون وراثت مفید الوارثین، فصل سوم مرض الموت اور مریض کے اقرار کا بیان، ص: ۲۸، سعید)

(۲) ''عن عمرو بن خارجة رضي الله تعالیٰ عنه قال: خطب رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: ''إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه، ولاوصیة لوارث''. الحدیث. (سنن النسائی: ۲/ ۱۳۱، کتاب الهبة، باب إبطال الوصیة للوارث، قدیمی)

(۳) ''وأما لو وهب وسلم لغیر الورثة، فإن خرج الموهوب من ثلث ماله، صحت الهبة''. (شرح المجلة: ۱/ ۴۸۴، (رقم المادة: ۸۷۹)، کتاب الهبة، الفصل الثانی فی هبة المریض، مکتبه حنفیه کوئٹه)

''وأما هبته: أی المریض لأجنبی، فتصح من کل ماله إن أجاز الورثة، وإلافمِن الثلث فقط''.
(شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۳/ ۴۰۴، مکتبه حقانیه پشاور)

(۴) (راج رقم الحاشیة: ۲)

مرض الموت میں جعلی ہبہ نامہ پر دستخط

سوال[۸۰۳۹]: ہندہ اپنے بستر مرگ پر عالمِ نزع میں ہے، ہندہ کے جیٹھ (شوہر کا بڑا بھائی) نے ایک سادہ کاغذ (اسٹامپ) پر کسی تحریر اقرار نامہ کے نشانِ انگوٹھا بغیر ہندہ کی مرضی وخواہش کے جبراً لے لیا۔ اور نشانِ انگوٹھا لیتے وقت سوائے اس کے جیٹھ کے کوئی دوسرا گواہ وہاں پر موجود نہ تھا۔ نشان انگوٹھا لینے کے چند دن بعد ہندہ لاولد فوت ہوگئی۔ اس کے بعد اس کاغذ کو جس پر ہندہ کا نشان انگوٹھا لیا گیا تھا، ہبہ کی شکل میں تحریری اقرار کرایا گیا کہ ہندہ نے اپنے ترکہ کی جائیداد اپنے شوہر کو ہبہ کردی اور بعد میں مذکورہ جیٹھ کے علاوہ مزید تین گواہوں نے از راہِ شہادت اپنے اپنے دستخط کردہ دستاویز پر ثبت کردیئے۔ اور اس طرح ہندہ کا ہبہ نامہ بحق اپنے شوہر کے مکمل ہوگیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کی کمزوری اور لاچاری سے فی الحال جو فائدہ اٹھایا گیا، اور مندرجہ بالا طریقے سے ہندہ سے ہبہ کرایا گیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعۃً اسی طرح ہے تو یہ کارروائی شرعاً بالکل بے کار ہے، اس سے ہبہ نہیں ہوا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۴ھ۔

اپنا وارث ہوتے ہوئے مکان متبنّٰی کو ہبہ کرنا

سوال[۸۰۴۰]: زید کی ہندہ سے سوائے ایک لڑکی کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے اپنی زندگی کا نباہ پار کرنے کے لئے عمر کو اپنا لڑکا بنالیا، عمر ہوش سنبھالتے ہی زید کی کما حقہ خدمت گذاری میں مصروف رہا۔ اس سے خوش ہوکر زید نے اپنا زرخرید نصف مکان عمر کو ہبہ کردیا، عمر نے اپنی آمدنی سے اس کی از سر نو تعمیر کی۔ پھر زید نے عیش وآرام کی زندگی پانے کی وجہ سے آخری عمر میں بقیہ نصف مکان بھی چند گواہوں کے سامنے ہبہ نامہ تحریر

---

(۱) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض". (شرح المجلة: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، الباب الأول، حنفيه كوئٹه)

کردیا تا کہ عمر کو بوقتِ ضرورت کام آئے۔اور زید نے اپنی لڑکی کی شادی کردی، وہ اپنی سسرال رہتی ہے۔زید کے انتقال کے بعد وہ لڑکی میراث کی طلبگار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ لڑکی اس مکان میں حصہ دار ہے یا نہیں؟اور زید کا عمر کو کل مکان کا ہبہ کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان اگر اتنا بڑا ہے کہ نصف نصف کرکے تقسیم کردیا جائے تو دونوں حصوں سے انتفاع ہوسکتا ہے اور پھر زید نے تقسیم کرکے عمر کا قبضہ نصف پر نہیں کروایا، بلکہ حسبِ سابق زید بھی مالکانہ حیثیت سے رہتا رہا اور عمر بھی رہتا رہا تو یہ نصف کا ہبہ فاسد صحیح نہیں ہوا (۱)۔ پھر آخری عمر میں جو دوسرا بقیہ نصف ہبہ کیا ہے، اگر مرض الموت میں ہبہ کیا ہے تو وہ بھی صحیح نہیں ہوا (۲)،عمر نے اپنی آمدنی سے جو کچھ اس پر خرچ کیا ہے، وہ زید کے ساتھ تبرع ہوا (۳)،لڑکی کو میراث طلب کرنے کا حق حاصل ہے۔

اگر ہبہ کی اس کے علاوہ کوئی اَور صورت پیش آئی ہے یعنی مکان چھوٹا تھا جو تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہ

---

(۱) "(قوله: في محوز مقسوم ومشاع لايقسم، لافيما يقسم): أي تجوز الهبة في محوز مقسوم وفي مشاع لايقسم، ولاتجوز في مشاع يقسم. احترز بقوله: (عن المتصل كالثمرة) عن الشجرة، وبقوله: (مقسوم) عن المشاع". وقال الشلبي في حاشيته: "قال علماء نا:هبة المشاع فيما يحتمل القسمة لاتتم ولاتفيد الملك قبل القسمة". (تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي: ۵۲/۶، كتاب الهبة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الدرالمختار: ۶۹۲/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۴۸۶/۷، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) "إذاوهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته وبعد وفاته، لم يُجز سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم: ۴۸۳/۱، (رقم المادة، ۸۷۹)، كتا ب الهبه، الفصل الثاني، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "فلو أنفق عليها الأخر بلا إذنه، فهو متبرع غير مضطر؛ إذ يمكنه أن يقسم حصته ويعمرها". (ردالمحتار: ۳۳۳/۴، كتاب الشركة، سعيد)

رہتا، یا تقسیم کر کے عمر کے قبضہ میں نصف دے دیا اور اس نصف سے اپنا قبضہ ختم کر دیا، یا بقیہ نصف مرض الموت میں ہبہ نہیں کیا، بلکہ تندرستی میں ہبہ کیا تو اس صورت کو متعین کر کے جواب حاصل کیا جائے۔ آپ نے سوال میں کوئی تصریح نہیں کی، اس لئے ایک شق کا جواب لکھ دیا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۷ھ۔

واہب کی حیات میں ہبہ کے بعد موہوب لہ کا انتقال

سوال [۸۰۴۱]: زید کے چار لڑکے اور ایک لڑکی اور ایک مرحومہ لڑکی کا بیٹا (زید کا نواسہ) موجود ہے، زید نے اپنی حیات میں عارتیاً اپنے چار بیٹوں اور ایک بیٹی اور ایک نواسہ کو تقسیم ترکہ نامزد قرار دیدیا، اب زید کی موجودگی میں موجودہ لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ اس لڑکی کا خاوند اس کے حصہ میں سے کس قدر مال کا مستحق ہوسکتا ہے، یا بالکل نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاریۃً تقسیم ترکہ نامزد قرار دینے کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس سے مراد وصیت ہے یعنی زید نے وصیت کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میراترکہ اس طرح تقسیم کرنا تب تو یہ وصیت ہی ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ورثہ کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور وارث کے حق میں بلا اذن دیگر ورثہ وصیت نافذ نہیں ہوتی (۱)، البتہ نواسہ چونکہ اس صورت میں وارث نہیں، اس کے حق میں وصیت درست ہے، مگر اس کے نفاذ کا حکم زید کے مرنے پر ہوگا (۲)۔

---

(۱) "عن شرحبيل بن مسلم الخولاني، سمعت أبا أمامة الباهلي رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: "إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، فلاوصية لوارث". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۹، بابٌ: لاوصية لوارث، مير محمد كتب خانه كراچی)

"عن شرحبيل بن مسلم رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، فلاوصية لوارث". (سنن أبي داؤد، باب ماجاء في الوصية للوارث، إمداديه ملتان)

(۲) "وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث لاالزياده عليه، إلا أن تجيز ورثته=

جس لڑکی کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے حق میں جس قدر وصیت کی ہے، وہ زید ہی کی ملک ہے، لڑکی کی ملک نہیں (۱)، لہذا لڑکی کے شوہر کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا، ہاں! جو کچھ ترکہ مملوکہ لڑکی نے چھوڑا ہے اس میں اس کے شوہر کا بھی حصہ ہے (۲)۔

اگر تقسیم ترکہ نامزد کرنے سے مراد یہ ہے کہ باقاعدہ تقسیم کرکے ہر ایک کے حصہ پر اس کا قبضہ کرادیا ہے تو لڑکی کے ترکہ مملوکہ کیساتھ اس میں بھی میراث جاری ہوگی اور شوہر کو حصہ ملے گا۔ اگر تقسیم کر کے قبضہ نہیں کرایا تو یہ ہبہ تام نہیں ہوا، اور لڑکی کی ملکیت اس پر ثابت نہیں ہوئی (۳)، بس شوہر کو اس میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ لڑکی کا ترکہ تقسیم کرنے کیلئے اس کے جملہ ورثہ کا علم ضروری ہے، اگر اس کی اولاد موجود ہے، تب تو شوہر کو چوتھائی ترکہ ملے گا، اگر اولاد موجود نہیں تو نصف ملے گا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۴/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۲/۶۰ھ۔

= بعد موته، ولا تعتبر إجازتهم حال حياتهم أصلاً بل بعد وفاته". (الدر المختار: ۶/۶۵۰، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۴۱۹، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(۱) وارث کا مورث کے موت کے وقت زندہ رہنا شرط ہے، جبکہ مذکورہ لڑکی مورث سے پہلے فوت ہوگئی ہے، اس وجہ سے وہ ورثاء میں شمار نہیں ہوتی:

"وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقتاً أوحكماً، ووجود وارثه عند موته حياً حقيقتاً أو حكماً، أو العلم بجهة الإرث". (مجمع الأنهر: ۴/۴۹۴، كتاب الفرائض، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۷۵۸، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء". (الدر المختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، مكتبه، سعيد)

(۳) "تنعقد (أي الهبة) بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلابالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادة :۸۳۷)، كتاب الهبة، الفصل الأول، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۴) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولكم نصف ماترک أزواجكم إن لم يكن لهن ولد، فإن كان لهن ولد، =

اولاد کے درمیان ہبہ میں تفصیل

سوال[۸۰۴۲]: مجھے اپنی اہلیہ مرحومہ سے تین اولاد ہے: دولڑکے: محمد فاروق ومحمد ہارون، اورایک لڑکی۔ میں نے ان تینوں کے بالغ ہونے پر ان کی شادی کردی، شادی کے بعد دونوں لڑکے مجھ سے علیٰحدہ ہوگئے، بڑالڑکا محمد فاروق پاکستان چلا گیا، اس کا کچھ پتہ نہیں، دوسرالڑکا محمد ہارون شہرہی میں دوسری جگہ رہتا ہے۔ دوسری اہلیہ سے تین لڑکے: محمد ہاشم، محمد محسن اور عبداللہ سالم اورسات لڑکیاں ہیں، جن میں چارلڑکیاں اور ایک بڑالڑکا محمد ہاشم شادی شدہ ہیں۔

ہارون، فاروق کی موجودگی میں تنہا کام کرنے والا تھا، اور میراکاروبار بھی بہت معمولی حالت میں تھا، بعد میں محمد ہاشم کی محنت اوراس کے تعاون سے کچھ کام بڑھا اوراب وہ مطمئن حالت میں ہے۔ موجودہ کاروبار کے بڑھانے اور جمانے میں محمد ہاشم کی لگن اورمحنت کو برابر کا دخل ہے۔

ہارون، فاروق کے علیٰحدہ ہونے کے بعد میں نے اپنے موروثی مکان میں اپنے بڑے بھائی اوراپنی بہن کا حصہ خرید کراپنے ساتھ شامل کرلیا، وہ اس طرح کہ بھائی صاحب کا حصہ میں نے اپنے نام اورمحمد ہاشم کے نام خریدا، اوربہن کا حصہ جوکہ بھائی کے حصہ کا نصف تھا محمد ہاشم کے چھوٹے بھائی محمد محسن کے نام خریدا، اب میں چاہتا ہوں کہ مکان کا اتنا ہی حصہ سب سے چھوٹے لڑکے عبداللہ سالم کے نام ہبہ کردوں، اس طرح تینوں بھائیوں کے نام مکان کے نئے خرید شدہ حصہ میں سے برابر حصہ آجائے گا۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ کاروبار میں تین لڑکوں کواپنے ساتھ برابر کا شریک کرلوں یعنی کاروبار کی ملکیت میں سے ایک چوتھائی کا مالک میں رہوں اور ایک ایک چوتھائی کا مالک تینوں لڑکوں کو بنادوں، اس طرح میری ملکیت میں وہ مکان رہ جائے گا جو ہارون اور فاروق کی علیٰحدگی کے وقت تھا، اورموجودہ کاروبار کا ایک چوتھائی حصہ، جومیرے انتقال کے بعد میرے تمام ورثہ اس میں سے اپنا اپنا حصہ رسد پانے کے مستحق ہوں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کل کاروبار کا مالک موجودہ تینوں لڑکوں کو بنادوں اورغیر منقول جائیداد کے حصے کرکے اس کو تقسیم کردوں اوراپنی زندگی ہی میں کچھ کمی زیاتی کے ساتھ اس کا بھی فیصلہ کرادوں اور مستحقین کو مالک بنادوں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالاصورتوں میں سے ہرایک شکل کا مجھ کو شرعاً اختیار ہے

= فلکم الربع مما ترکن﴾ (سورۃ النساء: ۱۲)

یانہیں؟ اور کیا اس طرح کمی بیشی کیساتھ تقسیم کرنے سے پہلی بیوی کے لڑکوں اور سب ہی لڑکیوں کی حق تلفی کا مجرم قرار پاؤں گا؟ میں ایسی صورت اختیار کرنا چاہتا ہوں کہ آخرت میں گرفت نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنی زندگی میں آپ پوری طرح مالک ہیں، آپ کو حق ہے کہ جس لڑکے لڑکی کو یا کسی غیر کو اپنی جائیداد وغیرہ کل یا جز جس طرح چاہیں دیدیں، مگر اس کا خیال رہے کہ کسی ہونے والے وارث کو نقصان پہونچانے کا ارادہ نہ ہو، یہ ظلم اور گناہ ہے، اس کا خطرہ ہو تو سب لڑکے اور لڑکیوں کو برابر دیا جائے، کیونکہ وہ اولاد ہونے میں سب برابر ہیں۔ قصداً ضرر نہ ہونے کی صورت میں کسی کے ضرورت مند ہونے یا کمانے سے عاجز ہونے یا زیادہ دیندار ہونے کی وجہ سے اس کو زیادہ دیا جائے تو یہ ممنوع نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: "وعنه يجوز التفاضل إن كان له سبب، كأن يحتاج الولد لزمانته أو نحوذلك دون الباقيين".

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: "وتجب التسوية إن قصد بالتفضيل الإضرار"۔

جمہور کا قول نقل کیا ہے: "وذهب إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل بعضاً، صح وكره. واستحبت المبادرة إلى التسوية أو الرجوع، فحملوا الأمر على الندب، والنهي على التنزية". فتح الباری: ۵/ ۵۹ (۱)۔

حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ندب کے لئے تسلیم کر کے شیخین خلیفتین: ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر سے استدلال کیا:

"إن عمل الخليفتين: أبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما بعد النبي صلى الله عليه وسلم على عدم التسوية قرينةٌ ظاهرةٌ في أن الأمر للندب". وہ اثر امام طحاوی اور امام بیہقی کے حوالہ سے نقل کئے ہیں: كذافي عمدة القاري: ٦/ ٢٧٦ (٢)۔

---

(۱) (فتح الباري: ۵/ ۲۶۷، باب الإشهاد في الهبة، قديمي)

(۲) (عمدة القاري: ۱۳/ ۱۴۷، باب الإشهاد في الهبة، محمد أمين دمج، بيروت)

"أما أثر أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه فأخرجه الطحاوي: حدثنا يونس، قال: حدثنا ابن وهب،=

اورحضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کو بحوالۂ موطأ بھی باسناد صحیح حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ، کذافی الفتح: ۵/ ۱۵۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۷/ ۹۲ھ۔

ہبہ میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینا

سوال [۸۰۴۳]: ایک شخص وقف علی الأ ولاد کرنا چاہتا ہے، یا اولاد کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اور اس میں تفریق وترجیح کا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے، بعض اولاد کو قریباً کل منافع وقف یا ہبہ کرنا چاہتا ہے اور بعض کو ایسا جز جو غیر متعد بہ ہو دیتا ہے۔ تو یہ تفضیل وترجیح شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ جنہوں نے اپنی بعض اولاد کو بعض اولاد پر ہبہ اور عطیہ میں ترجیح دی تھی، مہربانی فرما کر اس کا ترجمہ فرمادیا جائے۔ فقط۔

محمد احمد۔

= أن مالكاً حدثه عن ابن شهاب، عن عروة بن الزبير عن عائشه زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: إن أبابكر الصديق نحلها جداد عشرين وسقاً من ماله بالغابة، فلما حضرته الوفاة قال: والله! يابُنيّة! ما من أحد من الناس أحب إلي غنى بعدي منك، ولاأعز علي فقراً بعدي منك، وإني كنت نحلتك جداد عشرين وسقاً، فلو كنت جددته وأحرزته كان لك، وإنما هو اليوم مال الوارث، وإنما هما أخواك وأختاك، فاقتسموه على بيان كتاب الله. فقالت عائشه: والله! ياأبت! لو كان كذا وكذا، لتركته، وإنما هي أسماء، فمن الأخرى؟ فقال: ذوبطن بنت خارجة أراها جاريةً". أخرجه البيهقي أيضاً في سننه من حديث شعيب عن الزهري رضي الله تعالىٰ عنه عن عروة بن الزبير". (عمدة القاري: ۱۳/ ۱۴۷، باب الإشهاد في الهبة، بيروت)

(۱) "فأما أبوبكر فرواه الموطأ بإسناد صحيح عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن أبابكر قال لها في مرض موته: إني كنت نحلتك نحلاً، فلو كنت اخترته لكان لك، وإنما هو اليوم للوارث. وأماعمر رضي الله تعالىٰ عنه فذكره الطحاوي وغيره أنه نحل ابنه عاصم دون سائر ولده". (فتح الباري: ۵/ ۲۶۹، باب الإشهاد في الهبة، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تفریق اور ترجیح بلا وجہ شرعی گناہ ہے یعنی اگر ایک کو نقصان پہونچانا مقصود ہو اور دوسرے کو نفع پہونچانا مقصود ہو اور کوئی وجہ شرعی اس نفع اور نقصان کی نہ ہو تو ایسا کرنا گناہ ہے، تاہم ایسا کرنے سے ہبہ صحیح ہو جائے گا، یعنی جس کو کم ملا ہے اس کو شرعاً حق نہیں کہ وہ زیادہ والے سے ہبہ کرے۔ اور اگر کوئی وجہ شرعی ہے مثلاً: جس کو زیادہ دیتا ہے وہ صالح اور دین دار ہے اور اسی وجہ سے اس کو زیادہ دیتا ہے اور جس کو کم دیتا ہے وہ بدچلن اور غیر متدین ہے اور اسی وجہ سے اس کو کم دیتا ہے تو ایسا کرنا گناہ نہیں بلکہ جائز ہے، حتی کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ میری اولاد تمام مال جائیداد کو خدا کی نافرمانی میں صرف کردے گی تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کے واسطے کچھ نہ چھوڑے، بلکہ اپنا مال تمام مصارف خیر میں صرف کردے(۱)۔

"عن النعمان بن بشير رضى الله تعالىٰ عنه أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إنى نحلت ابنى هذا غلاماً. فقال: "أكلّ ولدك نحلت مثله"؟ : قال لا: قال: "فارجعه". بخاری شریف(۲)۔

"نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے باپ ان کو

---

(۱) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض .... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواءً، يكره. وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار، سوى بينهم .... وهو المختار. رجل وهب في صحته كلّ المال للولد، جاز في القضاء، ويكون آثماً فيما صنع. وإن كان في وُلده فاسق، لاينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معيناً له في المعصية .... ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خيرٌ من تركة. ولو كان الولد مشتغلاً بالعلم لا بالكسب، فلابأس بأن يفضله على غيره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۴/ ۳۹۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/ ۴۹۰، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) (صحيح البخاري: ۱/ ۳۵۲، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الهبة للولد، قديمي)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے لڑکے کو ایک غلام دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کیا ہر اولاد کو ایسا ہی دیا ہے''؟ جواب دیا کہ: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اس سے رجوع کرلو'' ۔ (بخاری شریف)۔

قال الطيبي: "فيه استحباب التسوية بين الأولاد في الهبة، فلايفضل بعضهم على بعض ولووهب بعضهم دون بعض، فمذهب الشافعي ومالك وأبي حنيفة رحمهم الله تعالىٰ .... أنه مكروه وليس بحرام، والهبة صحيحة"(١)۔

"ولووهب جميع ماله من ابنه، جاز، وهوآثم، نص عليه محمد. ولوخص بعض أولاده لزيادة رشده، لابأس به، وإن كان سواء"(٢)۔

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کو ہبہ کرنے میں مساوات مستحب ہے، پس بعض کو بعض پر فضیلت نہ دے۔ اور اگر بعض کو دیا اور بعض کو نہ دیا تو امام شافعی اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ اور اگر تمام مال ایک لڑکے کو دیدیا تو قضاءً جائز ہے، اور گنہ گار ہوگا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صراحۃً بیان کیا ہے۔ اور بعض کو اس کی نیکی کی وجہ سے ہبہ کیساتھ مخصوص کرلیا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں اور جو سب برابر ہوں تو ایسا نہیں کرنا چاہیے'' ۔

"رجل وهب في صحته كل المال للولد، جاز في القضاء، ويكون آثماً في ماصنع. وإن كان في وُلده فاسق، لاينبغي أن يعطيه أكثر من قُوته كي لايصير معيناً له في المعصية. ولوكان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خيرٌله من تركة.

(١) (شرح الطيبي على مشكوٰة المصابيح: ١٨١/٦، كتاب البيوع، باب استحباب التسوية بين الأولاد في الهبة، إدارة القران كراچی)

(٢) (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ٢٣٧/٦، كتاب الهبة، الجنس الثالث في هبة الصغير، رشيديه)

ولوكان الولد مشتغلاً بالعلم لا بالكسب، فلا بأس بأن يفضّله" (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ شعبان/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

لڑکی کو ایک تہائی ہبہ، لڑکے کو دو تہائی

سوال [۸۰۴۴]: زید کے ایک دختر اور ایک خوردسال پسر تھا، جوان ہونے پر دختر کی شادی کر دی اور اپنا اثاث البیت بقدر ایک تہائی کے بطور جہیز کے اس کی شادی میں دیدیا تھا، بقایا دو تہائی اس بھائی خوردسالہ کے لئے محفوظ رکھا کہ وہ جب بالغ ہو جائے اپنے سامان کو تصرف میں لائے۔اور زید بیمار ہو گیا، زید کی بیماری کی حالت میں تہائی سامان بھائی کا بہن لے گئی اور اپنا تہائی سامان مقفل کر کے اسی مکان میں رہنے دیا۔ بھائی نے بالغ ہو کر بہن کے ایک تہائی کو اپنا بیان کر کے عدالت میں دعوی دائر کر دیا، اور عدالت نے سامانِ مذکور بھائی کو دیدیا۔کیا بھائی اپنے دو تہائی کے عوض میں ایک تہائی سامان بہن کا اپنے تصرف میں لا سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو سامان اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں زید نے اپنی لڑکی کے حوالہ کر دیا، اس میں تو کوئی تردد نہیں کہ وہ لڑکی کی ملک ہے، جو باقی رہا وہ اگر اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کر دیا کہ میں اس کو دے چکا ہوں اس کی ملک ہے تو وہ سب اس لڑکے کی ملک ہو گیا (۲)، اس میں لڑکی یا کسی دوسرے وارث کا کوئی حصہ نہیں۔ایسی حالت میں بہن نے جو بھائی کا سامان لیا ہے، وہ غصب اور ناجائز ہے (۳)، اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کا سامان واپس

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۰۱، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/ ۶۹۶، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، حنفية كوئٹه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة: ۴/ ۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ الاية (سورة البقرة: ۱۸۸) =

کردے، اور بھائی کو حق ہے کہ اپنا سامان واپس لے لے۔ اگر بہن بعینہ وہ سامان واپس نہ دے تو جس طرح ممکن ہو اپنا حق وصول کرلے(۱)۔

اور یہ اس وقت ہے کہ لڑکے کو بحالتِ صحت وتندرستی ہبہ کیا ہو، اگر مرض الموت میں ہبہ کیا ہے، یا ہبہ نہیں کیا، یعنی زبان سے نہ کہا محض دل میں نیت تھی کہ یہ اس کو دیدوں گا تو اس میں زید کے انتقال کے بعد شرعی طور پر میراث جاری ہوگی (۲)، جس کی تفصیل پورے ورثاء کے ظاہر کرنے سے معلوم ہوسکتی ہے، تاہم لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوہرا ہوگا (۳)، لڑکی نے جب اپنے حق سے زیادہ لیا ہے تو لڑکا اس زیاتی سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے۔

نابالغ بچہ کو اگر باپ کوئی شئی ہبہ کرے تو اس میں صرف عقدِ ہبہ کافی ہے، اس بچہ کا قبضہ تمامیتِ ہبہ کے لئے ضروری نہیں ہوتا۔ بالغ کو اگر ہبہ کرے تو اس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے (۴)۔ مرض الموت کی حالت میں

= "وحكمه الاثم إن علم، ووجوب ردّ عينه في مكان غصبه إن كانت باقيةً، والضمان لو هلكت". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۷۸/۴، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(۱) "فإذا ظفر بمال مديونه، له الأخذ ديانةً، بل له الأخذ من خلاف الجنس .... وفيه الفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لاسيما في ديارنا لمداومتهم للعقوق". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۹۵/۴، كتاب السرقة، مطلب في أخذ الدائن من مال مديونه، سعيد)

(۲) "لاتجوز هبة المريض ولاصدقته إلامقبوضةً، فإذا قبضت، فجازت من الثلث، وإذامات الواهب قبل التسليم، بطلت". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۰/۴، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۷۰۰/۵، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

(۳) قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: ﴿إن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ الاية (سورة النساء: ۱۷۶)

(۴) "يملك الصغير المال الذي وهبه إياه أو مربيه يعني من يحفظه في حجره ويعوله، سواء كان المال في يده أو كان وديعةً عند غيره بمجرد الإيجاب، أو بمجرد قول الواهب: وهبتُ، ولايحتاج إلى القبض. أي أن هبة مَن له ولاية على الصغير كأبيه ووصيه. وفيه أيضاً: إذا وهب شيئاً لابنه الكبير البالغ =

ہبہ کرنا وصیت کے حکم ہے ،اوروارث کے حق میں وصیت نافذنہیں ہوتی تاوقتیکہ دوسرے ورثہ اجازت نہ دیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۵/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمد غفرلہ،مظاہرعلوم۔

صحیح:عبداللطیف، ناظم مدرسہ ہذا،۵/ ربیع الأول/ ۵۹ھ۔

اولادکوہبہ میں کمی بیشی

سوال[۸۰۴۵]: احقر کے کل دس بچے ہیں،سات لڑکے اورتین لڑکیاں ہیں،جس میں دولڑکے ابھی نابالغ ہیں اورتعلیم حاصل کررہے ہیں۔میری زوجہ بھی حیات ہیں۔میرے چارلڑکے مجھ سے قطع تعلق کرکے اپنا اپنا الگ کاوربار کرتے ہیں،جس وقت یہ لڑکے مجھ سے الگ ہوئے ہیں، میں نے ان کوگذر اوقات اورکاروبار کے لئے ایک معقول رقم بھی دیدی تھی،لیکن ان میں سے بعض نے اپنی غلط کاری اوربے راہ روی کی وجہ سے وہ ساری رقم لہوولعب میں صرف کرڈالی، میں نے ان کو بارہا سمجھانے کی کوشش کی مگر یہ میری ایک بات بھی ماننے کے لئے تیارنہیں،غرضیکہ یہ چاروں لڑکے بالکل نالائق ہیں اور انہیں حقوق والدین کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

البتہ ایک لڑکا جو بالغ ہے اور دو نابالغ لڑکے میرے پاس رہتے ہیں اورحتی الوسع آداب حقوق

= العاقل، يلزم التسليم له، وبدون القبض لاتتم الهبه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۷، ۴۶۸، (رقم المادة : ۸۵۰، ۸۵۱)، كتاب الهبه، الباب الأول، مكتبه حنفية كوئٹه)

"لأن هبة الصغير منعقدة حال مباشرة الهبة، لقيام قبض الأب مقام قبضه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۹۳/۴، كتاب الهبة، الباب السادس فی الهبة للصيغر، رشيديه)

(۱) "إذاوهب واحد فی مرض موته شيئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يُجزْ سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً؛ لأن الهبة فی مرض الموت وصية، ولاصية للوارث. ولكن لوأجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۸۳، (رقم المادة : ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثانی فی هبة المريض، مكتبه حنفية كوئٹه)

ادا کرتے ہیں، ان تینوں کو میں نے اپنی تجارت میں قانوناً اپنا شریک بھی کرلیا ہے، ان میں جو بڑا ہے اس کے ذمہ تجارت کی ساری ذمہ داری ہے۔ میں بھی پیرانہ سالی کی وجہ سے اب کسی لائق نہیں ہوں، میری خواہش یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں ہی تمام بچوں کو اپنی جائیداد تقسیم کردوں تا کہ میرے بعد ان میں باہم اختلاف نہ ہو، لیکن میری خواہش یہ ہے کہ جس لڑکے نے میری خدمت کی ہے اور میرے ساتھ رہتا ہے اس کو بنسبت اَور لڑکوں کے زیادہ دوں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مجھ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ تقسیمِ جائیداد میں کمی وبیشی کرسکوں؟ دوسری بات قابلِ عرض یہ ہے کہ میں نے جن تینوں لڑکوں کو تجارت میں شریک کیا ہے تو کیا وہ شرعاً اموالِ تجارت میں شریک ہیں یا نہیں، یا میں ہی اس کا مالک ہوں؟ تیسری بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں سب کے حصص تقسیم کردوں اور بعض کو قبضہ دیدوں اور بعض کو قبضہ میری زندگی کے بعد حاصل ہوگا۔ تو یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جن بچوں کو میں اپنی زندگی میں ان کا حصہ دینا نہیں چاہتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جائیداد کو برباد کرڈالیں گے اور میں اپنی آنکھوں بربادی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں اولاد میں مساوات کی ترغیب دی ہے کہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دینے سے منع فرمایا ہے (۱)، بایں ہمہ یہ حکم وجوبی نہیں، اگر کسی کو اس کی ضرورت اور حاجت یا دینی مشغلہ یا دیگر فضائل کی وجہ سے زیادہ دیدے اور مقصود دوسروں کو نقصان پہونچانا نہ ہو تب بھی منع نہیں، بلکہ جائز ہے (۲)۔ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ احادیث میں مذکور ہے جس سے مساوات کا حکم

---

(۱) "عن حمید بن عبدالرحمٰن ومحمد بن النعمان بن بشیر أنهما حدثاه عن النعمان بن بشیر رضی الله تعالیٰ عنه أن أباه -رضی الله تعالیٰ عنهما- أتی به إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: إنی نحلت ابنی هذا غلاماً، فقال: "أكلّ ولدک نحلت مثله"؟ قال: لا. قال: "فارجعه". (صحیح البخاری: ۱/۳۵۲، کتاب الهبة باب الهبة، للولد، قدیمی)

(۲) "ولو وهب شیئاً لأولاده فی الصحة وأراد تفضیل البعض علی البعض عن أبی حنیفة رحمه الله تعالی: لابأس به إذا كان التفضیل لزیادة فضل فی الدین، وإن كانا سواءً، یكره. وروی المعلی عن أبی یوسف رحمه الله تعالی أنه لاباس به إذا لم یقصد به الإضرار. وإن قصد به الإضرار، سوّی بینهم، وهو المختار. =

معلوم ہوتا ہے(۱)۔

مگر اس حکم کے کلیۃً وجوبی ہونے پر شراحِ حدیث نے اشکال کیا ہے، عینی شرح بخاری: ٢٧١/٦ (٢) فتح الباری: ١٦٩/٥ (٣)، أوجز المسالك شرح موطأ إمام مالك، ص: ٣٣٠ (٤)، میں احادیث اور روایات کی روشنی میں ایسے دس قرائن پیش کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

= ولو كان الولد مشتغلاً بالعلم لابالكسب، فلابأس بأن يفضله على غيره". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۳۹۱/۴، رشيديه)

(۱) (راجع رقم الحاشية : ۱)

(۲) قال الحافظ العيني: "فإن قلت: في حديث الباب الأمرُ بالرجوع صريحاً حيث قال: "فارجعه" قلت: ليس الأمر على الإيجاب، وإنما هو من باب الفضل والإحسان، ألاترى إلى حديث أنس رضی الله تعالیٰ عنه رواه البزار فی مسنده أن رجلاً كان عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فجاء ابنٌ له قبله وأجلسه على فخذه وجاء ته بُنيّة له، فأجلسا بين يديه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألاسويت بينهما"؟ انتهی. وليس هذامن باب الوجوب، وإنما هو من الإنصاف والإحسان". (عمدة القاری: ۱۴۵/۱۳، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

(۳) "ذهب الجمهور إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل صح وكره، واستحبت المبادرة إلى التسوية أوالرجوع، فحمل الأمر على الندب والنهی على التنزيه". (فتح الباری: ۲۶۷/۵، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، قديمی)

(۴) "ثم قال الحافظ: وأجاب مَن حمل الأمر بالتسوية على الندب من حديث النعمان رضی الله تعالیٰ عنه بأجوبة:

أحدها: أن الموهوب كان للنعمان جميع مال والده، ولذلک منعه. **وثانيها**: أن العطية المذكورة لم تنتجز، وإنما جاء بشير يستشيره صلى الله عليه وسلم، فأشار إليه بأن لا تفعل، فترک. حكاه الطحاوی. **وثالثها**: أن النعمان كان كبيراً ولم يكن قبض الموهوب . حكاه أيضاً الطحاوی. **ورابعها**: أن قوله: "ارجعه" دليل على الصحة، ولم تصح الهبة ولم يصح الرجوع. **وخامسها**: أن قوله: "أشهد على هذا غيری" إذن بالإشهاد على ذلک، وإنما امتنع من ذلک لكونه الإمام. **وسادسها**: التمسک بقوله: "ألا سويت بينهم"؟ على أن المراد بالأمر الاستحباب وبالنهی التنزيه، وهذاجيد لولا ورود الألفاظ =

حکم قطعی نہیں ہے۔

مصالح کے پیش نظر کمی وزیادتی کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مساوات کا لحاظ نہیں رکھا ہے، بلکہ کمی زیادتی کے ساتھ اولاد کو ہبہ کیا ہے۔طحاوی:۲/۲۴۵(۱)، اورأوجز:۵/۲۲۰(۲)،اورإعلاء السنن: ۶/۷۹(۳)، میں یہ روایت

= الزائدة. **وسابعها:** وقع عند مسلم عن ابن سيرين ما يدل على أن المحفوظ في حديث النعمان: "قاربوا بين أولادكم" لا "سووا".

وثامنها: "التشبيه الواقع بالتسوية بينهم بالتسوية منهم في بر الوالدين قرينة تدل أن الأمر للندب". **وتاسعها:** "عمل الخليفتين: أبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما بعد النبي صلى الله عليه وسلم على عدم التسوية قرينةٌ ظاهرةٌ في أن الأمر للندب، أما أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه، فرواه الموطأ بإسناد صحيح عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، وأما عمر رضي الله تعالىٰ عنه فذكره الطحاوي.
عاشرها: على أن الإجماع انعقد على جواز عطية الرجل ماله لغير ولده، فإذاجاز له أن يخرج جميع ولده من ماله، جاز له أن يخرج عن ذلك بعضهم". (أوجز المسالک شرح الموطأ للإمام مالک:۵/۲۳۱، کتاب الهبة، باب مالايجوز من النحل، مکتبہ یحیویہ مظاہر العلوم سہار نپور)

(۱) قال الإمام الطحاوي: "وقد فضل بعض أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ورضي عنهم بعض أولادهم على بعض في العطايا، فحدثنا يونس .... عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: إن أبابكر الصديق نحلها جداد عشرين وسقاً من ماله بالغابة، فلما حضرته الوفاة، قال: والله! يابُنيّة! مامن أحد من الناس أحب إليّ غنى منک، ولا أعز الناس على فقراً من بعدي منک، وإني كنت نحلتک جداد عشرين وسقاً، فلو كنت جددتيه وأحرزتيه كان لک". الحديث.

وحدثنا يونس، عن صالح بن إبراهيم بن عبدالرحمٰن بن عوف أن عبدالرحمٰن فضّل بني أم كلثوم بنحل قسمه بين ولده". الحديث. (شرح معاني الآثار للطحاوي: ۲/۲۷۱، کتاب الهبة والصدقة، باب الرجل ينحل بعض بنيه دون بعض، سعيد)

(۲) (راجع أوجز المسالک، کتاب الهبة، باب مالايجوز من النحل، مکتبہ مظاہر علوم)

(۳) "والجواب القاطع أن الإجماع قد انعقد على جواز إعطاء الرجل ماله بغير ولده، فإذاجاز له أن يخرج جميع ولده من ماله، جازله أن يخرج عن ذلک بعضهم، ذكره ابن عبد البر .... والحاصل:=

موجود ہے، یہ جلیل قدر حضرات صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین حدیث کا مطلب زیادہ صحیح سمجھنے اوراس پر عمل کرنے والے تھے۔

اگرآپ نے قانونی مصالح یا دیگر مصالح کی بناء پر محض کاغذات میں ان کا نام درج کرالیا ہے، واقعۃً ان کو مالک بنا کر شریک نہیں کیا تو وہ مالک ہوئے نہ شریک، آپ تنہا مالک ہیں (۱)۔اوراگر واقعۃً مالک بنا کر شریک کیا ہے تو وہ مالک ہوگئے۔

تقسیم کردینے کا آپ کو پوراحق ہے، لیکن جس کو قبضہ نہیں دیں گے اس کے حق میں ہبہ تام اور نافذ نہیں ہوگا، اس پر ملک باقی رہے گی، بعدالوفات وہ آپ کا ترکہ ہوگا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

بیٹے کوزمین ہبہ کرکے واپس لینا

سوال[۸۰۴۲]: عمرنے اپنی ملک اراضی میں سے اپنے بیٹے زید کو چند گواہوں کی موجودگی میں ایک قطعۂ زمین اس معاہدہ کیساتھ ہبہ کیا کہ میری حیات تک اس کی پیداوار چوتھائی مجھے دیتے رہنا، زید نے اس کو منظور کرلیا۔اس قطعہ کے کچھ حصہ میں اس نے اپنے صرفہ سے کسی جنس کی تخم ریزی بھی کرادی اور کچھ میں آئندہ

= أن حمل الأمر بالتسوية بين الأولاد على الوجوب خلاف القياس، والإجماع في جواز إعطاء الرجل ماله بغير ولده، فيحمل على الندب، أو يقتصر النص على مورده وهو تفضيل الرجل بعض أولاده بالهبة بطلب امرأة من نسائه، لكونه مؤدياً إلى تفضيل بعض النساء على بعض، وهو منهي عنه، ولايعتداه، لاسيما وقد ثبت عن أبي بكر، وعمر، وعبدالرحمٰن بن عوف، وابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهم أنهم نحلوا بعض أولادهم دون بعض. وقال العيني: واختلف العطاء من التابعين وغيرهم .... اهـ.

وذهب الجمهور إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل بعضاً صح وكره، وحملوا الأمر في حديث النعمان على الندب، والنهي على التنزيه". (إعلاء السنن: ۹۶/۱۶، ۹۷، كتاب الهبه، باب استحباب التسوية بين الأولاد، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لالصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث، حنفية كوئٹه)

(وكذافي الدرالمختار: ۶۹۰/۵، كتاب الهبة، سعيد)

تخم ریزی کے خیال سے ہل بھی چلوادیا۔مہینہ بھرہی کے اندر باپ نے اس قطعہ کو بٹائی پرایک اجنبی شخص کودیدیا، اوراب اسے کسی خریدارکوفروخت بھی کردیناچاہتاہے۔

زید جوکہ اس کا بیٹاہے کہتاہے کہ مذکورہ بالاصورت میں ازروئے شرع میرے والدکواس پرکسی قسم کا مالکانہ تصرف کا اختیارنہیں، کیونکہ وہ مجھے اس قطعہ کوہبہ کرچکے ہیں، گومروجہ قانونی کارروائی نہیں ہوئی، اس لئے اب میرے والدنہ اسے فروخت کرسکتے ہیں اورنہ کسی کوہبہ کرسکتے ہیں۔باپ جوکہ قانوناًابھی تک اس کا مالک ہےاور بوقتِ ہبہ اس نے اپنی حین حیات تک کے لئے اس مابہ النزاع قطعہ اراضی کی پیداوارمیں سے ایک مقررہ حصہ کی ادائیگی بھی موہوب سے طے کرلی تھی۔کیاوہ ازوروئے شرع اس کا مالک نہیں رہا، کیاواہب کے حقوقِ ملکیت موہوب لہ کومنتقل ہوگئے؟فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد نے جب قطعۂ زمین اپنے بیٹے کوہبہ کردیا اوراپنی ملک وقبضہ سے خارج کرکے بیٹے کی ملک وقبضہ میں دیدیاتو یہ ہبہ تام ونافذ ہوگیا(۱)، جوشرط لگائی ہے وہ بھی صحیح نہیں، اوراس کی پابندی بیٹے پرلازم نہیں، اس شرط کی وجہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوا، اوراب والدکواس کے لینے کاحق نہیں (۲)، نہ کسی کوہبہ کرسکتاہے نہ فروخت کرسکتاہے، یہ تو اصل مسئلہ ہے۔لیکن اگروالدکوحاجت ہے اوروہ مجبوری کی وجہ سے واپس لینا یا فروخت

---

(۱) "هي تمليك عين بلاعوض، وتصح بإيجاب وقبول، وتتم بالقبض الكامل". (ملتقى الأبحر: ۳/۴۸۹، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلابالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وتتم الهبه بالقبض الكامل". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹۰، كتا ب الهبة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۴۹، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وحكمها أنها لاتبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبدٍ على أن يعتقه تصح، ويبطل الشرط". (ردالمحتار: ۵/۶۸۸، كتاب الهبة، سعيد)

"الهبة لاتبطل بالشروط الفاسدة". (البحر الرائق: ۷/۵۰۳، فصل: ومن وهب أمة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۶/۱۱۷، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

کرنا چاہتا ہے تو بیٹے کی سعادت مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ والد کی خدمت میں بخوشی پیش کردے اوران کو کسی تصرف سے منع نہ کرے (۱)، والد کا حق احسان بیٹے پر بہت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

پوتے کو ہبہ کرکے پھر رجوع کرنا

سوال [۸۰۴۷]: زید کے بیٹے عمر کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد زید نے اپنا حصہ جو بیٹے کے ترکہ سے اس کو ملنا چاہیے تھا اپنے پوتے پوتی یعنی عمرو مرحوم کے بیٹے بیٹی کے حق میں زبانی ہبہ کردیا اوراپنے عزیزوں کے سامنے اظہار بھی کردیا، چنانچہ زید کا حصہ اس کے ہبہ کرنے کی بناء پر عمرو کے بیٹے پھر بیٹی کے درمیان تقسیم کردیا گیا اور ہرایک کا حصہ اس کو دیدیا گیا جس کو تقریباً دس گیارہ ماہ عرصہ گذر چکا۔ اب زید مطالبہ کرتا ہے کہ میرا حق مجھ کو واپس کرو۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید کو اپنے پوتے اور پوتی کے حق میں اپنا حصہ ہبہ کردینے اور حصہ تقسیم ہوکران کے قبضہ میں پہونچ جانے کے بعد رجوع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ فقط۔

عرفان الٰہی، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں زید کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہا: "فلووهب لذی محرم منه نسباً لا یرجع". درمختار: ۵۱۸/۴ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قال علیه الصلوة والسلام: "أنت ومالک لأبیک". یعنی أن أباک کان سبب وجودک، ووجودک سبب وجود مالک، فصارله بذلک حق، کان به أولی منک بنفسک، فإذا احتاج فله أن یأخذ منه قدر الحاجة". (فیض القدیر: ۲۳۰۶/۵، (رقم الحدیث: ۲۷۱۲)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

(۲) (الدرالمختار: ۷۰۴/۵، کتاب الهبة، باب الرجوع فی الهبة، سعید)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لیس لنامثل السوء الذی یعود فی هبته کالکلب یرجع فی قیئة". (صحیح البخاری: ۳۵۷/۱، کتاب الهبة، باب =

مرحوم بیٹے کی بیوہ کو ہبہ

سوال[۸۰۴۸] : زید کے چار لڑکے ہیں: نور محمد، بھائی رمضان، فیض محمد اور دل محمد۔ نور محمد کا انتقال زید کی زندگی ہی میں ہوگیا، اس کے بعد زید نے اپنی پوری زمین اپنے تینوں لڑکوں اور نور محمد کی بیوہ عورت کے درمیان تقسیم کردی، پھر زید کا انتقال ہوگیا۔ اس کے تقریباً دس بارہ سال بعد اس کے تینوں لڑکے اس بات کے مدعی ہوئے کہ زید کی زمین میں بیوہ عورت کو کوئی حق نہیں پہونچتا، لہذا زید نے جو زمین بیوہ عورت کو دی ہے وہ ہم کو ملنا چاہئے، لہذا اس بیوہ کا حق زید کی دی ہوئی جائیداد میں پہونچتا ہے کہ نہیں؟ معاملہ کورٹ تک پہونچ چکا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو زمین زید نے اپنے تینوں لڑکوں اور ایک مرحوم لڑکے کی بیوہ کو ہبہ کر کے تقسیم کردی ہے اور اپنا قبضہ ہٹا کر ان کا قبضہ کرادیا تو وہ سب کی حسب تقسیم ملک ہوگی (۱)، اب وہ زید کا ترکہ نہیں ہے۔ بیوہ کو جو کچھ دیا گیا ہے اس سے واپس لینے کا حق نہیں (۲)۔ البتہ انتقالِ زید کے وقت جو ترکہ باقی رہا اس میں مرحوم لڑکے کی بیوہ کو

= الهبة للمشركين، قديمي)

"من وهب لأصوله وفروعه، أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما، أو لعمه أو لعمته، أو لخاله أو لخالته شيئاً، فليس له الرجوع". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۶، (رقم المادة: ۸۶۶)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۵۰۳، باب الرجوع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۶۸، باب الرجوع في الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لالصحة الهبة". (شرح المجلة، لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹة)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾. الاية. (سورة البقرة: ۱۸۸)

بحیثیتِ میراث کچھ نہیں ملے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

ہبہ اور وارث کے حق میں وصیت

سوال[۸۰۴۹]: ایک شخص نے حالتِ مرض میں اپنے تمام وارثوں کو جمع کر کے کل جائیداد برضامندی تمام ورثہ کچھ کم وبیش کیساتھ تقسیم کر کے وصیت نامہ لکھوا کر اپنا دوحصہ کا رجسٹری کر دیا، لیکن فعلاً قبضہ نہیں کیا، بلکہ قولاً قبضہ پایا گیا۔ اب وہ شخص اس مرض سے اچھا ہو کر کوئی تین چار ماہ تک رہا، کسی کا کچھ اعتراض نہیں، پھر مرضِ دیگر سے ان کا انتقال ہوا۔ بعد انتقال کوئی تین ماہ بعد بعض وارث نے اعتراض کیا کہ اس تقسیم پر میں راضی نہیں ہوں، کیونکہ مجھے اور زیادہ ملتا ہے، لیکن جن کو زیادہ دیا گیا، ان کے ذمہ قرض بھی رکھا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تقسیم شرعاً صحیح ہے یا نہیں اور یہ ہبہ میں داخل ہوگا یا وصیت میں، اگر وصیت میں ہو تو اجازتِ ورثہ بعد انتقالِ مورث مال میں معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں ہبہ تام نہیں ہوا، کیونکہ ہبہ کے تام اور لازم ہونے کے لئے موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے اور یہاں قبضہ کی صراحۃً نفی ہے:

"لاتجوز هبة المريض ولاصدقته إلامقبوضةً، فإذاقبضت فجازت من الثلث، وإذامات الواهب قبل التسليم، بطلت". فتاوی عالمگیری: ۳/ ۱۰۷۶(۲)۔

---

(۱) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/ ۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/ ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/ ۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/ ۲۳۹، كتاب الهبة، رشيديه)

دوسرے یہ بظاہر بلا تقسیم ہے اور قابل تقسیم شئ کا ہبہ کردینا بلا تقسیم کئے ہوئے ہبۂ مشاع ہے جوکہ ناجائز ہے:

"ولووهب داره من رجلين، لايجوز في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وكذلك كل مايقسم، الخ". فتاوى قاضي خان: ۲/۲۹۹(۱)۔

البتہ اس کو وصیت قرار دیا جاسکتا ہے، مگر اس کا نفاذ بعد موتِ موصی ہوتا ہے، نیز وارث کے حق میں وصیت دیگر ورثہ کی اجازت پر موقوف رہتی ہے:

"ولالوارثه إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاوصية لوارث، إلا أن يجيزها الورثة". يعني عند وجود وارث آخر –كما يفيده آخر الحديث، وسنحققه– وهم كبار عقلاء". درمختار: ۵/ ۵۷۵(۲)۔

پس اگر تمام ورثہ بالغ اور عاقل ہیں اور تمام نے اجازت دیدی ہے تو یہ وصیت نافذ ہوگی، اگر اس کی اجازت نہیں دی، یا وہ نابالغ ہیں، وصیت نافذ نہیں ہوئی، بلکہ شرعی حصص کے موافق میراث تقسیم ہوگی اور قرضہ کی ادائیگی تقسیمِ ترکہ پر مقدم ہے:

"يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن والعبد الجاني تجهيزُه من غير تقتير ولاتبذير، ثم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي، ثم

---

(۱) (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۲۶۷، كتاب الهبة، فصل في هبة المشاع، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/۶۶۲، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذافي البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۲۳۹، كتاب الهبة، فصل مسائل الشيوع، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول في تفسيرها وشرط جوازها، الخ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه كوئٹه)

یقسم الباقی بین ورثته". تنویر: ٥/٦٦٥(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔ صحیح: بندہ عبد اللطیف۔

ہونیوالے وراث کو بیع یا ہبہ کرنا

سوال[۸۰۵۰]: زید بکر ہر دو حقیقی بھائی ہیں ان کو ترکہ پدر سے کچھ اراضی ملی تھی جس میں دو مکان تعمیر شدہ تھے اور ساڑھے تین سو گز زمین خالی افتادہ تھی۔ بکر نے تعمیر شدہ مکان زید کو ہبہ قیمۃً دیدیا اور افتادہ زمین جو بکر کے حصہ میں آئی تھی میں مسکونہ مکان بنالیا، چونکہ زید کے اولاد نہیں محض دو لڑکیاں تھیں، زید نے بکر سے کہا کہ بھائی میرے پاس تو گذارہ کے موافق دو مکان ہیں، یہ افتادہ زمین جو میرے حصہ میں ہے اس میں بھی ہی مکان بنالے، مجھے کیا کرنی ہے، گویا زید نے بکر کو استحساناً اپنا حصہ بطورِ ہبہ کو دیدیا تھا۔

بعد میں زید کے بھی دو لڑکے پیدا ہوگئے، لہٰذا زید کو زمین کی ضرورت ہوئی، اپنا حصہ واپس کرنے کا ارادہ کیا، مگر اس حدیث کے موافق کہ "ہبہ کرکے لینا ایسا ہے جیسے کتا قے کرکے چاٹ لے" زید خاموش ہوگیا، مگر اس وقت زید کے دونوں لڑکے چونکہ فوت ہو چکے تھے، محض دو لڑکیاں باقی ہیں، زید چاہتا ہے کہ اپنے دونوں مکان لڑکیوں کے نام بیع کردے تاکہ میرے مرنے کے بعد بکر یا بکر کے لڑکے میرے مذکورہ مکانات سے حصہ نہ لے سکیں۔ پہلے جو زمین بکر کو استحساناً دیدی ہے اسی طرح اپنی حیات میں لڑکیوں کو بھی حصہ دار مکان بیع کردوں۔

نیز اس وقت زید اور بکر میں باہمی رنجش بھی اس قدر ہے کہ کلام تک بند بلکہ ملنا جلنا بھی ترک ہے، بکر زید سے سخت مخالفت اور دشمنی رکھتا ہے، اس لئے بکر سے زید کا دل بھی پھٹ گیا۔ اس میں تفتیش طلب امر یہ ہے کہ زید مذکورہ صورت میں مسکونہ مکان شرعاً لڑکیوں کے نام کرسکتا ہے یا نہیں؟ ایسا کرنے سے زید کے ذمہ عند اللہ آخرت میں مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(١) (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ٦/٧٥٩، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ٩/٣٦٥، کتاب الفرائض، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر زید کا مقصود اس بیع سے بکر کو نقصان پہچانا ہے ذاتی مخالفت کی بناء پر تو زید کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے۔ اور اگر مقصود یہ ہے کہ لڑکیاں زیادہ ضرورت مند ہیں، یا زیادہ دیندار ہیں اور بکر کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ اپنے حصہ کو معصیت میں صرف کردیگا، یا اَور کوئی مصلحت ہے یعنی بکر کو نقصان پہنچانا نہیں، بلکہ کسی اَور مصلحت کی بناء پر ایسا کرتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں (۱)، تاہم اگر بیع کردیگا خواہ اسی نیت سے سہی تو بکر کو اس میں مداخلت کا حق نہیں رہے گا (۲)۔

اسی طرح اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں لڑکیوں کے نام ہبہ کرنا چاہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے، ہبہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنا قبضہ اٹھا کر باقاعدہ موہوب لہ کا قبضہ کرادے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض، عن أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه أنه لابأس به إذاكان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار، سوّى بينهم. وإن كان في وُلده فاسق، لاينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معيناً له في المعصية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۹۱، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/ ۴۹۰، كتاب الهبة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۲۷۹، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد للولد، رشيديه)

(۲) "ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ماشاء" (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۴۳، كتاب الشركة، الفصل في الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹة)

(۳) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرعات لاتتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه) . =

متبنی کو ہبہ یا وراثت

سوال[۸۰۵۱] : (نوٹ) پہلے ارسال کردہ سوال اور جناب کا جواب درج ذیل ہے:

زید کے کوئی اولاد نہیں وہ اپنے ایک حقیقی بھائی کے لڑکے عمر کو متبنی قرار دیتا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ عمر کو زمین جائیداد کا وارث قرار دیدے، زید کے دوسرے بھتیجے بھی موجود ہیں، زید اس خیال سے کہ اس کی موت کے بعد شرعی حقوق پر دوسرے بھتیجے بھی دعویدار نہ ہوجائیں جائیداد عمر کے نام ہبہ کرادیتا ہے، اس کے نتیجہ کے طور پر زید کے انتقال پر اس کے ہبہ شدہ جائیداد سے اس کے دوسرے بھتیجوں کو کوئی حصہ نہیں مل سکا۔ بعض کا خیال ہے کہ اسلامی قانون کے تحت زید کو ایسا عمل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ زید کے اس عمل سے اس کے دوسرے بھتیجوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اور شرعی حیثیت سے زید کے ہبہ کا عمل ناجائز ہے۔

(آپ کا جواب)

''اگر زید نے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں زمین جائیداد اپنے بھائی کے لڑکے عمر کو ہبہ کردی اور اپنا قبضہ اٹھا کر اس کا قبضہ ہی مکمل کرادیا تو عمر اس مالک ہوگیا، انتقال زید کے بعد دوسرے بھتیجوں کو بطور وراثت لینے کا حق نہیں رہا۔ جو چیز زید کی زندگی میں زید کی ملک سے خارج ہوگئی اس میں زید کی وراثت جاری نہیں ہوگی، اگر زید دوسرے بھتیجوں کو نقصان پہونچائے اور بلاوجہ شرعی وارث کو محروم کرنے کی نیت سے ایسا کرے تو وہ گناہ گار ہوگا''(۱)۔

(دستخط محمود عفی عنہ)

= (وكذا في الدر المختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۶، كتاب الوصايا، قديمي)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع =

اس سلسلہ میں مزید عرض ہے کہ اگر ہبہ کے سلسلے میں خود عمر کی ذاتی خواہش موجود تھی، تو کیا عمر بھی گناہ کا مرتکب ہوا؟ نیز کیا عمر کا اس ہبہ شدہ جائیداد کو لینا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے اور اگر ناجائز ہے تو عمر کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر پر اس سلسلہ میں کوئی گرفت نہیں (۱) جبکہ اس نے کوئی ناجائز کوشش نہیں کی، اس کو اس ہبہ شدہ جائیداد سے استفادہ وانتفاع درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۵/ ۸۷ھ۔

انتقال سے پہلے کسی وارث کو کچھ دینا میراث نہیں، ہبہ ہے

سوال [۸۰۵۲]: حاجی محمد حسن نے انتقال کیا، ورثہ میں بیوی مسماۃ وسیہ اور دولڑکے: محمد اور نثار احمد اور دولڑکیاں: کریمہ وفاطمہ چھوڑی۔ پس ترکۂ مورث کس طرح تقسیم ہوگا؟ واضح ہو کہ مسماۃ کریمہ اپنے باپ سے پانچ سوروپے لے کر دست بردار ہوگئی کہ مورث کے انتقال کے بعد جو مسماۃ مذکورہ کا حصہ شرعی ہوگا، رقم مذکورہ کے بدلہ میں باز آئی۔ پس مورث کی زندگی میں مسماۃ مذکورہ کی دست برداری صحیح ہے یا نہیں؟ اگر

= میراث وارثه، قطع الله میراثه من الجنة یو م القیامة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۴، باب الحیف فی الوصیة، قدمی)

(وكذافي فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ العالمكیریة: ۲۷۹/۳، فصل فی هبة الوالد لولده، رشیدیه)

(۱) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب، أضیف الحكم إلی المباشر". (شرح الأشباه والنظائر: ۴۰۴/۱، الفن الأول، القاعده التاسعة عشر، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "یملك الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۴۷۳/۱، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حنفیه كوئٹه)

"كل یتصرف فی ملكه كیف شاء؛ لأن كون الشی ملكاً لرجل یقتضی أن یكون مطلقاً فی التصرف فیه كیفما شاء". (شرح المجلة لخالة الأتاسی: ۱۳۲/۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حقانیه پشاور)

دست برداری صحیح نہیں ہے تو رقم مذکورہ واپس کرنی ہوگی یا نہیں؟ مسماۃ مذکورہ اب اپنا حصہ شرعیہ باپ کی میراث لینا چاہتی ہے۔

نیز مخفی نہ رہے کہ مورثِ مذکور کی زندگی میں اس کے دو لڑکے مسمی ابراہیم وعبدالغفور کا انتقال ہوا، ابراہیم کے چار لڑکے ہیں: ادریس، شعیب، خلیل، عبدالحمید جن کے نام زمانہ صحت میں ایک ربع جائیداد کی وصیت کی۔ پس ان تمام پوتوں کے لئے وصیت درست یا نہیں؟ بعدہ مرض الموت میں اپنے ربیب یعنی: بیوی کے لڑکے زید کو ایک مکان کی وصیت کی، بعدہ عبدالغفور کا لڑکا جو صرف سمیع اللہ ہے اس کے لئے ایک ربع کی وصیت کی۔ پس اس پوتے وغیرہ کی وصیت درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے تو کس طرح تقسیم ہوگی؟ جواب مع حوالہ کتب کے عنایت ہو۔ فقط۔

مستفتی: محمد یٰسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور ضلع، اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاجی محمد حسن،

مسئلہ ۸، تصــ۴۸

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت،
وسیہ	محمد	نثار احمد	کریمہ	فاطمہ
$\frac{1}{4}$	۱۴	۱۴	۷	۷

باپ اپنی زندگی میں کل مال کا مالک تھا، پانچ سو روپیہ کی رقم اگر اپنی صحت وتندرستی میں لڑکی (کریمہ) کو دی ہے تو یہ اپنی ملک میں تصرف ہے جو کہ شرعاً جائز ہے اور نافذ ہے(۱) اور کریمہ اس رقم کی مالکہ ہوگئی اور اس عقد کو عقد ہبہ کہا جاتا ہے(۲)۔ اس کے ساتھ یہ بات کہ یہ رقم عوضِ میراث ہے، سو یہ لغو ہے، اس سے نہ عقدِ ہبہ

(۱) "کل یتصرف فی ملکہ کیف شاء". (شرح المجلہ لسلیم رستم باز: ۱/۶۵۴، (رقم المادۃ: ۱۱۹۲)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۲) "الھبة تملیک مال لآخر بلاعوض: أی بلاشرط عوض". (شرح الجلة لسلیم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادۃ: ۸۳۴)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

مین فرق آتا ہے، نہ یہ رقم عوضِ میراث بنتی ہے۔عوض میراث نہ بننے کی وجہ یہ ہے کہ میراث تقسیم ہوتی ہے وفاتِ مورث کے بعد اور اس وقت اس پر وراثت ثابت ہوتی ہے (۱) اور قبل از وقت میراث تقسیم نہیں ہوتی، نہ اس پر ملک وراثت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا جس شی کی فی الحال کریمہ مالک و مستحق ہی نہیں تو اس کا عوض دے سکتی ہے، نہ اس سے دست بردار ہوسکتی ہے، اور اس قسم کی شرط سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط خود باطل ہوجاتی ہے۔

رقم مذکورہ کی واپسی بھی واجب نہیں، اگر واہب زندہ ہوتا تو باپ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی رجوع کا حق نہیں تھا، پھر ورثہ کو تو انتقالِ واہب کے بعد کسی طرح بھی رجوع کا حق حاصل نہیں:

"قال أصحابنا جميعاً: إذا وهب هبةً وشرط فيها شرطاً فاسداً، فالهبة جائزة والشرط باطل، كمن وهب لرجل أمةً فاشترط عليه أوشرط أن يتخذها أمّ ولد، أو أن يبيعها من فلان، أويردّها عليه بعد شهر، فالهبة جائزة، وهذه شروط كلها باطلة، كذا في السراج الوهاج"(۲)۔

"وإن وهب رجل أنه على أن يرد ها عليه، أو على أن يعتقها أوعلى أن يستولد، أووهب له داراً، أوتصدق عليه بدار على أن يرد عليه شيئاً منها أو بعِوَضه شيئاً منها، فالهبة جائزة، والشرط باطل، كذافي الكافي، اهـ". عالمگیری: ٤/ ٣٩٦(٣)۔

اگر کوئی وارث کہہ دے کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا تو اس کہنے سے اس کا حق باطل نہیں ہوتا، بلکہ باقی رہتا ہے:

= (وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۶۸۷/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(۱) "والمراد من التركة ما تركه الميت خالياً عن تعلق حق الغير بعينه". (الشريفة شرح السراجي، ص: ۳، كتاب الفرائض)

"والمراد من التركة ما تركه الميت". (تبيين الحقائق: ۴۷۱/۷، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۷/۶، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۹۶/۴، الباب الثامن في حكم الشرط والهبة، رشيديه)

"حكمها أنها لاتبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبدٍ على أن يعتقه تصح، ويبطل الشرط".
(ردالمحتار: ۶۸۸/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۸۵/۴، الباب الخامس في الرجوع في الهبة، رشيديه)

"ولوقال الوارث: تركت حقي، لم يبطل حقه؛ إذ الملك لا يبطل بالترك". الأشباه، ص: ۲۳۹ (۱)۔

صورت مسئولہ میں پوتے ورثاء نہیں (۲)، ربیب بھی وارث نہیں (۳)، لہذا ان سب کے حق میں وصیت درست ہے۔ اگر ورثاء بالغ ہیں، وصیت کی اجازت دیتے ہیں تو وصیتِ میت کے موافق اس کو نافذ کر دیا جائے یعنی جس قدر جس کے لئے وصیت کی ہے اس کو دے دیا جائے۔ اگر ورثاء بالغ نہیں، یا کل وصیت کی اجازت نہیں دیتے تو ایک ثلث میں نافذ ہوگی (۴)، اس طرح پر کہ جس قدر وصیت کی ہے اس کی نسبت ثلث کے ساتھ قائم کر کے اتنی مقدار دیدی جائے:

"الوصايا إذا اجتمعت، فالثلث لا يخلو: إما أن يسع كل الوصايا أو لا يسع الكل، فإن كان يسع الكل، تنفذ الوصية من الثلث في الكل، الخ". عالمگیری: ۱۱۵/۶ (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۸/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر: ۵۳/۳، الفن الثالث، مايقبل الإسقاط من الحقوق ومالايقبل، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "أولهم بالميراث جزءُ الميت: أي البنون، ثم بنوهم". (السراجي، ص: ۱۴، باب العصبات، سعيد)

"فإن اجتمع أولاد الصلب وأولاد الابن، فإن كان في أولاد الصلب ذَكر، فلاشئ لأولاد الابن ذكوراً أو إناثاً". (المبسوط للسرخسي: ۱۴۱/۲۹، كتاب الفرائض، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۳) "ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء". (الاختيار لتعليل المختار: ۸۶۰/۵، كتاب الفرائض، سعيد)

"ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب: وهو الزوجية، والولاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۷/۶، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في السراجي، ص: ۱۸، ۱۹، باب العصبات، سعيد)

(۴) "ثم تنفذ وصاياه من ثلث مايبقى بعد الكفن والدين إلا أن تجيز الورثة أكثر من الثلث". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۷/۶، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۶۵۱/۴، باب في صفة الوصية مايجوز من ذلک، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۵) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۴/۶، فصل: الوصايا إذا اجتمعت فالثلث لايخلو، رشيديه)

غیر مسلم کا صدقہ یا ہبہ

سوال[۸۰۵۳]: ایک کافر برہمن نے کوئی گائے یا بکری خدا واسطے دی تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ چیزوں کے علاوہ اور اشیاء کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیز ثواب سمجھ کر خدا واسطے دے اور وہ مسلمان کے مذہب میں حلال ہو، اس کا لینا اور کھانا درست ہے(۱)۔ اگر کوئی عارض ہو، مثلاً: یہ کہ وہ احسان جتلائے گا، عار دلائے گا، دباؤ ڈالے گا تو نہ لے، جو کچھ وہ بتوں کی نذر اور نیاز سے دے اس کو بھی نہ لے(۲)۔ اگر مسلمان مالدار ہے تو پھر صدقہ اور خیرات کی چیز نہ لے۔ جو کچھ تہوار کی تعظیم میں دے اس کو بھی نہ لے(۳)۔ جس چیز کے لینے سے تعلقِ قلبی کا اظہار ہو اس کو بھی نہ لے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔



---

(۱) "ولا بأس بطعام اليهود والنصارىٰ من الذبائح وغيرها ...... ولا بأس بطعام المجوسي كله إلا الذبيحة فإن ذبيحتهم حرام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، الخ: ۵/۳۴۷، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿حُرّمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ الخ (سورة المائدة: ۳)

(۳) "ولو أهدى لمسلم ولم يرد تعظيم اليوم بل جرى على عادة الناس، لايكفر، وينبغي أن يفعله قبله أو بعده نفيا للشبهة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى: ۶/۷۵۴، سعيد)

کتاب الضمان والودیعة

بابٌ فی الضمان

(ضمان کا بیان)

ضمان کی تعریف

سوال[۸۰۵۴]: ضمان کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ذمہ داری (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ضامن پرقسم کاحکم

سوال[۸۰۵۵]: ا......اگرایک مسلمان ہاتھ میں قرآن لے کر یہ اعلان صاف کرتا ہے کہ فلاں شخص نے حلفی ضمانت فلاں بات کی لی تھی اور ضامن صاحب اپنا وعدہ پورا کریں، یا ضامن صاحب قرآن ہاتھ میں لیکران سب باتوں سے صاف انکار کردیں تو اس صورت میں ضمانت درست سمجھی جائے گی یا جھوٹی؟ اوراگر درست سمجھی جائے گی تو حق تلفی کا خسارہ ضامن کوادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟ ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ

---

(۱) قال ابن منظور: "ضمن الشئ وبه ضمناً وضماناً: كفل به". (لسان العرب: ۱۳/۲۵۷، دارصادر)

"الضمان: عبارة عن رد مثل الهالك إن كان مثلياً، أو قيمته إن كان قيمياً". (قواعد الفقه، ص: ۳۵۹، الصدف پبلشرز)

یہ کہ ضامن صاحب قسم یا حلف لینے سے ڈرتے ہیں، غرض اس پر راضی نہیں ہیں اور نہ یہ کہنے کی ہمت رکھتے ہیں، کم ازکم زبانی کہ تم جھوٹ الزام مجھ پر لگاتے ہو، بلکہ ''یاد نہیں ہے'' کے پردہ میں روپوش ہوجاتے ہیں، اللہ علیم وبصیر ہے۔

حقوق العباد کا زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ پر مقدم ہونا

سوال[۸۰۵۶]: ۲.....کیا حلفی ضمانت کا جو شرع اسلامی کے عین مطابق ہو پورا کرنا زکوٰۃ، خیرات، حج، قربانی پر مقدم ہے؟

ضامن کو حلفیہ وعدہ کا پورا کرنا

سوال[۸۰۵۷]: ۳.....کیا ضامن کو اس حلفی وعدہ مذکور کا پورا کرنا لازم ہے؟

کیا حلفیہ وعدہ کا پورا نہ کرنا قرآن کریم کی توہین ہے؟

سوال[۸۰۵۸]: ۴.....کیا ضامن نے حلفی وعدہ سے عمداً انکار کرکے قرآن شریف کی توہین نہیں کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....قسم مدعی پر نہیں آتی بلکہ منکر پر آتی ہے، لہذا جو صاحب ضمانت کا وعدہ کرتے ہیں، ان کے ذمہ قسم نہیں، ان کا قسم کھانا بے معنی اور غلط ہے(۱)۔ جس پر ضمانت کا دعویٰ کیا جارہا ہے اگر وہ ضمانت کے منکر ہیں تو قسم

---

(۱) ''عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ''البينة على المدعى، واليمين على المدعى عليه''. (مشكوة المصابيح، ص:۳۲۷، كتاب الإمارة، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثانى، قديمى)

''عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال فى خطبته: ''البينة على المدعى، واليمين على المدعى عليه''. (جامع الترمذى: ۱/۲۴۹، أبواب الأحكام، باب ماجاء فى أن البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۵۱، (رقم المادة: ۷۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

کھا کر کہدیں کہ میں نے ضمانت نہیں کی ان کا قول معتبر ہوگا۔ اگر ان کو ضمانت کرنا یاد نہیں تو وہ یہی قسم کھالیں کہ مجھ کو ضمانت کرنا یاد نہیں تو بھی ان کی قسم معتبر ہوگی۔ ''یاد نہیں'' کوئی پردہ نہیں، آدمی بھول بھی سکتا ہے، ایسی حالت میں یہ قسم لی جائے کہ ''مجھے ضمانت کرنا یاد نہیں'' یہ قسم نہ لی جائے کہ ''میں نے ضمانت نہیں کی''۔ یاد رکھتے ہوئے جھوٹی قسم کھانا سخت وبال کا موجب اور کبیرہ گناہ ہے(۱)۔

۲......زکوٰۃ، خیرات، حج، قربانی کی ادائیگی پر حقوق العباد مقدم ہیں(۲)۔

۳......ہر وعدہ جو شرع کے موافق ہو، اس کا پورا کرنا حسبِ استطاعت لازم ہے، جس کو یاد ہی نہ ہو وہ کیا پورا کرے گا(۳)۔

---

(۱) ''(وهي): أي اليمين بالله تعالىٰ .... غموس (تغمسه في الإثم، ثم النار، وهي كبيرة مطلقاً، لكن إثم الكبائر متفاوت) إن حلف على كاذب عمداً''. (الدرالمختار: ۳/۷۰۵، كتاب الأيمان، سعيد)

''و هي ثلاث: غموس: حلفه على ماض أو حال كذبا عمداً، وحكمها الإثم و لا كفارة فيها، فيها التوبة''. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۲۶۰، كتاب الأيمان، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲/۲۶۰، كتاب الأيمان، غفاريه كوئٹه)

(۲) ''إذا اجتمع الحقان قدم حق العبد -لاحتياجه- على حق الله تعالىٰ لغناه بإذنه .... اهـ''. (الأشباه والنظائر، ص: ۳۸۱، الفن الثالث، فوائد شتى من أبواب متفرقة، قديمى)

''إذا اجتمع الحقان، قدم حق العبد''. (قواعد الفقه، ص: ۵۵، الصدف پبلشرز)

''(قوله: لتقدم حق العبد): أي على حق الشرع، ألا ترى أنه إذا اجتمعت الحدود فيها حق العبد، يبدأ بحق العبد''. (ردالمحتار: ۲/۴۶۲، كتاب الحج، سعيد)

(۳) ''الخلف في الوعد حرام''. (الأشباه والنظائر، ص: ۲۸۱، الفن الثانى، كتاب الحظر والإباحة، قديمى)

''قال النووي: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهيّ عنه، فينبغي أن يفي بوعده''. (مرقاة المفاتيح: ۸/۶۱۴، آخر باب الخراج، رشيديه)

''ولأن الوفاء بالوعد مأمور به في جميع الأديان، وحافَظ عليه الرسل المتقدمون والسلف الصالحون، وأثنى الله تعالىٰ على خليله في التنزيل بقوله: ﴿وإبراهيم الذي وفّى﴾. (فيض القدير: ۲/۸۹۱، (رقم الحديث: ۸۹۴)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

۴......قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر اوراس کی قسم کھا کر وعدہ کرنا، پھر یاد رہنے کے باوجود وعدہ کا عمداً انکار کردینا یقیناً بڑا جرم اور قرآن پاک کے احترام کے خلاف ہے جو کہ موجبِ توہین ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۵ھ۔

مؤذن سے روپیہ ضائع ہوگیا ضمان کس پر ہے؟

سوال[۸۰۵۹]: ہمارے گاؤں میں افریقہ سے ایک آدمی آیا تو مسجد اور مدرسہ کے اراکین نے جلسہ کیا اور اس کی مہمان نوازی کے لئے پھولوں کا ہار اور دوسری چیزیں لانے کے لئے متولی نے مدرسہ کے مؤذن صاحب کو سو روپے دیئے وہ روپے مؤذن سے گم ہوگئے۔ اب وہ روپے کس کے ذمہ ہیں، مؤذن صاحب دیں یا متولی صاحب؟

واضح رہے کہ مؤذن صاحب ہی بینک سے روپے لانے اور لے جانے کا کام کرتے ہیں، اور یہ کام دیانت داری کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ روپے گم ہوگئے، خیانت نہیں ہوئی، گاؤں میں اعلان بھی کرایا گیا مگر نہیں ملے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر پوری حفاظت کے باوجود مؤذن سے روپے گم ہوگئے، تو مؤذن پر ضمان لازم نہیں، بلکہ جن کے

---

(۱) "الخلف في الوعد حرام". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۸۱، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة، قديمی)

"قال النووي: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهيّ عنه، فينبغي أن يفي بوعده". (مرقاة المفاتيح: ۸/۶۱۴، آخر باب الخراج، رشيديه)

"ولأن الوفاء بالوعد مأمور به في جميع الأديان، وحافَظَ عليه الرسل المتقدمون والسلف الصالحون، وأثنى الله تعالىٰ على خليله في التنزيل بقوله: ﴿وإبراهيم الذي وفّى﴾. (فيض القدير: ۲/۸۹۱، (رقم الحديث: ۸۹۴)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

روپے تھے ان کے گئے (۱)۔ البتہ مسجد یا مدرسہ کے روپیہ کو پھولوں کے ہار میں خرچ کرنا جائز نہیں، ایسا کرنے سے ضمان لازم ہے، پس جتنا روپیہ بے محل خرچ کرنے کے واسطے دیا گیا تھا، اس کا ضمان اراکین دیں اور وہ مدرسہ یا مسجد میں جس کا روپیہ تھا داخل کردیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۰ھ۔

مہتمم پر ضمان

سوال [۸۰۶۰]: ایک صاحب بہت نیک اور باحیثیت مگر آنکھوں سے معذور عرصہ سے ایک عربی مدرسہ کے مہتمم اور مدرسہ کا جو کچھ چندہ وغیرہ کا روپیہ ہوتا تھا وہ بھی انہیں کے پاس رہتا تھا، روپیہ کی آمد وخرچ کا

---

(۱) "إذا وكله بشراء شئ و دفع الثمن إليه، فهلك في يده، قال في البزازية: وفي جامع الفصولين: دفع إليه ألفاً يشتري به فاشترى، وقبل أن ينقده للبائع، هلك، فمن مال الآمر". (البحر الرائق: ۲۶۴/۷، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

"إذا دفع إلى إنسان ألف درهم فأمره أن يشتري بها جاريةً، فاشترى، ثم هلك الثمن قبل أن ينقد للبائع، هلك من مال الأمر". (خلاصة الفتاوى: ۱۵۸/۴، الفصل الخامس في الوكالة بالشراء، رشيديه)

"دفع إلى رجل ألف درهم وأمره أن يشتري له بها عبداً بألف درهم، وجاء به إلى منزله ليدفع الدراهم إلى البائع، فإذا الدراهم قد سرقت و هلك العبد، فجاء البائع يطلب منه الدراهم و جاء الموكل يطلب منه العبد، كيف يفعل؟ قالوا: يأخذ الوكيل من الموكل ألف درهم و يدفعها إلى البائع، والعبد والدراهم قد هلكا على الأمانة في يده". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۱۴۹۲)، ص: ۸۰۵، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "لابأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره .... بجص و ماء ذهب لو بماله الحلال، لامن مال الوقف، فإنه حرام، و ضمن متوليه لو فعل". (ردالمحتار: ۶۵۸/۱، مطلب في أحكام المسجد، سعيد)

"يضمن القيّم ما أنفق فيه من مال المسجد". (البحر الرائق: ۲۷۰/۵، فصل في أحكام المساجد، رشيديه)

حساب مہتمم بوجہ معذوری چشم نہیں کرتے تھے، بلکہ ملازمینِ مدرسہ، یا دیگر اراکینِ مدرسہ لکھتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے ایک اَور صاحب مہتمم کردیئے گئے، مگران سابقہ معذورِ چشم مہتمم کی تحویل میں روپیہ رکھا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ مہتمم بوجہ معذوری خود ہی سبکدوش ہوگئے اور اہتمامِ مدرسہ مع زرِ امانت کے ایک جدید مہتمم صاحب کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت روپیہ کی جانچ جدید مہتمم صاحب نے کی، کچھ روپیہ کی کمی کا اظہار کیا۔

سابقہ مہتمم صاحب جس صندوق میں، روپیہ مدرسہ کا رکھتے تھے، اس میں سے نکالنے کے لئے یا رکھنے کے لئے اپنے علاوہ گھر کے چند دیگر افراد سے بھی کام لیتے تھے اور روپیہ مثل اپنے روپیہ کے محفوظ رکھا گیا اور اپنے روپے کی طرح اس کی حفاظت کی گئی۔ گھر کے جن افراد پر اعتماد تھا اور اپنا کام ان سے کراتے تھے، انہیں سے مدرسہ کا روپیہ بھی رکھواتے نکلواتے تھے، کمی اگر واقعی ہے تو اس کا علم کہ کمی کیوں ہوئی ان مہتمم کو کچھ نہیں ہے۔ یہ کمی بوجہ حکمِ شرع شریف امین کے ذمہ آتی ہے یا نہیں؟ صاف الفاظ میں جواب عطا فرمایا جاوے۔

سائل: اللہ رکھا پسر غلام رسول، بذریعہ شاہ نور احمد، ساکن انبیہٹہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں حسبِ بیانِ سائل جب کہ معذور چشم مہتمم صاحب نے مدرسہ کی مثل اپنے روپے کے حفاظت کی اور کسی قسم کی خیانت نہیں کی تو ضائع شدہ روپیہ کا ضمان مہتمم صاحب کے ذمہ نہیں، بشرطیکہ جن افراد سے روپیہ نکلواتے اور رکھواتے تھے وہ بھی مہتمم صاحب کے نزدیک امین ہوں:

"وهي أمانة فلا تُضمن بالهلاك مطلقاً، واشتراط الضمان على الأمين باطل، به يفتى. وللمودع حفظها بنفسه و عياله وهم مَن يسكن معه حقيقةً أو حكماً، لا من يَمُونه، وشَرَطَ كونه أميناً". تنوير: ٤/٥٥١ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ٥/٦٦٢، كتاب الإيداع، سعيد)

"قال عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن". (فيض القدير: ١٢/٦٤٨٥، (رقم الحديث: ٩٩٠٠)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"وهي أمانة فلا تُضمن بالهلاك، لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن" (تبيين الحقائق: ٦/١٨، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

مدرس کے تنخواہ سے ضمان کی صورت

سوال[۸۰۶۱]: کسی دینی مدرسہ کے مدرس سے کوئی مالی نقصان ہوجائے جس میں اس کے قصد کو دخل نہ ہوتو اس کی تنخواہ سے نقصان کا وضع کرنا درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس کو امین بنایا گیا تھا اور اس نے پوری احتیاط وحفاظت کی، پھر بھی ناگہانی طریقہ پر وہ چیز ضائع ہوگئی تو اس پر ضمان لازم نہیں، اس کی تنخواہ سے وضع کرنا درست نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

اگر مبیع ڈاک سے ضائع ہوجائے تو ضمان کس پر ہے؟

سوال[۸۰۶۲]: زید نے عمر سے کچھ کتابیں بطور خرید بذریعۂ ڈاک طلب کی، عمر نے زید کے تحریر کردہ پتہ پر متعدد بار کتابیں ارسال کیں جس میں چند بار پوری پوری کتابیں وصول ہوگئیں، لیکن بعض پیکٹ میں سے کچھ کتابیں ضائع ہوگئیں اور وہ زید تک نہیں پہونچیں۔اس صورت میں اس ضائع شدہ کا ضامن از روئے شریعت کون ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر عمر (بائع) نے زید (مشتری) کی ہدایت کے موافق کتابیں روانہ کی ہیں اور کوتاہی نہیں کی تو بائع پر ضمان لازم نہیں، کیونکہ اس نے مشتری کے امر پر عمل کیا (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۸۹ھ۔

= "والأمانة غير مضمونة، فإذا هلكت أو ضاعت بلا صنع الأمين، و لا تقصيرٍ منه، لا يلزمه الضمان". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۲۶، (رقم المادة: ۷۶۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ و هي أمانة، فلا يضمن بالهلاك، وللمودع أن يحفظها بنفسه و عياله". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۲/ ۴۶۷، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/ ۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۵۲۶، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وإن هلك المشترى في يد الوكيل قبل الحبس، هلك على الموكل من غير ضمان على الوكيل". =

کرایہ کی سائیکل چوری ہوجائے تواس کا حکم

سوال[۸۰۶۳]: ایک شخص میری دوکان سے سائیکل کرایہ پر لے گیا تھا،اس کا بیان ہے کہ میں نے سائیکل کارخانہ کے دروازہ پر رکھی تھی،لیکن جب میں واپس آیا تو سائیکل وہاں پر نہیں تھی،کسی شخص نے اٹھالی۔ اب دوکاندار کواس سائیکل کی قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ سائیکل امانت تھی اس کی حفاظت لازم تھی۔اگر وہ جگہ جہاں سائیکل رکھی تھی محفوظ جگہ نہیں ہے،وہاں سے کسی کے اٹھا لینے کا اندیشہ تھا،پھر بھی بغیر حفاظت کے انتظام کئے وہاں رکھدی اور کسی نے اٹھالی تو حفاظت میں کوتاہی کی جس کی وجہ سے دوکاندار کوضمان وصول کرنے کا حق حاصل ہے،ورنہ نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۳/۲/۸۸ھ۔

= (الفتاوىٰ العالمكيرية ، كتاب السير ، باب الردة وأحكام أهلها، فصل في أهل الذمة وما يؤخذ منهم من الجزية: ۵۸۷/۳، رشيديه)

"وإن هلك المشترىٰ في يد الوكيل قبل أن يحبسه من مؤكله، يهلك على مال الموكل لا الوكيل". (مجمع الأنهر :۳۱۹/۳، باب الوكالة بالبيع والشراء ، غفاريه كوئٹه)

"فإن المبيع في يده قبل حبسه، هلك من مال المؤكل و لم يسقط الثمن؛ لأن يده كيد الوكيل، فإذا لم يحبسه يصير الموكل قابضاً بيده". (الهداية :۱۸۱/۳، ۱۸۲ ، كتاب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق :۱۷۶/۷ ، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى :۱۵۸/۴ ، الفصل الخامس في الوكالة بالشراء ، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق : ۲۵۸/۷، باب الوكالة بالبيع والشراء، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "المأجور أمانة في يد المستأجر، سواء كان عقد الإجارة صحيحاً أو لم يكن. لا يلزم الضمان إذا تلف المأجور في يد المستأجر مالم يكن بتقصيره أو تعديه أو مخالفته لمأذونيته . يلزم الضمان على المستأجر لو تلف المأجور أو طرأ على قيمته نقصان بتعديه . لو تلف المأجور بتقصير المستأجر في أمر المحافظة أو طرأ على قيمته نقصان، يلزم الضمان، مثلاً: لو استأجر دابةً وتركها خالية الرأس وضاعت، =

دھوبی سے گم شدہ کپڑوں کا ضمان کس پر ہے؟

سوال[۸۰۶۴]: اگر دھوبی نے کپڑا گم کر دیا تو کیا اس سے تاوان لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دھوبی کی بے پرواہی سے کپڑا گم ہوگیا تو اس کا ضمان لینا درست ہے، لیکن اگر دھوبی بے اختیار تھا اور ایک دم پانی زیادہ آ گیا اور کوشش کے باوجود حفاظت نہ کر سکا تو اس پر ضمان نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

بچپن کی چوری کا ضمان

سوال[۸۰۶۵]: بچپن کی چوری کا محاسبہ ہوگا یا والدین پر اس کا گناہ ہوگا؟ اور اسی طرح جتنے بھی گناہ بچپن میں کئے؟

= يضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲۲، ۳۲۳، (رقم المادة: ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"استاجر حماراً فضلّ عن الطريق إن علم أنه لا يجده بعد الطلب، لا يضمن". (ردالمحتار: ۷۲/۶، كتاب الإجارة، باب ضمان الاجير، سعيد)

(۱) "والمتاع في يده غير مضمون بالهلاك يعني لا يضمن ما ذكر، سواء هلك بسبب يمكن الاحتراز عنه كالسرقة، أو بما لا يمكن كالحريق الغالب والغارة المكابرة". (البحرالرائق: ۴۷/۸، كتاب الإجارة، رشيديه)

"الأجير المشترك من يعمل لغير واحد، و لا يستحق الأجر حتى يعمل كالصباغ والقصار. والمتاع في يده أمانة، لا يضمن إن هلك". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۵۴۴/۳، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

"والأجير المشترك من يعمل لغير واحد، والمتاع في يده غير مضمون بالهلاك، وما تلف بعمله كتخريق الثوب من دقه و زلق الحمال وانقطاع الحبل الذي يشدبه الحمل و غرق السفينة من مدّها مضمون". (تبيين الحقائق: ۱۳۹/۶، باب ضمان الأجير، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۶۶/۶، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲۲، ۳۲۳، (رقم المادة: ۲۰۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں پر گناہ نہیں، البتہ چوری کی مقدار کا ضمان ان کے مال میں لازم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۹۴ھ۔

بچوں کے کھلونے ضائع کرنے کا ضمان

سوال [۸۰۶۶]: بعض بچے کھیل کی چیزیں مدرسہ میں لے آتے ہیں تو ان کو زجراً استاذ دیکھ کر واپس نہ کریں تا کہ ان کی اصلاح ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی چیزیں ذوات القیم ہوں تو ان کو ضائع کردیں اور قیمت اپنے پاس سے بچوں کو دیدیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/ ۹۵ھ۔

دوسرے کے لئے ٹکٹ خریدنے کی صورت میں ضمان

سوال [۸۰۶۷]: زید، عمر، خالد تینوں سفر کو جارہے تھے، راستہ میں احمد ملا، کہا: میں جاؤں گا، لیکن پیسے میرے پاس نہیں، تم میں سے کوئی اگر ٹکٹ لیکر دیدے تو جاؤنگا۔ زید کے پاس پیسہ تھا، لیکن وہ پہلے اندر چلا گیا تھا۔ عمر نے خالد سے کہا کہ تم جلدی اندر جاکر زید سے پیسے لیکر احمد کے لئے ایک ٹکٹ لے لو، لہذا خالد چلا، احمد پیچھے دروازہ تک گیا تھا اور خود کہتا ہے کہ میں نے خالد کو آواز دی، بولا نہیں، لہذا غصہ ہوکر وہاں سے چلا گیا۔ خالد کہتا ہے کہ میں نے نہیں سنا۔

---

(۱) تربیت اور اصلاح کی نیت سے ضائع کرنا جائز ہے: "فإن كان من القيميات، يلزم الغاصب قيمته في زمان الغصب و مكانه، وإن كان من المثليات يلزمه إعطاء مثله". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۹۰، (رقم المادة: ۴۹۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومالا مثل له، فقيمته يوم غصبه". (تبيين الحقائق: ۶/ ۲۱۷، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴/ ۷۸، ۷۹، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ خالد نے زید سے پیسے لیکر جلدی سے احمد کے لئے ایک ٹکٹ لے لیا، لیکن احمد کا پتہ نہیں، بہت تلاش کیا تو وہ ٹکٹ بیکار گیا۔ اب پیسہ کون دے گا؟ مخفی مباد کہ راستہ میں یہ بات ہو چکی تھی کہ خالد جا کر احمد کے لئے ٹکٹ لے لے، درمیان میں منسوخ بھی نہیں ہوا۔

المستفتی: احقر العباد احمد حسین غفرلہ، چاٹگامی، مقیم حجرہ نمبر: ۱۳۔ ۶/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر احمد کے امر سے خالد نے زید سے پیسے قرض لیکر احمد کے لئے ٹکٹ خریدا ہے تو ان پیسوں کا ذمہ دار احمد ہے، اگر احمد کے امر سے نہیں خریدا بلکہ از خود خریدا ہے تو خالد ذمہ دار ہے۔ اگر زید نے خود خریدا، یا خریدنے کے لئے خالد کو امر کیا تو زید ذمہ دار ہے (۱)۔ اور اگر احمد کا یہ مطلب تھا کہ اگر تم میں سے کوئی تبرعاً وہبۃً ٹکٹ دے تو میں جاؤں گا تو جس نے تبرع کیا ہے وہی ذمہ دار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۹/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "إذا أدى الوكيل بالشراء ثمن المبيع من ماله و قبضه، كان له حق الرجوع على الموكل: يعني أن له أن يأخذ من الموكل مثل الثمن الذى أدّاه، و له أيضاً أن يطالب الموكل بالثمن وأن يحبس المبيع عليه، حتى يؤدى له وإن لم يكن هو قد أدّاه إلى البائع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰۴، (رقم المادة: ۱۴۹۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"إذا أمر صيرفياً في المصارفة أن يعطى رجلاً ألف درهم قضاءً عنه، أو لم يقل: عنه، ففعل، يرجع على الآمر فى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ.......... و لو أمره بشرائه أو بدفع الفداء، يرجع عليه استحساناً". (ردالمحتار: ۳/ ۶۱۷، باب النفقة، سعيد)

"وللوكيل بالشراء طلب الثمن من الموكل إذا اشترى و قبض المبيع .... فإن هلك قبل حبسه، هلك على الآمر". (مجمع الأنهر: ۳/ ۳۱۸، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/ ۳۱۸، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۵/ ۲۵۶، ۲۵۷، دارالكتب العلمية بيروت)

ملزم کی ضمانت کرنا

سوال[۸۰۶۸]: ایک شخص کوعداوت میں مقدمۂ قتل میں قید کرادیا اوراس کے قاتل ہونے پر گواہ بھی قائم کردیئے۔ ایسے شخص کا ضامن ہونا اور ضمانت پر رہا کرانے کی کوشش کرنا اوراس کا تعاون کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر واقعۃً ایک شخص قاتل نہ ہو، مگر عداوت کی وجہ سے اس پر قتل کا جھوٹا مقدمہ چلایا جائے تو اس کی ضمانت کرنا اور بچانے کی کوشش کرنا شرعاً درست اور موجبِ اجر ہے(۱)، اگر واقعۃً قاتل وظالم ہوتو اس کو بری ثابت کرنے کے لئے ضمانت کرنا اورکوشش کرنا جائزنہیں، بلکہ اعانتِ ظلم ہے: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۵ھ۔



(۱) "عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المسلم أخو المسلم، لايظلمه ولا يسلمه. ومن كان فى حاجة أخيه، كان الله فى حاجته، ومن فرّج عن مسلم كربةً فرّج الله عنه كربةً من كربات يوم القيامة .... اهـ". (مشكوة المصابيح ص: ۴۲۲، باب الشفقة والرحمة على الخلق ، قديمى)

"من أطفأ عن مؤمن سيئةً، كان خيراً ممن أحيا موء ودةً". (فيض القدير : ۵۶۶۸/۱۱، (رقم الحديث: ۸۴۶۷)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) (سورة المائدة : ۲)

"عن أوس بن شرحبيل رضى الله تعالىٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من مشى مع ظلم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۶، باب الأمر بالمعروف، قديمى)

"قال عليه السلام: "من أعان على خصومة بظلم، لم يزل فى سخط الله حتى ينزع". (فيض القدير : ۵۶۷۱/۱۱، (رقم الحديث: ۸۴۷۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

بابٌ فی الودیعة

(امانت کا بیان)

مالک کے لاپتہ ہونے کے بعد امانت میں تصرف

سوال[۸۰۶۹]: میرے پاس ایک شخص نے ۲۶۰/ روپیہ امانت رکھا اور آج پندرہ برس ہوگئے، کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ تو کیا وہ امانت ہم کسی نیک کام میں لگا سکتے ہیں؟ بیت المال، مدرسہ یا کسی اَور نیک کام میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ ضرورت مندوں کو دوسروں کی ذمہ داری پر قرض دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس امانت کو اسی طرح محفوظ رکھنا ضروری ہے، نہ مدرسہ میں دیں، نہ دوسرے ضرورت مندوں کو دیں، نہ قرض دیں، نہ صدقہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۴ھ۔

فسادزدگان کے لئے چندہ کیا گیا، کچھ بچ گیا، اس کو کیا کیا جائے؟

سوال[۸۰۷۰]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ رانچی کے فسادات میں جو مسلمانوں کو عظیم نقصان پہنچا، ان کی امداد کے لئے مسلم ریلیف کمیٹی بنائی گئی تھی جس میں کافی چندہ جمع ہوا اور کافی تقسیم ہوا اور کچھ بچ گیا۔ بہرحال

---

(۱) "والودیعة لا تودع و لا تعار و لا تؤجر و لا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۳۸/۴، کتاب الودیعة، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۲۹۱/۴، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۶۷/۷، کتاب الودیعة، رشیدیه)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، ص: ۲۶۷، الفن الثانی، کتاب الأمانات، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶۷۹/۵، کتاب العاریة، سعید)

اب یہ فیصلہ کیا جارہا ہے کہ اس کو دوسرے کاموں میں صرف کردیا جائے، حالانکہ بہت بیوہ عورتیں موجود ہیں۔ تو کیا مسلم ریلیف کمیٹی کو یہ حق ہے کہ جو صرف مظلومینِ فساد کے لئے چندہ کیا گیا ہے اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ خرچ کردے؟ آخر مسلم ریلیف کمیٹی کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ ممبران اس روپے کے مالک ہیں یا امین ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جن کاموں کے لئے چندہ کیا گیا ہے چندہ کی رقم کو ان ہی کاموں میں صرف کیا جائے، دوسرے کاموں میں رقم خرچ کرنا بلا اجازتِ چندہ دہندہ گان درست نہیں، چندہ دہندگان بقیہ رقم کو جن کاموں میں خرچ کرائیں، رقم کو ان کاموں میں خرچ کیا جائے گا۔ مسلم ریلیف کمیٹی کی حیثیت محض امین اور وکیل کی ہے۔

فتاویٰ عالم گیری، مصری: ۳/۴۴۱، كتاب الوكالة میں ہے:

"وأما حكمها فمنه قيام الوكيل مقام المؤكل فيما وكّله له" (۱)۔ اور ۳/۴۴۳، پر ہے:

"وأما صفتها، فإنها .... و منه أنه أمين فيما في يده كالمودع "(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۴/۲/۸۸ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۵۶۶، كتاب الوكالة، رشيديه)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۵۶۷، كتاب الوكالة، رشيديه)

"الوكالة تفويض واحد أمرَه لآخر، وإقامته مقامه في ذلك الأمر، ويقال لذلك الواحد: موكّل، ولمن قامه عنه: وكيل، و لذلك الأمر: موكَّل به". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۶۹، (رقم المادة: ۱۴۴۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۲۷۶، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الغصب، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۲۰۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لمحمد خالد الأتاسي: ۱/۲۶۲، حقانيه پشاور)

کیا سزا کے عوض امانت کی رقم کاٹ لی جائے؟

سوال[۸۰۷۱]: زید نے اپنے بھائی بکر کے پاس ۲۷/ ہزار روپیہ امانت رکھا۔ بکر کے دل میں فتور آ گیا، اس نے چند آدمیوں کو بلا کر مار پیٹ کر کے رات کے وقت ایک فائر کیا، محلّہ والوں کو بتلایا کہ ڈکیتی پڑ گئی ہے اور پولیس میں بھی رپورٹ ڈکیتی درج کرائی، اور پولیس نے آ کر فوراً انکوائری کی اور معلوم کیا یہ رقم کس کی تھی تو بکر نے خود جواب دیا کہ میرے بھائی زید کی تھی، اس پر پولیس نے سختی کی تو اس نے پولیس کے سامنے کہا: یہ کام میں نے ہی کرایا ہے۔ اس پر کیس چلا۔ بکر کے اوپر سوا پانچ ہزار روپیہ جرمانہ ہوا۔ ۲۷/ ہزار رقم میں ۲۱/ ہزار زید کو ملا۔ جب بکر چھوٹ کر آیا تو زید نے چھ ہزار روپیہ طلب کیا۔ بکر کا کہنا ہے کہ ہم نے سزا کاٹی اور روپیہ بھی دیں، وہ چھ ہزار روپیہ ہم نہیں دیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید اپنے چھ ہزار روپیہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے کمینہ حرکت کی اور بھائی کی امانت ضائع کرنے کی کوشش کی، ڈکیتی دکھلائی، پولیس نے گرفتار کیا، سزا کاٹی، اب لازم ہے کہ بقیہ چھ ہزار کی رقم زید کو ادا کر دے، سزا کے عوض اس رقم کے رکھنے کا اختیار نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أھلھا﴾. (سورۃ النساء: ۵۸)

"عن أبی صالح عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أدّ الأمانۃ إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک". (سنن أبی داؤد: ۲/۱۴۲، کتاب البیوع، باب فی الرجل یأخذ حقہ، إمدادیہ ملتان)

"قال علیہ السلام: "أدّ الأمانۃ إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک". (فیض القدیر: ۱/۲۲۶، (رقم الحدیث: ۳۰۸)، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن أبی حرہ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت آخذ بزمام ناقۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی أوسط أیام التشریق، أذود عنہ الناس فقال: .... ومن کانت عندہ أمانۃ =

امانت کی واپسی کے لئے شرط

سوال[۸۰۷۲]: زید نے- جوضلع رائے بریلی کا رہنے والا ہے- پرتاب گڈھ میں ایک مسجد بنانے کے لئے روپے عمرو کے پاس (جو معتبر شخص ہے اور پرتاب گڈھ کا رہنے والا ہے) امانت رکھے، مسجد کے لئے جو زمین زید نے خریدی، وہ بوجۂ لگان قائم رہنے کے مسجد کے لئے ناجائز قرار دی گئی، اس لئے زید نے رائے بریلی کے ضلع میں ایک مسجد اس نیت سے تعمیر کرائی جو ہنوز زیرِ تعمیر ہے۔ اس مسجد کی تعمیر کے لئے اس وعدہ پر کچھ روپیہ قرض لیا کہ پرتاب گڈھ سے روپیہ لاکر ادا کرے گا۔ عمرو یہ کہتا ہے کہ پرتاب گڈھ ہی میں تمہیں کسی دوسری جگہ مسجد بنانی چاہئے، ورنہ روپیہ واپس نہ ملے گا۔

سوال یہ ہے کہ زید کو اپنا روپیہ عمرو سے واپس لیکر اس مسجد میں جو رائے بریلی میں بنوایا ہے لگانے کا اختیار ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ عمرو کو زید کی امانت واپس دینے میں کسی قسم کی شرط لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمرو کا مطالبہ کہ ''پرتاب گڈھ ہی میں مسجد بناؤ، یا اسی جگہ کسی دوسرے کام میں روپیہ خرچ کرو تو امانت کا روپیہ واپس ملے گا ورنہ نہیں'' ناجائز اور ظلم ہے(۱)، اصل مالک کو اختیار ہے کہ اپنا روپیہ جس جائز کام میں چاہے،

= فليؤدها إلى من ائتمنه عليها". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۹/۲، (رقم الحديث: ۲۰۱۷۲)، داراحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۴، كتاب الآداب، باب الشفقة، والرحمة على الخلق، الفصل الثالث، قديمي)

(۱) "فإن طلبها ربُّها فحبسها و هو قادر على تسليمها، صار غاصباً". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴۷۰/۳، غفاريه كوئٹه)

"فإن طلبها ربها فحبسها ظلماً و هو قادر على تسابمها، صار غاصباً؛ لأنه ظلم". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴۷۰/۳، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

"وإن طلبها ربها فحبسها قادراً على تسليمها، فمنعها يعني لو منع صاحب الوديعة بعد طلبه و هو قادر على تسليمها، يكون ضامناً؛ لأنه ظالم بالمنع، حتى لو لم يكن ظالماً بالمنع، لا يضمن". (البحرالرائق: ۴۶۷/۷، كتاب الوديعة، رشيديه) ....=

صَرف کرے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۷/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف: مظاہر علوم، ۶/ ۷/ ۵۷ھ۔

امانت کا ادا نہ کرنا

سوال[۸۰۷۳]: ایک شخص زید کو ایک چیز اس لئے دیتا ہے کہ وہ عمر کے پاس پہونچادے اور زید ایک مجمع میں پختہ وعدہ کرتا ہے کہ میں ضرور پہونچادوں گا اور پھر باوجود سخت تقاضا کرنے کے وہ انکار کرتا ہے اور دینے والے کو بھی واپس نہیں کرتا۔ تو کیا زید شرعاً متدین وامین کہلانے کا مستحق ہے اور اسے قومی وملی پیشوا، یا کارکن بنایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سوال بہت مجمل ہے، بہتر تھا کہ زید کا بیان بھی ہمراہ ہوتا تا کہ معلوم ہوتا کہ اس کے وہ امانت نہ پہونچانے اور نہ واپس کرنے کی کیا وجہ ہے کہیں وہ شئ زید کی ملک تو نہیں جو کسی طرح عمر یا حوالہ کرنے والے کے پاس پہونچ گئی تھی، اب جب کہ زید کے قبضہ میں آ گئی تو دینے سے انکار کر دیا، بلکہ جس قدر سوال ہے اس کا جواب ظاہر ہے اس میں کیا تردد ہے جس کو دریافت کرنا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ رجب/ ۶۳ھ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۲۰، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/ ۶۶۵، كتاب الإيداع، سعيد)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء .... اهـ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع: ۴/ ۵۰۲، سعيد)

(۲) جواب اس کا یہ ہے کہ: "امانت کے ادا کرنے کا حکم قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں دیا گیا ہے، اور امانت میں خیانت کرنا منافق کی علامت بتائی گئی ہے، لہٰذا امین کو امانت بروقت ادا کرنا اور خصوصاً عند المطالبہ ادا کرنا بہت ضروری ہے: قال الله تعالیٰ:

﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. (سورة النساء: ۵۸) .... =

....

= "عن أبی صالح عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "أدّ الأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک". (سنن أبی داؤد: ۱۴۲/۲، کتاب البيوع، باب فی الرجل يأخذ حقه، امدادیہ ملتان)

"قال عليه السلام: "أدّ الأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک". (فيض القدير: ۱/۲۲۴، (رقم الحديث: ۳۰۸)، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

" عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: کنت آخذاً بزمام ناقة رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فی أوسط أيام التشريق، أذود عنه الناس فقال: .... "ومن کانت عنده أمانة، فليؤدها إلی من ائتمنه عليها". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۹/۶، (رقم الحديث: ۲۰۱۷۲/۵، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(وکذا فی مشکوة المصابيح، ص: ۴۲۴، کتاب الآداب، باب الشفقة، والرحمة علی الخلق، الفصل الثالث، قدیمی)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاری، کتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قدیمی)

نیز امانت کوادانہ کرنے والا غاصب کے حکم میں ہے:

"فإن طلبها ربُّها فحبسها و هو قادر علی تسليمها، صار غاصباً". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴۷۰/۳، غفاریہ کوئٹہ)

"فإن طلبها ربها فحبسها ظلماً و هو قادر علی تسليمها، صار غاصباً؛ لأنه ظلم". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۴۷۰/۳، کتاب الوديعة، غفاریہ کوئٹہ)

"وإن طلبها ربها فحبسها قادراً علی تسليمها، فمنعها يعنی لو منع صاحب الوديعة بعد طلبه وهو قادر علی تسليمها، يکون ضامناً؛ لأنه ظالم بالمنع، حتی لو لم يکن ظالماً بالمنع، لا يضمن".

(البحر الرائق: ۴۶۷/۷، کتاب الوديعة، رشیدیہ)

(وکذا فی تبيين الحقائق: ۲۰/۶، کتاب الوديعة، دارالکتب العلمية بيروت)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶۶۵/۵، کتاب الإيداع، سعيد)

چاندی کا روپیہ امانت رکھ کر اس کے عوض نوٹ دینا کیسا ہے؟

سوال[۸۰۷۴] : ۱...... مسجد کا روپیہ جس کے پاس جمع ہے، بجائے اس جمع کئے ہوئے روپیہ کے دوسری رقم دے، مثلاً: چاندی کا روپیہ ہے اور نوٹ دے۔ تو کیا خیانت کا مجرم نہیں ہے؟ ۱۹۴۰ء میں جب کہ چاندی کا روپیہ ملتا تھا اس وقت چاندی کا روپیہ جمع کیا گیا، اب وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی ہے وہ شخص اب موجودہ نوٹ دیتا ہے۔ تو کیا وہ شخص خیانت کا مجرم ہوسکتا ہے؟ مع حوالۂ حدیث وقرآن جواب دیجئے۔

امانت کے نوٹ کو بدل دینا

سوال[۸۰۷۵] : ۲...... زید کے پاس امانتاً دس روپیہ کا نوٹ ۴۰ء کا بکر رکھ دیتا ہے اور جس وقت بکر اپنی امانت زید سے مانگتا ہے تو زید اس کو بجائے ۴۰ء کے اس نوٹ کے جو کہ امانت میں دیا تھا، ۴۷ء کا نوٹ دس روپیہ کا واپس کرتا ہے۔ زید خیانت کا مجرم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... یقیناً یہ صورت خیانت میں داخل ہے، اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ چاندی کا روپیہ دے جو اس کے پاس جمع کیا گیا ہے، اگر ان سے وہ چاندی کا روپیہ خرچ کرلیا ہے تو اس کی قیمت دے جو موجودہ روپیہ اور نوٹ سے یقیناً زیادہ ہے۔ علامہ شامی نے نقود کے بھاؤ کی کمی زیادتی کے مسائل کے متعلق مستقل ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس میں فقہی جزئیاتِ کثیرہ نقل کی ہیں۔ اگر نوٹ سے قیمت ادا کرے تو چاندی کے روپیہ کی موجودہ قیمت ادا کرے ورنہ غاصب شمار ہوگا، اور پوری قیمت دینے کی صورت میں ضمان سے بَری ہوجائے گا:

"لو أنفق دراهم الوقف فی حاجة، ثم أنفق مثلها فی مرمة الوقف، یبرأ عن الضمان، اهـ". عالمگیری(۱)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة : ۲/۴۱۶، الباب الخامس فی ولایة الوقف ، رشیدیه)

"لا یتعین الثمن بالتعین فی العقد، مثلاً: لو أری المشتری البائع ذهباً مجیدیاً فی یده، ثم اشتری بذلک الذهب شیئاً، لا یجبر علی أداء ذلک الذهب بعینه، بل له أن یعطی البائع ذهباً مجیدیاً من ذلک النوع غیر الذی أراه إیاه".

یراد بالعقد عقد المعاوضة کالبیع والإجارة، وأما غیرهما من العقود کالإیداع والشرکة، =

۲......جوامانت کسی کے پاس رکھی جائے اس میں تغیر وتصرف جائز نہیں، اس لئے یہ امانت کے تحفظ کے خلاف ہے، كذا فى الكتب المتداولة من مرأة المجلة وغيرها(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/شوال/ ۶۷ھ۔



= فتتعين فيه النقود بالتعيين، فلو أودع رجلاً عشرين ذهباً عثمانياً، لزم الوديع أن يردّ هذه الذهبات عيناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۴ (رقم المادة: ۲۴۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"أحكام النقد: لا يتعين فى المعاوضات .... و لا يتعين فى النذر والوكالة قبل التسليم، وأما بعده، فالعامة كذلك، و يتعين فى الأمانات والهبة والصدقة والشركة". (الأشباه والنظائر، ص: ۳۰۹، أحكام النقد و ما يتعين فيه، قديمى)

(وكذا فى ردالمحتار: ۱۵۳/۵، كتاب البيوع، سعيد)

(۱) "الوديعة لاتودع ولاتعار ولا توجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن، كذا فى البحر الرائق".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول فى تفسير الإيداع الخ: ۳۳۸/۴، رشيديه)

(وكذا فى خلاصة الفتاوىٰ، كتاب العارية، الفصل الأول: ۲۹۱/۴، رشيديه)

فصلٌ فی الضمان بهلاک الودیعة

(امانت کے ضائع ہونے پرضمان کا بیان)

امانت کا ضمان

سوال[۸۰۷٦]: ایک شخص ملازم بحیثیت کارندہ کی تحویل میں سے کچھ روپیہ چوری ہوگیا، مالک نے ملازم سے حلف اٹھوایا اور یہ کہلوایا کہ ''یوں کہہ کہ اگر میں نے تمہارا روپیہ اپنے کام میں لگایا ہو، یا کسی کو دیا ہو، یا اپنے آئندہ خرچ کے لئے اپنے، یا کسی اَور کے پاس رکھا ہوتو اندھا ہوجاؤں اور بھیک مانگتا پھروں، ایمان نصیب نہ ہو''۔ایسی قسم لینے کے بعد مالک کوملازم سے ڈنڈ لینا جائز ہے یانہیں یعنی گم شدہ روپیہ لینا؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگرملازم کے پاس وہ روپیہ امانت تھااور کافی حفاظت کے باوجود پھر چوری ہوگیا تو ملازم پرضمان نہیں، اگرملازم کی بےتوجہی اورغفلت سے ایسا ہوا ہے تو ملازم پرضمان لازم ہے:

"الإیداع هو تسلیط الغیر علی حفظ ماله، والودیعة ما یترك عند الأمین، و هی أمانة، فلا تُضمن بالهلاك". زیلعی: ٥/٧٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعیداحمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہرعلوم، ۸/۱/۵۷ھ۔

---

(١) (تبیین الحقائق :٦/١٧، ١٨، کتاب الودیعة ، دارالکتب العلمیة بیروت)

"والودیعة أمانة فی ید الودیع، فإذا هلکت بلا تعدٍ منه و بدون صنعه و تقصیره فی الحفظ، لا یضمن". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ٤٣١، (رقم المادة: ٧٧٧)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"الودیعة أمانة فی ید المودع إذا هلکت، لم یضمنها، لقوله علیه السلام: "لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان، ولا علی المستودع غیر المغل ضمان". (الهدایة :٣/٢٧١، کتاب الودیعة، مکتبه شرکت علمیه ملتان) =

ذمہ داری ختم ہونے کے بعد امین پر ضمان نہیں

سوال[۸۰۷۷] : زید ایک مدرسہ کا مدرس ہے، ہیڈ ماسٹر نے زید کو اس کا ذمہ دار بنایا، اور کمرے کی کنجی بھی زید کے حوالہ کردی، لیکن زید کی بعض کوتاہیوں کی وجہ سے کمرے کی کنجی ہیڈ ماسٹر نے اس سے لے کر اپنے پاس رکھ لی، زید سے کنجی لینے کے بعد اس کمرے میں مالی نقصان ہوگیا۔ اب زید سے کنجی لینے کے بعد کمرے کا ذمہ دار کون ہوگا، اور نقصان کس کے ذمہ عائد ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب نقصان کنجی زید سے لینے کے بعد ہوا تو زید ذمہ دار نہیں، جس کے پاس کنجی ہے وہ ذمہ دار ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

امانت کا روپیہ جل گیا اس کا تاوان

سوال[۸۰۷۸] : ۱...... خلاصۂ سوال یہ ہے کہ زید کے پاس کچھ روپیہ امانت رکھا ہوا تھا، اس روپیہ میں سے کچھ روپیہ کی مشین بھی خریدی اور کچھ روپیہ مشین والے کا باقی رہ گیا تھا۔ اب جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اس کی دوکان میں آگ لگ گئی تو کیا جس کا روپیہ تھا اس کو دینا لازم ہے یا نہیں؟ اور مشین والے کا جو روپیہ باقی ہے وہ کون دے گا؟

۲...... مثلاً ایک آدمی نے دودھ کی مشین خریدی اور اس نے وعدہ پر روپیہ نہیں دیا، اس لئے وہ مشین والا اپنی مشین اٹھا لایا اور تیسرے آدمی کے پاس رکھدی کہ بقایا روپیہ لے کر اس کو دیدینا، لہذا ایک سو روپیہ کی قسط مشین والے کو دیدی اور دوسری مرتبہ ۱۷۸/ روپیہ اس کی طرف سے مشین والے کو ایک تیسرے آدمی نے دیدیا،

= (وكذا في البحر الرائق : ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة ، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر : ۳/۴۶۶، ۴۶۷، كتاب الوديعة ، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار : ۵/۶۶۲، ۶۶۳، كتاب الإيداع ، سعيد)

(۱) "يلزم رد الوديعة إلى صاحبها إذا طلبها ،فلو ردّها الوديع برئ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص : ۴۴۰، (رقم المادة: ۷۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

مگر مشین والے نے روپیہ واپس کر دیا اور کہا کہ قیمت شام کو دیکر لے جانا، مگر اس کی دوکان میں آگ لگ گئی جس سے اس کا کافی نقصان ہوگیا، وہ کہتا ہے کہ اس نے مجھے روپیہ واپس نہیں کیا۔ اس صورت میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اور اس کی دوکان میں آگ لگ گئی، اس کے ذمہ اس روپیہ کا تاوان نہیں ہے(۱)۔ جس نے مشین خریدی تھی اور اس کا روپیہ باقی تھا تو وہ روپیہ دینا ضروری ہے، جس نے خریدی ہے وہ روپیہ دے، پھر جس سے شرکت کا معاملہ تھا اس کے موافق عمل کیا جائے۔

۲......اگر وہ روپیہ جل گیا ہے تو اس کا تاوان لازم نہیں، کیونکہ وہ امانت تھا(۲)۔ اگر اس کو آگ لگنے سے پہلے واپس کر دیا تھا اور وہ انکار کرتا ہے کہ مجھے نہیں دیا تو جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اس کے ذمہ قسم آئے گی، وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں واپس کر چکا ہوں، میرے ذمہ نہیں تو اس کی قسم معتبر ہوگی اور تاوان لازم نہیں آئے گا، اگر قسم نہ کھائے تو روپیہ دیدے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۱ھ۔

---

(۱) "والوديعة أمانة في يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعدٍ منه و بدون صنعه و تقصيره في الحفظ، لايضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وهي أمانة، فلا تضمن بالهلاك، لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن". (تبيين الحقائق: ۶/۱۷، ۱۸، كتاب الوديعة، سعيد)

"الوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ، وهي أمانة، فلا يضمن بالهلاك". (ملتقى الأبحر: ۳/۴۶۶، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳/۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۶۳، ۶۶۴، كتاب الإيداع، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "عن عمرو بن شعيب عب ابيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲۷، باب الأقضية =

امانت غسل خانہ میں رکھ کر بھول گیا اس کا ضمان

سوال[۸۰۷۹]: امسال حضرت کی دعاؤں کے صدقہ میں حج بیت اللہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، چلتے وقت ایک محسن نے مجھے دو ہزار روپیہ دیا اور گھڑی، کمبل، قالین کی فرمائش کی اور تین افراد کی قربانی کرنے کی فرمائش کی۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کی رقم خیریت سے پہونچ گئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ فرمائش کا سامان ہمراہ لے کر آؤں گا۔ بمبئی پہونچ کر اس میں سے ۲۶۰۰/ روپیہ کی رقم جمع کرنے کی نیت سے الگ کر لی، غسل کی حاجت ہوئی اور میں غسل خانہ گیا، کپڑے اتار کر اس رقم کو طاق میں رکھ کر بھول گیا، اس طرح یہ رقم ضائع ہوگئی، جو رقم علیحدہ تھی۔ میں نے اس رقم سے سفر پورا کیا۔ از روئے شریعت اب مجھے کیا کرنا چاہئے، رقم کا کچھ حصہ واپس کرنا چاہئے، یا بالکل واپس نہیں کرنا چاہئے؟

بندہ: سید عبدالعزیز لیکچرار، ہائر سکنڈری اسکول سیدھی (ایم، پی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

امانت کا روپیہ غسل خانہ میں غسل کرتے وقت طاق میں رکھ دیا، پھر بعد غسل اٹھانا یاد نہیں رہا، وہیں چھوڑ کر چلے آئے اور روپیہ ضائع ہوگیا تو وہ تمام روپیہ واپس کرنا ہوگا:

"ولو قال المودع: وضعتُ الوديعة بين يدىّ، فقمتُ و نسيتها، فضاعت، ضمن، وبه يفتىٰ، اهـ". عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

= والشهادات، كتاب الإمارة، الفصل الثاني، قديمى)

(وجامع الترمذى: ۱/۲۴۹، أبواب الأحكام، باب ماجاء فى أن البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز. ص: ۵۱، (رقم المادة: ۷۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۴۲، كتاب الوديعة، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"وفى فتاوى أبى الليث: ولو أن المودع قال: وضعتُ الوديعة بين يدىّ، فقمتُ ونسيتها، =

غیر مسلم کے پاس مسجد کا پیسہ امانت تھا وہ ضائع ہوگیا

سوال[۸۰۸۰]: متولی مسجد کو اپنے پاس مسجد کے پیسے رکھنے میں حفاظت کا یقین نہیں تھا اور کوئی دوسرا مسلمان بھی امانت رکھنا قبول نہیں کرتا تھا تو اس وقت شرعی حاکم نہ ہونے کی وجہ سے بامر جماعت محلّہ متولی نے مسجد کے پیسے کافر کے پاس رکھے وہ کافر اس وقت مالدار تھا اور امانت رکھنے میں مرجع خاص وعام تھا، اب کافر مفلس ہوگیا اور مسجد کے پیسے اس کے پاس سے ہلاک ہوگئے اب اس کے پاس کوئی مال وجائیداد نہیں ہے کہ جس سے مسجد کے پیسے وصول ہوسکیں تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مسجد کے پیسہ کا ضمان لازم ہوگا یا نہیں، اگر لازم ہوتو متولی پر یا اہلِ محلّہ پر؟

اگر صورت مذکورہ میں مسجد کے پیسے کافر کو قرض دیئے ہوں اور پھر ہلاک ہوجائے تو اس وقت کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"قال فی القنية: طالب القيم أهل المحلة أن يقرض من مال المسجد للإمام، فإن أمره القاضی به فاقترضه، ثم مات الإمام مفلساً، لايضمن القيم .... مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد. قال فی جامع الفصولين: ليس للمتولی إيداع مال الوقف والمسجد إلا لمن فی عياله، ولا إقراضه فلو أقرضه، ضمن. وكذا المستقرض. وذكر أن القيم لوأقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة وهو أحرز من إمساكه، فلا بأس به. وفی العدة يسع المتولی إقراض ما

= **فضاعت، يضمن؛ لأن نسيانه تضييعٌ". (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی : ۳۱۴/۶، فيما يكون تضييعاً للوديعة ، غفاريه كوئٹه)**

"و لو قال: وضعتها بين يدیّ، وقمتُ نسيتها، فضاعت، يضمن". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية : ۲۰۰/۶، كتاب الوديعة، الفصل الثانی فيما يكون إضاعة، رشيديه)

"مودع قال: وضعتُ الوديعة بين يدیّ، ثم قمت، فنسيتها، فضاعت، كان ضامناً". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية : ۳۷۷/۳، فصل فيما يضمن المودع ، رشيديه)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۷۸۲)، ص: ۴۳۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

فضل من غلة الوقف لو أحرز، اھ". بحر شرح کنز: ۵/۲۳۹(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ متولی کو اگر مسجد کے پیسے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اور کوئی دوسری صورت بھی حفاظت کی نہیں تھی اور اہل محلّہ کے امر سے متولی نے وہ پیسے کافر کے پاس رکھ دیئے اور اس کافر سے وصولیابی کی کافی توقع تھی تو پھر متولی پر ضمان لازم نہیں اور نہ اہل محلّہ پر لازم ہے۔ یہی حکم صورت مذکورہ میں قرض کا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۲۶/۵۷ھ۔

امانت چوری ہونے پر ضمان کا حکم

سوال[۸۰۸۱]: انتظامِ آمد وخرچ کی پنچایت ذمہ دار ہوتی ہے، لہٰذا ایک فنڈ پنچائتی ہے اور دوسرا فنڈ خاص ملکیتِ مسجد ہے، دونوں فنڈ امین کے پاس تھے جو چوری ہو گئے، ایک عرصہ تک مشورہ ہوتا رہا، تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ واقعی چوری چلے گئے، امین کو اس کے بار کا متحمل نہ سمجھا، پنچایت نے معاف کر دیا، مگر امین کو فکر ہے کہ شرعاً یہ دونوں جمع معاف ہیں، یا شرعاً فرق ہے۔اس سے مفصل بندہ کو مطلع فرمائیں۔

---

(۱) مذکورہ عبارت میں کچھ کتابت کی غلطیاں ہیں، لہٰذا البحر الرائق کی اصل عبارت یہ ہے:

قال في القنية: طالب القيم أهل المجلة أن يقرض من مال المسجد للإمام، فأبى، فأمره القاضي به، فأقرضه ثم مات الإمام مفلساً، لايضمن القيم اهـ. مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد، قال في جامع الفصولين: ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله ولا إقراضه، فلو أقرضه، ضمن، وكذا المستقرض. وذكر أن القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة، وهو أحرز من إمساكه، فلا بأس به. وفي العدة: يسع المتولي إقراض مافضل من غلة الوقف لو أحرز، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۰۱، رشيديه)

(۲) "أذن أخرجها عن يده عنه الضرورة بأن وقع الحريق في داره فخاف عليها الحرق، أو كانت الوديعة في سفينة فلحقها غرق، أو خرج اللصوص وخاف عليها أو ما أشبه ذلك، فدفعها إلى غيره، لايكون ضامناً". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني في حفظ الوديعة بيد الغير: ۳/ ۳۴۰، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۴۰، (رقم المادة: ۷۹۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر امین نے ہر دو فنڈ کو علیحدہ علیحدہ رکھا اور پوری حفاظت کی، اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی، پھر بھی وہ چوری ہو گئے تو اب شرعاً امین پر مواخذہ نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۳/۴/۵۷ھ۔

صحیح:عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح:سعیداحمد غفرلہ،۱۴/ربیع الثانی/۵۷ھ۔

مسجد کی امانت چوری ہوجائے تو ضمان کا حکم

سوال[۸۰۸۲]: ایک شخص کے پاس مسجد کی امانت رکھی ہوئی تھی جو چوری ہوگئی، کچھ چوری واپس آ گئی، اس نے مسجد کی امانت کچھ دی کچھ نہیں دی۔ جو امانت باقی رہ گئی تھی اس کو دینا لازم ہے یا نہیں؟ یہ آدمی شریعت کا پابند نہیں۔فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر امانت کو اپنے مال میں مخلوط کر کے رکھا تھا تو پوری امانت کو اس سے لینا چاہئے (۲)، اگر الگ رکھا

---

(۱) "الوديعة أمانة في يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعدٍ منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ، لايضمن".
(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الوديعة أمانة في يد المودع، إذا هلكت، لم يضمنها". (الهداية: ۳/۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وهي أمانة، فلا تُضمن بالهلاك، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاضمان على مؤتمن".
(تبيين الحقائق: ۲/۱۸، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۴۶۶، كتاب الوديعة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير: ۸/۴۸۵، كتاب الوديعة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وكذا لو خلطها المودع بجنسها أو بغيره بماله أو مال آخر .... بغير إذن المالك بحيث لا تتميز إلا بكلفة .... ضمنها لاستهلاكه بالخلط". (الدرالمختار: ۵/۶۶۸، ۶۶۹، كتاب الإيداع، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوديعة: ۳/۴۷۱، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

تھا اور باوجود پوری حفاظت کے وہ چوری ہوگئی، تو اس سے پوری لینے کا حق نہیں، جتنی واپس آگئی ہو وہ لے لی جائے (۱)۔

تنبیہ : جو شخص شریعت کا پابند نہ ہو اس کے پاس مسجد کی امانت رکھنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۵ھ۔

انجمن کا روپیہ ڈاکوؤں نے لے لیا وہ کس کے ذمہ ہے؟

سوال [۸۰۸۳] : ہمارے یہاں ایک انجمن ہے جو ہمارے مفاد کے لئے بنائی گئی ہے، مثلاً: مطالعہ کے لئے کتب وغیرہ۔ اس انجمن میں کچھ نقد رقوم جمع ہیں اور یہ انجمن ہی کی ہیں۔ اس رقم میں سے ہم ممبرانِ انجمن بوقتِ اشد ضرورت ۲۵/ روپیہ بطورِ قرضہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس انجمن کا ایک ممبر اپنی ذاتی کاروائی کی بناء پر جیل میں بند کردیا گیا، اس قیدی ممبر نے جیل سے خط لکھا صدر انجمن کے پاس کہ اس جمع شدہ انجمن کی رقم میں سے سات سو روپے مجھے بطورِ قرض دیدو۔ صدر انجمن نے ممبران کو جمع کیا اور کہا کہ تم سب ممبران اس کی ذمہ داری اٹھاتے ہو کہ اگر یہ رقم ادا نہ کرسکا تو تم کو ادا کرنی ہوگی؟ سب ممبران نے ذمہ داری لے لی اور صدر انجمن، انجمن میں سے سات سو روپے لیکر اس قیدی کی رہائی کے لئے جاتا ہے۔

اس صدر نے یہ رقم کسی ذمہ دار ممبر کے ہاتھ نہیں دی۔ اور جب یہ بات ہوئی کہ رہائی کے لئے کون

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوديعة: ۲/۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وهي أمانة، هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب واستحباب قبولها، فلا تُضمن بالهلاك .... مطلقاً سواء أمكن التحرز أم لا، هلك معها شئ أم لا، لحديث الدار قطني: "ليس على المستودع غير المغل ضمان". (الدرالمختار: ۵/۶۶۴، كتاب الإيداع، سعيد)

"وهي أمانة، فلا تُضمن بالهلاك؛ لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن". (تبيين الحقائق: ۶/۱۸، كتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بتروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۳/۴۶۶، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(۲) ایسا شخص امورِ دینیہ میں لاپرواہی برتنے کی بناء پر اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے، کیونکہ اکثر اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، باقی شریعت کا پابند ہونا امانت رکھوانے کے لئے شرط نہیں ہے۔

جائے گا، تو صدرِ انجمن نے کہا میں ہی جاؤں گا۔ اور چونکہ وہ خود بھی ذمہ دار تھا اس لئے سب ممبران نے صدر سے دب کر سکوت اختیار کیا۔ نیز یہ صدر، ممبران ذمہ داراُن سے خوش نہیں ہے۔

یہ صدر یہ رقوم لیکر رہائی کے لئے رات کے وقت جاتا ہے، ریل سے سفر کرتا ہے۔ صدر کا بیان ہے کہ میں جارہا تھا تو ''میرے صندوق سے ڈاکوؤں نے مجھے غفلت میں ڈال کر وہ سات سو روپے نکال لئے''۔ کچھ علامات بھی بتاتا ہے جس پر ممبران کو کسی درجہ یقین نہیں آتا اور صدر اس پر باوجود شادی شدہ ہونے کے طلاقِ مغلظہ کی قسمیں کھاتا ہے۔ ممبران کے علاوہ دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں کہ یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے۔ اب زیر بحث یہ مسئلہ ہے کہ انجمن کی رقم کن پر عائد ہوگی اور کون ذمہ دار ہوگا؟ وہ قیدی ممبر یا ذمہ داران ممبر یا صدر صاحب؟ جواب عنایت فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیدی ممبر نے روپیہ قرض مانگا، صدرِ انجمن نے دوسرے ممبروں سے ضمانت لی کہ اگر وہ قیدی ممبر روپیہ واپس نہ کرے تو آپ لوگوں کو دینا ہوگا، انہوں نے ذمہ داری لے لی۔ روپیہ قیدی کے ہاتھ میں نہیں پہونچا، نہ اس کے مشورہ سے اس کے کسی کام میں خرچ ہوا، لہٰذا قیدی ممبر کے ذمہ اس کی واپسی نہیں۔ ذمہ دار ممبروں نے قیدی کی طرف سے ضمانت لی تھی، جب اس کے ذمہ ہی واپسی ضروری نہیں، کیونکہ اس تک پہونچا ہی نہیں تو ذمہ داری اور ضمانت کی وجہ سے ان کی ذمہ بھی واپسی ضروری نہیں، وہ صدرِ انجمن کے ذمہ دار وضامن نہیں تھے کہ اگر صدر سے ضائع ہوجائے تو ہم دیں گے، لہٰذا صدرِ انجمن کا دوسرے ضامن ممبران سے مطالبہ کرنا بے محل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۱۳۹۵ھ۔

---

(۱) صدر کے قول کہ: ''میرے صندوق سے ڈاکوؤں نے مجھے غفلت میں ڈال کر وہ سات سو روپے نکال لئے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر نے امانت کی حفاظت میں تقصیر کی ہے، لہٰذا وہ خود اس کا ضامن ہے، جیسے شئ مستاجرہ اگر مستاجر کی عدم حفاظت کی وجہ سے ہلاک ہو تو اس پر ضمان ہے:

- ''والمتاع في يده غير مضمون بالهلاك: يعني لا يضمن ما ذكر، سواء هلك بسبب يمكن الاحتراز عنه كالسرقة أو بما لا يمكن كالحريق الغالب والغارة المكابرة''. (البحر الرائق: ۸/۴۷، كتاب الإجارة، رشيديه) .... =

= "الأجير المشترك من يعمل لغير واحد ولا يستحق الأجر حتى يعمل كالصباغ والقصار، والمتاع في يده أمانة، لا يضمن إن هلك". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر : ۵۴۳/۳، کتاب الإجارة ، غفاریه کوئٹه)

"والأجير المشترك من يعمل لغير واحد، والمتاع في يده غير مضمون بالهلاك، وما تلف بعمله كتخريق الثوب من دقه و زلق الحمال وانقطاع الحبل الذى يشدبه الحمل و غرق السفينة من مدّها مضمون". (تبيين الحقائق : ۱۳۹/۶، باب ضمان الأجير ، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار : ۶۶/۶، كتاب الإجارة ، باب ضمان الأجير ، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲۳،۳۲۲، (رقم المادة: ۶۰۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يلزم حفظ الوديعة في حرز مثلها، فوضع مثل النقود و المجوهرات في إصطبل الدواب أو التبن تقصيرٌ في الحفظ، وبهذه الحال إذا ضاعت الوديعة أو هلكت، لزم الضمان". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۳، (رقم المادة: ۷۸۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولو قال: وضعتُ بين يدىّ في داري، ثم قمتُ ونسيتها، فضاعت، يُنظر: إن كانت الوديعة ما لا يحفظ في عرصة الدارّ و لا تُعدّ حرزاً له كصرة الدراهم والذهب و نحوهما، يضمن، وإلا فلا". (الفتاوىٰ العالمكيرية : ۳۴۳/۴، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"سئلت عن المودع إذا قال: وضعتها بين يدىّ وقمتُ ونسيت، فضاعت، هل يضمن؟ فالجواب: نعم، كما في جامع الفصولين". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۷۵، كتاب الوديعة ، مكتبه حقانيه پشاور)

"والوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ و هى أمانة، فلا يضمن بالهلاك". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر : ۴۶۶/۳، كتاب الوديعة ، غفاريه كوئٹه)

"الوديعة أمانة في يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعدٍ منه، و بدون صنعه و تقصيره في الحفظ، لا يضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)

"وهى أمانة، فلا تضمن بالهلاك؛ لقوله عليه السلام : "لا ضمان على مؤتمن ". (تبيين الحقائق : ۱۸/۶، كتاب الوديعة ، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار : ۶۶۴/۵، كتاب الإيداع، سعيد)

حفاظت میں کوتاہی کی بناپر امانت کا ضمان

سوال[۸۰۸۴]: احقر کے پاس ذی الحجہ میں پھوپھی زاد بھائی نے تین حصوں کے لئے مبلغ ستر روپے اور ایک حصہ کے لئے پڑوس کی ایک بیوہ کی طرف سے ۲۵/ روپے (دیدیئے)۔ پوسٹ مین نے جب منی آرڈر لا کر دیا تو دس دس کے تین نوٹ دیئے اور پانچ واپس مانگے۔ احقر کے پاس جیب میں ۷۰/ پہلی امانت کے ساتھ مبلغ ۱۵/ جو کہ احقر کی بہو کی جانب سے ہردوئی سے مباحت سلمہ نے بھیجے تھے، رکھے تھے، وہ ۵/ واپس کردیئے، اس میں دو دو کے دونوٹ اور ایک روپے والا ایک نوٹ رہا۔ ۱۰/ روپے والا نوٹ پوسٹ مین نے پھر واپس دیکر کہا کہ ریز گاری دیدو۔ اس درمیان میں احقر نے ریز گاری دینے سے پہلے کل ۱۱۰/ روپے گھٹنے کے نیچے رکھ لئے، بس اڈہ پر ایک شخص کا تخت پڑا تھا، اسی کے کونے پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا، اتنے میں ہردوئی جانے کے لئے بس آ گئی۔

احقر کے پاس دو تین اخبار رکھے تھے، وہ روپے کوٹ الجھنے سے یا تو تخت کے پاس نیچے گر گئے، یا تخت پر گھٹنہ کے نیچے وہیں چھوٹ گئے، بس تک جانے پر فوراً یاد آیا اور بُری طرح سے بھاگا، مگر نہ ملے۔ احقر نے قرض روپیہ لیکر قربانی کردی اور اطلاع کردی۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں احقر پر تاوان واجب ہے، یا ان لوگوں کی امانت تھی اور وہ اس طرح ضائع ہوئی؟ ان سے اب فی حصہ ۲۰/ روپے طلب کروں جو کہ خرچ ہوئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بس اڈہ پر جہاں بکثرت ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، گھٹنے کے نیچے نوٹ رکھ کر اخبار پڑھنا اور پھر اخبار فروخت کرنے کے لئے چلے جانا اور نوٹوں کو اٹھا کر جیب میں نہ رکھنا یقیناً حفاظت میں کوتاہی ہے، ایسی صورت میں نوٹ ضائع ہونے سے ضمان لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۷ھ۔

---

(۱) "یلزم حفظ الودیعة فی حرز مثلها، فوضع مثل النقود و المجوهرات فی إصطبل الدواب أو التبن تقصیرٌ فی الحفظ، وبهذه الحال إذا ضاعت الودیعة أو هلکت، لزم الضمان". (شرح المجلة لسلیم =

امانت کودفن کرنے کی شکل میں ضائع ہونے پرضمان

سوال[۸۰۸۵]: پچیس سال ہوئے میری بھانجی میری بیوی کے پاس کچھ چاندی کا زیور بغرضِ حفاظت رکھنے کو آئی، میرے منع کرنے پر بھی بیوی کی خوشامد کر کے رکھ گئی۔ بیوی نے وہ زیور ڈبیہ میں رکھ کر ایک جگہ مکان میں گاڑ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد برسات میں مکان گرا تو ملبہ اٹھوا کر مکان دوبارہ بنوایا گیا۔ بہر کیف! اب بھانجی نے زیور مانگا تو کھودا گیا، زیور نہ ملا، اب میری بیوی اور میں دونوں بہت شرمندہ ہیں، ادھر بھانجی زیور بڑھا چڑھا کر بیان کررہی ہے۔ اب اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جب کہ امانت کی چیز ڈبہ میں رکھ کر محفوظ مکان میں زمین کھود کر گاڑ دی تو اپنی طرف سے حفاظت کا پورا انتظام کر دیا، اس کے بعد جب وہ گرا، اور دوبارہ اس کی تعمیر ہوئی تو وہ امانت یاد بھی نہیں تھی۔ اس بات کو ۲۵/ سال گزر چکے۔ اس جگہ کو کھود کر دیکھا گیا تو وہ امانت محفوظ نہیں، ایسی حالت میں اس کا ضمان واجب نہیں:

هكذا يفهم مما في الهندية: "إذا قال: دفنتُ في داري أو كرمي ونسيتُ مكانها، لم يضمن إذا كان للدار والكرم بابٌ. و لو قال: دفنتُ في موضع آخر و نسيتُ مكانها، يضمن، كذا في الخلاصة. و كذلك لو لم يبيّن مكان الدفن، لكنه قال: سُرقت الوديعة من المكان المدفون فيه، فإن كان للدار و الكرم بابٌ لا يضمن، وإن لم يكن لهما بابٌ يضمن، كذا في

= رستم باز، ص: ۴۳۳، (رقم المادة: ۷۸۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولو قال: وضعتُ بين يديّ في داري، ثم قمتُ ونسيتها، فضاعت، يُنظر: إن كانت الوديعة ما لا يحفظ في عرصة الدار و لا تُعدّ حرزاً له كصرة الدراهم والذهب و نحوهما، يضمن، وإلا فلا".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۳/۴، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"سئلت عن المودع إذا قال: وضعتها بين يدىّ وقمتُ ونسيت، فضاعت، هل يضمن؟ فالجواب: نعم، كما في جامع الفصولين". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۷۵، كتاب الوديعة، مكتبه حقانيه پشاور)

المحیط، اھـ". عالمگیری: ۳/۴٦٦ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۴ھ۔

امانت کے ہلاک کرنے پر ضمان

سوال [۸۰۸٦]: اگر کسی شخص نے کسی دوسرے مسلمان کے پاس اپنی امانت رکھی، مثلاً: غلہ، سونا، چاندی، وغیرہ اور اس نے بغیر اجازت کے وہ اپنے کام میں لے لی۔ اب امین سے وہ شخص اپنی امانت طلب کرتا ہے، مگر امین کہتا ہے کہ خرچ ہوگئی، اپنی امانت کی قیمت لے لو، اس وقت قیمت اس چیز کی چار روپے من ہے اور جب وہ امانت رکھی تھی تو دو روپے من کا بھاؤ تھا۔ تو اب امین سے امانت رکھوانے والا چار روپے من کے بھاؤ یعنی موجودہ بھاؤ کے حساب سے دام وصول کرتا ہے۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

دوسری صورت یہ ہے کہ امانت رکھنے والا یوں کہتا ہے کہ موجودہ بھاؤ سے مجھے کچھ غرض نہیں، اپنی امانت کی جنس لیتا ہوں، وہ دے، یا جتنی قیمت میں آئے اتنی دے، مجھے موجودہ بھاؤ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس صورت میں وہ اپنی امانت کی قیمت اپنی طبیعت کے موافق وصول کر لیتا ہے یعنی چار روپے کے بھاؤ کے بجائے، یا موجودہ بھاؤ کے بجائے وہ دوگنی تین گنی قیمت لیتا ہے۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۳۴۳، کتاب الودیعة، الباب الرابع فیما یکون تضییعاً للودیعة الخ، رشیدیه)

"الودیعة أمانة فی ید الودیع، فإذا هلکت بلا تعدٍ منه و بدون صنعه و تقصیره فی الحفظ، لا یضمن". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۴)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وهی أمانة، فلا تضمن بالهلاک، لقوله علیه السلام: "لا ضمان علی مؤتمن". (تبیین الحقائق: ٦/۱۸، کتاب الودیعة، دارالکتب العلمیة بیروت)

"(الودیعة أمانة فی ید المودع، إذا هلکت لم یضمنها) لقوله علیه السلام: "لیس علی المستعیر غیر المغل ضمانٌ، و لا علی المستودع غیر المغل ضمان .... اھـ". (الهدایة: ۳/۲۷۱، کتاب الودیعة، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الودیعة: ۳/۴٦۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

امین مالِ امانت میں بلا اجازت تصرف کرنے کی وجہ سے بمنزلۂ غاصب کے ہوگیا اور غاصب اگر شئ مغصوب کو ہلاک کردے تو اس کے ذمہ مغصوب کا بدل واجب ہوتا ہے، مثلی میں مثل اور قیمتی میں قیمت اور صورتِ مسئولہ میں مالِ امانت مثلی ہے، لہذا مثل واجب ہوگا خواہ اس کی قیمت کچھ بھی ہو:

"والضمان لو هلكت، ففی المثلی كالكيلی والوزنی والعددی يجب مثله، اهـ". سكب الأنهر: ۲/۴۵٦(۱)۔

"قال أبوالحی فی فتاواه: وإن كانت الوديعة دراهم أو دنانير أو شيئاً من المكيل والموزون، فأنفق طائفةً منها خاصةً، كان ضامناً لما أنفق منها؛ لأنه أتلف بالإنفاق، اهـ"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/٦۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/٦۱ھ۔



---

(۱) (سكب الأنهر (الدرالمنتقی) شرح ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر : ۴/۷۸، كتاب الغصب ، غفاريه كوئٹه)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية : ۴/۳۴۸، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"فی "الأصل" إذاكانت دراهم أو دنانير أو شيئاً من المكيل والموزون، فأنفق المودع طائفةً منها فی حاجة نفسه، كان ضامناً لما أنفق منها". (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی :۶/۳۲۹، فی ردّ الوديعة، غفاريه كوئٹه)

"الوديعة متی وجب ضمانها، فإن كانت من المثليات، تضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان". (شرح المجلة لسيم رستم باز، ص:۴۴۶، (رقم المادة: ۸۰۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الوديعة إذا لزم ضمانها، فإن كانت من المثليات تُضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تُضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان .... يعنی يوم وقع تعدی المودع علی الوديعة؛ لأنه بذلك صار غاصباً، ففی المنح وغيره : المودع بالتعدی علی الوديعة غاصباً". (شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۳/۲۹۲، كتاب الوديعة ، مكتبه حقانيه پشاور)

کتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

اجارہ کی تعریف

سوال[۸۰۸۷] : اجارہ کا مفہومِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تمليك المنفعة بالعوض(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

اجرت پر ملک کا تحقق کب ہوتا ہے اور ملازمین کے فنڈ پر ہدایہ کی عبارت سے اشکال

سوال[۸۰۸۸] : بعض مدارس میں ایک قسم کا فنڈ مدرسین وملازمین کے لئے جاری کیا گیا ہے جس میں تنخواہ میں سے مہینہ پورا ہونے پر کچھ حصہ کاٹ کر مدرسہ میں جمع رکھا جاتا ہے اور مدرسہ اپنی طرف سے کچھ اس

---

(۱) "هی (أی الإجارة) تمليک نفع بعوض". (الدرالمختار، کتاب الإجارة: ۴/۶، سعيد)

(وكذا فی فتح القدير، الإجارة عقد على المنافع بعوض: ۹/۵۸، مصطفىٰ البابی الحلبی مصر)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۹، رشيديه)

"اعلم أن الإجارة عقد على المنفعة بعوض هو مال". (المبسوط للسرخسی: ۸/۸۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

میں اضافہ کرتا ہے، اس طرح ان کے لئے رقم جمع کی جاتی ہے، جو ملازمت کے ختم ہونے پر ان کو دی جائے گی، تاکہ اس کو اپنے موقع پر پریشانی نہ ہو۔

اب اس میں سوال یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ کی تشریح کے مطابق استیفائے منافع پر اجرت کا مالک ہوتا ہے۔ نیز تنخواہ کے رجسٹر میں اس پر ملازم کے دستخط بھی ہوجاتے ہیں اور عرفاً وہ بقایا ملازمین اپنا ہی تصور کرتے ہیں تو یہ مزید جو ادارہ دیتا ہے، جب کہ اس میں ملازمین کے کٹے ہوئے پیسہ کا ہونا شرط ہے۔ تو کیا یہ سود کی نوعیت نہیں ہوگی؟ اگر یہ نوعیت نہیں تو بے غبار حلال ہے، یا کسی قسم کے شائبۂ سود سے قابلِ التفات ہے؟

محمد اسماعیل گجراتی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہدایہ میں ''ثبوتِ ملک'' سے مراد ''حقیقتِ ملک'' نہیں، بلکہ ''استحقاقِ ملک'' مراد ہے جیسا کہ عنوانِ باب سے ظاہر ہے: "باب الأجر متیٰ یستحق" اور متن میں ہے:

"قال: الأجرة لا تجب بالعقد، وتستحق بإحدى معاني ثلاثة" (۱)۔

محشی نے بھی اسی کی تشریح کی ہے (۲)۔ امداد الفتاوی میں خوب تفصیل سے اس پر بحث موجود ہے (۳)۔ امید ہے کہ اب اس تقدیر پر اشکال نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۳/۲۹۲، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "المراد نفس الوجوب، لاوجوب الأداء، فإنه عقد معاوضة، فيعتبر فيه المساواة، ولم يوجد في جانب المعقود عليه، لا نفس الوجوب، ولا وجوب الأداء فكذلك في جانب العوض". (حاشية العلامة عبدالحئ اللكنوى رحمه الله تعالىٰ على الهداية: ۳/۲۹۲، باب الأجر متى تستحق، كتاب الإجارة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، للحافظ كمال ابن الهمام: ۹/۶۵، ۶۶، باب الأجر متى يستحق، كتاب الإجارة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الإجارة: ۹/۶۶، باب الأجر متى يستحق، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) **سوال**: ''گورنمنٹ دریافت کرتی ہے کہ ہر ملازمین سرکار اپنی تنخواہ میں سے ساڑھے چھ سے ساڑھے بارہ روپیہ فی =

زمین اجارہ پر دینا

سوال[۸۰۸۹]: زید نے اپنی غرض سے اپنا ایک قطعۂ کھیت چار بیگھے چار سال کے واسطے عمر کے پاس چار سورو پیہ میں رہن رکھ دیا اور عمر سے کہہ دیا کہ چار سال کے بعد تم میرا کھیت مجھ کو دے دینا، تم چار سال تک میرے کھیت سے جو کچھ بھی فائدہ اٹھاؤ اور پیداوار کھاؤ، مجھ کو اس سے کوئی واسطہ اور غرض نہ ہوگا اور جب میں اپنا کھیت تم سے لوں گا تو تم کو کوئی پیسہ نہیں دوں گا، اور تمہارے وہ چار سورو پے ختم ہو جائیں گے اور میں تمہارے ان چار سورو پے سے کتنا ہی فائدہ اٹھاؤں، تمہیں اس فائدہ سے کوئی غرض اور واسطہ نہیں ہوگا۔

یہ بات قرار پائی اور عہد و پیمان اور قول وقرار ہو گئے، عمر نے کہہ دیا میں چھوڑ دوں گا، مجھے یہ سب باتیں منظور ہے۔ لہٰذا از روئے شرع شریف دونوں کا فائدہ اٹھانا یا ایک کا سود ہوا یا نہیں؟ قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ رہن نہیں، بلکہ اجارہ ہے، یعنی زید نے اپنی زمین چار سال تک عمر کو کرایہ پر دی ہے کہ وہ اس میں جو چاہے کاشت کرے اور اس کا کرایہ چار سورو پیہ پیشگی وصول کرلیا، بس یہ چار سورو پے بطورِ اجرت زمین زید کی مِلک ہو گیا، عمر کا نہیں رہا، نہ عمر کو اس کو واپس لینے کا حق رہا اور زمین پر چار سال تک کے لئے عمر کو حقِ کاشت حاصل ہو گیا۔

=صدی کے حساب سے ہر مہینہ میں خزانۂ سرکار میں جمع کریں، اور وہ کل رقم بعد علیحدہ ہونے نوکری سرکاری کے خواہ پینشن ہونے پر یا خود نوکری چھوڑ دے، اس وقت کل روپیہ اس کا بمعہ چار روپیہ فی صدی سود کے سرکار واپس دے گی؟

الجواب: ''جواب مسئلہ کا یہ ہے کہ تنخواہ کا کوئی جزو اس طرح وضع کرا دینا اور پھر یکمشت وصول کرلینا اگر چہ اس کے ساتھ سود کے نام سے کچھ رقم ملے یہ سب جائز ہے، کیونکہ درحقیقت وہ سود نہیں ہے اس لئے کہ تنخواہ کا جو جزو وصول نہیں ہوا وہ اس ملازم کی ملک میں داخل نہیں ہوا پس وہ رقم زائد اس کی مملوک شے سے منتفع ہونے پر نہیں دی گئی، بلکہ تبرع ابتدائی ہے، گو گورنمنٹ اس کو اپنی اصطلاح میں سود ہی کہے۔ فقط''۔ (إمداد الفتاوی: ۱۴۹/۳، کتاب الربوا، تحت عنوان: ''محکمۂ ریل میں ملازمین کی تنخواہ کا کوئی جزو جو کٹ جاتا ہے اور وہ مع سود ملتا ہے اس سود کا حکم (رقم السوال: ۱۹۷)، دار العلوم کراچی)

اس معاملہ کا نام رہن رکھنا غلط ہے، اگر یہ رہن ہوتا اور چار سو روپے قرض ہوتا تو زید کے ذمہ قرض کی واپسی لازم ہوتی: "لأن الأقراض تقضی بأمثالها". کذا فی الدر المختار (۱)۔ اور زمین سے عمر کو بذریعۂ کاشت نفع حاصل کرنا جائز نہ ہوتا، اور "کل قرض جر نفعاً، فهو حرام" (۲) کے تحت یہ نفع اٹھانا حرام ہوتا، اب ایسا نہیں، بلکہ یہ معاملہ بصورتِ اجارہ درست ہے۔ ہاں! یہ لحاظ رہے کہ ایسی زمین کا چار سال کا کرایہ عرفاً وعادتاً بھی چار سو روپیہ ہی ہوتا ہو، یا معمولی کمی بیشی ہو تو وہ قابلِ گرفت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۹ھ۔

زمین کی اجرت دھان قرار دینا

سوال [۸۰۹۰]: زید عمر کو ایک بیگہ زمین اس شرط پر دیتا ہے کہ تمہیں ۵۰/من دھان دینا ہے پیدا ہو یا نہ ہو عمر بھی اس پر راضی ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مزارعت نہیں ہے، بلکہ زمین کرائے پر دینا ہے۔ اور ۵۰/من دھان اجرت ہے، خواہ دھان (۴) کی

---

(۱) قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "هو عقد مخصوص یَرِد علی دفع مال مثلی لآخر لیردّ مثله" (الدرالمختار: ۵/۱۶۱، باب القرض، سعید)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الإجارة: ۵/۱۶۶، سعید)

(۳) "و تصح إجارة أرض للزراعة مع بیان ما یُزرع فیها، أو قال: علیٰ أن أزرع فیها ما أشاء، کی لا تقع المنازعة". (الدرالمختار: ۶/۲۹، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجارة ومایکون خلافه فیها، سعید)

"صح العقد فیه أیضاً، ولیس للمؤجر إخراجه حتی ینقضی إلا بعذر، کما لو عجل أجرة شهرین فأکثر، لکونه کالمسمیٰ، إلا أن یسمیّ الکل: أی جملة شهور معلومة، فیصح لزوال المانع". (الدرالمختار: ۶/۵۱، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

(۴) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز لاہور)

کاشت کرے یا کسی اَور چیز کی، یا بالکل ہی کاشت نہ کرے۔ یہ معاملہ شرعاً درست ہے جیسا کہ ۵۰/ روپیہ کو اجرت قرار دینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

زمین اور باغ کا اجارہ

سوال[۸۰۹۱]: اگر کوئی آم کے باغ کا مالک دو چار سال کے لئے زمین اور درخت کسی کو دے دے تاکہ وہ زمین اور درختوں سے نفع اٹھائے، پھل وغیرہ حاصل کرے اور مالک باغ بدلہ میں دو چار ہزار روپیہ لے لے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجارہ میں شیٔ مستاجرہ سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، نہ کہ استہلاکِ اعیان۔ زمین میں کاشت کرنا اور اس سے غلہ حاصل کرنا تو اجارہ میں داخل ہے، لیکن مالکِ زمین کے درختوں سے پھل حاصل کرنا یہ اجارہ میں داخل نہیں، بلکہ یہ تو بیع ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/ ۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكل ما صلح ثمناً: أي بدلاً في البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة". (الدرالمختار: ۶/۴، كتاب الإجارة ، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۲، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۰، (رقم المادة: ۴۶۳)، الفصل الأول في بدل الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "سئلتُ فيمن استأجر بستاناً ليأكل ثمرة أشجاره من نخل و زيتون وليمون: هل يجوز ذلك؟ فأجبت : بأنه لا يجوز، وسند ذلك ما في شرح الطحطاوي رحمه الله تعالىٰ: الإجارة على استهلاك الأعيان باطلةٌ، كما لو استأجر كَرَماً مدةً معلومةً ليأكل ثماره، أو استأجر غنماً ليأكل لبنها و سمنها، أو استأجر المرعىٰ ليرعى البهائم، وما أشبه ذلك، لم تصح الإجارة. فهذا صريحٌ في أن الإجارة باطلة".

(الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۱۹۱، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور) .... =

کھیت کا کرایہ غلہ کی صورت میں

سوال[۸۰۹۲]: بکر نے عمر کو اپنا کھیت دے دیا اور اس سے کہا کہ ہر سال ہر ششماہی میں چھ من گندم دے دیا کرنا، تم میرے کھیت میں جونسا غلہ چاہو بویا کرو۔ اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح نقد اجرت مقرر کرنا درست ہے اسی طرح غلہ مقرر کر لینا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

جائز وناجائز کام کرنے والی فیکٹری میں ملازمت کرنا

سوال[۸۰۹۳]: یہاں پر ایک ایسی فیکٹری ہے جہاں شراب وغیرہ کا ایڈوٹائز بھی ہوتا ہے(۲) جو کہ حرام چیزوں میں سے ہے، اصل کام دوسرا ہے۔ کیا اس جگہ کی آمدنی میرے لئے درست ہے یا کہ نہیں؟

= "ولايجوز إجارة ماء في نهر أوقناة أو بئر، وإن استأجر النهر والقناة مع الماء، لم يجز أيضاً؛ لأن فيه استهلاك العين أصلاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۴۱، الباب الخامس عشر من كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/ ۳۲۸، رشيديه)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكل ما صلح ثمناً: أي بدلاً في البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة". (الدرالمختار: ۶/ ۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۱۲، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متىٰ تجب الأجرة ومايتعلق به من الملك وغيره، رشديه)

(۲) "ایڈوٹائز: (Adverties) خبردار کرنا، اشتہار دینا، اعلان کرنا، مشتہر کرنا، مطلع کرنا، آگاہ کرنا English to English & Urdu Dictionary, Page No. 18, Feroz Sons Lahore)

الجواب، حامداً ومصلياً:

جب اصل کام شراب کے اعلان واشتہار کا نہیں، بلکہ جائز چیز کا ہے تو ملازمت جائز ہے (۱)۔ شراب کے متعلق جہاں تک ہو سکے بچنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جس فیکٹری میں کبھی شراب کا ایڈوٹائز ہوتا ہو اس میں ملازمت کا حکم

سوال [۸۰۹۴]: کیا ہم ایسی فیکٹری میں کام کر سکتے ہیں جہاں شراب وغیرہ جو حرام چیزوں کی ایڈوٹائز بنتی ہو (۳) اس کو ہمیں بنانا ہوتا ہے، کیا یہ کمائی ہمارے لئے جائز ہے؟

نوٹ: ہر وقت شراب کی ایڈوٹائز نہیں بنتی کبھی کبھی آتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب اصل کام شراب کے اعلان واشتہار کا نہیں، بلکہ جائز کام کا ہے تو ملازمت جائز ہے (۴)۔ شراب

---

(۱) قال العلامة محمد كامل الطرابلسي: "سئلتُ عن كافر استأجر مسلماً لبناء كنيسة أو بيعة، أو لنحت طنبور: هل يحل له الأجر؟ فالجواب ما في البزازية، وهذا لفظه: استأجر مسلماً لبناء بيعة أو كنيسة، أو لنحت طنبور، يحل له الأجر و يطيب، إلا أنه يأثم الأجير؛ لأنه أعانه على المعصية". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۹۷، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الخمر عشرةً: عاصرها، ومعتصرها، و شاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وساقيها، وبايعها، وآكل ثمنها، والمشتري لها، والمشتراة له". (جامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في بيع الخمر والنهي عن ذلك: ۱/۲۴۲، سعيد)

"ويكره أن يؤاجر نفسه منهم لعصر العنب ليتخذوا منه خمراً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۰، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الرابع، رشيديه)

(۳) "ایڈوٹائز: (Adverties) خبردار کرنا، اشتہار دینا، اعلان کرنا، مشتہر کرنا، مطلع کرنا، آگاہ کرنا English to English & Urdu Dictionary, Page No. 18, Feroz Sons Lahore)

(۴) (راجع للتخريج عنوان: "شراب کے کارخانہ میں دوسرے کام کی ملازمت"۔

کے متعلق جہاں تک ہو سکے بچنا چاہیے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی دارالعلوم دیوبند،۲۹/۱۰/۸۹ھ۔

کافر کا جانور ذبح کرنا اور اجرت لینا

سوال[۸۰۹۵]: اگر کوئی کافر کسی مسلم سے بکری یا گائے وغیرہ ذبح کرائے تو کرنا چاہیے کہ نہیں؟ اور اگر ذبح کرے تو سنت طریقہ سے کرے، یا ایسے ہی ذبح کردے بغیر بسم اللہ کے؟ اور کافر یا مسلمان ذبح کرنے کے بدلے ذبیحہ کا گوشت یا کچھ پیسے دے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنت طریقہ پر ذبح کردے، ذبح کرنے کی اجرت میں پیسہ لینا اور دینا درست ہے(۲)۔اجرت میں اس ذبیحہ کا گوشت تجویز کرنا درست نہیں، کذافی رد المحتار(۳)، والھندیة(٤)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۱/۴/۹۲ھ۔

جانور ذبح کرنے کی اجرت

سوال[۸۰۹۶]: قصاب لوگ کسی وجہ سے خود تو مویشی ذبح نہیں کرتے بلکہ زید سے اجرتِ مقررہ

---

(۱) (راجع للتخريج المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "ويجوز الاستيجار على الذكاة؛ لأن المقصود منها قطع الأوداج دون إفاتة الروح، وذلك يقدر عليه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۴، كتاب الإجارة، فصل فی المتفرقات، رشيديه)

(۳) قال العلامة الحصكفي: "ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع". (الدرالمختار: ۶/۳۲۸، كتاب الأضحية، سعيد)

(۴) "و لو استأجر أن يطحن طعامه بقرص منه أوبدرهم أو قفيز منه، أو يذبح شاته بدرهم و رطل من لحمها، فهو فاسد". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۴۵، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر فی بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الثالث فی قفيز الطحان، رشيديه)

دے کر ذبح کراتے ہیں۔ آیا زید کو حلال کرنے کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو لوگ زید سے یہ کہتے ہیں کہ حلال کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور حلال کرنے والے کی روح سختی سے نکالی جائے گی، یہ پیشہ جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فتاوی عالمگیری میں صراحۃً مذکور ہے کہ جانور ذبح کرنے کی اُجرت شرعاً جائز ہے، اس لئے کوئی فکر نہ کریں (۱) اور یہ بات کہ ''ذبح کرنے والے کی روح سختی سے نکالی جائے گی'' یہ شرعاً بے اصل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۸/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام محمد الدین عفی عنہ، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

امتحان کے پرچے بنانے اور جانچنے کی اجرت

سوال [۸۰۹۷]: ۱..... عموماً یونیورسٹیاں اور مدارس ممتحنین سے سوالات بنواتے ہیں، جن میں ان صاحبوں کا وقت صرف ہوتا ہے۔ اور پھر جوابات امتحان بھی ان حضرات کو دیکھنے پڑتے ہیں جس میں وقت کا کثیر حصہ صرف میں آتا ہے، نیز ان کی روانگی وغیرہ بھی انہی کے ذمہ ہوتی ہے۔ تو کیا اس محنت کا معاوضہ ان حضرات کو تبرعاً دیا جاتا ہے اور اس صرف شدہ وقت کی بابت حق الخدمت جو عام طور سے یونیورسٹی کی طرف سے دیا جاتا ہے لینا درست ہے یا نہیں اور یہ شرعی معاملہ کی کون سی نوع میں داخل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں دو عمل ہیں: ایک سوالات امتحان بنانا، دوسرا جواباتِ امتحان کو دیکھنا۔ اور اول پر

---

(۱) "ويجوز الاستيجار على الذكاة: لأن المقصود منها قطع الأوداج دون إفاتة الروح، وذلك يقدر عليه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۵۴، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، فصل في المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵/ ۵۵۱، كتاب الإجارة، فصل في شرائط الركن، دارالكتب العلمية بيروت)

معاوضہ لینا شرعاً درست ہے، اگر پہلے متعین کرلیا جائے عمل کو بھی اور معاوضہ کو بھی، اس طرح کہ مثلاً اتنے بڑے کاغذ پر اتنی سطروں کا سوال لکھنا ہوگا اور اس کا یہ معاوضہ ہوگا تاکہ جہالتِ عمل مفضی الی النزاع نہ رہے، تو اجر مسمی واجب ہوگا:

"لو استأجر رجلاً ليكتب له غناءً بالفارسية أو بالعربية، يطيب له الأجر. ولو استأجرته امرأةٌ ليكتب لها كتاباً إلى حبيبها، يجب الأجر، ويطيب له، هذا إذا بيّن الشرائط وبين أعداد الخط، وقدره الكل فى التجريد. وفى الأصل: استأجر رجلاً ليكتب له مصحفاً أو فقهاً أو لوحاً أوغناء أوهومعلوم جاز، اھ". خلاصہ: ۱۱٦/۲ (۱)۔

اگر پہلے معاوضہ متعین نہیں کیا گیا تو اجر مثل ہوگا:

"سئلتُ فيمن كتب لآخر صكاً ولم يقاوله على أجر معين: فهل يجب له أجر مثله؟ فالجواب: نعم، يجب له أجر مثله، ففى تنقيح الفتاوىٰ نصه: وإنما يجب للصكاك أجر مثله بقدر عمله فى صنعته كمايستأجر الثقاب والحكاك بأجر كثير على مشقة قليلة، اھ". فتاویٰ کاملیہ، ص: ۱۸۹ (۲)۔

عملِ ثانی کی کوئی نظیر کتبِ فقہ میں نہیں ملی: "إذا استأجر قارئاً ليقرأ عليه شيئاً، لايجوز، سواء كان شعراً أو فقهاً أو غيره، اھ". خلاصہ: ۱۱۵/۲ (۳)۔

لیکن شمس الأئمہ سرخسی نے بطلانِ استیجارِ قاری علی القرأۃ کی جو علت بیان کی ہے اس سے بطورِ مفہومِ مخالف کے جزئیۂ مسئولہ کا جواز نکلتا ہے:

---

(۱) (خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الثانى فى صحة الإجارة و فسادها، جنس فى المتفرقات: ۱۱٦/۳، كتاب الإجارة، امجد اكیڈمی لاهور)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكرية: ۴۵۰/۴، مطلب: الاستيحار على الأفعال المباحة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۲) (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۸۹، كتاب الإجارة، مكتبه حقانية پشاور)

(وكذا فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱۳۳/۲، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(۳) (خلاصة الفتاوى: ۱۱۵/۳، جنس فى تعليم القرآن والحِرَف، كتاب الإجارة، امجد اكیڈمی لاهور)

"كـذلك الاستيـجـار على الحداء، وكذلك الاستئجار لقراءة الشعر؛ لأن هذا ليس من إجارة الـناس، والمعتبرفى الإجارة عـرف الـنـاس، ولأن ماهو المقصود إنّما يحصل بمضى فى الـمستـأجـر، وهـو الـسـمـاع والتـأمـل والتـفهـم، فـلا يكون ذلك موجباً للأجر عليـه، اهـ".

مبسوط: ۶/۳۸(۱)۔

اگر وقت کی تعین کی جائے اور پھر اس وقت کا معاوضہ لیا جاوے تو بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور۔

اگر عمل معلوم ہو خواہ تعین سے خواہ عرفاً ہو، الغرض ایسی جہالت باقی نہ رہے جو مؤدی الی النزاع ہو تو جواز میں تردد نہیں (۳)۔ فقط۔

عبد اللطیف مظاہر العلوم۔

کوئی شئی آدھ گھنٹے کے لئے کرائے پر لے کر ۵/ منٹ میں واپس کر دینا

سوال[۸۰۹۸]: سائیکلیں جو کرایہ پر دی جاتی ہیں اس میں شرط ہوتی ہے کہ کم از کم آدھ گھنٹہ کا پیسہ لیا جائے گا، چاہے پانچ منٹ ہی میں واپس کردے اور عوام کا اتفاق اس پر ہے۔ لہذا یہ پچیس منٹ کا فاضل کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (المبسوط للسرخسي: ۱۶/۴۲، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) وقـال العلامة قاضـي أبو الحسن على بن الحسين بن محمد السغدى: "وإذا وقعت (أى الإجارة) عـلـى وقـت مـعـلـوم، فتجب الأجرة بمضى الوقت إن هو استعمله أو لم يستعمله، وبمقدار ما مضىٰ من الوقت تجب الأجرة". (النتف فى الفتاوىٰ، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "فـإن وقعت علىٰ عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذاكان العمل ممّا لا يصلح أوّله إلا بـآخـره. وإن كـان يـصـلـح أوّله دون آخره، فتجب الأجـرة بـمـقـدار مـا عـمـل". (النتف فى الفتاوى، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

معاملہ آدھ گھنٹے کا کیا ہے، کرایہ دینے والا اپنی ضرورت ۵/ منٹ میں پوری کر کے اپنی خوشی سے سائیکل واپس کر گیا اور کرایہ آدھ گھنٹے کا دے گیا تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/ ۹/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/ ۹/ ۹۰ھ۔

نشہ آور ادویہ فروخت کرنے والے میڈیکل اسٹور کا کرایہ

سوال[۸۰۹۹]: میں ایک پختہ دکان کا مالک ہوں جس کو میں نے ایک شخص کو کرایہ پر دے رکھا ہے جس میں اس نے میڈیکل اسٹور (انگریزی ادویات) کھولا تھا۔ "جنجر" بھی ایک دوا ہے، لیکن چونکہ اس میں نشہ ہوتا ہے، اس لئے وہ شراب کی جگہ لوگ استعمال کرتے ہیں اور وہاں کافی مجمع رہتا ہے۔ میں نے دکاندار سے متعدد بار اس سلسلہ میں باز پرس کی اور دکان خالی کرنے کے لئے کہا، لیکن وہ کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اور چونکہ وہ برابر ماہ بماہ کرایہ ادا کرتا ہے اس لئے اس کو قانونی حیثیت سے بھی خالی نہیں کروایا جاسکتا۔ اگر میں دست بدست کرایہ نہ لوں تو وہ منی آرڈر وغیرہ سے بھیجنا شروع کردے گا۔

میرے لیے عجیب پریشانی اور کلفت ہے۔ یہاں لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ کرایہ شرعاً جائز نہیں ہے، آپ ہی بتلایئے اس میں میرا کیا قصور ہے، میری نیت تو خیر ہے۔ آپ تحریر فرمائیں آیا اس دکان کا کرایہ حالاتِ بالا کے پیشِ نظر لینا جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فيجب الأجر لدار قبضت و لم تسكن، لوجود تمكنه من الانتفاع". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/ ۱۱، سعيد)

"تلزم الأجرة أيضاً في الإجارة الصحيحة بالاقتدار علىٰ استيفاء المنفعة، مثلاً: لو استأجر أحدٌ داراً بإجارة صحيحة، فبعد قبضها يلزمه إعطاء الأجرة وإن لم يسكنها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۲۶۳، (رقم المادة: ۴۷۰)، الفصل الثاني، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۱۳، الباب الثاني من كتاب الإجارة، رشيديه)

الجواب حامداًومصلياً:

اس کی دکان میں پاک اور جائز دوائیں بھی تو ہوں گی، ان کی وجہ سے اس کی کل آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، نہ اس سے حاصل شدہ کرایہ کو ناجائز کہا جائے گا، اس لئے آپ پریشان نہ ہوں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/٦/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/٦/ ۸۸ھ۔

بیوی کے لیے شوہر کی ملازمت

سوال[۸۱۰۰]: ہندہ کا ایک کارخانہ ہے جس میں بہت سے ملازم ہیں، شوہر غریب ہے، ہندہ حفاظت کے لئے شوہر کو ملازم رکھنا چاہتی ہے، بلاتنخواہ وہ کام لینا چاہتی ہے، نہ وہ کام کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کو نوکری کرنی چاہیے یا نہیں؟ اگر چاہیے تو کیا قلبِ موضوع لازم نہ آئے گا، اگر نہیں تو دلیلِ شرعی وعقلی کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

شوہر کو بیوی کی ایسی نوکری جائز نہیں کہ جس سے شوہر کی تذلیل و اہانت ہوتی ہو، کیونکہ قلبِ موضوع لازم آتا ہے(۲)۔

---

(۱) "وإذا استأجر الذمي من المسلم داراً يسكنها، فلابأس بذلك وإن شرب فيها الخمر، أو عَبدَ فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، ولم يلحق المسلمَ في ذلك بأسٌ؛ لأن المسلم لا يؤاجرها لذلك، إنما آجرها للسكنى، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۰، الفصل الرابع في فساد الإجارة إذا كان مشغولاً بغيره، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ: ۳/۱۴۹، كتاب الإجارة، الفصل العاشر في الحظر والإباحة، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) "وإن تزوج حراً على خدمته إياها سنة أو على تعليم القرآن فلها مهر مثلها .... لأن خدمة الزوج الحرّ لايجوز استحقاقها بعقد النكاح لما فيه قلب الموضوع". (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۳۲۷، شركة علمية ملتان)

"والحاصل أن ماهو مال أو منفعة يمكن تسليمها شرعا يجوز التزوج عليها، وما لايجوز =

نیز ایسے کام کی نوکری بھی جائز نہیں کہ وہ کام شوہر کے ذمہ بغیر نوکری ضروری تھا۔ اور صورت مسئولہ میں دونوں باتیں نہیں، لہٰذا جائز ہے، کما فی البدائع: ۲۷۱/۲(۱) وقاضی خان: ۳٦/۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۵/ ۷/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم، ۱٦/ رجب المرجب/ ۵۲ھ۔

گیسٹ ہاؤس کی آمدنی

سوال[۸۱۰۱]: ہم بمبئی میں ایک گیسٹ ہاؤس بنانا چاہتے ہیں (۳)، اس گیسٹ ہاؤس میں باہر سے آنے والے بھی کچھ افراد ٹھہرتے ہیں اور اکثر وبیشتر بمبئی ہی کے عیاش لوگ آکر روم بک کرواتے ہیں

=كخدمة الزوج الحر لمناقضة". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۴۰/۳، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(۱) "ولو استأجرت المرأة زوجها ليخدمها فى البيت بأجر مسمى، فهو جائز". (بدائع الصنائع: ۱۵/٦، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإن استأجرت المرأةُ زوجَها ليخدمها بأجر مسمى، جاز، وللزوج أن يمتنع عن خدمتها بعد الإجارة؛ لأنه يتضرر بذلك .... ولو قالت المرأة لزوجها: اغمزْ رجليّ على أن لك عليّ ألف درهم، فغمز الزوج رِجلها، إلىٰ أن قالت المرأة: لا أريد الزيادة، قالوا: هذه الإجارة باطلةٌ ولا شئ عليها؛ لأن خدمة المرأة حرام على الزوج؛ لأنه قوّام عليه". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فيما يجب الأجر على المستأجر ومالايجب: ۳۱۸/۲، رشيديه)

"وإن استأجرت المرأة زوجها ليخدمها، فهو جائز؛ لأن خدمتها غير مستحقة على الزوج. وقال فى كتاب الآثار: له أن يمتنع من الخدمة؛ لأنه يلحقه مذلّة بأن يخدم زوجته، وذلك عذر فى فسخ الإجارة .... ولو خدمها، كان له الأجر عليها". (المبسوط للسرخسى: ۲۲/۱٦، باب إجارة الرقيق، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۳۵/۴، الباب الحادى عشر فى الاستيجار للخدمة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۳) "گیسٹ ہاؤس، مہمان خانہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۹، فیروز سنز، لاہور)

اور اپنے ساتھ کوئی بھی لڑکی (عورت) لے کر دو یا تین گھنٹہ رہتے ہیں اور کمرہ کا بھاڑا، ۲۴/ گھنٹے کا چالیس یا پچاس روپیہ ادا کر دیتے ہیں۔ اور بک کرنے والے یہ کہتے کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں اور ان کے ساتھ زیادہ تر سامان بھی نہیں ہوتا۔ تو اس صورت میں گیسٹ ہاؤس کا بزنس (کاروبار) کرنا جائز ہے اور اس کی کمائی حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

مسافر خانہ بنانا اور اس میں ٹھہرنے کا کرایہ لینا درست ہے (۱)۔ اس کوشش کے باوجود کہ وہاں برائی نہ ہونے پاوے، پھر بھی اگر آنے والے برائی کریں تو مسافر خانہ والوں پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا اور کرایہ کی آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۸/۱/۹۶ھ۔

سرکاری ملازمت اور اس کی آمدنی

سوال [۸۱۰۲]: جن ملازم گورنمنٹ کو حکمِ شرع کا اختیار نہ ہو، مثلاً تحصیلدار نائب تحصیلدار وغیرہ۔ بظاہر یہ ﴿من لم یحکم بما أنزل الله﴾ الآیة (۳)۔ کے مصداق ہیں۔ پھر ان کی ملازمت کی جواز

---

(۱) "(قوله: وجاز إجارة بیت، الخ) هذا عنده أیضاً؛ لأن الإجارة علی منفعة البیت، ولهذا یجب الأجر بمجرد التسلیم". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۹۲/۶، سعید)

(۲) "وإذا استأجر الذمیّ من المسلم داراً یسکنها، فلا بأس بذلک، وإن شرب فیها الخمر، أو عبدَ فیها الصلیب، أو أدخل فیها الخنازیر، ولم یُلحق المسلمَ فی ذلک بأسٌ؛ لأن المسلم لا یؤاجر لذلک، إنما آجرها للسکنی، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۵۰/۴، باب فساد الإجارة، فصل فی الأجرة علی المعاصی، رشیدیه)

"وکذا فی کل موضع تعلق المعصیة بفعل فاعل مختار، ومن جملة ذلک لو اجر بیته لیتخذ فیه بیعةً أو کنیسةً أو بیت نار، یطیب له". (خلاصة الفتاوی: ۱۴۹/۳، الفصل العاشر فی الحظر والإباحة منه، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳۹۲/۶، فصل فی البیع من کتاب الحظر والإباحة، سعید)

(۳) (سورة المائدة: ۴۵)

کی کیا صورت ہو اور ان کا روپیہ دینی کاموں میں کس طرح پر صرف کرنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جن ملازمتوں میں خلافِ شرع حکم کرنے پر گورنمنٹ کی طرف سے ملازم مجبور ہوتا ہے وہ ملازمتیں اور ان کی آمدنی سب ناجائز ہیں، اگر تحصیلدار کا یہ حال ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے (۱)۔ ایسی ملازمت کا روپیہ دینی کاموں میں صَرف کرنے کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب مسکین کو دے دیا جائے، وہ ازخود کسی دینی کام میں دے دے (۲)۔ بظاہر ہر ملازمت کا یہ حال نہیں، تحقیق کرلیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جوتی بنانے کا پیشہ

سوال [۸۱۰۳]: جوتی بنانے کا کام کو شریعت منع تو نہیں کرتی، اگر کرتی ہے تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت اس کو منع نہیں کرتی ہے (۳)، البتہ معاملات میں صفائی اور پاکی کا اہتمام

---

(۱) "لايجوز أخذ الأجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر. وإن أعطاه الأجر وقبضه، لايحل له، ويجب عليه رده على صاحبه".

(مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۳۳/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۱۱۹/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإجارة الفاسدة: ۳۴/۸، رشيديه)

(۲) "والحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني عشر: ۴۷۴/۲، رشيديه)

(۳) جوتا بنانے کا پیشہ استصناع میں داخل ہے، اور صناعت کو فقہاء نے جائز لکھا ہے، بلکہ افضل پیشوں میں اس کا شمار کیا ہے:

"أفضل أسباب الكسب الجهاد، ثم التجارة، ثم الزراعة، ثم الصناعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "كل أنواع الكسب في الإباحة سواء".

(الدرالمختار، كتاب الصيد: ۴۶۲/۶، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع عشر في الكسب: ۹۶/۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفر لہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

ٹھیکیداری کا پیشہ

سوال[۸۱۰۴]: زید ٹھیکیدار ہے، اور ضمنیہ ٹھیکہ میں کام کرتا ہے اور منجانب حکومت ٹھیکیدار کی کوئی تنخواہ متعین نہیں ہے، اس لئے وہ کام انجام دے کر اس سے کچھ روپیہ بچا کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔ تو کیا زید کا اس سے روپیہ بچا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ٹھیکہ نہیں لے گا تو حکومت دوسرے کو دے دے گی اور دوسرا ٹھیکیدار زید کی طرح کام بھی نہیں کرتا، بلکہ اس سے زیادہ مال ہڑپ کر لیتا ہے۔ تو کیا زید ٹھیکیداری چھوڑ دے، یا اگر زید ایسا کرے کہ جو مال بچاتا ہے وہ غریب مسلمانوں میں تقسیم کردے تاکہ مسلمانوں کی مالی حالت سدھر جائے تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حکومت نے جس کام کا ٹھیکہ دیا اور زید نے اس کو منظور کر لیا کہ اتنے روپے لوں گا اور کام کر دوں گا تو یہ درست ہے، پھر روپیہ اس میں برابر خرچ ہو یا کم زیادہ خرچ ہو سب درست ہے، جیسے ایک شخص کتابوں کی جلد بندی کرتا ہے اور روپیہ طے کر لیتا ہے، اس میں سامان زیادہ روپیہ کا لگے یا کم کا سب طرح درست ہے(۲)۔ کوئی

---

(۱) "المراد من قولهم: "كل أنواع الكسب في الإباحة سواء" أنهما بعد أن لم تكن بطريق محظور لايذمّ بعضها وإن كابعضها أفضل من بعض". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/ ۴۶۲، سعيد)

(۲) "والإجارة لاتخلوا: إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذا كان العمل ممالايصلح أو له إلا بآخره، وإن كان يصلح أوله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ماعمل". (النتف في الفتاوىٰ، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعيد)

"استأجره ليبني له حائطاً بالآجرّ والجص وعُلم طوله وعرضه ، جاز .... ولو استأجره لحفر البئر إن لم يبيّن الطول والعرض والعمق، جاز استحساناً، ويؤخذ بوسط مايعمله الناس، كذا في الوجيز للكردري". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس، الفصل الرابع: ۴/ ۴۵۱، رشيديه)=

مکان تعمیر کرانا ہو یا سڑک بنوانا ہو سب کا یہی حال ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۱۴۰۱ھ۔

ملازمت کے وقت میں دوسرا کام

سوال[۸۱۰۵]: ملازم پیشہ جس نے اپنا پورا وقت ماہانہ ملنے والی تنخواہ کے عوض لگا رکھا ہے۔ اگر وہ بوقتِ فرصت یا ڈیوٹی خالی ہونے کے وقت کچھ کام کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کام کی ہے کہ اتنا کام کرنا ہوگا تب تو خالی وقت میں اپنا کام کرنا درست ہے۔ اگر ملازمت وقت کی ہے تو درست نہیں، إلا یہ کہ اجازت ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۴/ ۶/ ۸۷ھ۔

تنخواہ دار مدرس اجیرِ خاص ہے یا اجیرِ مشترک؟

سوال[۸۱۰۶]: تنخواہ دار مدرس اجیرِ خاص ہوتا ہے یا اجیر مشترک؟ اور انتفاع کے لئے مدرسہ نے جو چیزیں اس کے حوالہ کی ہیں، مثلاً پنکھا وغیرہ ان چیزوں کا وہ مدرس امین ہوتا ہے، یا شرعاً اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، البحث الخامس في الاستصناع والاستجارة على العمل: ۵/ ۷۴، رشيديه)

(۱) قال العلامة القاضي أبو الحسن علي بن حسين بن محمد السغدي: "والإجارة لاتخلوا: إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل .... وان وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت إن هو استعمله أو لم يستعمله، وبمقدار مامضى من الوقت تجب الأجرة". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، معلومية الوقت والعمل، ص: ۳۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة: ۴/ ۴۱۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/ ۶۹، ۷۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

جب مدرس کے لئے اوقات متعین کر دیئے گئے تو ان اوقات میں وہ اجیر خاص ہے، ان اوقات میں اس کو دوسرا کام اجارہ پر کرنا جائز نہیں (۱)، بغیر اجارہ کے معمولی مختصر سا کام جس پر عرفاً چشم پوشی کی جاسکتی ہے کہ اس سے مدرسہ کے کام میں کوئی معتد بہ حرج نہ ہو، یا وہ ضروریات میں سے ہو، اس کی اجازت ہے، جیسے مثلاً: کوئی معمولی خط لکھ دیا، یا پیشاب پاخانہ کی ضرورت پیش آ گئی (۲)۔

---

(۱) "الثاني: وهو الأجير الخاص، ويسمى أجير وحد، و هو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص .... كمن استؤجر شهراً للخدمة، أو شهراً لرعي الغنم المسمى بأجر مسمى .... وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل". (الدرالمختار: ۶/۶۹، ۷۰، باب ضمان الأجير، كتاب الإجارة، سعيد)

قال الشيخ سليم رستم باز: "الأجير على قسمين: الأول الأجير الخاص، وهو الذى استؤجر على أن يعمل للمستأجر فقط، كالخادم مشاهرةً، عملاً مؤقتاً بمدة معلومة، ليخرج نحو الخياط إذا عمل لواحد و لم يذكر مدةً، ومخصوصاً ليخرج نحوالراعي". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۳۶، الباب الأول، كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۲۲)، الباب الأول في الضوابط العمومية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳/۲۹۶، كتاب الإجارة، بابٌ: متى الأجير يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وإن لم يخرج من المصر فإن اشتغل بكتابة علم شرعي، فهو عفوٌ .... و فيه أيضاً: إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعاً أو نحوه، أو لمصيبة، أو لاستراحة، لا بأسَ به، و مثله عفوٌ في العادة والشرع". (ردالمحتار: ۴/۴۱۸، ۴۱۹، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة، كتاب الوقف، سعيد)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وليس للخاص أن يعمل لغيره". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "بل ولا أن يصلي النافلة .... وقد قال بعض مشايخنا: له أن يؤدي السنة أيضاً، واتفقوا أنه لا يؤدي نفلاً، وعليه الفتوى. قال أبو علي الدقاق: لا يمنع في المصر من إتيان الجمعة، ويسقط من الأجر بقدر اشتغاله إن كان بعيداً، وإن قريباً لم، يحط شئ". (ردالمحتار: ۶/۷۰، مطلب: ليس للأجير الخاص أن يصلي النافلة، كتاب الإجارة، سعيد)

جو چیزیں اوقاتِ درس میں استعمال کرنے کے لئے دی جائیں، مثلاً: بچھانے کے لئے دری دی، یا گدا، یا پنکھا، یا قلم وغیرہ، مدرس کو مدرسہ کے کام میں ان چیزون کے استعمال کا حق ہوتا ہے، مگر امانت ودیانت کے ساتھ احتیاط سے استعمال کرے کہ خراب یا ضائع نہ ہوجائیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے تنخواہ نہیں ملی، اب روپیہ ہونے کی صورت میں ان کو وصول کرنا

سوال[۸۱۰۷]: زید نے ایک امدادی مدرسہ میں تمام گاؤں والوں کے رکھنے سے مبلغ چھ روپیہ ماہانہ طے پا کر تعلیم کا کام شروع کیا اور تقریباً تین سال تک برابر اپنے فرضِ منصبی کو انجام دیتا رہا۔ اس درمیان میں تنخواہ بھی وصول ہوتی رہی، روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے اکثر کئی کئی ماہ کی تنخواہ ایک دم ضرور ملی، لیکن حساب صاف ہوتا رہا، زید بھی اپنے کام میں مشغول رہا۔

اس تین سال کی زندگی کے بعد ایک شخص کہتا ہے میں آپ کی تنخواہ کا ذمہ دار نہیں، گاؤں والے دیں، یا نہ دیں۔ زید نے اس ایک شخص کے کہنے پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی اور یہ خیال کیا کہ یہ وصولیابی کی پریشانیوں کی وجہ سے کہتا ہے، زید کو یہ وہم بھی نہ گزرا کہ معاملہ ختم ہی ہوجائے گا، بہر حال تمام گاؤں والے ذمہ دار تھے تو ایک شخص کا کہنا کیا معنی رکھتا ہے اور رہی تنخواہ سوایسی ہی تاخیر ہوتی رہتی تھی۔

غرض کہ ایک سال یوں ہی گزر گیا، تنخواہ کا مطالبہ کیا تو مہتمم صاحب مدرسہ فرماتے ہیں کہ روپے ہی نہیں، کہاں سے دیا جائے۔ یہ واقعہ ہے اس مجبوری پر علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اب مدرسہ ہذا میں کافی روپیہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "شرط الواقف كنص الشارع: أى فى المفهوم والدلالة". (الدر المختار: ۴/ ۴۳۳، كتاب الوقف، سعيد)

"إن أراد إنسان أن يدرّس الكتاب بسراج المسجد، إن كان سراج المسجد موضوعاً فى المسجد للصلاة، قيل: لا بأس به، وإن كان موضوعاً فى المسجد لا للصلاة بأن فرغ القوم من صلاتهم، وذهبوا إلى بيوتهم، وبقى السراج فى المسجد، قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل، وفيما زاد على الثلث لا يكون له حق التدريس". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۴۵۹، الباب الحادى عشر، الفصل الأول، رشيديه)

موجود ہے۔ اگر زید اپنی اس ایک سالِ ماضیہ کی تنخواہ کا مطالبہ کرے، کیا وہ حق بجانب ہے؟ درصورت اس بات گاؤں والے مدرسہ کے لالچ کی وجہ سے اگر انکار کریں تو عندالشرع وہ کس درجہ کے مجرم ہیں اور کس سزا کے مستحق ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ زید نے تمام گاؤں والوں کے رکھنے سے ملازمت اختیار کی ہے تو صرف ایک غیر ذمہ دار شخص کے اس کہنے کی وجہ سے کہ "میں آپ کی تنخواہ کا ذمہ دار نہیں، گاؤں والے دیں یا نہ دیں" ملازمت ختم نہیں ہوئی۔ لیکن اگر وہ شخص ذمہ دار تھا اور تمام گاؤں والوں نے جن سے ملازمت کا معاملہ طے ہوا تھا اس کو اپنے نائب یا وکیل یا مختارِ کل بنا دیا تھا تو ملازمت کا معاملہ ختم ہو چکا تھا (۱)۔ اس آخر صورت میں مطالبہ بے ضابطہ ہے اور پہلی صورت میں اگر مہتمم صاحب سے علیحدگی کے وقت ایک سال کی تنخواہ کا مدرسہ کے ذمہ قرض دینا قرار پایا ہے تب تو مطالبہ کا حق حاصل ہے (۲)۔ اگر مدرسہ کے ذمہ قرض دینا قرار نہیں پایا، بلکہ زید ابراء کر چکا تھا تو اب مطالبہ کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ رجب/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "وتفسخ بالقضاء والرضاء. ظاهره أنه شرط فی خیار الشرط والرؤیة والعیب والعذر؛ لأنه ربطه بالکل". (ردالمحتار: ۷۶/۶، باب فسخ الإجارة، سعید)

"إذا تحقق العذر، ومست الحاجة إلی النقض، هل یتفرد صاحب العذر بالنقض أو یحتاج إلی القضاء أوالرضاء، اختلفت الروایات فیه: والصحیح أن العذر إذا کان ظاهراً، یتفرد، وإن کان مشتبهاً لا یتفرد". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۵۸/۴، الباب التاسع عشر فی فسخ الإجارة، رشیدیه)

(۲) "فصل فی القرض: هو عقد مخصوص: أی بلفظ القرض ونحوه، یَرِد علی دفع مال لآخر، لیردّ مثله". (الدرالمختار: ۱۶۱/۵، فصل فی القرض، کتاب البیوع، سعید)

(۳) "إذا أبرأ واحد آخر من حق، سقط ذلک الحق، ولا یبقی له أن یدعی به. هذا إذا کان الحق مما یسقط بالإسقاط، کالدین وحق المرور وحق الشفعة". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۸۴۸/۲، (رقم المادة: ۱۵۶۲)، الفصل الثانی فی المسائل المتعلقة بأحکام الإبراء، مکتبه حنفیه کوئٹه)

غیر حاضری کی تنخواہ ملازم کے لئے

سوال[۸۱۰۸]: ملازمِ وقف دودن کی رخصت لیکر گیا اور چھ روز میں آیا۔ دریافت یہ ہے کہ ملازم کو اس چاردن کی تنخواہ لینی کیسی ہے اور متولی کو دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کے شرائط میں یہ ہے کہ بلاتحصیلِ رخصت غیر حاضری پر تنخواہ وضع ہوگی تو صورت مسئولہ میں تنخواہ وضع کی جائے گی۔ اگر شرائط میں کچھ مدت بلاتحصیلِ رخصت چھٹی پر رہنے اور حاضر نہ ہونے کی بھی موجود ہے تو اس مدت کی تنخواہ وضع نہ ہوگی، زائد کی وضع ہوگی (۱)۔ غرض حسبِ شرائط عمل کیا جائے جب کہ وہ موافقِ شرع ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مشاہرۂ تنخواہ میں دنوں کا اعتبار ہوگا

سوال[۸۱۰۹]: زید نے اکتوبر میں کسی مدرسہ میں مدرّسی اختیار کی درمیانِ ماہ میں، تو اس کو

---

(۱) "أما لو شرط شرطاً، تبع كحضور الدرس أياماً معلومةً في كل جمعة، فلا يستحق المعلوم إلا من باشر، خصوصاً إذا قال: من غاب عن الدرس، قطع معلومه، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۱۹، كتاب الوقف، مطلب: فيما إذا قبض المعلوم و غاب قبل تمام السنة، سعيد)

"ولكن تقديم المدرس إنما يكون بشرط ملازمته للمدرسة للتدريس الأيام المشروطة في كل جمعة، ولذا قال: للمدرسة؛ لأن مدرسها إذا غاب، تعطلت .... و حاصله أنه ينظر إلى ما شرطه الواقف له، وعليه من العمل، و يقسم المشروط على عمله". (البحر الرائق: ۵/۳۵۸، كتاب الوقف، رشيديه)

(و كذا في النتف في الفتاوى، ص:۳۳۸، نوع: معلومية الوقت والعمل، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع في المفهوم والدلالة". (الدر المختار: ۴/۴۳۳، كتاب الوقف، سعيد)

(و كذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۵۹، مطلب في وجوب اتباع شرط الواقف، كتاب الوقف، مكتبه حقانيه پشاور)

کتنے دن کی، کتنے وقت کی کفایت ملے گی جب کہ مہینہ ۳۱/ کا ہے؟ دارآنحالیکہ ۱۲/ سے اس نے درس دینا شروع کیا ہے، اکتیسواں ماہ کا بیس دن بنا ہے جب کہ ۲۹/ اور ۳۱/ دونوں کے ماہ سے پورے ماہ کی تنخواہ ۳۰/ دن کی ہوتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جومہینہ جتنے دن کا ہوتا ہے اتنے ہی دن کی تنخواہ کا حق ہوگا، اس میں کچھ الجھاؤ کی بات نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۱۴۰۶ھ۔

حکم کے لئے حقِ محنت اورفریقین کے یہاں کھانا

سوال[۸۱۱۰]: زیداورعمردونوں میں نزاع ہوا، بکرکودونوں نے فیصل مان لیا، بکرنے کہا کہ میری ایک شرط ہے، اگرتم دونوں راضی ہوتو فیصلہ کرنے پرتمہیں اس نزاع میں مجھ کودس روپیہ دینا ہوگا۔ دونوں راضی ہوگئے، لیکن شرط میں کھانے پینے کی کوئی بات نہ تھی، مگر بکرنے دونوں کے گھر میں کھایا، یاایک کے گھر میں کھایاتو بکرکے لئے یہ سب جائز ہے یانہیں؟

---

(۱) "وأول المدة ما سمي إن سمي، وإلا فوقت العقد، فإن كان العقد حين يهل: أى يبصر الهلال، اعتبر الأهلة، وإلا فالأيام، كل شهرٍ ثلاثون. وقالا: يتمّ الأول بالأيام: والباقي بالأهلة". (الدرالمختار: ۶/ ۵۱، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وإذا عقدت الإجارة في أول الشهر على شهر واحد، أو أكثر من شهر، انعقدت مشاهرةً، وفي هذه الصورة: يلزم دفع أجرة شهر كامل وإن كان الشهر ناقصاً عن ثلاثين يوماً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۷۲/۱، كتاب الإجارة، الفصل الرابع، (رقم المادة: ۴۸۸)، الباب الرابع في المسائل التي يتعلق بمدة الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۱۵، الباب الثاني في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، كتاب الإجارة، رشيديه)

الجواب حامداًومصلياً:

روپیہ بطورِ خدمت ومحنت لینا درست ہے(۱)، کھانا ایک فریق کے یہاں ٹھیک نہیں، اس میں رشوت کا شائبہ ہے(۲)، اگر دونوں فریق کا کھانا کھایا تو درست ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۵/۹/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۶/۹/۹۲ھ۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے شیعہ کو ملازم رکھنا

سوال[۸۱۱۱]: ایک شخص کو قبرستان میں ملازم رکھا ہے حفاظت کے لئے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "يستحق القاضي الأجر". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قيل: على المدعي؛ إذ به إحياء حقه .... وقيل: على المدعى عليه .... وقيل: على مَن استأجر الكاتب". (ردالمحتار: ۶/۹۲، مسائل شتى، كتاب الإجارة، سعيد)

"تلزم الأجرة باستيفاء المنفعة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة، الباب الثالث، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بلزوم الأجرة: ۱/۲۶۲، (رقم المادة: ۴۶۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فإن وقعت على عمل معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل، إذا كان العمل ممالا يصلح أوّلُه إلا بآخره، وإن كان يصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف في الفتاوىٰ، ص:۳۳۸، مطلب: معلومية الوقت والعمل، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويرد هدية إلا من قريبه، أو ممن جرت عادته بذلك، ويرد إجابة دعوة خاصةً، وهي التي لا يتخذها صاحبها لو لاحضور القاضي .... فلو عامةً، له حضورها لو لا خصومة لصاحبها". (الدر المختار). "منه قوله: (ويرد هدية) قال عمر بن عبد العزيز رحمه الله تعالىٰ: كانت الهدية على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هديةً، واليوم رشوة، ذكره البخاري". (ردالمحتار: ۵/۳۷۲، ۳۷۴، مطلب في هدية القاضي، كتاب القضاء، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الفصل الثاني: ۵/۱۴۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳۳۰، كتاب القضاء، رشيديه)

شیعہ ہے، مگر معاملات بہت صاف ہیں، حفاظت خوب کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے آدمی کو رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس سے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہیں تو اس کو ملازم رکھنا درست ہے (۱)، اگر کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ ہے، یا احتمال ہے کہ سنیوں کی قبروں کا احترام نہیں کرے گا، بلکہ بے حرمتی کرے گا تو اس کو ملازم رکھنا درست نہیں (۲)۔ تاہم اس سے بہتر اچھے عقائد کا آدمی اگر مل جائے تو اس کو رکھنا زیادہ اچھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/شوال المکرّم/ ۵۹ھ۔

حکومت سے اپنا حقِ تنخواہ وصول کر لینا

سوال[۸۱۱۲]: ناچیز نے بصیغۂ بیماری رخصت پندرہ یوم نصف تنخواہ پر لی تھی اور اخبار میں گزٹ

---

(۱) "لا بأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملةٌ إذا كان مما لا بد منه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۵، الباب الرابع عشر فی أهل الذمة وأحكامهم، كتاب الكراهية، رشيديه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانةً من دونكم﴾ (سورة آل عمران: ۱۱۶)

قال أبوبكر الجصاص رحمه الله: "فنهى الله تعالیٰ المؤمنين أن يتخذوا أهل الكفر بطانةً من دون المؤمنين، وأن يستعينوا بهم فی خواص أمورهم. وأخبرعن ضمائر هؤلاء الكفار للمؤمنين، فقال: ﴿لا يألونكم خبالاً﴾ يعنی لا يقصرون فيما يجدون السبيل إليه من إفساد أموركم؛ لأن الخبال هو الفساد". (أحكام القرآن، باب الاستعانة بأهل الذمة، (سورة آل عمران: ۱۱۶): ۵۴/۲، قديمی)

"وكذلک كتب عمر رضی الله تعالیٰ عنه إلی أبی موسی رضی الله تعالیٰ عنه ينهاه أن يستعين بأحد من أهل الشرک فی كتابته، و تلا قوله تعالیٰ: ﴿لا تتخذوا بطانةً من دونكم، لا يألونكم خبالاً﴾. (أحكام القرآن للجصاص: ۱۴۶/۳، فی تمييز الطبقات، قديمی)

(وكذا فی بدائع الصنائع: ۳۹۶/۹، كتاب الجهاد، فصل فی بيان مايجب علی الغزاة، دارالكتب العلمية بيروت)

بھی ہوگیا کہ بصیغۂ بیماری رخصت نصف تنخواہ پر منظور ہوگی، مگر وصولیٔ تنخواہ پر محکمہ سے پوری ملی، نصف تنخواہ وضع نہیں کی گئی جو بذمۂ بندہ واجب الاداء ہے، جس کو عرصہ دوسال کا گذر چکا ہے۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو لگان یعنی ٹھیکہ نقد مالیہ زمین کا سرکار ہم سے ششماہی وصول کرتی ہے غالباً وہ شرعاً ظلم ہے تو اگر یہ نصف تنخواہ اس ٹھیکہ میں محسوب کرکے رکھ لی جائے اور داخلِ خزانہ نہ کی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

اسکول کے دیگر اساتذہ کی تنخواہ کمیٹی سے وصول ہوتی ہے اور میری تنخواہ خزانہ صدر مقام یعنی دارالخلافہ سے وصول ہوکر آتی ہے۔ اس کے متعلق پوری پوری تشفی فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنا حق وصول کرنا شرعاً درست ہے، جس طرح سے لیا گیا ہے اسی طرح سے وصول کرلے، یا دوسرے طریقہ سے (۱)، لیکن ریاستِ اسلامیہ کی زمین کا حال ہمیں معلوم نہیں، انگریزی حکومت کی زمین پر اس کو قیاس کرنا درست نہیں، لہٰذا وہاں کے لگان کے متعلق ظلم یا غیر ظلم کا حکم نہیں لگا سکتے۔

تنخواہ کا معاملہ صاف ہے کہ تراضیٔ طرفین سے قرار پایا ہے (۲) اور لگان کا معاملہ تحقیق طلب ہے، لہٰذا مشکوک ہے، پس حق مشکوک کے عوض حق یقینی کو ساقط کرنا خلافِ احتیاط ہے، لہٰذا حق واجب الاداء کو ادا کرنا یقینی براءت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "فاذا ظفر بمال مديونه له الأخذ ديانة بل له الأخذ من خلاف الجنس على ما نذكره قريباً".
(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۹۴، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراضٍ منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"وأما مايرجع إلى العاقد: فرضا المتعاقدين، لقوله عزوجل: ﴿يأيها الذين اٰمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراضٍ منكم﴾ والإجارة تجارة؛ لأن التجارة تبادل المال بالمال؛ والإجارة كذلك؛ ولهذا يملكها المأذون وأنه لايملك ماليس بتجارة، فثبت أن الإجارة تجارة، فدخلت تحت النص". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۵/۵۳۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "اليقين لايزول بالشك". .... =

باغ کو کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۱۳]: اگر کوئی شخص ایسے باغ کو کہ جس کے اندر اس کی زمین کو کاشت کیا جا سکتا ہے اس زمین کو پھل کے آنے سے پہلے دس بیگہ زمین کو سو روپیہ فی بیگہ کے حساب سے ایک سال کو دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایک ایسے باغ کو جس کے اندر کاشت نہیں ہو سکتی اور اس باغ کو پھل آنے سے پہلے قاعدہ مذکورہ کے مطابق دے سکتا ہے یا نہیں؟ کیا دونوں کو پھل آنے سے پہلے دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایک ایک باغ کو دے سکتا ہے یا کون سے کو دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین کو مقررہ کرایہ پر لینا دینا مدت مقررہ ایک سال کے لئے شرعاً درست ہے خواہ وہ کاشت کے قابل ہو یا نہ ہو(۱)۔ باغ (درختوں) کو کرایہ پر لینا دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۹۰ھ۔

= "ومن فروع ذلک مالو كان لزيد على عمرو ألف مثلاً فبرهن عمرو على الأداء أو الإبراء، فبرهن زيد على أن له عليه ألفاً لم تقبل. في فتح القدير: علمنا لزيد على عمرو ألفاً فأقام عمرو بينته بالأداء أو الإبراء، فأقام زيد بينته أن عمروا أقر له بألف مطلقا، لم يثبت بهذه البينة شئ، لاحتمال أن الألف الذي أقربه هو الألف الذي علمنا وجوبه وقامت البينة بإبرائه، فلا تشتغل ذمته بالاحتمال". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، (القاعدة الثالثة، اليقين لايزول بالشک): ۱/۱۹۳-۱۹۹، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "(و) تصح إجارة أرض (للبناء والغرس)، وسائر الانتفاعات كطبخ. آجر وخزف، ومقيلا، ومراحا حتى تلزم الأجرة بالتسليم، أمكن زراعتها أم لا". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافا فيها: ۶/۳۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۸/۱۸، رشيديه)

(۲) "ومن استأجر أرضاً فيما زرع ورطبة أو شجر وقصب أو كرم أو مايمنع من الزراعة، فالإجارة فاسدة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۰، مكتبه حبيبيه)

"وإذا عرف أن الإجارة بيع المنفعة فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لاتجوز إجارة =

مکان کی پگڑی

سوال[۸۱۱۴]: ا......مکان کی پگڑی لینا جائز ہے یا نہیں، جبکہ بمبئی جیسے شہر میں مکان ملنا جوئے شیر(۱) لانے کے مترادف ہے؟

۲......مکان مالک، کرایہ دار کے تبدیل ہوتے وقت ایک کرایہ دار کے نام سے دوسرے کرایہ دار کے نام پر کرایہ کا بل تبدیل کرنے کا معاوضہ طلب کرتے ہیں، ساتھ ہی کرایہ میں کچھ مخصوص تناسب کے لحاظ سے بڑھا دیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا......مالکِ مکان اگر کرایہ پر دیتے وقت کہے کہ اتنی رقم یکمشت پیشگی لوں گا اور پھر اتنی ماہانہ لوں گا اور پھر اتنی سالانہ لونگا تو اس کی گنجائش ہے(۲)، لیکن کرایہ دار مکان کے خالی کرنے کے لئے، یا دوسرے کرایہ دار کو اپنی طرف سے دینے کے لئے پگڑی لے تو اس کی اجازت نہیں (۳)۔

= الشجر". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في ركن الإجارة ومعناها: ۵/۵۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "جوئے شیر: وہ نہر جو فرہاد (کوہکن) نے اپنی محبوبہ شیریں کے لئے پہاڑ میں کھودی تھی، اس کے ذریعے بکریوں کا دودھ شیرین کے محل کے ایک حوض میں پہنچتا تھا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۴۸۶، فيروز سنز، لاهور)

(۲) "يُعتبر و يراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة و تأجيلها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۵، الفصل الثاني من كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۷۳)، دارالكتب العلمية بيروت)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلةً، لزم المستأجر تسليمها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۹، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۳) "ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلالٌ للدافع، حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية: ۵/۳۶۲، سعيد)

۲...... مالکِ مکان کواس کا بھی حق ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۸۹ھ۔

مکان کی پگڑی

سوال[۸۱۱۵]: جوپگڑی پردکانیں دی جاتی ہیں، یالی جاتی ہیں، کیا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو صورتِ جواز کیا ہوسکتی ہے اور اگر ناجائز ہے تو کس وجہ سے ناجائز ہے؟ نیز ایک آدمی کے قبضہ میں دکان عرصہ طویل سے تھی، اب وہ شخص بیمار ہوکر تقریباً چار پانچ سال سے گھر پڑا ہوا ہے اور دکان بند پڑی ہے، اور وہ شخص اس دکان کا کرایہ ادا کرنا مفت کا سمجھتا ہے، چونکہ وہ بیمار پڑا ہے گھر پر۔ تو کیا وہ شخص اس دکان کو پگڑی پر دے کر کرایہ وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور پگڑی کا یہ طریقہ کثرت سے رائج ہے عوام میں، کسی کی تو پانچ سو ہوتی ہے اور کسی کی چارسو اور کسی کی چار ہزار ہوتی ہے، کسی کی پانچ ہزار، گوموقع محل کے اعتبار سے ادا کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مالکِ دکان اپنی دوکان کسی کو کرایہ پر اس طرح دے کہ مثلاً کہ یہ دکان ایک سال کے لئے کرایہ پر دیتا ہوں، بیس روپیہ ماہوار کرایہ ہوگا اور چارسو روپیہ پگڑی کے، اور ایک ماہ کا کرایہ پیشگی لوں گا تو یہ صورت درست ہے(۱)۔ اور یہ کہا جائے کہ عموماً سال میں سے پہلے مہینہ کا کرایہ چارسوبیس روپیہ ہیں جو پیشگی ہے، باقی گیارہ مہینہ کا کرایہ بیس روپے ماہانہ ہے، کرایہ دار کے لئے اس چیز کی اجازت نہیں کہ جتنے کرایہ پر خود دوکان لی ہے اس

---

(۱) "يعتبر و يراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة و تأجيلها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۵، الفصل الثاني، كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلةً، لزم المستاجر تسليمها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"إذا كان الأجرة موقتةً بوقتٍ معينٍ كالشهرية أو السنوية، يلزم إيفاؤها عند انقضاء ذلك الوقت، فلو كانت مشاهرةً فتؤدى عند نهاية الشهر. وإن كانت مسانهةً ففي ختام السنة". (شرح المجلة: ۱/۲۶۵، (رقم المادة: ۴۷۶)، الفصل الثاني، كتاب الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۳، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، رشيديه)

سے زائد کرایہ پر کسی کو دے اور پگڑی لے، یا مالک اگر خالی کرائے تو اس سے پگڑی لے۔

البتہ اگر کرایہ دار نے دوکان کی حیثیت کو بڑھا دیا مثلاً اس میں الماریاں لگوادیں، یا اَور کوئی ایسا تصرف کیا جس سے دوکان کی شان بلند ہوگئی تو اس کے موافق پگڑی کا نام یا اضافۂ کرایہ کے نام سے لینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۹/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۸/۹۰ھ۔

مکان کرایہ پر دینے کے لئے پگڑی

سوال[۸۱۱۶]: آج کل مالک مکان یا دوکان کرایہ پر جائیداد دیتے وقت ۲۵،۳۰/ ہزار پگڑی بھی لیتے ہیں اور بعدہ طے شدہ کرایہ ماہ بماہ یا سال بسال ادا کرتے ہیں تو یہ پیشگی رقم تو خالی عن العوض ہے۔ یہ پگڑی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجرت کی دو قسمیں قرار دے لی جائیں: ایک معجّل جس کی یکمشت مقدار متعین ہو، دوسری قسط وار ہر ماہ یا ہر سال ہے۔ اول کو عرف میں پگڑی کہتے ہیں، ثانی کو کرایہ داری کہتے ہیں۔ اس طرح اگر مالک مکان یا دوکان کسی کو کرایہ پر دے تو بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا في مسئلتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً بأن جصّصها، أو فعل فيها مسناة، و كذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح". (الدرالمختار: ۲۹/۶، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكرية: ۴۲۵/۴، الباب السابع في إجارة المستأجر، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱۴۵/۳، كتاب الإجارة، الجنس الثاني، رشيديه)

(۲) "يعتبر ويراعى كل ماشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۶۵/۱، الفصل الثاني من كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإذا كان الأجرة مؤقتة بوقت معين كالشهرية أو السنويّة، يلزم إيفاء ها عند انقضاء ذلك =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۵/ ۸۷ھ۔



= الوقت فلو كانت مشاهرة فتؤدى عند نهاية الشهر، وإن كانت مسانهة ففى ختام السنة".

(شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۲۶۵، كتاب الإجارة، الفصل الثانى، (رقم القاعدة: ۴۷۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثانى فى بيان أنه متى تجب الأجرة: ۴/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/ ۹، رشيديه)

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

کٹے ہوئے کھیت سے کھیتی کاٹنے کی اجرت

سوال[۸۱۱۷]: کاشتکاروں کے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ کھیتی کٹانے کے وقت مزدوروں سے یہ کہہ کر کھیتی کٹاتے ہیں: ''اس کو گاہنے کے بعد اسی سے تمہاری مزدوری دی جائے گی''۔ یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز ہے، اگر یہ شرط نہ کی جائے کہ اسی غلہ سے تمہاری مزدوری دی جائے گی، بلکہ کچھ مقدار غلہ کی طے کرلی جائے تو جائز ہے اگر چہ بعد میں اسی غلہ سے مزدوری دے دی جائے:

"صورة قفيز الطحان أن يستأجر الرجل من اخر ثوراً ليطحن بها الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيزٌ من دقيقها، أو استأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أوما أشبه ذلك، فذالك فاسدٌ. والحيلة فى ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل: من هذه الحنطة". عالمگیری: ۱۱۳/۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ربیع الأول/۵۵ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۴/۴، الفصل الثالث فى قفيز الطحان و ما فى معناه من كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى فتاویٰ قاضى خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۳۲/۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۵۳۹/۳، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

کھیت کٹائی کی مجہول اجرت

سوال[۸۱۱۸]: اس وقت فصل گندم کٹ رہی ہے اوراس میں جو کاٹنے والے جاتے ہیں اوران کو شام کومحنت جو''لائی''بولی جاتی ہے، مالک دیتا ہے(۱) جس کا کوئی کسی قسم کا تول نہیں ہوتا، وہ جائز ہے یا ناجائز اور لائی کاٹنی جائز ہے یا ناجائز اوراس کا کھانا کس طرح درست ہوسکتا ہے اورکس پر کاٹنا درست ہے؟ اگر کوئی صورت ہو، ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کھیتی کاٹنے کی مزدوری جائز ہے اگر اجرت متعین ہے۔ اور اگر کسی نے اجرت متعین نہیں کی اورمحنت دیتے وقت جھگڑا ہوا، مزدور نے کہا کہ یہ کم ہیں، مالک نے کہا کہ کم نہیں بلکہ زائد ہیں تو یہ اجارہ فاسدہ ہے:

"تفسد الإجارة بجهالة المسمى و بعدم التسميه". درمختار: ۲/۱۷۷(۲)۔

اسی طرح اگر اجرت کے متعلق شرط کرلی ہے کہ جو گندم کاٹے گا اسی میں سے اجرت دی جائے گی، یہ بھی اجارہ فاسدہ ہے،لأنه عليه الصلوة والسلام "نهى عن قفيز الطحان"(۳)۔

جواز کی صورت یہ ہے کہ اجرت اور عمل دونوں کو متعین کرلیا جائے اور مزدوری کے متعلق شرط نہ کی جائے کہ اسی اناج سے ہوگی جس کو کاٹے گا:

"الحيلة أن يفرز الأجر أولاً، أويسمى قفيزاً بلا تعيين، ثم يعطه قفيزاً منه، فيجوز". درمختار: ۲/۱۷۷(٤)۔

---

(۱) ''لائی: فصل کا کاٹنا''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۴۵، فیروز سنز لاهور)

(۲) (الدرالمختار: ۶/۴۸، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) "والأصل في ذلك نهيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: عن قفيز الطحان، اهـ". (الدرالمختار: ۶/۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۴) (الدرالمختار، المصدر السابق)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۵، باب الإجارة الفاسدة، النوع الثالث في الدواب، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۴۴، الفصل الثالث في قفيز الطحان، كتاب الإجارة، رشيديه)

اس طرح جو اناج مزدوری میں ملے گا اس کا کھانا جائز ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، عفی عنہ۔

بندہ عبدالرحمٰن، عبداللطیف، ۶/محرم الحرام/۵۱ھ۔

کھیت کا ساتواں یا دسواں حصہ اجرت میں دینا

سوال[۸۱۱۹]: اگر کاشتکار کھیت کاٹنے کے لئے مزدوروں کو مقرر کرلیتا ہے اس بات پر کہ تم لوگ میرے دھان کاٹ کر میرے گھر میں لاکر گاہنے کے بعد جتنا دھان ہوگا ساتواں حصہ یا دسواں حصہ تم لوگوں کا ہوگا اور باقی مالک کا۔اور اس طرح کاشتکار اپنے کھیت سے مع مونگ کی دال اور مسور کی دال پر ساتواں یا دسواں حصہ مقرر کرتے ہیں اور اسی حصہ مقررہ پر توڑتے ہیں۔تو ان صورتوں میں کھیتوں کا توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں ناجائز ہے،لأنه في معنى قفيز الطحان و قدورد النهي عنه(۱)۔جواز کی صورت یہ ہے کہ اجرت میں قیمت مقرر کی جاوے، یا فی من کے حساب سے مقرر کی جاوے،مثلاً: ایک من پر ایک سیر یا دو سیر دیں گے اور یہ شرط نہ ہو کہ جو تم کاٹو گے اس میں سے دینگے خواہ ایک روز قبل کی کاٹی ہوئی رکھی ہوئی میں سے دیں یا بازار سے لے کر،غرض شرط مذکورہ نہ ہو۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أي بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزءٍ من عمله، والأصل في ذلك نهيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن قفيز الطحان .... والحيلة أن يفرز الأجر أولاً أو يسمي قفيزاً بلا تعيين، ثم يعطيه قفيزاً منه، فيجوز". (الدرالمختار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۵/۵، باب الإجارة الفاسدة، النوع الثالث في الدواب منه، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

کھیت کی کٹائی کی اجرت

سوال[۸۱۲۰]: اگہن ماه(۱) میں جونوکر دھان کٹوانے کے لئے رکھا جاتا ہے اس کی اجرت بھی اس کے کٹے ہوئے دھان سے ادا کی جاتی ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں، اگر نا جائز ہے تو حیلہ کے ساتھ جائز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس طرح معاملہ طے کیا جاتا ہے کہ اپنے دھان کاٹنے پر مجھ کو تیرے آج کاٹے ہوئے دھان میں سے اس قدر دیں گے تو اجارہ فاسدہ ہے۔ اگر اجرت میں مطلقاً دھان دینے کو کہا جاتا ہے اور یہ قید نہیں ہوتی کہ جو تو کاٹے گا، انہی میں سے دیں گے، یا مثلاً جو دھان کل یا پرسوں یا پہلے کے اس کے کاٹے ہوئے ہیں، اس کاٹے ہوئے میں سے قرار پاتا ہے تو یہ جائز ہے:

"وفسد استيجار حائك ينسج له غزلاً بنصفه: أي بنضف الغزل أو ثلثه، أو استيجار حمار ليحمل عليه طعاماً بقفيز منه، أو ثور ليطحن له بُراً من دقيقه، أمافساد الأولى والثانيه. فلأنه جعل الأجر بعد ما يخرج من عمله، فصار فى معنى قفيز الطحان، و قد نهى عنه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. والمعنى فيه أن المستأجر عاجزٌ من تسليم الأجر؛ لأنه بعض ما يخرج من عمل الأجير، والقدرة على التسليم شرطٌ لصحة العقد، وهو لا يقدر بنفسه، وإنما يقدر بغيره، فلا يُعد قادراً، ففسد، حتى لو أطلق ولم يُضفه، أو أفرزه له أولاً، جاز بالإجماع، وهو الحيلة، ١هـ". مجمع الأنهر درمنتقى: ۳۸۷/۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۱۱/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۱۱/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "اگہن: ہندی سال کا نواں مہینہ مگھر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱، فیروز سنز لاہور)

"اگہن اکتوبر"۔ (نور اللغات: ۱۰۸۴/۲، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(۲) (مجمع الأنهر مع الدر المنتفى: ۳۸۷/۲، باب الإجارة الفاسدة، دار إحياء التراث العربي بيروت)=

آٹا پسائی کی اجرت میں آٹا دینا

سوال[۸۱۲۱]: ہمارے یہاں آٹا پسائی کا یہ دستور ہے کہ ایک من اناج پر ایک کلو چنگی کاٹتے ہیں اور ۸۰/ پیسہ اجرت کے ہیں۔کیا یہ چنگی گاہک کی رضامندی سے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آٹا پینے کی اجرت میں یہ آٹا لینا درست نہیں، اگر اتنی مقدار غلہ گاہک کی رضامندی سے کاٹ لیا جائے تو درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ۵/ ۸۹ھ۔

سرسوں کا تیل نکالنے کا عوض تیل سے

سوال[۸۱۲۲]: ہمارے اطراف میں سرسوں اس طرح لیتے ہیں کہ تیلی کو سرسوں دے کر اور تیل نکلوا کر سرسوں کا چوتھائی تیل اس سے لے لیا جاتا ہے اگر چہ زائد نکلے اور تیل کی مزدوری سرسوں کی کھلی ہوتی ہے(۲)، یا تیلی اپنے پاس سے تیل لاتا ہے اور اس کو اتنی ہی سرسوں دیدی جاتی ہے۔اب دریافت یہ ہے کہ ان

= (وكذا في الدر المختار: ٥٦/٦، ٥٧، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ٤٤٤/٤، الفصل الثالث في قفيز الطحان وما في معناه، كتاب الإجارة، رشيديه)

(١) "صورة قفيز الطحان أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيزٌ من دقيقها، أو يستأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد. والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل: من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها، يجب في الذمة". (الفتاوى العالمكيرية: ٤٤٤/٥، الفصل الثالث في قفيز الطحان، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ١٢٧/٦، ١٢٩، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ٥٦/٦، ٥٧، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(٢) "کھلی: تل یا سرسوں کا پھوک، کھل"۔(فیروز اللغات، ص: ١٠٦٢، فیروز سنز لاهور)

صورتوں میں کوئی صورت جائز بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں مفصل مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی صورت میں اجارہ فاسدہ ہے، اولاً اس لئے جو شئ فی الحال موجود نہیں، بلکہ اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی اور اس کو اجیر کے لئے اجرت مقرر کرنا جائز نہیں:

"ولو دفع غزلاً لآخر، لينسجه له بنصفه: أى بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت فى الكل؛ لأنه استأجر بجزءٍ من عمله، والأصل فى ذلك نهيه عليه الصلوة والسلام عن قفيز الطحان". درمختار: ۲/ ۱۷۹ (۱)۔

یہاں پر کھلی کو اجرت مقرر کیا گیا جو کہ تیلی کے عمل سے حاصل ہوگی۔

ثانیاً اس لئے کہ اجرت یعنی کھلی کی مقدار مجہول ہے: "وتفسد الإجارة بجهالة المسمى وبعدم التسمية". تنوير مع الدر: ۲/ ۱۷۷ (۲)۔

دوسری صورت میں اگر اس کی تیل کی مقدار جو تیلی دیتا ہے اس تیل سے زائد ہے جو سرسوں میں ہے، تب تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ جتنا تیل زائد ہے وہ کھلی کے مقابلہ میں ہے اور باقی تیل تیل کے مقابلہ میں ہو جاویگا، ورنہ جائز نہیں:

"ويجوز البيع فى صرة بالإجماع أن يعلم أن الزيت المنفصل أكثر، ليكون الفضل بالتفل، وكذا بيع الجوز بدهنه، واللبن بسمنه، والتمر بنواه، وكل شئ لتفله قيمة، إذابيع

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"ولو دفع غزلاً لينسجه بنصفه، أو استأجره ليحمل طعامه بقفيزٍ منه، أو ليخبز له كذا اليوم بدرهم، لم يجز؛ لأنه فى الأولى والثانية جعل الأجر مايخرج من عمله، فيصير فى معنى قفيز الطحان، وقد نهى عنه عليه السلام، وهو أن يستأجر ثوراً ليطحن له حنطةً بقفيزٍ من دقيقه، فصار هذا أصلاً يعرف به فساد جنسه". (تبيين الحقائق: ۱۲۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۵۳۹/۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۸/۶، سعيد)

بالخالص منه، لایجوز حتی یکون الخالص أکثر". البحر الرائق: ۱۳۵/۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح: بندہ سعید احمد عفی عنہ، بندہ عبدالرحمٰن، عبداللطیف عفی عنہ، ۲۶/صفر/۵۲ھ۔

جلن کا کاٹنا

سوال[۸۱۲۳]: آٹا چکی والے ایک من پر ایک سیر جلن کاٹتے ہیں حالانکہ جلن شاید ایک من میں ایک چھٹانک ہو۔ تو کیا یہ آٹا چکی والے کے لئے جائز ہے اور اس سے کوئی گناہ تو نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہہ کر اتنا آٹا کاٹنا ناجائز ہے، اس میں گناہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۲۲۵/۶، باب الربا، رشیدیہ)

"والزیتون بالزیت والسمسم بالشیرج، حتی یکون الزیت والشیرج أکثر مما فی الزیتون والسمسم: أی لایجوز البیع حتی یکون الزیت الخالص أکثر مما فی الآخر، لیکون قدره بمثله الزائد بالثجیر، لاتحاد الجنس بینهما معنیً باعتبار مافی ضمنها وإن اختلفا صورةً، فیثبت بذلک شبهة المجانسة، والربا یثبت بالشبهة، فلو لم یکن الدهن الخالص أکثر من الذی فی الآخر، کان الثجیر بلاعوضٍ یقابله، فیحرم". (تبیین الحقائق: ۴/۴۷۰، باب الربا، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) **تنبیہ**: یہ جلن اجرت نہیں، بلکہ وہ آٹا ہے جو چکی چلتے وقت یا تو اُڑ جاتا ہے اور یا چکی کے پاٹ کی تیزی سے وہ جل جاتا ہے، وہ تھوڑا سا جلتا ہے اور چکی والا زیادہ کاٹتے ہیں، یہ جلن جتنا خود بخود اُڑ جائے یا چکی کی تیزی سے جل جائے، وہ تو بہر حال ختم ہو جاتا ہے، لیکن چکی والے کا اس ختم شدہ مقدار سے زیادہ کاٹنا جائز نہیں بلکہ ظلم ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یأیها الذین اٰمنوا لاتاکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراضٍ منکم﴾ (سورة المائدة: ۲۹)

"وعن أبی حرة الرقاشی، عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقی فی شعب الإیمان والدارقطنی فی المجتبی". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

فصل کا خوشہ چنوانے کی اجرت

سوال[۸۱۲۴]: ہمارے یہاں رائج ہے کہ جب کھیت سے فصل کٹتی ہے تو اس میں سے خوشہ ٹوٹ کر زمین پر گر جاتے ہیں، کاٹنے والے مزدور اس کو چنتے ہیں اور زمیندار کو نصف یا تہائی حصہ دیتے ہیں۔ آیا ساقط شدہ خوشہ زمیندار کی ملکیت ہے، یا چننے والوں کی اور اس طرح لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ زمیندار کی ملک ہے، اس طرح مزدوری کا معاملہ ناجائز ہے: "ولو دفع غزلاً لآخر لینسج له نصفه، أو استأجر بغلاً یتحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً لیطحن ببعض دقیقه، فسدت فی الکل؛ لأنه استأجر بجزءٍ من عمله، اهـ". درمختار: ۳۹/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گائے کو کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۲۵]: دودھ دینے والی گائے بھینس کو کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے دودھ کی رقم یکجا دے دی جاتی ہے، گھاس وغیرہ کرایہ دار کے ذمہ ہوتا ہے، بلکہ جب تک دودھ پلاتی رہے وہ گائے بھینس کرایہ دار کے پاس رہتی ہے، پھر مالک کو واپس کردی جاتی ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے:" لاتجوزه إجارة الشجر علی أن الثمر للمستأجر، وکذلك لو استأجر بقرةً

---

(۱) (الدر المختار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

"صورة قفیز الطحان أن یستأجر الرجل من آخر ثوراً لیطحن به الحنطة علی أن یکون لصاحبها قفیزٌ من دقیقها، أو یستأجر إنساناً لیطحن له الحنطة بنصف دقیقها أو ثلثه أو ما أشبه ذلک، فذلک فاسد. والحیلة فی ذلک لمن أراد الجواز أن یشترط صاحبُ الحنطة قفیزاً من الدقیق الجید، ولم یقل: من هذه الحنطة، أو یشترط ربع هذه الحنطة من الدقیق الجید؛ لأن الدقیق إذا لم یکن مضافاً إلی حنطة بعینها، یجب فی الذمة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۴۴/۵، الفصل الثالث فی قفیز الطحان، کتاب الإجارة، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة: ۳۳۲/۲، باب الإجارة الفاسدة، رشیدیه)

أوشاةً، ليكون اللبن أو الولد له، كذافي محيط السرخسي، ١هـ". عالمگيري: ٤٤٢/٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۶/۶/۵ھ۔

ادھیان پر جانور دینا

سوال[۸۱۲۶]: ادہار جانور دینا جائز ہے یا نہیں، یعنی جانور میرا اور خدمت آپ کی، پھر وہ جانور مدتِ مقررہ پر سال دو سال میں پہنچے گا تو پھر ثالث شخص اس جانور کی قیمت ڈال دیتا ہے۔ فریقین میں جس کا دل چاہتا ہے جانور رکھ لیتا ہے اور جس کا دل چاہتا ہے قیمت لے لیتا ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور جواز کی کون سی صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت اجارہ فاسدہ ہے جو کہ ناجائز ہے(۲)، جواز کی صورت یہ ہے کہ جانور کی قیمت لگا کر نصف حصہ فروخت کردے، اب دوسرا شخص اس نصف کو خرید ے، پھر جانور والا اس نصف قیمت کو معاف کردے۔ اب اس جانور میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اس کی کل منفعت: دودھ، بچے وغیرہ بھی مشترک ہیں(۳)، اگر

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۴۲/۴، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة و مالايجوز، رشيديه)

"و على هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۳۲۷/۴، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۳۳۰/۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۳۵/۲، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، كتاب الشركة، رشيديه)

(۳)"و على هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۳۲۷/۶، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد) .... =

فروخت کردیں تو قیمت بھی نصفا نصف ہوگی۔ فتاوی عالمگیری میں یہ صورت بطورِ حیلۂ جواز لکھی ہے:

"والحيلة فی ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذالك الرجل ونصف الدجاجة ونصف بذر الفيلق بثمنٍ معلوم، حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركةً بينهما، فيكون الحادث منهما على الشركة، كذا فی الظهيرية"(١)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

بکریوں کو ادھیا پر دینا

سوال[۷۲۸۱]: بکریوں کو ادھیا پر دیتے ہیں، یعنی بکری دے دی، جب بچہ پیدا ہوا تو اگر دو ہوئے تو ایک لے لیا اور ایک ہوا تو آدھا لے لیا۔ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہو تو جو طریقہ ادھیا پر دینے کا جائز ہو وہ بتائیں۔

عبد القدیر، کروندیملاڈ، بمبئی، ۶۴۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ درست نہیں ہے، البتہ نصف بکری فروخت کردیں اور قیمت معاف کردیں تو وہ نصف کا شریک ہوجائے گا، نصف بکری اس کی ہوگی اور دودھ، بکری، بچے سب نصفا نصفی ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۳۳۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الخامس فی الشركة الفاسدة: ۲/۳۳۵، رشيديه)

(٢) (راجع عنوان: "ادھیان پر جانور دینا"۔)

بکری پالنے کے لئے دینا

سوال[۸۱۲۸]: زید نے ایک بکری خریدی اور بغیر قیمت لگائے ہوئے بکر کو پالنے کے لئے دیدی اور کہا کہ اس بکری کا جو بچہ ہوگا وہ نصف نصف کرلیں گے۔ تو ایسا کرنا جائز ہے یانہیں؟ زید کے حصہ میں جو بچہ آیا اس کی قربانی درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ معاملہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری (۱) اور شامی میں تصریح ہے (۲)، وہ بچہ زید ہی کی ملک ہے، زید کو اس کا لینا اور قربانی کے قابل جب ہوجائے تو قربانی کرنا سب درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف، ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث فهو لصاحب البقرة، ولذلک الرجل مثل العلف الذى علفها وأجر مثله فيما قام عليها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۵/۲، كتاب المضاربة، الباب الخامس فى الشركة الفاسدة، رشيديه)

(۲) "إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار، كتاب الشركة: ۳۲۶/۴، مطلب: يرجح القياس، فصل فى الشركة الفاسدة، سعيد)

"إذا دفع البقرة بالعلف، ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، ولذلک الرجل مثل علفه الذى علفه وأجر مثله لمن قام عليها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الشركة بالأعمال: ۶۷۰/۵، إدارة القرآن، كراچى)

"سئلت عن البقرة دفعها مالكها لرجل على أن يعلفها من علفه ويقوم بها، وماحدث عنها من النتاج يكون بينهما نصفين، فهل لايصح ذلک؟ فالجواب: لايصح ذلک، وماحدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (الفتاوى الكاملية، ص: ۵۵، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فى المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۴۱۴/۶، كتاب الشركة، فصل فى الشركة بالأعمال، مكتبه غفاريه)

ایضاً

سوال[۸۱۲۹]: بکری کے پیٹ کے بچہ کی چروائی کی اجرت دینا جائز ہے یانہیں؟ صورت یہ کہ آدمی کے پاس ایک بکری ہے، اس کو دوسرے آدمی کو اس شرط پر چرانے کو دیتا ہے کہ تم اس بکری کو ایک سال گھاس کھلاؤ تو اس بکری سے اگر دو بچہ پیدا ہو جائیں، تو ایک تیرا اور دوسرا میرا ہوگا، اور اگر ایک ہوگا، اس کو بیچ کر دونوں تقسیم کرلیں گے۔ آیا یہ جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ اجارہ ناجائز ہے، اس کو فسخ کرکے صحیح طور پر معاملہ کیا جاوے(۱)، اس ناجائز اجارہ کی صورت میں بچہ اصل مالک کا ہوگا، اور اجیر کے لئے اجر مثل واجب ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

گائے پالنے کے لئے دینا

سوال[۸۱۳۰]: یہاں رواج ہے کہ گائے وغیرہ پالنے کے لئے خرید کر دیدیتے ہیں، دوسرا آدمی پالتا پوستا ہے، جب بچہ دینے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت اس کو فروخت کر دیتے ہیں، اور نصف نصف تقسیم کرلیتے ہیں۔ یہ درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ صورت جائز نہیں، گائے کی قیمت متعین کرکے مثلاً: دس روپیہ اس کا نصف حصہ پانچ روپیہ میں فروخت کر دیا جائے اور پھر وہ پانچ روپیہ معاف کر دیا جائے، پالنے والے سے نہ لیا جائے، اور وہ پرورش

(۱) "ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض، ويكون امتناعاً عنه أو بعده مادام المبيع بحاله (في يد المشتري) إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (الدر المختار: ۵/ ۹۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۲) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

کرتا رہے، اس صورت میں وہ نصف کا شریک رہے گا، دودھ اور بچے اور خود یہ گائے سب نصف نصف رہے گی، اس طرح درست ہے، فتاوی عالمگیری (۱) اورشامی میں جواز کی یہی صورت لکھی ہے (۲) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

پال پر جانور دینا

سوال[۸۱۳۱]: ہمارے اطراف میں ایسا ہوتا ہے کہ امیرلوگ جانور خرید کر غریبوں کو پالنے کے لئے دیدیتے ہیں، بکری اور مرغی کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ پیدا ہونے والے بچے میں نصفا نصف کے شریک رہیں گے، مثلاً بکری کے دو بچے پیدا ہوئے تو ایک مالک کا اور ایک پالنے والے کا۔اور گائے بھینس کی قیمت لگا کر دیتے ہیں، لیکن دودھ اور بچے میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

---

(۱) "دفع بقرةً إلى رجل على أن يعلفها، ومايكون من اللبن والسمن بينهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقرة للرجل أجرقيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه، لاما سرحها في المرعى. ويرد كل اللبن إن كان قائماً وإن أتلف فالمثل إلى صاحبها. والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن، فيكون بينهما. وكذا لودفع الدجاج على أن البيض بينهما، لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۴۵، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الثالث في فقيز الطحان وما هو في معناه، رشيديه)

(۲) "تنبيه: لم يذكروا مالو كانت الدابة بين اثنين دفعها أحدهما للآخر على أن يؤجرها ويعمل عليها على أن ثلثي الأجر للعامل، والثلث للآخر وهي كثيرة الوقوع، ولا شك في فسادها؛ لأن المنفعة كالعروض لاتصح فيها الشركة، وحينئذ فالأجر بينهما على قدر ملكها، وللعامل أجر مثل عمله، ولا يشبه العمل في المشترك حتى لقول لاأجرله؛ لأن العمل فيما يحمل وهو لغيرهما تأمل .... وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۴/۳۲۷، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مكتبه، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارات، النوع الثالث في الدواب: ۵/۳۷،رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سب ناجائز ہے:" دفع بقرة إلی رجل علی أن یعلفها، ومایکون من اللبن والسمن بینهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلی صاحب البقرة للرجل أجرقیامه وقیمة علفه إن علفها من علف هو ملکه، لاما سرحها فی المرعیٰ. ویرد کل اللبن إن کان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلی صاحبها. والحیلة فی جوازه أن یبیع نصف البقرة منه بثمن ویبرئه، ثم یأمره باتخاذ اللبن فیکون بینهما. وکذا لودفع الدجاج علی أن البیض بینهما، لایجوز، والحادث کله لصاحب الدجاج". فتاوی عالمگیریه(۱)۔

ایسی صورت میں وہ جانوراوراس سے پیداہونے والی چیز: انڈے، بچے، دودھ سب اصل مالک کی ہےاور پالنے والااجرِ مثل کا مستحق ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۰/۱۱/۸۹ھ۔

بکری پال پردینا

سوال[۸۱۳۲]: زیدنے ایک بکری خریدی اوربغیر قیمت لگائے ہوئے بکرکو پالنے کے لئے دیدیا

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۴۴۵/۴، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر فی بیان مایجوز من الإجارة ومالایجوز، الفصل الثالث فی قفیز الطحان، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۳۰/۲، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۷/۵، کتاب الإجارة، النوع الثالث فی الدواب، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی فی الفقة النعمانی: ۴۱۴/۴، کتاب الشرکة، الفصل السادس الشرکة فی الأعمال، غفاریه)

"وعلی هذا إذا دفع البقرة بالعلف لیکون الحادث بینهما نصفین، فما حدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار، کتاب الشرکة، فصل فی الشرکة الفاسدة: ۳۲۷/۶، سعید)

اورکہا کہ اس بکری کے جو بچہ ہوگا وہ نصف نصف کرلیں گے۔ تو ایسا کرنا جائز ہے یانہیں؟ زید کے حصہ میں جو بچہ آیا اس کی قربانی درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری (۱) اور شامی (۲) میں تصریح ہے۔ وہ بچہ زید ہی کی ملک ہے، زید کو اس کا لینا اور قربانی کے قابل جب ہوجائے تو قربانی کرنا سب درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

بکری پال پر دینا

سوال [۸۱۳۳]: بکری کے پیٹ کے بچہ کی چروائی کو اجرت دینا جائز ہے یانہیں؟ صورت یہ ہے کہ آدمی کے پاس ایک بکری ہے، اس کو دوسرے آدمی کو اس شرط پر چرانے کو دیتا ہے کہ تم اس بکری کو ایک سال گھاس کھلاؤ تو اس بکری سے اگر دو بچہ پیدا ہوجائیں تو ایک تیرا اور دوسرا میرا ہوگا۔ اور اگر ایک ہوگا اس کو بیچ کر

---

(۱) "وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث لصاحب البقرة، فهو لصاحب البقرة، ولذلک الرجل مثل العلف الذى علفها وأجرُ مثله فيما عليها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/ ۳۳۵، كتاب الشركة، الباب الخامس فى الشركة الفاسدة، رشيديه)

(۲) "إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۴/ ۳۲۶، مطلب: يرجع القياس، الشركة الفاسده، سعيد)

"اذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه، وأجر مثله لمن قام عليها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الشركة بالأعمال: ۵/ ۶۷۰، إدارة القرآن كراچى)

"سئلت عن البقرة دفعها مالكُها لرجل على أن يعلفها من علفه، ويقوم بها، وماحد ث عنها من النتاج يكون بينهما نصفين، فهل لايصح ذلک؟ فالجواب: لايصح ذلک، وماحدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (الفتاوى الكاملية، ص: ۵۵، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فى المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۶/ ۱۴، فصل فى الشركة بالأعمال، مكتبه غفاريه)

دونوں تقسیم کرلیں گے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اجارہ ناجائز ہے(۱)، اس کو فسخ کرکے صحیح طور پر معاملہ کیا جاوے۔ اس ناجائز اجارہ کی صورت میں بچہ اصل مالک کا ہوگا اور اجیر کے لئے اجرِ مثل واجب ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

گائے پال پر دینا

سوال[۸۱۳۴]: یہاں رواج ہے کہ گائے وغیرہ پالنے کے لئے خرید کردیتے ہیں، دوسرا آدمی پالتا پوستا ہے، جب بچہ دینے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت اس کو فروخت کردیتے ہیں، اور نصف نصف تقسیم کرلیتے ہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں۔ گائے کی قیمت متعین کرکے مثلاً دس روپیہ، اس کا نصف حصہ پانچ روپیہ میں فروخت کردیا جائے اور پھر وہ پانچ روپیہ معاف کردیا جائے، پالنے والے سے نہ لیا جائے، اور وہ پرورش کرتا رہے، اس صورت میں وہ نصف کا شریک رہے گا۔ دودھ اور بچے اور خود یہ گائے سب نصفاً نصفاً رہے گی، اس طرح درست ہے، فتاویٰ عالمگیری(۳) اور شامی میں جواز کی یہی صورت لکھی ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض، ویکون امتناعاً عنه أو بعده مادام المبیع بحاله فی ید المشتری إعداماً للفساد؛ لأنه معصیة، فیجب رفعه". (الدرالمختار: ۵/ ۹۰، باب البیع الفاسد، سعید)

(۲) (راجع، ص: ۶۰۰، رقم الحاشیة: ۱، ۲)

(۳) "دفع إلی رجل علی أن یعلفها، ومایکون من اللبن والسمن بینهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلی صاحب البقرة للرجل أجر قیامه وقیمة علفه إن علفها من علف هو ملکه، لا ماسرحها فی المرعی، ویردّ کل اللبن إن کان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلی صاحبها. والحلیة فی جوازه أن یبیع نصف البقرة منه بثمن =

پال پر جانور دینا

سوال[۸۱۳۵]: ہمارے اطراف میں ایسا ہوتا ہے کہ امیر لوگ جانور خرید کر غریبوں کو پالنے کے لئے دیدیتے ہیں۔ بکری اور مرغی کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ پیدا ہونے والے بچے میں نصفا نصف کے شریک رہیں گے، مثلاً بکری کے دو بچے پیدا ہوئے تو ایک مالک کا اور ایک پالنے والے کا۔ اور گائے بھینس کی قیمت لگا کر دیتے ہیں، لیکن دودھ اور بچے میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سب ناجائز ہے: "دفع بقرةً إلى رجل على أن يعلفها، ومايكون من اللبن والسمن بينهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة. وعلى صاحب البقرة للرجل أجرقيامه وقيمة علفه إن علفها من علفٍ هو ملكه، لاماسرحها فى المرعىٰ، ويردّ كل اللبن إن كان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلى صاحبها. والحيلة فى جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن فيكون بينهما، وكذا لودفع الدجاج على أن البيض بينهما لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". فتاوی عالمگیریہ(۱)۔

= ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن فيكون بينهما. وكذا لودفع الدجاج على أن البيض بينهما، لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/۴۴۵، الفصل الثالث فى فقيز الطحان، رشيديه)

(۳) "وعلى هذا إذا دفع البقرةبالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحبه البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۶/۳۲۷، فصل فى الشركة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۷،رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۴۵، الفصل الثالث فى قفيز الطحان، رشيديه)

(وكذا فى فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۳۰، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۷، النوع الثالث فى الدواب، رشيديه)

(والمحيط البرهانى: ۴/۴۱۴، الشركة فى الأعمال، غفاريه)

ایسی صورت میں وہ جانور اور اس سے پیدا ہونے والی چیز: انڈے، بچے، دودھ سب اصل مالک کی ہے اور پالنے والا اجرِ مثل کا مستحق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۹ھ۔

جانور کی جفتی کی اجرت

سوال[۸۱۳۶]: آج کل نر، مادہ جفتی کے لئے بلا اجرت نہیں چھوڑتے۔ کیا یہ امیر وغریب ہر ایک کے لئے ناجائز ہے، یا کسی کی تخصیص ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں سب کا حکم برابر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۳/۹۵ھ۔

گابھن کرانے کی اجرت

سوال[۸۱۳۷]: گابھن کرانے کی اجرت کا کیا حکم ہے؟ بخاری شریف پارہ نو کتاب الاجارات میں منع فرمایا ہے(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گابھن کرانے کی اجرت لینا ناجائز ہے: "لا يجوز أخذ أجرة عسب التيس، لقوله عليه الصلوة والسلام: "إن من السحت عسب التيس، و مهر البغي، وكسب الحجام". ولأنه عمل لا يقدر

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "لا تصح الإجارة لعسب التيس، وهو نزوه على الأناث؛ لأنه عملٌ لا يقدر عليه وهو الإحبال". (الدرالمختار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۱۶، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۴، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة ومالا يجوز، رشيديه)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن عسب الفحل". (صحيح البخاري، كتاب الإجارات، باب عسب الفحل: ۱/۳۰۵، قديمي)

عـليـه، ولأنـه أخـذ المال بمقابلة الماء، وهو نجس عينٍ لا قيمة له، فلا يجوز أخذ الأجرة عليه، ١ هـ". زيلعي: ٥/١٢٤ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/محرم/ ۵۶ھ۔

جتنے کرایہ پر مکان لیا ہے اس سے زائد پر دینا

سوال[۸۱۳۸]: میرا مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ہے کیونکہ میرے لڑکے وہاں رہتے ہیں، میں ان سے علیحدہ رہتا ہوں، لیکن وہاں کرایہ کے مکان میں رہنا چاہتا ہوں۔ اگر میں وہاں پر کوئی موزون فلیٹ چھ آٹھ ہزار روپیہ پر لے لوں اور زمانۂ حج میں مثلاً پندرہ ہزار ریال پر حجاج کو کرایہ پر دے دوں تو اس صورت میں مجھے آسانی سے آٹھ ہزار ریال کا منافع ہو جائے گا۔ تو سوال یہ ہے کہ میں قرضِ حسنہ لے کر اسی مکان کو جس کو میں نے کرایہ پر لیا ہے اس سے زائد کرایہ پر دوسروں کو دے سکتا ہوں کہ نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو صورت آپ چاہتے ہیں یہ تو حدودِ حرم مبارک سے باہر کسی اَور جگہ بھی درست نہیں، جتنی رقم کسی جگہ بھی کرایہ مکان کی آپ ادا کریں اتنی رقم پر دوسرے کو دے سکتے ہیں، اگر اس سے زیادہ رقم لیں گے تو اس کا صدقہ کر دینا ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۲/ ۹۵ھ۔

---

(١) (تبيين الحقائق: ٦/١١٦، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ٦/٥٥، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ٣/١١٣، باب الإجارة الفاسدة، امجد اکیڈمی لاهور)

(٢) "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة وغيرها، وكذا كل مالا يختلف بالمستعمل يبطل التقييد؛ لأنه غير مفيد، بخلاف مايختلف به. ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار: ٦/٢٩، باب ما يجوز من الإجارة و ما يكون خلافاً فيها، سعيد) .... =

کرایہ پر لی ہوئی مسجد کی جائیداد کوزیادہ کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۳۹]: ایک شخص نے مسجد کی جائیداد دس روپیہ ماہواری کرایہ پر لے رکھی ہے اور اس کو اپنے طریق سے بارہ روپیہ کو کرایہ پر دے رکھی ہے۔ یہ منافع جائیداد مسجد سے اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس شخص نے اس جائیداد میں کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ جس طرح مسجد سے لی تھی اسی طرح دوسرے کو دے دی تب تو یہ منافع ناجائز ہے اس کا تصدق واجب ہے اگر اس جائیداد کی کوئی اصلاح کی یا مرمت کی ہے اور پھر دوسرے شخص کو دی ہے تو یہ منافع جائز ہے:

"وإذا استأجر دارا وقبضها، ثم آجرها، فإنه يجوز إن آجرها بمثل ما استأجرها أو أقل. وإن آجرها بأكثر مما استأجر، فهي جائزة أيضاً إلا أنه إن كانت الأجرة الثانية من جنس الأجرة الأولىٰ، فإن الزيادة لاتطيب له، ويتصدق بها. وإن كانت من خلاف جنسها، طابت له الزيادة. ولو زاد في الدار زيادةً كما لو وَتَدَ فيها وتداً أو حفر فيها بيراً أو طيناً أو أصلح أبوابها أو شيئاً من حوائط طابت له الزيادة. وأما الكنس فإنه لايكون زيادةً. وله أن يواجرها مَن شاء إلا الحداد والقصار والطحان وما أشبه ذلك مما يضر بالبناء ويوهنه، هكذا في السراج الوهاج، اه". فتاویٰ عالمگیری: ٤/٤٣٥(١)۔

اس کے لئے یہ ناجائز ہے کہ وہ جائیداد کسی ایسے آدمی کو کرایہ پر دے جس کے رہنے اور کام کرنے سے اس جائیداد کو نقصان پہونچے، مثلاً: اگر وہ دکان یا مکان ہو تو اس کو لوہار یا آٹا پیسنے والے کو نہ دے کہ لوہار کی بھٹی اور کام سے اور آٹا پیسنے والے کی مشین سے دوکان اور مکان کی دیواروں اور چھت اور بنیادوں کو

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۲۵، الباب السابع في إجارة المستاجر، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳/۱۴۵، باب الإجارة الفاسدة، امجد اكيڈمی لاهور).

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السابع في إجارة المستأجر: ۴/۴۲۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة، ومايكون خلافا فيه: ۲۹/٦، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الإجارة: ۳/۱۴۵، امجد اكيڈمی لاهور)

نقصان پہنچتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

کرایہ دار سے قرض اور مکان خالی نہ کرنے کی شرط

سوال[۸۱۴۰]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ ایک مکان کچھ رقم بطور قرض مکان کو کرایہ پر لینے والے سے لینا چاہتے ہیں تو کرایہ دار یہ شرط کرلے کہ جب تک ہم رہنا چاہیں ہم سے خالی نہ کرانا اور نہ کرایہ بڑھانا۔ یہ شرط کیسی ہے؟ دراصل مالکِ مکان سابق کرایہ دار کے قرضدار ہیں، وہ کرایہ دار مکان خالی کرتے وقت اپنا قرض طلب کررہے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض لے کر سابق کرایہ دار کا معاملہ صاف کردینا درست ہے، مگر یہ شرط نہ کی جائے کہ جب تک ہم رہنا چاہیں مکان خالی نہ کریں گے(۱)۔ دوسری صورت ادائے قرض کی یہ بھی ہے کہ نئے کرایہ دار سے ایک رقم پیشگی کرایہ کے طور پر لے کر قرض ادا کریں، پھر وہ رقم کرایہ میں محسوب ہوتی رہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وتفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع، يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل، وكشرط طعام عبد و علف دابة ومرمّة الدار أو مغارمها و عشر أو خراج أو مؤنة ردّ". (الدرالمختار: ۶/۴۶، ۴۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وكل شرط يخالف موجب العقد مفسدٌ للعقد". (المبسوط للسرخسي: ۱۶/۴۰، باب الإجارة الفاسدة، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاویٰ الكاملية، ص: ۱۹۲، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني: لو شرط أن تكون الأجرة معجلةً، لزم المستأجر تسليمها". =

کتابیں کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۴۱]: ایک دکان دار جس کی آمدنی صرف کتابوں کو کرایہ پر دینے سے حاصل ہوتی ہے، اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے، کیا کتابیں کرایہ پر دینا گناہ ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کتابیں کرایہ پر دینا منع ہے اور اس اجارہ کو باطل قرار دیا ہے، بحوالہ مبسوط (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قُلی کو متعینہ مزدوری سے زیادہ لینا

سوال[۸۱۴۲]: میرے ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ ہم گورنمنٹ کے ملازم نہیں، بلکہ ہم سالانہ روپیہ اسٹیشن میں آنے جانے کے لئے جمع کرواتے ہیں اور ہم کو اس سے اسٹیشن پر کام کرنے کا اجازت نامہ مل جاتا ہے۔ گورنمنٹ نے ۳/آنہ فی بستر مع بکس ریٹ مقرر کیا ہے، لیکن ہم اکثر مسافروں سے زیادہ لیتے

= (شرح المجلة لسيم رستم: ۱/۲۶۱، (رقم المادة: ۴۶۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يعتبر و يراعى كل ما اشترط العاقدان فى تعجيل الأجرة و تأجيلها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۵، (رقم المادة: ۴۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "ولو استأجر كتباً ليقرأ فيها، شعراً كان أو فقهاً، أو غير ذلک، لا يجوز، ولا أجر له وإن قرأ، وكذلک إجارة المصحف". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۴۹، الفصل الرابع فى فساد الإجارة إذا كان مشغولاً بغيره، رشيديه)

"ولو استأجر كتباً ليقرأ فيها، شعراً أو فقهاً، أو غير ذلک، لم يجز؛ لأن المعقود عليه فعل القارئ، والنظر فى الكتاب والتأمل فيه ليفهم المكتوب فعله أيضاً، فلا يجوز أن يجب عليه أجر بمقابلة فعله، ولأن فهم ما فى الكتاب ليس فى وسع صاحب الكتاب، ولا يحصل ذلک بالكتاب". (المبسوط للسرخسي: ۱۶/۴۰، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۵/۵۲۴، فصل فى ركن الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

ہیں جو ہمارے اور مسافروں کے درمیان طے ہو جائے۔ یہ زائد مزدوری لینا ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا صورت ہوگی؟

مولوی محمد شیرین صاحب مظاہری۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر پتہ چلنے پر گورنمنٹ مقدمہ نہ چلائے اور ذلیل نہ کرے تو جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہنڈی اور منی آرڈر

سوال[۸۱۴۳]: ہنڈی لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو منی آرڈر کرنا کیوں جائز ہے؟ منی آرڈر میں بھی جمع کردہ روپیہ مرسل الیہ کو نہیں ملتے۔

مولانا شائق پالنپوری۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

ہنڈی کو فقہا رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکروہ لکھا ہے، ردالمحتار: ٤/٢٩٥(٢)۔ منی آرڈر کو بھی

---

(۱) اجارہ چونکہ متاجر اور اجیر کے درمیان ان کی رضامندی سے طے شدہ عقد کا نام ہے، اس میں کسی ثالث کی دخل اندازی سے اس کی صحت پر۔جب کہ صحیح ہو۔کوئی اثر نہیں پڑتا۔

"وأما شرائط الصحة، فمنها رضا المتعاقدين، ومنها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلوماً علماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالةً مفضيةً إلى المنازعة يمنع صحة العقد، وإلا فلا". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۱، كتاب الإجارة، رشيديه)

البتہ ریاستی جائز قوانین کی پابندی شرعاً ضروری ہے: "(أمر السلطان إنما ينفذ): أي يتبع، ولا تجوز مخالفته .... صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب .... وقدمنا أن السلطان لو حكم بين الخصمين، ينفذ في الأصح". (الدرالمختار، كتاب القضاء: ۵/۴۲۲، سعيد)

(۲) "أفتىٰ المصنف ببطلان بيع الجامكية، لِمَا في الأشباه: بيع الدين إنما يجوز من المديون". (الدرالمختار). "سئل عن بيع الجامكية، وهو: أن يكون لرجل جامكية في بيت المال و يحتاج إلىٰ =

فتاویٰ رشیدیہ(۱)، فتاویٰ اشرفیہ وغیرہ میں منع لکھا ہے(۲)۔البتہ امداد الفتاویٰ میں جواز کی تاویل بھی لکھی ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= دراهم معجلةٍ قبل أن تخرج الجامكية، فيقول له رجل: بعتني جامكيتك التي قدرها كذا بكذا، أنقص من حقه في الجامكية، فيقول له: بعتُك، فهل البيع المذكور صحيحٌ أم لا، لكونه بيع الدين بالنقد؟ أجاب: إذا باع الدين من غير مَن هو عليه الدين، لايصح". (ردالمحتار: ۴/۵۱۷، مطلب في بيع الجامكية، كتاب البيوع، سعيد)

"إن كان السفتج مشروطاً في القرض، فهو حرام، والقرض لهذا الشرط فاسد، وإلاجاز. وصورة الشرط كما في الواقعات: رجلٌ أقرض رجلاً مالاً على أن يكتب له بها إلى بلد كذا، فإنه لا يجوز". (ردالمحتار: ۵/۳۵۰، كتاب الحوالة، سعيد)

(۱) "بذریعۂ منی آرڈر روپیہ بھیجنا نا درست ہے اور داخلِ ربوا ہے۔اور یہ جو محصول دیا جاتا ہے، نادرست ہے"۔(فتاوی رشیدیہ:۱/۱۸۰، باب: سود کے مسائل کے احکام، سعید)

(۲) ہنڈی کے بارے میں فتاوی اشرفیہ میں ناجائز لکھا ہے:ص:۱۲۲۔

سوال: "ہنڈوی ونوٹ میں بٹہ لینا دینا درست ہے یا نہیں"؟

الجواب: "نہیں"۔(فتاویٰ اشرفیہ، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، سعید)

منی آرڈر کے بارے میں لکھا ہے: "الجواب: قاعدۂ کلیہ ہے:" الأقراض تُقضى بأمثالها" اور منصوص ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربا ہے............. البتہ بہت عرق ریزی سے اس قدر تاویل کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ فیس کو اجرت کتابت و روانگیٔ فارم کی کہا جاوے، اس سے حرمتِ تفاضل تو دفع ہوجاوے گی، مگر کراہتِ سفتجہ باقی رہے گی۔ واللہ اعلم"۔ (فتاوی اشرفیہ،ص:۲۷۰،سعید)

(۳) امدادالفتاوی میں ہے: "منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرے اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے دی جاتی ہے، اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے۔اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لئے یہ تاویل کرکے جواز کا فتویٰ مناسب ہے"۔(إمداد الفتاوی: ۳/۱۴۶، كتاب الربوا، عنوان: "تحقیق منی آرڈر"، مکتبہ دار العلوم کراچی)

کیا کرایہ دار دوکان دوسرے کرایہ دار کو زیادہ کرایہ پر دے سکتا ہے؟

سوال[۸۱۴۴]: ہمارے یہاں ایک صاحب ہیں، انہوں نے مسجد کی ایک دوکان کئی سال سے کرایہ پر لے رکھی ہے، بذاتِ خود وہ اس کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ ہمیشہ دوسرا کرایہ دار رکھتے ہیں۔ دوکان کا کرایہ مسجد کو آٹھ روپے دیتے ہیں اور خود دکان دار سے پندرہ روپے وصول کرتے ہیں۔ اس طرح سات روپے ہر ماہ نفع کماتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نفع لینا درست نہیں اگرچہ سود بھی نہیں، اگر دوکان پر کچھ خرچ کرکے، مثلاً: اس میں الماری، کواڑ، وغیرہ لگا کر اس کی حیثیت کو بڑھایا ہو تو اتنی حد تک نفع لینے کی اجازت ہے۔ کمیٹی کو اختیار ہے کہ اصل کرایہ دار کے معاملہ کو ختم کرکے شکمی کرایہ دار سے معاملہ کرے۔ اور کرایہ دار کو چاہیے کہ اپنا واسطہ درمیان سے ختم کر دے اور مسجد کی دکان سے خود اس طرح نفع نہ کمائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

جراح کا زخم اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لینا

سوال[۸۱۴۵]: آج کل جراح زخم کے اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لے لیتے ہیں تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں، اگر یہ جائز نہیں ہے تو اس کی کوئی جواز کی شکل بھی نکل سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا في مسألتين. إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار). "(قوله: أو أصلح فيها شيئاً) بأن جصصها، أو فعل فيها مسناةً، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد". (ردالمحتار: ۲۹/۶، باب ما يجوز من الإجارة و ما يكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴۲۵/۴، الباب السابع في إجارة المستأجر، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱۴۵/۳، كتاب الإجارة، امجد اكيڈمی لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

بغیر معاملہ کئے زخم اچھا ہونے پر حق الخدمت اتنا ہی دیدیں جتنے کا ٹھیکہ ہوتا ہے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۵/۹۶ھ۔

جگہ کرایہ پر لینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ جگہ کسی دوسرے کی ہے

سوال[۸۱۴۶]: زید نے بکر سے ٦×۴ فٹ کی جگہ کرائے پر لی، یہ جانتے ہوئے ۱۱/ ہند کا اگر پینٹ (۲) کیا کہ بکر اس جگہ کا مالک ہے، ۲۰۰/ روپے ڈپازٹ کے دیئے (۳)۔ اس جگہ پر لکڑی کی دوکان بنوانے کے لئے زید نے بکر کو ۳۰۰/ روپیہ کی رقم دی اس وعدہ پر کہ بکر زید کو چند ماہ میں ۳۰۰/ روپیہ کی رقم واپس کردے گا، مگر بکر نے ۳۰۰/ روپیہ کی رقم بھی ڈپازٹ میں ہی جمع کرلی۔ دکان مکمل ہونے پر چند ماہ بعد کلکٹر کا نوٹس لگ گیا کہ دوکان غیر کی ہے اور زمین بھی گورنمنٹ کی ہے، اس کو فوراً نکالا جائے۔

زید نے گورنمنٹ سے ربط کر کے قانونی طور پر گورنمنٹ کا کرایہ دار بن گیا اور بکر کو کرایہ دینا بند

---

(۱) "الفساد قد یکون لجهالة قدر العمل بأن لایعین محل العمل، و قد یکون لجهالة قدر المنفعة بأن لا یبین المدة .... فالفاسد یجب فیه أجر المثل و لا یزاد علی المسمّٰی إن سمی فی العقد مالاً معلوماً، وإن لم یسم، یجب أجر المثل بالغاً ما بلغ". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۳۹، الباب الخامس عشر فی بیان ما یجوز من الإجارة ومالا یجوز، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار: ٦/۴۵، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

"سئل فی رجل به داء فی أنفه، اتفق مع طبیب علی مداواته، وجعل له أجرةً، ولم یضرب لذلک مدةً، وداواه، فما الحکم؟ أجاب: للطبیب أجرة مثله و ما أنفق فی ثمن الأدویة لفساد الإجارة علی الوجه المذکور". (الفتاوی الخیریة علی هامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۲/۱۸۲، کتاب الإجارة، رشیدیه)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۲/۱۵۱، کتاب الإجارة، رشیدیه)

(۲) "پینٹ:(Paint) رنگ، روغن"۔(فیروز اللغات، ص: ۳۳۱، فیروز سنز لاهور)

(۳) "ڈپازٹ:(Deposit) امانت، جمع کرنا"۔(فیروز اللغات، ص: ٦۷۷، فیروز سنز لاهور)

کر دیا، بکر نے مقدمہ دائر کیا، مقدمہ میں بکر ہار گیا اور جج کے سوال پر کہ: ''جگہ تمہاری ہے، دوکان تم نے بنائی ہے''۔ بکر نے جواب دیا کہ: ''نہ دکان میری ہے، نہ جگہ''۔

زید مسلسل کرایہ گورنمنٹ کو دیتا رہا، چار سال بعد گورنمنٹ نے زید سے کرایہ لینا بند کر دیا کہ یہ جگہ گورنمنٹ کی نہیں ہے، جو جگہ کا اصلی مالک ہے اس کو کرایہ دیا جائے۔ بہر حال بعد تحقیق کے معلوم ہوا اور جگہ کے مالک کا پادری دوکان پر آیا اور اس کی ملکیت کا اظہار کیا۔ زید نے پادری کو کرایہ دینا شروع کر دیا اور پر چہ نادر نے کرایہ داری کا سٹرفکیٹ زید کو دیا اور آج تک رسید ہے، لیکن زید کرایہ دے رہا ہے۔ بکر نے دوبارہ مقدمہ دائر کر دیا ہے اس بناء پر کہ مس پالٹی میں جا کر عملے کے ٹیکس کا بل اپنے کام کرالیا ہے۔

آپ حضرات سے مشورہ طلب ہے کہ اصل مالک کس کو سمجھا جائے؟ اور زید کو اس دکان میں تجارت کرنا اس کو استعمال کرنا درست و جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بکر شروع سے آج تک کا کرایہ مقدمہ کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور دوکان بھی خالی کرا کر اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ وہ تو کرایہ دار ہے، اول اس نے یہ سمجھا تھا کہ یہ جگہ اور دوکان بکر کی ہے، بعد میں جب جج کے سامنے بکر نے اپنی مِلک کا انکار کر دیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ دوکان بکر کی نہیں ہے۔ زید کرایہ دار ہے جب تک یہ ظاہر ہوا کہ دوکان بکر کی ہے اس کو کرایہ دیتا رہا، جب ظاہر ہوا کہ گورنمنٹ کی ہے اس کو کرایہ دیتا رہا، اب پتہ چلا کہ چرچ کی ہے تو پادری کو کرایہ دے رہا ہے۔ زید کو اس دوکان میں تجارت کرنا بحیثیتِ کرایہ دار درست ہے(۱)۔

---

(۱) ''تصح اجارة حانوت: أی دکان ودارٍ بلا بیان مایُعمل فیها وبلا بیان من یسکنها''. (الدر المختار، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجاره ومایکون خلافا فیه : ٦/٢٨، سعید)

''ثم الأجرة تُستحق بإحدی معان ثلاثة إما بشرط التعجیل أو بالتعجیل أو باستفاء معقود علیه إذا وُجد أحد هذه الأشیاء الثلاثة فإنه یملکها''. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الثانی فی بیان أنه متی تجب الأجرة: ٤/٤١٣، رشیدیه)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم، کتاب الإجارة: ١/٢٦٣، (رقم المادة: ٤٦٩)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

آئندہ اگر مقدمہ سے یہ ثابت ہوجائے کہ یہ کسی اَور کی ہے مثلاً بکر کی ہے (حالانکہ پہلے وہ اپنی ملکیت کاانکار کرچکا ہے) اوراس کے حق میں قانونی فیصلہ ہوجائے تواس کومطالبہ کاحق ہوگا(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ کا معاملہ ختم ہونے پر پیشگی لی ہوئی رقم کی واپسی

الاستفتاء [۸۱۴۷]: ا......میں ایک مسجد کا متولی ہوں۔مسجد کا ایک کمرہ کرایہ پر دینا تھا،دوگاہک آئے جن میں سے ایک نقدرقم دے رہے تھے اور دوسرے میرے پڑوسی تھے،ان کے پاس پوری رقم موجود نہ تھی مگرانہوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا، بالآخران سے سودا ہوگیا کہ کمرہ کا عطیہ ساڑھے پانچ ہزارروپے اور کرایہ ماہانہ چالیس روپے ہوگا۔معاملہ طے ہوچکا تھا،انہوں نے ساڑھے پانچ ہزارروپے بطورعطیہ دینا منظورکرلیا۔سودا طے ہونے کے ڈیڑھ ماہ بعدمعذرت چاہی اورکمرہ کسی اَورکوکرایہ پردینے کی درخواست کی۔

چونکہ وہ بقیہ ساڑھے چار ہزارروپۓ مہیا نہ کرسکے اورمسجدکو دی ہوئی رقم واپس طلب کرنے لگے،ہم نے کہا کہ جب کوئی کرایہ دارکمرہ لے لےگا تب ہی رقم کا فیصلہ ہوگا۔انہوں نے خاموشی اختیارکی۔ان سے سودا طے ہونے کے آٹھ ماہ بعدکمرہ کادوسرکرایہ دارآگیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیاان سے آٹھ ماہ کاکرایہ لیاجاسکتاہے؟

۲......انہوں نے جورقم بطورعطیہ مسجدکودی انہیں لوٹادی جائے۔شرعی نقطۂ نظرسے آگاہ کریں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ا......جب کہ کمرہ پرقبضہ نہیں رہا،توان سے اس مدت کا کرایہ وصول کرناشرعاً درست نہیں،خاص کر جب کہ انہوں نے معذرت کرکے کمرہ دوسرےکوکرایہ پردینے کے لئے کہہ دیا(۲)۔

---

(۱) "فقال البائع ولي بينة أنها كانت ملكاً لي منذ سنتين مثلاً وبرهن على ذلك، لاتندفع الخصومة، بل يقضي بها للمستحق ....للعلم بكونه ملك الغير لايمنع من الرجوع عند الاستحقاق".

(الدرالمختار، كتاب الاستحقاق: ۵/۲۰۲، سعيد)

(وكذافي شرح المجلة لسليم رستم، كتاب البيوع، باب الاستحقاق: ۱/۲۲۷، ۲۲۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "ومنها: تسليم المستأجر في إجارة المنازل ونحوها إذا كان العقد مطلقاً عن شرط التعجيل ....="

۲...... ایک ہزار کی رقم اگر چہ عطیہ کہہ کر دی ہے اور اس کی رسید بھی دی گئی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا مقصود حسبۃً للہ مسجد کی خدمت کرنا نہیں ہے، بلکہ اسی امید پر دی ہے کہ وہ کمرہ لیں گے، ان کو مسجد کا کمرہ ملے گا۔ اگر وہ محض خدا کے واسطے مسجد کو رقم دیتے تو اب واپسی کا مطالبہ نہ کرتے، لہٰذا یہ وہ پگڑی ہے جس کو مسجد کے لئے درست نہ سمجھتے ہوئے آپ نے اس کا نام عطیہ رکھ دیا، جس طرح بیعانہ جزوِ قیمت ہوتا ہے اور بیع کا معاملہ ختم ہو جانے پر اس کی واپسی شرعاً لازم ہوتی ہے، اسی طرح اس عطیہ کی واپسی بھی لازم ہے(۱)۔

جس طرح مسجد کے لئے پگڑی کو آپ درست نہیں سمجھتے، اسی طرح لی ہوئی رقم بھی مسجد کے لئے جبراً رکھنا درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۱۰/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۱۰/ ۸۵ھ۔

دھوبی وغیرہ کی خدمت اور اجرت

سوال[۸۱۴۸]: بعض جگہ کا قاعدہ ہے کہ درزی، دھوبی، حجام، بڑھئی وغیرہ کو کچھ زمین بے لگان دے دیتے ہیں، یا وہ ان پر غلہ کی ایک خاص مقدار معین کر دیتے ہیں اور اس کے عوض میں اس سال بھر میں جتنی

= ويفي بالتسليم التخلية والقكين من الانتفاع برفع الموانع في إجارة المنازل ونحوها .... حتى لو انقضت المدة من غير تسليم المستأجر على التفير الذي ذكرنا، لايستحق شيئاً من الأجر؛ لأن المستأجر لم يملك من المعقود عليه شيئاً، فلا يملك هو أيضاً شيئاً من الأجر؛ لأنه معاوضة مطلقة".

(بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في شرائط الركن: ٥/ ٥٣٧، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارات: ٥/ ١١، رشيديه)

(١) "ونهى عن بيع العربان أن يقدم إليه (أي البائع) شئ من الثمن، فإن اشترى، حسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر". (حجة الله البالغة، المبحث: البيوع المنهي عنها، باب بيوع فيها معنى الميسر: ٢/ ٢٨٨، قديمي)

"اطمینان کے لئے بیعانہ لینے یا دینے کا تو مضائقہ نہیں، مگر مشتری لینے سے انکار کر بیٹھے تو بیعانہ کی واپسی واجب ہے اور اس کا دبا لینا ظلم اور غصب میں داخل ہے"۔ واللہ اعلم۔ (إمداد الأحكام، كتاب البيوع، عنوان: بیعانہ کی رقم ضبط کر لینا ظلم اور غصب ہے: ٣/ ٣٦٧، مكتبه دار العلوم كراچی)

مرتبہ کام کی ضرورت پڑتی ہے کام لیتے رہتے ہیں، خواہ وہ آمدنی اس کے کام کی سالانہ اجرت سے کم ہو یا زیادہ، اگر وہ خوشی سے اس کو کرتا ہے۔ برائے مہربانی جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: محمد نعیم بستوی، موضع گڑھی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس صورت میں چونکہ عمل کی تفصیل معلوم نہیں ہوتی جس سے نزاع پیدا ہوتا ہے، لہذا یہ اجارہ فاسدہ ہوتا ہے، لیکن اگر کسی جگہ اس کا عرف عام ہے اور اجیر ومستأجر معاملہ کو بوقتِ عقد اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں اور کوئی جہالت مفضی الی النزاع باقی نہیں رہتی تو وہاں اس معاملہ کو جائز کہا جائے گا (۱):

"ومنها أن يكون المعقود عليه –وهو المنفعة– معلوماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالةً مفضيةً للمنازعة، يمنع صحة العقد، وإلا فلا". فتاوى عالمگیری: ۱/۱۰۸۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۴/۵۴ھ۔

ملازم کو سفرِ خرچ کی جعلی رسید بنانا

سوال [۸۱۴۹]: میں ایک سرکاری ملازم ہوں، میرے اور متعلقین کے لئے ایک قاعدہ مقرر ہے

---

(۱) والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قديدار

"السادسة: العادة محكمة وأصلها قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم " مارآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن" واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلاً، فقالوا: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة". (رسائل ابن عابدين، رسالة شرح عقود رسم المفتي: ۱/۴۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۱، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

"ويفسدها، كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل". (الدرالمختار: ۶/۴۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"منها أن يكون المعقود عليه –وهو المنفعة– معلوماً علماً يمنع من المنازعة". (بدائع الصنائع: ۵/۵۳۸، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

اس کے مطابق سفر خرچ ملتا ہے، سامان کی منتقلی کے لئے بھی ایک قاعدہ مقرر ہے، اس کے موافق خرچ ملتا ہے، لیکن اس کی توثیق کے لئے ہمیں رسید دینی پڑتی ہے۔ عموماً سامان بستی سے تھوڑا تھوڑا لایا جاتا ہے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا ہے، لیکن سفرِ خرچ کی برآورد اس ماہ کے ختم سے پہلے داخل کرنا ضروری ہے، ورنہ تنخواہ میں سے جو رقم بضمنِ سفر خرچ پیشگی لی گئی تھی منہا کر لی جاتی ہے۔

لہٰذا اب برآورد کے ساتھ جعلی رسید منتقلی سامان کی دینی پڑ رہی ہے اور مزید ایک سامان کی فہرست کی دینی پڑتی ہے جس میں بناوٹی سامان رہتا ہے، یہ عام رواج سرکاری ملازمین کا ہے۔ اب سرکار سے مقررہ قاعدہ کے اعتبار سے جعلی رسید دے کر خرچ برائے منتقلی سامان لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا روپیہ خرچ ہوگا وہ خرچ اگر پیشگی دے کر اس کی رسید حاصل کر لی جائے اور وہ داخل کر دی جائے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔



(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتاكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة المائدة: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحلّ مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في "شعب الإيمان، والدارقطني في "المجتبى". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

بائع ومشتری دونوں سے دلالی کی اجرت

سوال[۸۱۵۰]: بائع ومشتری دونوں سے دلالی لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں طرف سے دلالی جائز ہے جبکہ عرف ہو، اصالۃً دلالی کا معاملہ ناجائز ہے، مگر حاجت اور عرف کی بناء پر فقہاء نے اجازت دی ہے اور یہ اجازت اپنے عموم کی حیثیت سے یکطرفہ دوطرفہ سب کو شامل ہے، کذا فی الشامی، کتاب الإجارة(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

---

(۱) "قال في التاتارخانية: و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل، و ما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا، فذلك حرام عليهم. وفي الحاوي: سُئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل. وكثيرٌ من هذا غير جائز، فجوّز لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار: ۶۳/۶، مطلب في أجرة الدلال، سعيد)

"و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل .... دفع ثوباً إليه وقال: بعْه بعشرة، فما زاد، فهو بيني و بينك .... و لو باع باثني عشر أو أكثر، فله أجر مثل عمله، وعليه الفتوىٰ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، ۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱۱۶/۳، الفصل الثاني في صحة الإجارة وفسادها، جنس آخر في المتفرقات، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۲۸/۱۵، ۱۲۹، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

اجرتِ دلال

سوال[۸۱۵۱]: عمر نے ایک مکان تعمیر کیا، اس کے لئے اس کولوہے کی ضرورت پیش آئی اور وہ ایک تجربہ کار شخص کو ساتھ لے کر لوہا خریدنے گیا، وہاں ۵۰۰۰/ روپے کا لوہا خریدا۔ بعد کو اس سے معلوم ہوا کہ دوکاندار نے اس تجربہ کار شخص کو ۵۰/ روپے دیئے، کیونکہ وہ اس کی دکان پر گاہک کو لے گیا تھا، یا جو بھی ان کے مابین طے ہو۔ تو یہ کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روپیہ اس شخص کے لئے درست ہے، اس کی کوشش اور محنت کا عوض ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

دلالی کا حکم

سوال[۸۱۵۲]: دلالی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ زید سے بائع ومشتری دونوں الگ الگ کچھ رقم دینے کو کہیں۔ مثلاً: بائع نے تو یہ کہا کہ اگر ہمارا پھل سو روپیہ کا بکوادو تو پانچ روپیہ ہم تم کو دیں گے۔ اور مشتری نے کہا کہ اگر یہ پھل ہم کو ایک سو پانچ میں خریدو گے تو ہم پانچ روپیہ تم کو دیں گے تو دلال کو پانچ پانچ روپیہ بائع اور مشتری دونوں کی جانب سے ملے، اس کے علاوہ ایک سو پانچ میں سے پانچ اَور ملے۔ تو اس تیسری رقم کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دلال سو روپے میں خرید کر ایک سو پانچ روپے میں بیچ دے تو یہ جائز ہے، مگر اس صورت میں صرف پانچ

---

(۱) "و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل .... دفع ثوباً إليه وقال: بعْه بعشرة، فما زاد فهو بيني و بينك .... و لو باع باثني عشر أو أكثر، فله أجر مثل عمله، وعليه الفتویٰ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۰، ۴۵۱، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار: ۶/۶۳، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، سعيد)

(و كذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، ۱۲۹، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

روپے کا نفع ہوا اور دلالی کی صورت نہیں ہوئی۔ دلالی یہ ہے کہ بائع ومشتری کے درمیان معاملہ کرایا جائے، اس میں بائع ومشتری دونوں کو ثمن (قیمت) معلوم ہوتی ہے(۱) اور دلال کو اس ثمن کے علاوہ اجرت ملتی ہے، خواہ وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت میں متعین ہو، خواہ اس طرح کہ فیصد دس روپے یا فی روپیہ ایک آنہ اجرت مقرر کی جائے، وہ اجرت درست ہے جس قدر بھی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کسی دوسرے خریدار کو دھوکہ دینے کے لئے قیمت میں کمی زیادتی کرنا

سوال[۸۱۵۳]: خالد پاکستان سے بکریوں کا کاروبار کرتا ہے اور دلالی وصول کرتا ہے۔ دلالی دو قسم کی ہوتی ہے: بکری والے سے یہ طے کرے کہ میں تیری بکری فروخت کروا دوں گا اور ہر بکری پر پچاس روپے مجھے چاہیے، اس پر اتفاق ہو جائے اور جتنی بکری بکوائے ہر ایک کے بدلے پچاس روپے بکری والے سے وصول کرلے۔

دوسری قسم جو آج کل عام ہے: بکری والا بازار میں کھڑا ہے، ایک طرف دو آدمی اس بکری کو خریدنا چاہتے ہیں، وہ قریب میں کھڑے ہیں، پہلے وہ بکری کی قیمت بھی معلوم کر چکے ہیں، بکری کی اصلی قیمت چار سو روپے سے زائد نہیں۔ دو آدمی آتے ہیں، بکری والا ان سے پانچ سو ہی مانگتا ہے، وہ دونوں آدمی دو تین چکروں میں اس کی قیمت ۴۰۰/سو تک پہنچا دیتے ہیں اور حقیقت میں خریدار نہیں ہیں۔ اب جو آدمی بکری خریدنا چاہتے ہیں، یہ دیکھ کر اس بکری کو خرید لیتے ہیں اور انھوں نے بکری والے سے قیمت بڑھانے پر جو طے کیا تھا وہ لے لیتے

---

(۱) "والسمسار اسمٌ لمن یعمل للغیر بالأجرة بیعاً و شراءً". (المبسوط للسرخسی: ۱۵/۱۲۸، باب السمسار، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی قواعد الفقه، ص: ۲۹۳، الصدف پبلشر کراچی)

(۲) "و فی الدلال والسمسار یجب أجر المثل .... دفع ثوباً إلیه وقال: بعْه بعشرة، فمازاد فهو بینی و بینک .... و لو باع باثنی عشر أو أکثر، فله أجر مثل عمله، وعلیه الفتویٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۵۰، ۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶/۶۳، کتاب الإجارة، مطلب فی أجرة الدلال، سعید)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۳/۱۱۶، الفصل الثانی، جنس آخر فی المتفرقات، امجد اکیڈمی لاهور)

ہیں۔کیا یہ اجرت وکمیشن جائز ہے، یا پہلی قسم والی اجرت جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پہلی قسم جائز ہے(۱)، دوسری قسم دھوکا اور فریب کا معاوضہ ہے، ناجائز ہے، حدیث پاک میں ایسے فریب کی ممانعت وارد ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

سود سے بچنے کے لئے دلال کی اجرت میں اضافہ

سوال[۸۱۵۴]: ایک تاجر کچھ کپڑے کا بیوپار کرتا ہے اور وہ دہلی جاکر دلال کی معرفت کپڑا خریدتا ہے اور وہ دلال کو مبلغ ایک سوروپیہ سیکڑہ آڑت یا مزدوری دیتے ہیں اور اگر کچھ روپیہ ادھار رہتا ہے تو وہ اس پر سیکڑہ کی سود لگاتے ہیں، کیونکہ دلال لوگ بازار سے مال خریدتے ہیں، اگر بازار والوں کے روپیہ رہتے ہیں تو وہ ان سے سود لیتے ہیں اور دلال لوگ ہم سے لیتے ہیں۔اب اگر ہم بجائے سود کے ان کی آڑت یا مزدوری بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ دیویں اور یہ کہہ دیں کہ ہم سود نہیں دیں گے۔

ہم اگر وہ آڑت یا مزدوری ایک روپیہ میں ڈیڑھ دے دیں تو وہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ بھی ناجائز ہو

---

(۱) (راجع، ص: ۶۱۹، رقم الحاشية: ۲)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- وقال قتيبة يبلغ به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- قال: "لا تناجشوا". و قال الترمذي: والعمل على هذا عند أهل العلم كرهوا النجش، والنجش أن يأتي الرجل الذي يبصر السلعة إلى صاحب السلعة، فيستام بأكثر مما تسوىٰ، و ذلك عند ما يحضره المشتري يريد أن يغترّ المشتري به و ليس من رأيه الشري، إنما يريد أن ينخدع المشتري بما يستام، وهذا ضرب من الخديعة". (جامع الترمذي: ۱/۲۴۴، أبواب البيوع، باب في كراهة النجش، سعيد)

(والصحيح لمسلم: ۲/۳، كتاب البيوع، قديمي)

"وكره النجش .... أن يزيد، ولا يريد الشراء، ويمدحه بما ليس فيه، ليروّجه. ويجري في النكاح وغيره". (الدرالمختار: ۵/۱۰۱، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۲۱۰، الباب العشرون في البياعات المكروهة، رشيديه)

جاوے تو کوئی اَور سبب بتلاؤ جس سے ہم سود دینے سے بری رہیں اور ہمارے کام چل جاویں۔ اور پھر دلال ہم سے یہ کہتے ہیں کہ بجائے ایک روپیہ کے دو روپیہ آڑت یا مزدوری دے دو تو ہم سود چھوڑ دیویں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

طریقۂ مروجہ پر دلال کی اجرت ناجائز ہے(۱)۔ جواز کی صورت یہ کہ دلال کو ایک یا آدھے دن کے لیے اجرت طے کر کے بطورِ مزدور کے رکھ لیا جائے اور اس دن میں اس سے کپڑا خرید والیا جائے اور اجرتِ مقررہ دے دی جائے۔ اب خریدار اور دلال آپس میں جو چاہیں طے کر لیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲)، کذا فی سکب الأنہر (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

نیلام کرنے کی اجرت

سوال [۸۱۵۵]: ایک شخص دوسرے شخص کے پھل نیلام کرتا ہے اور نیلام کرائی مالک کی رضامندی

---

(۱) "ما حرم أخذه حرم إعطآء ه". فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا وأجرة النائحة". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۳، (رقم المادة: ۳۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"المعروف بين التجار كالمشروط بينهم". (شرح المحلة لسليم رستم: ۱/۳۸، (رقم المادة: ۴۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وإن استأجره يوماً إلى الليل بأجر معلوم ليبيع له أو يشتري له، فهذا جائز؛ لأن العقد يتناول منافعه هنا، وهو معلوم ببيان المدة، والأجير قادر على إيفاء المعقود عليه". (المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، باب السمسار، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في النتف في الفتاوى، ص: ۳۴۹، من كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۰، نوع في المتفرقات، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/۶۵۶، كتاب المضاربة، سعيد)

(۳) "والسمسار" المتوسط بين البائع والمشتري (يجبران عليه)؛ لأنهما يعملان بأجرة عادة بلا استيجار؛ إذ لو استاجر ليبيع أو ليشتري، لم يجز؛ لأنه لايتم الا بغيره، والحيلة أن يستاجره للخدمة يوماً، ويستعمله في البيع والشراء، ولو عمل بلا شرط وأعطاه شيئاً لابأس به وبه جرت العادة". (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۵۸، كتاب المضاربة، إمداديه ملتان)

سے ہر گھپے(۱) سے دو کیلے نیلام کرنے سے قبل نکال لیتا ہے۔کیا اس کی آمدنی درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کمیشن پر نیلام

سوال[۸۱۵۲]: ا...... میرے ایک عزیز دوست نے ایک آڑتھ (فرم) از قسم میوہ جات پھل وغیرہ کی کھولی ہے، یعنی وہ کمیشن ایجنٹ ہیں کہ جو مال ان کی دکان آڑتھ پر فروخت کرنے کو لاتے ہیں تو اس مال پر اپنے مالکوں سے بولی بُلوا کر فروخت کرواتے ہیں، جس بیوپاری کی بولی زیادہ رقم کی ہوتی ہے اور مالک اس پر رضامند مال دینے پر ہوتا ہے، اس خریدار (بیوپاری) کے نام بولی ختم کرکے مال اس بیوپاری کو دے دیتے ہیں۔ پھر اس روپیہ کو لے کر ایک مال کو ادا کرتے ہیں۔اور اگر بیوپاری کے پاس اس وقت ادا کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہے تو مالکِ آڑتھ (فرم) اپنے پاس سے مالکِ مال کو روپیہ ادا کر دیتے ہیں اور پھر بعد میں اس سے اپنا روپیہ جب وہ دیتا ہے تو لے لیتے ہیں۔ ہر دو صورت میں بیوپاری یعنی خریدار مال سے علاوہ اصل رقم مال کے ایک آنہ فی روپیہ بطورِ کمیشن مال اس سے مالکِ فرم لیتے ہیں۔

مال کی بولی یعنی نیلام کرانے کے لئے مالک فرم (آڑتھ) کے ملازم رکھتے ہیں اور حساب وغیرہ کے لئے بھی ملازم ہے، ان سب کی تنخواہ جو مال بکوانے پر کمیشن ملتا ہے اس رقم سے ادا کرتے ہیں اور دوکان کا دیگر خرچہ اور اپنا خرچ بھی اسی کمیشن والی رقم آمدنی سے خرچ کرتے ہیں۔تو ایسی صورت میں مالکِ مال کی اشیاء

---

(۱)''گپھا: پھولوں کا گچھا، مجموعہ''۔(نور اللغات، ص:۹۴۱، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۲) "رجل أراد أن يبيع بالمزايدة، فأمر رجلاً لينادي، ثم يبيع صاحبه، فنادى ولم يبع، قالوا: إن بين لذلك وقتاً، جازت الإجارة، فله الأجر المسمى. وكذا إن لم يذكر الوقت ولكن أمره أن ينادي كذا صوتاً، جاز أيضاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

نیلام کرواکر خریدار مال سے اصل رقم مال کے علاوہ ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے زائد بطور کمیشن لینا مالک فرم کو جائز ہے یا نہیں؟

٢......اس طرح سے کمیشن مال فروخت کرنے پر خریدار سے لینا سود ہے یا نہیں؟

٣......اس کمیشن سے آمدنی والے روپیہ پر زکوة دینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

١......جائز ہے(١)۔

٢...... یہ سود نہیں ہے، بلکہ دلالی کی اجرت ہے جس کو شامی میں درست لکھا ہے(٢)۔

٣...... یہ روپیہ ملک میں داخل ہے، حسبِ قواعدِ شرعیہ دیگر مملوکہ روپیہ کی طرح اس پر بھی زکوة لازم ہوگی۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ٨/٥/٨٩ھ۔

کمیشن پر سفیر رکھنا

سوال[٨١٥٧]: مدرسہ کی وصولی کرنے پر چوتھائی یا تہائی حصہ جو محصلین وعاملین کو دیا جاتا ہے، کیسا

---

(١) "رجل أراد أن يبيع بالمزايدة، فأمر رجلاً لينادی، ثم يبيع صاحبه، فنادی و لم يبعْ، قالوا: إن بين لذلک وقتاً، جازت الإجارة، فله الأجر المسمی. وكذا إن لم يذكر الوقت و لكن أمره أن ينادی كذا صوتاً، جاز أيضاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ٤/٤٥١، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع فی فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا فی المبسوط للسرخسی: ١٥/١٢٨، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٢) "و فی الدلال والسمسار يجب أجر المثل، و ما تواضعوا عليه أن فی كل عشرة دنانير كذا، فذلک حرام عليهم. وفی الحاوی: سُئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان فی الأصل فاسداً، لكثرة التعامل. وكثيرٌ من هذا غير جائز، فجوّز لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ٦/٦٣، مطلب فی أجرة الدلال، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ٤/٤٥٠، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

ہے، کونسی صورت جائز ہے؟ دیو بند میں کیسا نظام ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ طریقہ ناجائز ہے، یہ اجارہ فاسد ہے، دو وجہ سے: ایک بوجۂ جہالتِ اجر، اور دوسرا اس لئے کہ اس میں اجرت عملِ اجیر سے حاصل ہوتی ہے:

"وشرطها كون الأجر والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". درمختار علیٰ هامش ردالمحتار: ٥/٤(١)۔

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أي بنصفه الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره، بجزءٍ من عمله". الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٥/٤٨(٢)۔

جائز صورت یہ ہے کہ ان کی تنخواہ مقرر کر دی جائے اور یہ کہا جاوے کہ اگر ہزار روپے لاؤ گے تو پچاس روپے علاوہ تنخواہ کے مزید انعام دیا جائے گا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

---

(١) (الدرالمختار: ٦/٥، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ٤/١١٤، الباب الأول في تفسير الإجارة، شروط الإجارة، رشيديه)

(٢) (الدرالمختار: ٦/٥٦، ٥٧، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/١٢٧، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(٣) "والحيلة أن يفرز أولاً، أو يسمىٰ قفيزاً بلا تعيين، ثم يعطيه قفيزاً منه، فيجوز". (الدرالمختار: ٦/٥٧، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ٥/٣٥، النوع الثالث في الدواب، الإجارة الفاسدة، رشيديه)

کمیشن پر سفیر رکھنا

سوال[۸۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

ایک دینی عربی مدرسہ ہے جس میں قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ کی درس نظامی کے تحت تعلیم ہوتی ہے، طلبہ مستطیع وغیر مستطیع دونوں قسم کے پڑھتے ہیں، غریب طلبہ کو کھانا، نقد وظیفہ، کپڑا وغیرہ دیا جاتا ہے۔ مدرسہ سے متعلق کچھ وقف جائیداد بھی ہے۔ زیادہ تر ضروریات چندہ سے پوری ہوتی ہیں جس کے لئے تنخواہ دار سفیر مقرر ہیں، مگر سفیر پوری محنت نہیں کرتے جس کی وجہ سے آمدنی کم ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ چندہ وصول کرنے کے لئے کمیشن کا معاملہ کرلیا جائے، یعنی جتنا روپیہ جو سفیر وصول کرکے لائے اس کا نصف اس کو اجرت میں دے دیا جائے، یہی اس کی تنخواہ ہو، اس سے آمدنی زیادہ ہوگی، متعینہ تنخواہ کا معاملہ نہ کیا جائے۔

اب گذارش ہے کہ اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟ امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے، فقہی عبارات میں سے بھی حوالہ نقل فرمادیں تو عینِ کرم ہوگا۔

مولوی شبیر احمد، مہتمم مدرسہ دارالعلوم ذکریا لینز، جنوبی افریقہ، ۳/۶/۱۴۱۰ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ مسئلہ کتاب الاجارہ کا ہے، اجارہ کی تعریف یہ ہے: "هی تمليك نفعٍ مقصودٍ من العين بعوضٍ، اهـ". درمختار: ۲/۵(۱)۔

"كل ما صلح ثمناً: أى بدلاً فى البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة ولا ينعكس كلياً، فلا يقال: مالا يجوز ثمناً لا يجوز أجرةً، لجواز إجارة المنفعة بالمنفعة إذا اختلف، اهـ". درمختار: ۳/۵(۲)۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۴/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۷۷/۶، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

وكذا فى مجمع الأنهر: ۵۱۱/۳، كتاب الإجارة، إمدايه ملتان)

(۲) (الدرالمختار: ۴/۶، كتاب الإجارة، سعيد) .... =

جس طرح بیع میں مبیع وثمن کا معلوم ہونا ضروری ہے، اسی طرح اجارہ میں منفعت واجر کا معلوم ہونا ضروری ہے:

"وشرطها كون الأجرة و المنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضى إلى المنازعة، اهـ".

درمختار۔ "الكلام فيهما وفى صفتهما كالكلام فيهما فى البيع. اهـ". شامی: ۵/۳(۱)۔

منفعت معلوم ہونے کی صورت مثلاً یہ کہ قلی سے کہا جائے کہ یہ سامان فلاں جگہ پہونچادو، یا مثلاً معمار سے کہا جائے کہ اتنے گز طویل وعریض دیوار تعمیر کردو، یا مثلاً سقے سے کہا جائے (۲) کہ مشک میں پانی لے کر مسجد کے حمام میں بھر دو، یا مثلاً یہ مکان ایک ماہ سکونت کے لئے دے دو وغیرہ وغیرہ:

"ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدةً كذا، والعمل كالصياغة والصبغ والخياطة، ويعلم أيضاً بالإشارة كنقل هذا الطعام إلى كذا، اهـ". درمختار: ۵/۴(۳)۔

جو شرط اقتضائے عقد کے خلاف ہو، اس سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے بیع فاسد ہو جاتی ہے مبیع یا ثمن کے مجہول ہونے سے اسی طرح اجارہ فاسد ہو جاتا ہے اجرت یا ماجور کے مجہول ہونے سے:

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع، يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة، اهـ". درمختار: ۵/۲۹(۴)۔

بیع ایسی چیز کی درست نہیں جس کو مشتری کے سپرد کرنے کی قدرت نہ ہو، جیسے ہَوا میں اڑنے والا پرندہ، یا جنگل میں چرنے والا ہرن، یا دریا میں مچھلی، الّا یہ کہ ان کو پکڑ کر قابو میں کر لے۔ اسی طرح ایسی چیز کو ثمن قرار

= (وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۶۰، الباب الثالث، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (الدر المختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۵/۵۳۹، باب شروط الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "سقہ: پانی پلانے کا پیشہ کرنے والا"۔(نور اللغات، ص: ۳۴۶، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(۳) (الدر المختار: ۶/۶، ۷، كتاب الإجارة، سعيد)

(۴) (الدر المختار: ۶/۴۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۴۲، الفصل الثانى فيما يفسد العقد فيه لمكان الشرط، رشيديه)

دینا ہی درست نہیں جس کے تسلیم پر قدرت نہ ہو، یہی حال اجارہ کا ہے۔ ایسی منفعت کا اجارہ درست نہیں جس پر اجیر کو قدرت نہ ہو اور ایسی چیز کو اجرت قرار دینا درست نہیں جس پر مستاجر کو قدرت نہ ہو۔

نیز جو چیز اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی اس کو اجرت قرار دینا بھی درست نہیں:

"استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسد في الكل، اهـ". درمختار۔ "لأنه استأجره بجزءٍ من عمله: أي ببعض ما يخرج من عمله، والقدرةُ على التسليم شرط و هو لا يقدر بنفسه. زيلعي، اهـ". شامي: ۵/۳۶(۱)۔

سفیر کا کام اگر روپیہ وصول کر کے لانا تجویز کیا جائے تو یہ اجارہ درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ کام اس کے اختیار اور قابو سے باہر ہے، اس کو قدرت نہیں کہ وہ لوگوں کی جیب سے روپیہ نکال کر لے آئے:

"لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". الحديث(۲)۔

اس کو روپیہ ملنا اربابِ اموال کے دینے پر موقوف ہے تو یہاں اجارہ ایسے عمل پر ہے جو اجیر کے اختیار سے خارج ہے، اس کے اختیار میں لوگوں کے پاس جانا اور مدرسہ کی ضروریات بتا کر چندہ کی ترغیب دینا ہے، مگر اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کہ کتنے گھنٹے روزانہ لوگوں کے پاس جانا ہے، لہذا یہ منفعت بھی مجہول ہے، اور اجرت ایسی چیز کو قرار دیا جائے گا جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی، وقتِ معاملہ وہ معدوم ہے، مستاجر کے پاس نہیں، اس کو تسلیم کرنے پر مستاجر کو قدرت نہیں۔ یہ بھی معلوم و متعین نہیں کہ کتنا چندہ سفیر کی ترغیب سے حاصل ہوگا، اس لئے اس کا نصف بھی معلوم و متعین نہیں۔ پس اجرت و ماجور دونوں مجہول ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ روپیہ وصول ہو جائے اور سفیر زیادہ رقم کا مستحق قرار پائے اور

---

(۱) (ردالمحتار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسده، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۲۷/۶، ۱۲۸، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۳۷/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "قال: أخبر أبو بكر .... عن أبي علي بن زيد عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: " لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲) ، دارالكتب العلميه بيروت)

(ومشكوة المصابيح ، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۲۵۵/۱، قديمي) =

یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ وقت اور محنت میں بھی تھوڑا روپیہ ملے، یا بالکل نہ ملے اور سفیر تھوڑی رقم کا حقدار قرار پائے، یا بالکل ہی محروم رہے، اس کا نتیجہ بھی معلوم۔

جن صاحب نے کمیشن کا مشورہ دیا ہے ان کو یہ تحریر دکھا کر مکرر مشورہ کر کے مجھے بھی مطلع کر دیں، تا کہ مجھے بھی مکرر غور کرنے کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم دے۔ فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، جنوبی افریقہ، ۵/۶/۱۴۱۰ھ۔

کمیشن پر مدرسہ کے لئے سفیر مقرر کرنا

سوال [۸۱۵۹]: ایک مدرسہ کا چندہ وصول کرنے کے لئے ایک محصل رکھا ہے، شرط یہ ہے کہ جو کچھ وہ وصول کرے گا اس کا نصف یا ثلث اس کو دیا جائے گا۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

=عربی عبارات کا ترجمہ:

۱- کسی چیز کے بدلہ ایسے نفع کا مالک بنانا جو عین سے مقصود ہو۔

۲- ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بن سکے وہ اجرت بن سکتی ہے، اس لئے کہ اجرت منفعت کی ثمن ہوتی ہے اور اس کا عکس کلی نہیں ہوسکتا کہ ہر وہ چیز جو ثمن نہ بن سکے وہ اجرت بھی نہ بن سکے گی، چونکہ منفعت کو منفعت کا اجارہ بنایا جا سکتا ہے جب کہ دونوں منفعت الگ الگ ہوں۔

۳- اور اجارہ کی شرط یہ ہے کہ اجرت اور منفعت دونوں معلوم ہوں اس لئے کہ ان دونوں کی جہالت سے جھگڑا پیدا ہوگا۔

۴- اور نفع معلوم ہوگا مدت کے بیان سے، جیسے اتنے دن اس مکان میں رہے گا، یا اتنی مدت اس زمین میں کھیتی کرے گا۔ اور نفع معلوم ہوگا عمل سے بھی، جیسے سنار کا کام یا کپڑے رنگنے کا کام یا کپڑے سینے کا کام۔ اور کبھی نفع کا علم اشارہ سے ہوتا ہے کہ اس کھانے کو وہاں لے جانا ہوگا۔

۵- اجارہ ایسی شرط سے فاسد ہو جاتا ہے جو عقد کے مقتضیٰ کے خلاف ہو، پس ہر ایسی چیز جس سے بیع فاسد ہو جائے اس سے اجارہ بھی فاسد ہو جائے گا، جیسے شیٔ ماجور کی جہالت یا اُجرت کی جہالت۔

۶- ایک خچر کرایہ پر لیا، تا کہ اس پر کھانے کا سامان لاد کر لائے اور کچھ اس میں سے کھانا اس کی اجرت مقرر کی، یا بیل کرایہ پر لیا آٹا پیسنے کے لئے اور اس میں سے کچھ اجرت ٹھہرایا تو سب صورتوں میں اجارہ فاسد ہے، اس لئے کہ اجرت اس پر ٹھہرایا ہے جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی۔ اجرت کے سپرد کرنے پر قادر ہونا شرط ہے اور خود اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

۷- کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوشی کے حلال نہیں (الحدیث)۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز ہے: "ومنها (أی من شروط صحة العقد) أن تكون الأجرة معلومةً". عالمگیری: ۳/ ۱۰۹(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

کمیشن پر چندہ

سوال[۸۱۶۰]: ہمارے یہاں مدرسہ کا چندہ ہوتا ہے، اس میں سفراء کمیشن بھی لیتے ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے، اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح معاملہ کرنا کہ جس قدر چندہ لاؤ گے اس میں سے نصف یا ثلث وغیرہ تم کو ملے گا، شرعاً درست نہیں، اس میں اجرت مجہول ہے۔ نیز اجرت ایسی چیز کو قرار دیا گیا ہے جو عملِ اجیر سے حاصل ہونے والی ہے کہ یہ دونوں چیزیں شرعاً مفسدِ اجارہ ہیں:

"وتفسد الإجارة بجهالة المسمى كله وبعضه"(۲)۔ "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه بنصفه، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه". الدر المختار(۳)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/ ۴۱۱، الباب الأول فی تفسير الإجارة، مطلب انواع الإجارة وحكمها وكيفية انعقادها وصفتها، شرائط الإجارة، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار: ۶/ ۵، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا فی بدائع الصنائع: ۵/ ۵۳۹، باب شروط الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدر المختار: ۶/ ۴۸، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۳/ ۵۳۹، باب الإجارة الفاسدة، إمداديه ملتان)

(وكذا فی البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۳۵، النوع الثالث فی الدواب، الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۵۶، سعيد)

کمیشن پر چندہ کرنا

سوال[۸۱۲۱]: ایک دینی مدرسہ میں سفیر مقامی اور بیرونی مقرر ہیں، ان کی تنخواہوں کے سلسلہ میں بہت سی صورتیں پیش آرہی ہیں جس میں اب تک یہ کیا جارہا ہے کہ سفیر کی تنخواہ ماہانہ مقرر کی جاتی ہے اور بیرونی سفیر کو ایامِ سفر میں یومیہ ۴ یا ۵/ روپے سلسلہ خوراکی علاوہ تنخواہ مقرر کردیا جاتا ہے۔ اب چونکہ دوسری صورت میں یہ کہا جارہا ہے کہ بجائے خوراکی بحصہ تنخواہ مقرر کرنے کے یہ مقرر کیا جائے کہ مدرسہ کے چندہ کے سلسلہ میں زکوۃ، فطرہ، چرمِ قربانی، نذر، ایصالِ ثواب وغیرہ کی رقم کو بعینہٖ مدرسہ میں داخل کردی جائے اور ان کے علاوہ وصول شدہ رقم مثلاً: عطیہ، چندہ، مٹھی فنڈ، گولک فنڈ، میں سفر خرچ جیسے سواری، ریل، بس، رکشہ، سائیکل وغیرہ (جو مدرسہ کے ذمہ رہے گا) کے علاوہ جو رقم بھی چندہ کی رہے، اس میں سفیر کا حصہ تہائی یا نصف یا جو بھی مقرر کیا جائے۔ اس طرح سے سفیر مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سفیر کے لئے اس طرح مقرر کرنا کہ زکوۃ، صدقہ فطرہ، نذر، ایصالِ ثواب کی رقموں کے علاوہ جو کچھ وصول ہو اس میں سے ریل، بس وغیرہ کے خرچ سے جو کچھ بچے اس کا نصف یا تہائی وغیرہ بطورِ تنخواہ دیا جائے گا غلط اور خلافِ شرع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". (الدرالمختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۱۱۴، الباب الأول في تفسير الإجارة، شروط الإجارة، رشيديه)

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل عليه طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزءٍ من عمله، والأصل في ذلك نهيه صلى الله عليه وسلم عن قفير الطحان". (الدرالمختار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۲۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۱۴، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

اصل ملازم کی جگہ دوسرے کو رکھوا کر اس سے کمیشن لینا

سوال[۸۱۶۲]: زید ایک جگہ ملازم ہے وہ رخصت پر جاتا ہے اور اپنی جگہ پر بکر کو ملازم رکھوا دیتا ہے۔ زید بکر کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے، وہ یہ کہ جب تم کو تنخواہ ملے اس میں سے اتنے روپے ماہوار تم مجھ کو دیا کرو اور ساتھ ہی زید بکر کو یہ وصیت کرتا ہے کہ یہ راز کسی پر ظاہر نہ کیا جائے۔ بکر کو یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ اگر اس کو معاہدہ کے مطابق ماہوار روپیہ نہ دوں گا تو یہ بجائے میرے کسی اَور کو نوکر رکھوا دے گا جو اس کو کچھ ماہوار دیا کرے، یہ مقررہ رقم بکر دیتا رہتا ہے تا کہ نوکری بحال رہے۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱......کیا زید کو ایسا معاہدہ بکر کے ساتھ کرنا جائز ہے؟

۲......کیا بکر زید سے یہ روپیہ واپس لے سکتا ہے جبکہ زید واپس کرنے کے لئے رضامند ہو جائے۔

۳......بکر جبکہ بوقتِ معاہدہ کچھ رقم ماہوار ادا کے لئے راضی ہو گیا تھا اور ادا کرتا رہا، اب یہ روپیہ واپس لینا بکر کو جائز ہے؟

۴......بکر اس معاہدہ کو پورا کرتا رہا، مگر دل اس کا بہت دکھتا تھا کہ کام میں کرتا ہوں اور زید کو خواہ مخواہ تنخواہ میں سے رقم دیتا ہوں، اب زید رقم واپس دینے کے لئے تیار ہے۔ کیا بکر واپس لے سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......زید کا بکر سے یہ معاہدہ خلافِ شرع ہے(۱)۔

۲......لے سکتا ہے۔

۳......جائز ہے۔

---

(۱) "و إذا شرط عمله بنفسه بأن يقول له: اعمل بنفسك أو بيدك، لا يستعمل غيره؛ لأن المعقود عليه العمل من محل معين، فلا يقوم غيره مقامه". (الدرالمختار: ۱۸/۲، کتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۳۰۶/۱، (رقم الماده: ۵۷۱)، كتاب الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۵/۶، ۳۶، باب ضمان الأجير، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

۴...... لے سکتا ہے(۱)۔ یہ اس وقت ہے جب یہ رقم محض رشوت کے طور پر ہو، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔ اگر ٹھیکہ کے طور پر ہو کہ زید خواہ مخواہ کام کرے خواہ دوسرے سے کرائے تو اصل اجرت کا زید مستحق ہے، پھر وہ بکر کو جو کچھ طے کر کے دیدے، بقیہ خود رکھے تو یہ درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۵/۱۰/۶۱ھ۔

نوٹ پر کمیشن

سوال[۸۱۶۳]: بعض حاجی دوسرے حاجی کو اپنے مُلک کا نوٹ دے کر یہ کہتے ہیں کہ میرے نوٹ کو حج والے نوٹ سے بدل کرا پنے ساتھ سعودی عربیہ لیتے چلو، وہاں تم مجھ کو دے دینا اور میں تم کو اس کے عوض اتنا کمیشن دوں گا۔ کیا یہ درست ہے، اگر نہیں تو جواز کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ بھی درست نہیں، اپنے نوٹ جس قدر قانون کی اجازت ہے بس وہی لے جائے، اس سے زیادہ کمیشن دے کر نہ لے جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "ولوقضى حاجته بلا شرط و لا طمع، فأهدى إليه بعد ذلك، فهو حلالٌ لابأس به". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية : ۵/۳۶۲، سعيد)

(۲) "قال في البحر: وحاصل ما في القنية أن النائب لا يستحق شيئاً من الوقف؛ لأن الاستحقاق بالتقرير، ولم يوجد، ويستحق الأصيل الكلَّ إن عمل أكثر السَّنة، وسكت عما يعيّنه الأصيل للنائب كل شهرٍ في مقابلة عمله، والظاهر أنه يستحقه؛ لأنها إجارة، و قد وفىٰ العمل بناءً على قول المتأخرين المفتي به من جواز الاستيجار على الإمامة و التدريس و تعليم القرآن". (ردالمحتار: ۴/۴۲۰، كتاب الوقف، مطلب في الاستنابة في الوظائف، سعيد)

"لو أطلق العقد حين الاستيجار، فللأجير أن يستعمل غيره؛ لأن العمل المعقود عليه لا يتعلق بذات الأجير، بل بذمته، فيمكنه إيفاء العمل بنفسه أو بالاستعانة بغيره". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۰۷، (رقم المادة: ۵۷۲)، الفصل الرابع في إجارة الأدمي، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) حکومتی قوانین جب کہ شریعت کے حدود میں ہوں تو ان کی پاسداری ضروری اور مخالفت ناجائز ہے: =

حررہ العبد محمود گنگوہی۔



= قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾. (سورة النساء: ۵۹)

"فقال عرباض: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصبح ذات يوم، ثم أقبل علينا، فوعظنا موعظةً بليغةً ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، فقال قائل: يارسول الله! كأن هذه موعظة مودع، فماذا تعهد إلينا؟ فقال: "أوصيكم بتقوىٰ الله والسمع والطاعة وإن كان عبداً حبشياً". (مسند أحمد بن حنبل، (رقم الحديث: ۱٦٦۹۵): ۵/۱۱۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"(ومن دعاه الإمام إلى ذلك): أى قتالهم (افترض عليه إجابته)؛ لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض فكيف فيما هو طاعة، بدائع". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲٦۴، سعيد)

بابٌ فی فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

کرایہ دار کے مرنے سے عقد اجارہ کا فسخ ہونا

سوال[۸۱۶۴]: السلام علیکم! کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

بکر کے بزرگان ایک اراضی کرایہ چار آنہ لیکر اپنے لئے مکان رہائش تیار کرتے ہیں جس کو عرصہ تخمیناً چند سالہ ہو جاتا ہے، آج کل وہی زمین قیمتی ہوگئی ہے، مالکان موجودہ یہ خواہش کرتے ہیں کہ بکر زمین کو چھوڑ دے، یا چار آنہ سے زیادہ سالانہ کرایہ مقرر کرے، مگر بکر نہ زمین چھوڑتا ہے نہ کرایہ بڑھاتا ہے، بلکہ یہی کہتا ہے کہ میرے بزرگوں سے طے ہو چکا ہے اسی کرایہ پر قابض رہوں گا۔ بلکہ بعض سال اس کرایہ کو بھی ادا نہیں کرتا اور خلافِ مرضیٔ مالکان بلا دریافت زمین، مکان کو پختہ بکر نے بنالیا ہے اور بکر ایک مسجد کا امام بھی ہے۔

۱......کیا بکر بصورتِ مندرجہ غاصب ہے؟

۲......اگر غاصب ہے تو کیا بکر کے پیچھے نماز جائز ہے؟ فقط۔

۱۹/نومبر/۱۹۳۵ء۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بکر کے بزرگوں نے وہ زمین اگر کرایہ پر باقاعدہ لی تھی اس طرح پر کہ اصل مالک سے کرایہ اور مدتِ کرایہ داری طے کرلیا تھا تب تو یہ اجارہ صحیحہ تھا(۱)۔ اور عقدِ اجارہ مالک یا کرایہ دار کے مرنے سے فسخ ہو

---

(۱) "و منها بيان المدة فى الدُّور والمنازل والحوانيت". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۱، كتاب الإجارة، الباب الأول، شرائط الإجارة، رشيديه)

"و شرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضى إلى المنازعة". (الدرالمختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد) .... =

جاتا ہے، پس اگر اصل کرایہ کا معاملہ کرنے والا مر چکا ہے تو یہ معاملہ فسخ ہوگیا، اب ازسرنو بکر سے یا جس سے دل چاہے معاملہ کرنا چاہیے، جس کرایہ پر بھی فریقین رضامند ہوں معاملہ کرلیا جائے، پہلے معاملہ کا اب کوئی اعتبار نہیں۔

اور جو مکان بکر نے بنایا ہے وہ بکر کا ہے، اس کو اختیار ہے خواہ گرا کر اس کا سامان اٹھالے، خواہ مالک کے ہاتھ فروخت کردے۔ اور مالک اگر خریدنا چاہے تو اس کی قیمت دے دے اور قیمت گرے ہوئے مکان یعنی اینٹ وغیرہ کی معتبر ہوگی قائم اور تعمیر شدہ مکان کی قیمت معتبر نہ ہوگی۔ اور جو بکر ہی اصل مالک سے وہ زمین ازسر نو کرایہ پر لے تو مکان کو گرانے کی ضرورت نہیں:

"وتنفسخ (أي الإجارة) بلا حاجة إلى الفسخ بموت أحد العاقدين" درمختار (۱)۔

"وتصح إجارة أرض للبناء والغرس، فإن مضت المدة، قلعهما وسلمهما فارغةً يعدم نهايتهما، إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أي البناء والغرس مقلوعاً، الخ". درمختار مختصراً: ۱۹/۵ (۲)۔

اور اگر بکر کے بزرگوں نے کوئی مدت کرایہ داری کی متعین نہیں کی تھی تو یہ اجارہ فاسدہ تھا جس کا فسخ کرنا واجب ہے:

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۷۹/۶، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وتنفسخ بموت أحد العاقدين عندنا .... عقدها لنفسه". (الدرالمختار: ۸۳/۶، باب فسخ الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۵۷/۶، باب فسخ الإجارة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۸/۱۶، باب انتقاض الإجارة، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "أو يتملّكه، فأفاد أنه لا يلزم القلع لو رضي المؤجر بدفع القيمة، أو يرضىٰ المؤجر بتركه، فيكون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا". (الدرالمختار: ۳۰/۶، باب ما يجوز من الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۲۹/۴، الباب الثامن، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷۹/۶، كتاب الإجارة، دارالكتب العلميه بيروت)

"أفاد أن ركنها الإيجاب والقبول، وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة. ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدةً كذا". درمختار: ۵/۲(۱).

اگر بکر تائب ہوکر اس معاملہ کو شریعت کے موافق کرے تو خیر، ورنہ کسی دوسرے شخص کو (جو کہ امامت کا اہل بھی ہو) امام بنالیا جائے۔

بکر کے بزرگوں سے جو معاملہ کرائے کا ہوا تھا، اس کی مفصل کیفیت اور شرائط معلوم کرنے کے بعد کوئی صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے، ظاہرِ سوال کے موافق جواب صحیح ہے۔

البتہ یہ امر قابلِ اضافہ ہے کہ مرنے کی وجہ سے اصل قاعدہ کے موافق اجارہ بے شک فسخ ہوجاتا ہے، لیکن اگر ورثۂ طرفین اس پر عمل درآمد رکھیں تو اثر فسخ کا ظاہر نہیں ہوگا، اجارہ صحیح رہے گا:

" وينبغي أن لايظهر الانفساخ خصوصاً مالم يطالب الوارث بالتفريغ أو بالتزام بأجر اخر". درمختار(۲)۔

ہاں! اگر ورثۂ طرفین میں سے کوئی شخص اگر اس کو باقی رکھنا نہ چاہے تو فسخ ہوجائے گا۔ اور امامت ایسے شخص کی مکروہ تحریمی ہے، اگر اس سے بہتر دوسرا شخص موجود ہو بشرطیکہ وہ شخص بھی اس سوال کی تصدیق کرتا ہو(۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

سعید احمد غفرلہ، دارالِافتاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ رمضان/ ۵۴ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۵/۶، سعيد)

(۲) (الدرالمختار: ۸۵/۶، باب فسخ الإجارة، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۵۶/۲، باب انتقاض الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۶۳/۴، باب فسخ الإجارة، رشيديه)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "و يكره إمامة عبد و أعرابي و فاسق وأعمى". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "و أما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم =

ایضاً

سوال[۸۱۶۵]: ایک عرصہ کے بعد استفتا پہونچا جس کا نمبر۱۴، ۱۷۷ اہے اور فتویٰ نمبر ۷۹۹ ہے دریافت طلب جواب میں استفتا حسب ذیل ہے اس کا جواب بیان فرمایئے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر خیر عطا فرمائے گا۔

صورت سوال: بکر کے بزرگوں نے اپنی رہائش گاہ کے لئے زمین سفید بغرض بنانے مکانِ رہائش خود مالکانِ زمین سے بلا تقرر میعاد ایک قلیل رقم رعیتانہ ۴/ یا ۸/ سالانہ پر زمین حاصل کی (۱) اور اس پر مکان خام تیار کیا، معلوم ہوا ہے کہ اس زمین کو حاصل کرنے والا بکر مذکور کا دادا، پردادا تھا، آج تک بکر اور اس کے بزرگان اس میں آباد رہے۔ علاوہ زرِ رعیتانہ چار آنہ یا آٹھ آنہ سالانہ کے بکر کے بزرگان کو بحیثیت رعایا حسب رواجِ قدیم ساڑھوہ کچھ حسبِ ضرورتِ مالک کا بیگار بھی دینا پڑتی تھی (۲) مثلاً: گاڑی اناج، گاڑی گھاس وغیرہ آنے پر اس کا اتروانا بوقتِ ضرورت پلنگ (۳) وغیرہ مالکان کو دینا وغیرہ جس کا اب مالک بھی نہیں لے سکتا، نہ اس کی ادائیگی کی جاسکتی ہے۔

اس مورثِ اعلیٰ بکر کے بعد کہ جس نے زمین سفید حاصل کی تھی مالکان یا جانشینِ مالکان سے کوئی تجدیدِ معاہدہ نہیں ہوا۔ بکر ایک مسجد کا امام ہے، عرصہ تین سال سے بکر کو کہا جارہا ہے باضابطہ بحقِ مالکان کرایہ نامہ اسی کرایہ پر چار آنہ یا آٹھ آنہ سالانہ کا لکھا دیوے، یا جو بکر مناسب تجویز کرے قیمت دیدے اور بیعنامہ اپنے نام کرا ئے مگر بکر دونوں باتوں سے انکاری ہے، کرایہ نامہ باضابطہ تو اس لئے نہیں تحریر کرواتا کہ مالک قانوناً بعد ادائیگی

= لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۵٦۰، باب الإمامة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة: ۱/۸۵، الباب الخامس في الإمارة، الفصل الثالث في من يصلح إماماً لغيره، رشيديه)

(۱) "رعیتانہ: اسامی، کرایہ داری"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۱۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "بیگار: اجرت کے بغیر کام لینا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۷، فیروز سنز لاہور)

(۳) "پلنگ۔ بڑی چارپائی، مسہری، کھاٹ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۲، فیروز سنز لاہور)

زرِلاگت بکر سے خالی کرالیوے گا، بکر کو خواہ مخواہ مکان مذکورہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اور قیمت دے کر اس لیے نہیں خریدتا کہ یہ قیمت دینا مفت میں ہے، کیونکہ بکر مذکور کو زمینِ مذکورہ پر جو آسائش آج حاصل ہے وہی کل قیمت دے کر اور بیعنامہ کرا کے حاصل رہے گی۔

عرصہ تقریباً دو یا تین سال کا ہوا کہ بکر نے بلا اجازت و دریافتِ مالکان کے ایک دیوار پختہ بنائی جس سے مالکان نے اظہارِ ناراضگی کیا، مگر بکر نے مالکان کی کوئی تسلی نہیں کی، اگر کہتا ہے تو یہی کہ تم زمین سفید کے مالک ہو، ہم مالک نہیں بنتے، کرایہ لیتے رہو جو بزرگوں سے چلا آتا ہے، تمہیں مکان میں سے نکالنے کا اختیار نہیں ہے، ہمیں فروخت کرنے کا اختیار نہیں۔

فتویٰ طلب امر یہ ہے کہ اندریں حالاتِ مندرجہ بالا بکر مذکورہ کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، مکروہ تنزیہی ہے یا حرام ہے؟ اگر حرام ہے تو باوجود بہتر امام ملنے کے جو مقتدی اسی کو امام رکھیں وہ کس حکم میں ہیں؟ شرعی جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں۔

نیز یہ بھی تحریر فرماویں کہ بکر مذکورہ کی امامت کس صورت سے جائز ہوسکتی ہے اور جو شخص اللہ ورسول کے حکم کے مطابق فتویٰ دیکھ کر اس پر عمل نہ کرے، یا انکار کردیوے کس حکم میں ہے؟ اگر قیمتِ ملبۂ مکان بکر کو مالکانِ زمین ادا کرنا چاہیں تو کس کس چیز کی قیمت ازروئے شریعت محمدیہ ادا کرنی پڑے گی؟

۱۶/ رمضان/۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ اجارہ فاسدہ ہے، کیونکہ اس میں مدت کا تقرر نہیں کیا گیا اور صحت اجارہ کے لئے مدت کا بیان کرنا شرط ہے: "ومنها بيان المدة في الدور والمنازل والحوانيت". عالمگیری: ۱۰۸۹/۳ (۱)۔

"سُئل عمن قال لآخر: اجرتُك هذه الدار بحدودها وحقوقها بكذا درهماً موصوفاً بصفته كذا، إلى عشرة أشهر كذا، من سنة كذا، على أن تسكنها إن شئتَ، وذكر شرائط

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۱۱، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها وألفاظها وشرائطها، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

الصحة: هل نصح هذه الإجارة؟ فقال: لا؛ لأنه لم يبيّن أول المدة، فكانت مجهولةً، فلابد من أن يقول: من وقت كذا، أومن هذه الساعة إلىٰ وقت كذا، لتصير المدة معلومةً". كذا في فتاوى النسفي". عالمگیری :٣/١١٢٤(١)۔

اوراجارۂ فاسدہ کا فسخ کرنا واجب ہے،لہٰذا فریقین کوضروری ہے کہ اس اجارہ کوفسخ کریں (٢)۔اور مالک کواختیار ہے کہ خواہ بکرکوکرایہ پردے یاکسی اَورکو۔البتہ جومکان بکر نے بنایاہے وہ بکر کا ہے،اگر بکرکوزمین کرایہ پردی جائے تو کچھ اَورکرنے کی ضرورت نہیں،صرف فریقین کرایہ اورمدتِ کرایہ کواز سرنومتعین کرلیں۔

اگرکسی اَورکوکرایہ پردی جائے تو بکرکوچاہیے کہ اپنامکان گراکراس کاملبہ اٹھالے،یامالکِ زمین کے ہاتھ فروخت کردے اوران سے ملبہ کی قیمت لے لے۔اگر مالکان خریدناچاہیں تو زمین کے علاوہ (کیونکہ وہ زمین تومالکان ہی کی ہے)اس ملبہ کی قیمت دےدیں۔جوجوچیز مکان میں :اینٹ،لکڑی،تختہ،کواڑوغیرہ کارنے لگائی ہےاس کی قیمت بکرکودی جائے (٣)۔

اگر مسئلہ معلوم ہونے کہ بعدبھی بکراس معاملہ کوشریعت کے موافق نہ کرے اوراپنی ضد سےتوبہ نہ

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٤٣٩، ٤٤٠، ما يجوز من الإجارة و ما لا يجوز، رشيديه)

"و يعلم النفع ببيان المدة كالسكنى و الزراعة مدةً كذا أىّ مدة كانت". (الدرالمختار: ٦/٦، كتاب الإجارة، سعيد)

(٢) "لكل من المتعاقدين فسخُ البيع الفاسد .... و كذا لو استأجر إجارةً فاسدةً ودفع الأجرة، أو ارتهن رهناً فاسداً و دفع المال إلى الراهن، ثم فسخ العقد، كان له أن يحبس المأجور أو الرهن حتى يقبض ما دفع" (شرح المجلة لسليم رستم: ١/٢٠٨، ٢١١، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(٣) قال العلامة الحصكفى: "و تصح إجارة أرض للبناء والغرس، فإن مضت المدة، قلعهما وسلّمها فارغةً، إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أى البناء والغرس مقلوعاً بأن تقوم الأرض بهما وبدونهما، فيضمن ما بينهما اختيار ويتملكه .... فأفاد أنه لا يلزمه القلع لو رضى المؤجر بدفع القيمة .... أو يرضى المؤجر بتركه......... فيكون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا". (الدرالمختار: ٦/٣٠، باب ما يجوز من الإجارة و ما يكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٤٢٩، ٤٣٠، الباب الثامن، كتاب الإجارة، رشيديه)

کرے تو بکر کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، دوسرا اہل امام موجود ہوتے ہوئے جو لوگ بکر کو امام بنائیں گے تو گناہگار ہوں گے۔ اگر بکر اس معاملہ کو شریعت کے موافق کرلے تو اس کی امامت درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۹/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ رمضان/ ۵۴ھ۔

اصل مالک کے انتقال کے بعد کیا وارث کو اس کے معاہدہ کی پابندی ضروری ہے؟

سوال[۸۱۶۶]: زید نے عمر سے ایک مکان دو منزلہ عرصہ تیس سال سے کرایہ پر لے رکھا ہے، شرائط کرایہ داری یہ ہیں:

مبلغ چار روپیہ ماہانہ- جس کا سالانہ کرایہ مبلغ اڑتالیس روپیہ ہوتا ہے- زید سے عمر وصول کرتے رہیں۔ کرایہ داری استمراری رہے گی اور عمر زید سے کبھی کوئی کرایہ نہ خود بڑھائے گا اور نہ اس کا پیش رو وارث قائم مقام بڑھائے گا۔

بعدہ عمر کا انتقال ہوگیا، اس کے بیٹے نے دو روپے ماہوار لڑ کر استحصال بالجبر کیا اور اس کے بعد بھی ان کی یہ ہوس پوری نہ ہوئی، پھر دوبارہ چار روپیہ بڑھا کر دس روپیہ ماہوار بالجبر وصول کیا۔ اس طرح انہوں نے اپنے والد صاحب کے کہے ہوئے وعدے کو پس پشت ڈالا اور اس کے خلاف کیا۔ اور دوسری دغا یہ کی کہ منزل بالا کی بیگانہ رسید قطع کرنی شروع کردی، یہ استحصال بالجبر کے قانونی جواز کی صورت نکالنے کے لئے ایسا کیا، حالانکہ میرے پاس دو منزلہ مکان چار روپیہ ماہوار پر ہے۔ جب کہ معاہدہ عمر مذکورہ بالا ان کے باپ کی طرف سے استمراری کرایہ پر تھی۔

۱...... کیا عمر کے بیٹے کو زید سے چار روپیہ ماہوار کرایہ کی بجائے اپنے باپ کے معاہدہ کے خلاف چھ

---

(۱) قال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالىٰ: "و يكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق وأعمى". (الدرالمختار). "وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وأما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، و بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/ ۵۶۰، باب الإمامة، سعيد)

روپیہ ماہوار لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

٢...... پھر چار روپیہ سے دس روپیہ کر دینا اپنے باپ کے معاہدہ کی خلاف ناجائز طریقہ پر وصول کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

٣...... اپنے باپ کے معاہدہ کے خلاف جو بیٹے نے زید سے زائد رقم بڑھا کر اس کی طرف ٦٧٦/ روپیہ نکال دیا، اس کو شرعاً زید کے بیٹے کو دینا درست ہے یا نہیں؟

٤...... بیٹے کو اپنے باپ مرحوم کے خلاف کرایہ دار سے مکان خالی کرانا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عمر کو اپنی ملک میں تصرف کا پورا اختیار تھا، جس کرایہ پر انہوں نے چاہا دے دیا اور جو معاہدہ چاہا کر لیا، اس کے انتقال کے بعد اس کی ملک ختم ہو کر وارث کی ملک ہوگئی، وارث کو اختیار ہے کہ کرایہ سابق پر سابق کرایہ کو دو روپیہ برقرار رکھیں، یا کسی سے جدید معاملہ کر لے، یا کرایہ سابق پر راضی رہیں، یا اضافہ کریں، والد صاحب کے معاہدے کی پابندی اس کے ذمہ لازم نہیں (١)۔ والد صاحب کے تعلقات کا لحاظ کرنا ان کے لئے بہتر ہے کہ یہ بھی والد مرحوم کے اکرام واحترام میں داخل ہے، لیکن کرایہ وغیرہ کے معاملات میں ان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، مکان کی حیثیت اور گرانی کے پیشِ نظر کرایہ میں مناسب اضافہ کرنا گناہ نہیں ہے (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ١٦/ ٨/ ٩٠ھ۔

---

(١) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "و تنفسخ بموت أحد العاقدين عندنا عَقَدَها لنفسه".
(الدر المختار: ٦/ ٨٣، باب فسخ الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/ ١٥٧، باب فسخ الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ١٦/ ٨، باب انتقاض الإجارة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٢) "وإذا زاد الآجر أو المستأجر في المعقود عليه أو في المعقود به، إن كانت الزيادة مجهولةً، لا تجوز الزيادة، سواء كانت من الآجر أو من المستأجر. وإن كانت معلومةً من الآجر، تجوز، سواء كانت من جنس ما آجر أو من خلاف جنس ما آجر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/ ٤٣٩، كتاب الإجارة، الباب الرابع عشر في تجديد الإجارة والزيادة فيها، رشيديه) .... =

کرایہ دار کے انتقال کے بعد کیا دوسرے کی طرف کرایہ داری منتقل کی جاسکتی ہے؟

سوال[۸۱٦۷]: میرے شوہر نے ایک دکان مسجد کے قریب ۲۲/ سال قبل پانچ روپیہ ماہوار کرایہ پر لی تھی اور اس میں اپنا کاروبار کرتے تھے اور کرایہ ماہ بماہ ادا کرتے تھے۔ اب ۳/ مارچ/ ۱۹۷۳ء کو ان کا انتقال ہوگیا، انھوں نے چار بچے چھوڑے جو کہ سات برس سے سب کم ہی کم ہیں اور ایک میں خود اور میری ساس۔ ان کے انتقال کے بعد متولی صاحب نے کرایہ لینے سے انکار کردیا اور کہتے ہیں کہ دوکان خالی کر، ایک طرف دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ روپے لے کر مجھے دوکان کا قبضہ دے دو۔ اب معلوم کرنا یہ چاہتے ہیں کہ دوکان پر کرایہ لے کر قبضہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ رقم ہمارے لیے جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو حق نہیں کہ روپے لے کر کسی کو دوکان پر قبضہ دیں، بلکہ متولی کے کہنے کے موافق خالی کردیں، وہ جس کو چاہیں گے کرایہ پر دیں گے اور جو کرایہ مسجد کے لئے مناسب ہوگا مقرر کرلیں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/٦/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/٦/۲۹ھ۔

مکان یا دکان کو کرایہ دار سے خالی کرانا

سوال[۸۱٦۸]: آیا کرایہ دار مکان یا دوکان سے زائد کرایہ شرعاً وصول کیا جاسکتا ہے، یا مکان اور

= (وكذا في الدرالمختار: ٦/٢١، ٢٢، كتاب الإجارة، سعيد)

(١) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "آجر داره كل شهر بكذا، فلكلٍ الفسخُ عند تمام الشهر".

(الدرالمختار: ٦/٤٥، كتاب الإجارة، سعيد)

"وإن كان استأجرها كل شهر، فلكل واحد منهما أن ينقض الإجارة عند رأس الشهر".

(المبسوط للسرخسي: ١٥/١٤٦، باب إجارة الدور والبيوت، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/١١٢، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٤٠٩، كتاب الإجارة، رشيديه)

دکان کرایہ دار سے خالی کرائی جاسکتی ہے؟ کیونکہ آج کل قانون سرکار ہے کہ نہ دکان نہ مکان خالی کرایا جاسکتا ہے اورنہ کرایہ میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ اگر مسلمان کرایہ دار کرایہ نہ بڑھائے اور نہ خالی کرے تو عنداللہ ماخوذ ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دکان ومکان کے مالک کواختیار ہے کہ جتنی مدت کے لئے کرایہ کا معاملہ کیا گیا تھا، اس کے گزر جانے پر کرایہ دار سے خالی کرالے، یہ بھی اختیار ہے کہ زائد کرایہ کا معاملہ کرے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

کرایہ کا مکان خالی کرنا

سوال [۸۱۶۹]: میں تقریباً ساڑھے چار برس سے ایک کرایہ کے مکان میں ۳۵/ روپے ماہوار پر رہتا ہوں۔ آج سے تین سال قبل معلوم ہوا کہ مکان مذکورہ فروخت ہونے والا ہے، چنانچہ میں نے اپنے لئے ایک دوسرے مکان کا بندوبست کرلیا اور جانے کا ارادہ کرلیا، مالکِ مکان نے ضمانت دی کہ آپ پڑے رہیں، آپ کونہیں نکالا جائے گا۔ ادھر پھر مکان مالک نے اس کوفروخت کرنے کی بات چیت شروع کی۔ میں نے خود مکان کو لینے کا ارادہ ظاہر کیا اور مالک مکان سے گفتگو کی اور مبلغ دس ہزار روپے میں بات چیت طے ہوگئی۔ وہ فوری طور پر روپیہ چاہتے تھے، میرے پاس ہفتہ عشرہ میں انتظام نہ ہوسکا، دوتین ماہ کی مہلت چاہی۔ مالک مکان نے اپنی ضرورت ظاہر کی تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ آپ مالک ہیں جو چاہیں کریں۔

اس درمیان میں انہوں نے ایک تیسرے آدمی سے گفتگو کر کے نو ہزار تین سو روپے میں فروخت کردیا۔ فروخت کرنے سے دوروز قبل مالک میرے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک تیسرے آدمی کوفروخت کررہا ہوں، آپ

---

(۱) "ثم إذا تمّ الشهر، كان لكل واحد منهما نقض الإجارة، لانتهاء العقد الصحيح، بشرط أن يكون الآخر حاضراً". (تبيين الحقائق: ۶/۱۱۲، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۴۶، باب إجارة الدور والبيوت، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۹، كتاب الإجارة، رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "آجر داره كل شهر بكذا، فلكلٍ الفسخُ عند تمام الشهر". (الدرالمختار: ۶/۴۵، كتاب الإجارة، سعيد)

چاہیں تو خود لے سکتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے نو ہزار تین سو روپے میں بات طے کی ہے جب کہ مجھ کو دس ہزار میں دے رہے تھے، بہر کیف میرے پاس نقد روپیہ فوری طور پر نہیں ہیں، چنانچہ میں نے ایک تیسرے آدمی کو تیار کیا اور انہوں نے جا کر مالک مکان کے بہنوئی - جو بظاہر ان کے کار پرداز تھے ان- سے براہِ راست گفتگو آٹھ ہزار چھ سو میں طے کر لی۔ ادھر مالک وغیرہ نے فریب دے کر نو ہزار تین سو روپے میں ایک طوائف کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

مکان فروخت ہونے سے ایک روز قبل میں نے مالک سے کہا کہ آپ کو جتنا روپیہ دوسرے سے مل رہا ہے میں انہیں حضرات سے آٹھ ہزار سوا چھ سو میں بات طے ہوئی ہے دلوا دوں گا، آپ کسی غیر کو نہ دیں، لیکن انہوں نے خاموشی سے طوائف کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ میں نے مالک سے ہمیشہ یہ کہا کہ آپ کا مکان خالی کر دوں گا، سہولت سے کہیں پر انتظام ہو جائے۔ اب طوائف کا اصرار ہے کہ مکان جلد خالی کر دو۔ مالک مکان فروخت کر کے پاکستان چلے گئے، میں جس محلّہ میں ہوں وہاں سے ایک دو فرلانگ پر طوائف آباد ہیں۔

میرا محلّہ پاک صاف ہے، میں اپنے محلّہ کی مسجد میں بغیر تنخواہ کے امام ہوں، محلے کے سارے لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ مکان خالی نہ کریں، اس محلّہ میں بھی اگر طوائف آباد ہو گئیں تو سب کی عزت ختم ہو جائے گی۔ اور محلّہ کی مسجد بالکل ویران ہو جائے گی۔ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے محلّہ کے لوگوں کو دین کی طرف ابھارا ہے اور بہت سے لوگ نمازی ہو چکے ہیں، تبلیغی جماعت اور تفاسیر سے بھی لوگوں کو بعد نماز عرصہ دراز سے روشناس کراتا ہوں۔

نیز یہ کہ وہ مالک مکان کے خالہ زاد بھائی کا مکان ہے۔ وہ مکان اور جائیداد خالہ زاد بھائی کے نام وقف علی الاولاد ہے۔ خالہ زاد بھائی نے مالک مکان کی والدہ یعنی اپنی بیوہ خالہ کو بسانے کی غرض سے اپنے مکان کا تھوڑا سا حصہ مبلغ دو ہزار روپیہ لے کر دے دیا تھا اور ان کے نام لکھ دیا تھا اور اس خیال سے کہ ہم لوگ ان سے کوئی تنازعہ اٹھا کے نہیں جائیں اور وقف علی الاولاد کا جھگڑا نہیں اٹھے گا۔ بیوہ خالہ کے لڑکے اس مکان میں ایک دن بھی نہ رہے اور جوان ہونے پر فریب دے کر فروخت کر دیا۔

اب پرانے مکان مالک یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ کو دیا تھا، اگر بچوں نے بیچ دیا تو میں تیسرے کو خصوصاً طوائف کو نہیں رہنے دوں گا اور دعویٰ کر کے بیع نامہ منسوخ کرا دوں گا اور روپیہ واپس کر دوں گا۔

اب سوال یہ ہے کہ میں کرایہ دار کی حیثیت سے ہوں، اگر میں چھوڑ دوں تو برائیاں پھیل جائیں گی۔ میرے لئے شرعی حکم کیا ہے، کرایہ دار کی حیثیت سے برقرار رہوں یا خرید سکتا ہوں، یا چھوڑ دوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فروخت کرنے والا اگر مالک مکان نہیں ہے اور جو اصل مالک ہے وہ آپ سے خالی نہیں کراتا تو آپ خالی نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقف کی دوکان میں خنزیر کا گوشت فروخت کرنے سے اس کو خالی کرانا

سوال [۸۱۷۰]: ایک باغ جو قبرستان کے نام وقف ہے اور زید اس کا متولی ہے جس کے دو نمبر ہیں: ایک خسرہ نمبر: ۳۱۸، دوسرا نمبر: ۳۱۹ (۲)۔ نمبر: ۳۱۸ میں قبریں ہیں اور نمبر: ۳۱۹ میں ابھی تک قبریں نہیں بنی ہیں۔ نمبر ۳۱۹ کے ایک کنارے پر چار گز لمبی اور چار گز چوڑی ایک دوکان کرایہ پر دیدی ہے جس میں کرایہ دار خنزیر کے گوشت کی دوکان کرتا ہے درآنحالیکہ باغ شہر سے کافی فاصلہ پر واقع ہے۔

اس باغ کا تقریباً آٹھ سال سے مقدمہ چل رہا ہے اور زید مقدمہ بازی میں کافی مقروض ہو چکا ہے، جس قرض کا سود قریب ایک سو روپے سے زائد بیٹھتا ہے۔ اور چونکہ مذکورہ باغ سے کوئی خاص آمد بھی نہیں ہے،

---

(۱) "الفضولي هو من يتصرف في حق غيره بغير إذن شرعي و كل تصرف صدر منه وله مجيز: أي لهذا التصرف حال وقوعه، انعقد موقوفاً على إجازة من يملك ذلك العقد". (الدر المختار، كتاب البيوع، فصل في الفضولي: ۱۰۶/۵، ۱۰۷، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، كتاب البيوع: ۲۱۲/۱، (رقم المادة: ۳۷۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع، فصل في الفضولي: ۸۵/۳، دار المعرفة بيروت)

(۲) "خسرہ: گاؤں کے کھیتوں کی فہرست جس میں ہر نمبر کے مقابل کھیت کا رقبہ کاشت کار کا نام، قسم زمین اور جنس درج کی جاتی ہے"۔ (فیروز للغات، ص: ۵۹۰، فیروز سنز لاهور)

لہذا زید اس دوکان کے کرایہ سے سودا کرتا ہے اور اپنے نجی خرچ میں ایک پیسہ تک خرچ نہیں کرتا۔ سوال طلب بات یہ ہے کہ کیا زید اس دوکان کو بدستور رکھے ہوئے سودا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر زید اس دوکان کو ختم کرتا ہے تو بہت مشقت میں پڑ جائے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب دوکان کرایہ پر دی ہے اور یہ شرط نہیں کی کہ اس میں خنزیر کا گوشت فروخت کیا جائے، پھر کرایہ دار جو بھی فروخت کرے وہ خود اس کا اپنا عمل ہے(۱)، نیز غیر مسلم کو اس سے روکا بھی نہیں جاسکتا ہے کیونکہ اس کے مذہب میں خنزیر کے گوشت کی خرید وفروخت صحیح ہے(۲)، اس لئے متولی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ اس کو خالی کرائے، خاص کر ایسی حالت میں کہ کوئی دوسرا کرایہ دار بھی شہر سے باہر میسر نہیں آتا، اور اس کی آمدنی مقدمہ وقف میں خرچ بھی ہورہی ہے، ان حالات میں مجبوراً اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۹۲ھ۔

قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں مقروض کا سامان اٹھا کر بطورِ کرایہ استعمال کرنا

سوال[۸۱۷۱]: ایک شخص نے اپنے بھائی کو کھڈی کے لئے روپیہ قرض دیا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة، لا بغيرها على الأصح ... . وخص سواد الكوفة؛ لأن غالب أهلها أهل الذمة، ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، هذا عنده أيضاً؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، إنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه .... والدليل عليه أنه لو آجره للسكنى، جاز". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۹۲/۶، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۴۳/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "وإذا استأجر ذمي ذمياً لينقل الخمر .... جاز عندهم؛ لأن الخمر عندهم كالخل عندنا، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۹/۴، كتاب الإجارة، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

"لأن الخمر والخنزير مال متقوم في حقهم بمنزلة الشاة والبعير في حقنا". (المبسوط للسرخسي: ۴۳/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

دیتا رہے گا، لیکن چار ماہ بعد جب قرض ادا نہ ہوا تو وہ کھڈی (۱) اٹھا کر لئے گئے، دو چار مہینہ کا کرایہ بھی ان سے وصول کیا۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اپنا قرض دیا ہوا روپیہ وصول کرنے کا حق ہے، اس سے زائد وصول کرنا جائز نہیں، وہ سود ہے، خواہ کسی نام سے ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔



(۱) ''کھڈی: قدمچہ، اینٹوں یا پتھروں کا وہ چولہا سا جس پر بیٹھ کر پاخانہ پھرتے ہیں۔ جولاہوں کے کام کرنے کا گڑھا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۵۷، فیروز سنز لاهور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ الاية. (سورة البقرة: ۱۸۸)

"كل قرض جرّ منفعةً فهو رباً". (رقم الحديث: ٦٣٣٦). (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، مكتبه نزار مصطفى الباز الرياض)

"كل قرض جرّ نفعاً حرام". (الدر المختار: ١٦٦/٥، فصل فى القرض، مطلب فى كل قرض جر نفعاً، سعيد)



دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی